

مسنون نماز

از مؤلف

جوشح الحدیث حافظ ثناء اللہ صاحب مدنی۔ رحمہ اللہ کی بہترین تقریظ کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر عنقریب منظر عام پر آرہی ہے۔ جس کے بارے میں ایک ہندوستانی عالم (فاضل مدینہ یونیورسٹی) نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

یہ کتاب!!

* صحیح اور حسن احادیث کی روشنی میں موضوع نماز پر ایک اچھوتے اور منفرد انداز کی تصنیف

* مختصر مگر جامع اور مدلل

* مذہبی تعصب اور مسلکی عناد سے بالکل پاک

* احادیث رسول۔ ﷺ کے درہائے گرانمایہ اور لعلمائے تابدار سے مزین ایک حسین مرقع

* مہمان مصطفیٰ۔ ﷺ کے لیے ایک بہترین رہنما

* متبعین سنت نبویہ کے لیے ایک بے مثال تحفہ

* طالبان حق کے لیے ایک بہترین رہنما

* عام فہم انداز، واضح اسلوب اور سنجیدہ تحریر

سے پڑھیے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کیجئے اور یہ یاد رکھیے کہ۔۔۔!!

وزر محشر جاں گداز بود

احناف کی چند کتب

پر ایک نظر

احناف کی چند کتب

پر ایک نظر

مع رسالہ

(فرض نماز کے بعد دعائے جماعی اور اہل حدیث کا مسئلہ اعتدال از ابو سعید سلفی) کی حقیقت

از قلم

عبداللہ شرف بن عبدالجنان بن حکیم محمد علی سندھو

فاضل مدینہ یونیورسٹی

عبداللہ شرف بن عبدالجنان بن حکیم محمد علی سندھو

از قلم



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

*** توجہ فرمائیں! ***

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

*** تنبیہ ***

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

إِنْ فِي ذَلِكَ لَزِكْرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ [ق: ٣٤]

أحناف کی چند کتب

پیرایک نظر

☆ (فرض نمازوں کے بعد دعائے جماعت اور اہل حدیث کا مسکن اعتدال از ابو سعید سلفی) کی حقیقت

☆ غیر مقلد بنام غیر مقلد (تالیف محمد یوسف)

☆ حکیم محمد صادق سیالکوٹیؒ کی کتاب صلوٰۃ الرسول ﷺ کے بارے میں (تالیف محمد ابو بکر غازی پوری)

از قلم

عَدْلًا رُفَّ بْنَ عَبْدِ الْجَنَانِ بْنِ حَكِيمٍ مُحَمَّدٍ الشَّافِعِيِّ سَعْدُ هُوَ

فاضل مدینہ یونیورسٹی



حَٰذَا الْاِسْلَامُ اَشْرَفُ شَيْءٍ هُوَ بَلَوُكُمْ قِصُوْهُ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

ناشر _____ دارالاشاعت اشرفیہ سندھو قصور

طابع _____ موٹروے پرنٹنگ پریس

اشاعت _____ اگست 2008ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ ، نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ ، وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾
 ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ يُضْلِلْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ و بعد:

کتاب ”صلوة الرسول ﷺ“ کے محقق ایڈیشن ۞ کو اللہ عزوجل نے شرف قبولیت سے نوازا، علمی حلقوں میں اس کو بنظر استحسان دیکھا گیا تعصب و جمود سے بالاتر حضرات نے اسے بہت پسند کیا۔

پاک و ہند کے اخبارات نے اس پر انتہائی حوصلہ افزاء تبصرے کیے اور علمائے کرام نے گرانقدر تقاریظ لکھیں۔ جزاہم اللہ عنی خیر الجزاء۔

ان میں سے بعض تبصروں اور تقاریظ کے اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

۱۔ یہ کتاب بہترین تعلیقات سے مزین اور پر ہے۔ (شیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ رحمہ اللہ نزل مدینہ منورہ)

ب۔ خاص خوبی یہ ہے کہ موصوف نے کسی قسم کی عصبیت اور بیرونی اثرات کو جگہ دیے بغیر اپنی تحقیق کی بنیاد خالص اور بے لاگ علمی اصولوں پر رکھی ہے اور ہجوم و دفاع کے مناظرانہ اسلوب سے ہٹ کر بے لوث معروضی اسلوب اختیار کیا ہے۔ (مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ، مؤلف الریحق المختوم)

۞ جس کا بعد میں ”القول المقبول فی التخریج والتعلیق علی صلوۃ الرسول ﷺ“ نام رکھا گیا۔ یہاں بڑے تعجب اور افسوس کے ساتھ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ جب یہ تخریج و تلیق ”القول المقبول“ کے نام سے چھپی تو بعض حضرات کو اس پر اعتراض یہ ہوا کہ اس کتاب ”صلوۃ الرسول ﷺ“ کو میں نے مؤلف رحمہ اللہ کی بجائے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے کیونکہ اس پر مصنف ابو عبد السلام عبدالرؤف بن عبد الحنان لکھا ہوا تھا۔ مجھ تک جب یہ بات پہنچی تو مجھے انتہائی تعجب اور افسوس بھی ہوا کیونکہ یہ اعتراض عوام الناس کی طرف سے نہ تھا بلکہ بعض فضلاء کی طرف سے تھا جس پر میں نے کہا کہ ”فتح الباری“ کو حافظ ابن حجر کی کتاب ”عمون المعبود“ کو عظیم آبادی کی اور ”تحفۃ الأحموی“ کو مبارکپوری کی کتاب کہا جاتا ہے تو کیا اس کے معنی یہ ہوئے کہ حافظ ابن حجر نے ”بخاری“ کو عظیم آبادی نے ”سنن أبی داؤد“ کو اور مبارکپوری نے ”جامع ترمذی“ کو اپنی طرف منسوب کر لیا ہے بہر حال یہ اعتراض بہت ہی قابل افسوس تھا۔

ج۔ تخریج اور تعلیق کا انداز سنجیدہ علمی آزادانہ اور محدثانہ ہے اور اس کا اسلوب اس قدر دل نشین ہے کہ اسے شروع کر کے ختم کیے بغیر دل سیر نہیں ہوتا اور اس کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ روایات اور فقہی اختلافات کے سلسلے میں وجوہ ترجیح کا بیان نہایت جامع مگر عام فہم ہوتا ہے۔ (مولانا عزیز زبیدی رحمۃ اللہ علیہ)
ہم انھیں تین شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں مزید تفصیل کے لیے ”القول المقبول“ کا مقدمہ (ص: ۷، ۹ دوسرا ایڈیشن) دیکھا جائے۔

واضح رہے کہ علماء کی یہ تقاریظ اور تبصرے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے بارے میں ہیں جب کہ اس کا دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے کہیں زیادہ مفید ہے۔

جیسا کہ اس محقق کتاب کے پہلے ایڈیشن کے مقدمے میں راقم نے لکھا تھا کہ:
”یہ ایک فطرتی امر ہے کہ کسی کام کے نہ تو سب لوگ موافق اور مؤید ہی ہوتے ہیں اور نہ ہی سب مخالف۔“
بہر حال اللہ - عزوجل - سے مجھے امید واثق ہے کہ علمی حلقوں میں میرے اس کام کو بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ ①

اللہ - عزوجل - کے فضل و کرم سے ایسا ہی ہوا کہ علمی حلقوں میں اسے بنظر استحسان ہی دیکھا گیا۔ ②
اس محقق ایڈیشن کی قبولیت پر دیگر بہت سے شواہد بھی ہیں جن میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

① ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (ص: ۱۹) بعد والے ایڈیشن (۱۸)۔

② مگر ایک صاحب علم جو کہ علمی حلقوں میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں ان کی اس ایڈیشن کے بارے میں بعض باتیں سن کر بڑا تعجب اور افسوس بھی ہوا مگر یہ تعجب اور افسوس اس وقت زائل ہو گیا کہ جب ۱۹۹۸ء رمضان المبارک میں حرم کی میں حافظ شریف صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے موصوف کے بارے میں ایک بڑا حیرت انگیز واقعہ سنایا۔ انھوں نے بتایا کہ جس مدرسہ میں موصوف اب شیخ الحدیث ہیں وہاں میرے ایک شاگرد بھی مدرس ہیں ایک روز موصوف ان کے کمرے میں تشریف لائے تو وہاں ان کو حافظ ابن حجر کی ”تہذیب التہذیب“ دکھائی دی تو ان سے پوچھنے لگے بیٹا یہ کیوں رکھی ہے بیٹے نے عرض کیا کہ میں نسائی پڑھتا ہوں لہذا رواۃ کی تحقیق کے سلسلے میں کبھی مجھے اس کتاب کی ضرورت پیش آتی ہے موصوف فرمانے لگے بیٹا اس کو لاہریری میں جمع کروادو کیونکہ یہ کتابیں فتنہ ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

”تہذیب التہذیب“ فن رجال کی کتاب ہے جس فن کے بارے میں کسی غیر مسلم عالم نے کہا ہے کہ مسلمان اپنے علم حدیث پر جس قدر چاہیں فخر کریں مگر یہ موصوف اس فن کو فتنہ بتلا رہے ہیں یہ کتابیں اگر فتنہ ہیں تو پھر یہ فتنہ امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابو زرعہ، ابو حاتم اور امام بخاری وغیرہ کا پھیلا ہوا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک طرف تو یہ شیخ الحدیث ہیں مگر دوسری طرف وہ شیخ الحدیث بھی ہیں کہ جب ان کو بازار میں کتاب ”صلوۃ الرسول ﷺ“ محقق کا نسخہ دستیاب نہ ہوا تو انھوں نے اپنے بعض طلباء کو ہمارے گاؤں میں نسخہ کے حصول کی خاطر بھیجا یہ ۱۹۹۵ء کا واقعہ ہے غالباً وہ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ کے شیخ الحدیث راشدی صاحب تھے۔

① اس کتاب کا محقق ایڈیشن پہلی مرتبہ جنوری ۱۹۸۹ء میں پاکستان میں شائع ہوا۔ پاکستان میں اس کے شائع ہو جانے کے ٹھیک دو ماہ بعد اپریل ۱۹۸۹ء میں منزہ پبلیکیشنز نے اس کی فوٹو کاپی لے کر اس کو دہلی ہندوستان سے شائع کیا اور اب یہ محقق ایڈیشن مرکزی مکتبہ اہل حدیث صدر بازار منو پوری سے شائع ہو رہا ہے۔

② بعض مدارس کے ناظمین نے اپنے مدارس سے فراغت حاصل کرنے والے طلباء میں اس محقق ایڈیشن کو تقسیم کیا۔ مثال کے طور پر:

ہندوستان میں مدرسہ ریاض العلوم دہلی سے فراغت حاصل کرنے والے طلباء میں اس محقق ایڈیشن کو تقسیم کیا گیا۔ اسی طرح پاکستان میں بھی بعض مدارس میں فارغ التحصیل طلباء میں اس کو تقسیم کیا گیا۔

③ بعض علماء بعض مسائل کی تحقیق یا ان کے بارے میں تفصیل کے لیے اس محقق ایڈیشن کے حوالے دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر۔

۱۔ مولانا عبدالرشید صاحب ناظم ادارہ علوم اسلامیہ جھنگ نے نماز کے بعد اجتماعی دعا پر دیے جانے والے دلائل کی حقیقت کی خاطر اس محقق ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نماز نبوی۔ (ص: ۲۱۱-۲۱۲)۔

بلکہ نماز نبوی کے مولف ڈاکٹر شفیق الرحمن صاحب نے اپنی اس کتاب کی تالیف میں احادیث کی صحت کے سلسلے میں اس ایڈیشن پر بھی اعتماد کیا ہے۔

ب۔ استاد محترم شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ صاحب مدنی نے اپنی کتاب ”جائزۃ الأحوذی فی التعلیقات علی سنن الترمذی“ میں بعض مقامات پر اس ایڈیشن کے حوالے دیے ہیں جیسا کہ انھوں نے خود مجھ سے ذکر کیا۔

④ یہ کتاب زبیر علی صاحب زئی کی تخریج اور دیگر علماء کی نظر ثانی اور تعلیق کے ساتھ دارالسلام سے شائع ہو رہی ہے۔ اس سے قبل یہ کتاب زبیر صاحب کی تخریج کے بغیر مکتبہ النوحید ۴۔ بلال سٹریٹ ملتان روڈ لاہور سے بھی شائع ہوئی جس کے دوسرے ایڈیشن کا ایک نسخہ ڈاکٹر صاحب نے پاکستان کے پتہ پر مجھے بھیجا تھا کہ میں اس کے بارے میں اپنی رائے دوں۔ نسخہ چونکہ پاکستان کے پتہ پر ارسال کیا گیا تھا اور میں ادھر ”امارات“ میں تھا چنانچہ یہ نسخہ کافی دیر بعد مجھے ملا لہذا بروقت اس کے بارے میں اپنی رائے نہ لکھ سکا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس ایڈیشن کے ابتدائیہ میں صحت احادیث کے سلسلے میں جن کتب پر اعتماد کیا تھا ان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا۔ الحمد للہ اس کتاب کی ترتیب میں کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحیحہ سے مدد لی جائے۔ احادیث کی صحت کے لیے علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ اور محترم عبدالرؤف سندھو خراج الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ کی ”تحقیق و تخریج صلوٰۃ الرسول“ پر اعتماد کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو۔ (ص: ۹)۔

مگر جب یہی کتاب دارالسلام سے زبیر صاحب کی تخریج سے شائع ہوئی تو اس سے شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام غائب ہو گیا۔ ملاحظہ ہو۔ (ص: ۱۷)۔

اور یہ کام ڈاکٹر صاحب کا نہیں بلکہ زبیر صاحب کا ہے کیونکہ موصوف نے اس کتاب کے اپنے ”مقدمہ تحقیق“ میں موضوع نماز سے متعلق جن کتب میں ضعیف روایات پائی جاتی ہیں ان میں سے متعدد کتب کا ذکر کرتے ہوئے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب

ج۔ مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ مدنی نے اپنے والد مولانا عبد الوہاب رحمہ اللہ کی زیر نگرانی جامع ترمذی کے ترجمے اور اس پر

”صفۃ صلوٰۃ النبی۔ رحمہ اللہ“ کا ذکر بھی کیا ہے۔

مگر ہمارے نزدیک یہ امر مستحسن نہیں کیونکہ کچھ ادہام یا اغلاط کی بناء پر اگر کسی عالم یا اس کی کتاب کو غیر معتد ظہر ادا جائے تو پھر ہمیں بڑے بڑے ائمہ اور محدثین کو خیر باد کہنا پڑے گا کیونکہ ادہام اور اغلاط سے کوئی بشر بھی مبرا نہیں چنانچہ موصوف کے بھی بڑے عجیب و غریب ادہام اور اغلاط ہیں ان ادہام اور اغلاط کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے: موصوف نے موضوع نماز سے متعلق ضعیف احادیث والی متعدد کتب پر کلام کرنے کے بعد لکھا ہے:

”جناب عبد الرؤف صاحب کی کتاب ”القول المقبول فی تخریج صلوٰۃ الرسول ﷺ“ اس سلسلے کی بہترین کتاب ہے جزاء اللہ خیرا، تاہم بشری کمزوریوں کی وجہ سے اس تخریق میں بھی ادہام واقع ہو گئے ہیں مثلاً ابوداؤد (۲۰۳) وغیرہ کی ایک ضعیف روایت کو عبد الرؤف صاحب نے حسن درجہ کی حدیث لکھا ہے حالانکہ یہ سند منقطع ہے اور اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں ہے ملاحظہ ہو نماز نبوی مقدمہ التحقیق از زبیر علی (ص: ۲۳)

جس حدیث کی طرف موصوف نے اشارہ کیا ہے وہ علی رحمہ اللہ سے ہاں الفاظ مروی ہے:

”وكان الشبه العینان فمن نام فليتوضأ۔“

”دونوں آنکھیں سیرین کی سر بند (تسمہ) ہیں پس جو شخص سو جائے اسے چاہیے کہ دوبارہ وضوء کر لے۔“ ترجمہ از ڈاکٹر سید

شفیق الرحمن ملاحظہ ہو (نماز نبوی، ص: ۸ طبع دار السلام)

ڈاکٹر صاحب نے اس حدیث کا متن ذکر نہیں کیا بلکہ اس کے ترجمے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

قلت: موصوف کے مذکورہ کلام پر ہمارے درج ذیل مواخذات ہیں:

۱۔ انھوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اس کی سند منقطع ہے۔ لیکن میں نے یہ علت بیان نہیں کی یا یہ کہ یہ علت مجھ پر مخفی رہی۔ جب کہ اس علت کی طرف میں نے ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے:

”اس کو علی رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے عبد الرحمن بن عائد ہیں۔ ابو زرعہ نے کہا ہے کہ ان کی علی رحمہ اللہ سے روایت مرسل ہے۔“

اس کے بعد یہ لکھا ہے: ”مگر حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ بات محل نظر ہے۔ ملاحظہ ہو: القول المقبول۔“ (ص: ۱۹۴، حدیث: ۱۰۸)۔ میرے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اس سند کے انقطاع کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے اور اس کا جواب بھی دیا گیا ہے نیز اس کا ایک شاہد بھی ذکر کیا ہے۔

ب۔ زبیر صاحب کا یہ کہنا کہ: ”اور اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں ہے۔“ یہ بات پڑھ کر ہمیں بہت تعجب ہوا کیونکہ حدیث کے کسی شاہد کے لیے اس کا صحیح ہونا شرط نہیں۔

ج۔ میں نے تو اس حدیث کو حسن کہا ہے مگر دیکھتے ہیں کہ موصوف نے ”نماز نبوی“ کی تخریق میں اس پر کیا حکم لگایا ہے موصوف نے اس کے بارے میں لکھا ہے: ”اسے ابن الصلاح اور امام نووی نے حسن کہا ہے۔“ ملاحظہ ہو (ص: ۷۸، حاشیہ: ۳)

موصوف نے یہاں ابن صلاح اور نووی کی تحسین کا ذکر کرنے کے بعد کسی قسم کا تعاقب نہیں کیا بلکہ خاموشی اختیار کی ہے چنانچہ یہ حدیث ان کے نزدیک بھی حسن درجہ کی ہے۔

حواشی کا کام شروع کیا تھا جسے وہ مکمل نہیں کر پائے۔ انھوں نے بھی اپنے حاشیہ میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے جیسا کہ مجھے انھوں نے خود بیان کیا اور بعض دیگر حضرات سے بھی معلوم ہوا۔

ان کی یہ کتاب عربی میں ہے جو طبع ہو چکی ہے اور یہ تعلیقات **إِنْ شَاءَ اللہ العزیز**۔ انتہائی مفید ثابت ہوں گی۔ اس محقق ایڈیشن کی مقبولیت صرف علمی حلقوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ عوام الناس میں سے باشعور اور تعصب و جمود سے بالاتر حضرات نے بھی اس کو بہت پسند کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے اس محقق ایڈیشن کو شرف قبولیت حاصل ہوا۔ مگر بقول شخصے: ”لَا تَعْدَمُ حَسَنَاءُ ذَاتًا“۔

”حسین و جمیل عورت کے مذمت کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔“

چنانچہ کچھ حضرات ایسے بھی نظر آئے کہ جن کو اس محقق ایڈیشن سے زبردست چڑ اور جلن ہوئی اور ان حضرات میں سرفہرست نام نہاد سلفی ابو مسعود کا نام ہے اس نام نہاد سلفی نے شرم و حیاء کی تمام حدود کو پھلانگ کر اس قدر گھٹیا اسلوب اور گندی زبان استعمال کی ہے کہ جسے کوئی عام سنجیدہ آدمی بھی استعمال نہیں کر سکتا چہ جائیکہ مختلف جامعات و مدارس سے ڈگریوں کا حامل اور خود کو سلفی کہنے والا استعمال کرے۔

اس نام نہاد سلفی کا رسالہ جب میری نظر سے گزرا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا:

”إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النَّبِوةِ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔“

بلکہ انھوں نے ایک دوسری کتاب میں اس کو صراحتاً حسن کہا ہے چنانچہ لکھا ہے: ”حسن۔ ابو داؤد (الطہارۃ: باب الوضوء من النوم حدیث: ۲۰۳) اسے نووی، ابن صلاح اور منذری نے حسن کہا ہے۔“ ملاحظہ ہو ”تسهیل الوصول إلی تخريج صلوٰۃ الرسول“ (ص: ۱۰۶، حدیث: ۱۱۳، ص: ۷۷، حاشیہ: ایڈیشن اگست ۲۰۰۳ء جولائی ۲۰۰۵ء)

معلوم ہوتا ہے کہ ذی صاحب اس حدیث کے بارے میں خاصے متذنب ہیں۔ حال ہی میں موصوف کی تحقیق و تخریج کے ساتھ دارالسلام سے ”سنن أبی داؤد“ چھپی ہے اب دیکھتے ہیں کہ موصوف نے اس میں اس حدیث کے بارے میں کیا کہا ہے موصوف اس میں لکھتے ہیں: ”سندہ ضعیف، و مع ذلك حسنه المنذري، وغيره، وللحديث شواهد،“ ملاحظہ ہو (۲۱۵/۱ حدیث: ۲۰۳) یعنی اس حدیث کی سند ضعیف ہے، اس کے باوجود منذری وغیرہ نے اس کو حسن کہا ہے اور اس حدیث کے چند شواہد بھی ہیں۔ اب قاری ”اس حدیث کے چند شواہد بھی ہیں“ سے کیا نتیجہ اخذ کرے گا کیونکہ زہر صاحب کے اس کلام سے واضح طور پر کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا۔

اس کو بخاری نے کتاب ”احادیث الانبیاء“ باب (۵۴) میں حدیث (۳۳۸۳) ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی مفصل تخریج میں نے ”روضة الناظر“ لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے جو کہ زیر طبع ہے۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہمارے نام نہاد سلفی ابو مسعود پر من و عن ث آتی ہے۔

ایک طرف تو نام نہاد سلفی ابو مسعود جیسے کچھ حضرات ہیں اور دوسرے طرف ایک دوسرے مسلک سے تعلق رکھنے والے چند مقلدین مولوی صاحبان ہیں جنہوں نے کتاب ”صلوة الرسول“ کا محقق ایڈیشن آجانے کے بعد اس کتاب پر کچھ اچھالنے اور اس کے بارے میں غلط پروپیگنڈا کرنے کی مذموم سعی کی ہے۔

چنانچہ مولوی ”محمد یوسف“ مقلد نے اس مقصد کے لیے ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ ایک کتاب ترتیب دی۔

مولوی محمد ”امین اوکاڑوی“ مقلد نے اس پر تقریظ لکھی اور صوفی محمد بشیر مقلد نے اس کا مقدمہ لکھا۔

ان مقلدین کے بعد ایک ہندوستانی مولوی محمد ابو بکر غازی پوری مقلد نے بھی اسی قسم کا ایک رسالہ ”حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب ”صلوة الرسول“ کے بارے میں“ کے نام سے لکھ مارا۔

اس کتاب میں سب سے پہلے نام نہاد سلفی ”ابو مسعود“ کے رسالے ”فرض نمازوں کے بعد دعاء اجتماعی اور اہل الحدیث کا مسلک اعتدال“ پر ایک نظر ڈالی جائے گی۔

اور پھر مذکورہ مقلدین مولویوں سے ہماری گفتگو ہوگی اور انھیں یہ بتایا جائے گا کہ جن اوہام اور اغلاط کو لے کر تم نے کتاب ”صلوة الرسول“ پر کچھ اچھالنے اور اس کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی جو ناکام کوشش کی ہے وہی اوہام اور اغلاط تمہاری بڑی بڑی معتبر کتب میں بھی پائے جاتے ہیں اور یہ سب کچھ ان کو ان کے اپنے گھر ہی کے آدمیوں کے حوالے سے دکھایا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

اس کے بعد ان مقلدین کی علمی خیانتوں کا ذکر بھی کیا جائے گا جن کا ارتکاب انھوں نے ”صلوة الرسول“ پر زیادہ سے زیادہ اعتراضات کرنے کی خاطر کیا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

ممکن ہے بلکہ یقینی بات ہے کہ بہت سے اذہان میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ وغیرہ یہ کتب تو بہت پہلے سے شائع شدہ ہیں لہذا اب ان کے جواب کی ضرورت کیوں پیش آئی، یا ان کے جواب میں اس قدر تاخیر کی وجہ کیا ہے؟

تو یہ ایک معقول سوال ہے اور اس کے درج ذیل جوابات ہیں۔

① بیرون ملک ہونے کی وجہ سے مجھے ان کتب کا بروقت علم نہ ہو سکا۔

② ان کے بارے میں علم ہو جانے کے بعد ان کے حصول میں بھی تاخیر ہوئی۔

③ جب ان کتب کو دیکھا تو کچھ لکھنے کو جی نہ چاہا کیونکہ اس قسم کی کتب کا رد لکھنے میں اپنے قیمتی وقت کو صرف کر دینا میرے نزدیک کوئی مستحسن امر نہ تھا۔ چنانچہ بعض اصحاب کے مطالبے کے باوجود کچھ نہ لکھنے ہی کو ترجیح دی۔

اور جب رد لکھنے کا پروگرام بنا تو اس کا اصل سبب ”مولوی محمد یوسف مقلد“ کی کتاب ہے۔ ہوا یہ کہ ایک روز

اتفاق سے یہ کتاب اٹھائی اور اس کے بعض مقامات کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس صاحب نے خیانت سے کام لیا ہے اور جب پوری کتاب کو غور سے دیکھا تو اس میں بہت سی خیانتیں نظر آئیں، لہذا اس کا رد لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا مگر اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے یہ کام جلد شروع نہ کر سکا چنانچہ کافی وقت اس طرح سے بیت گیا۔

جب اس کتاب کے رد کا پروگرام بنایا تو اس مناسبت سے نام نہاد سلفی ”ابو مسعود“ کے رسالے ”فرض نمازوں کے بعد دعاء اجتماعی“ کا جائزہ لینا بھی مناسب سمجھا۔

”مولوی محمد یوسف“ مقلد کی طرح ”مولوی محمد ابوبکر غازی پوری“ مقلد نے بھی کتاب ”صلوة الرسول ﷺ“ پر اعتراضات کے لیے خیانتوں کا ارتکاب کیا ہے اور ان خیانتوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے مؤلف - رحمہ اللہ - پر بے جا اعتراضات بھی کیے ہیں لہذا اس کتاب میں ان پر رد بھی شامل ہے۔

خیال یہ تھا کہ یہ رد مختصر سا ہوگا مگر جب اس کام کو شروع کیا گیا تو خلاف توقع یہ کافی طول پکڑ گیا اس رد کے مکمل ہو جانے کے بعد بعض وجوہ کی بناء پر اس کی طباعت کا کام بھی تقریباً دو سال کی تاخیر کے بعد سرانجام پایا بہر حال اب یہ کام آپ کے سامنے ہے جو درج ذیل تین ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب:

یہ نام نہاد سلفی ابو مسعود کے رسالے ”فرض نمازوں کے بعد دعاء اجتماعی اور اہل حدیث کا مسلک اعتدال“ کے بارے میں ہے جو دو فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول = اس فصل میں نام نہاد سلفی ”ابو مسعود“ کی بعض باتوں کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ موصوف نے جو بیہودہ زبان اور نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں ان کا خاکہ پیش کیا گیا ہے تاکہ قارئین کو اس کی سلفیت کی حقیقت معلوم ہو جائے۔
فصل دوم = یہ فصل دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں اجتماعی دعا کے قائلین سے یہ سوال کیا گیا ہے کہ جن دلائل کی بناء پر آپ اجتماعی دعا کو ثابت کرتے ہیں کیا کبار ائمہ کو ان کا علم نہ تھا کہ انھوں نے اپنی کتب میں کوئی ایسا باب نہیں باندھا جو اجتماعی دعا کے متعلق ہو۔ اور اس کے بعد متعدد کبار ائمہ کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

دوسرا حصہ نام نہاد سلفی نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیے ہیں ان کے جائزے پر مشتمل ہے۔

دوسرا باب:

یہ ان بعض مخلصین کے بارے میں ہے جنھوں نے ”تخریج وتعلیق صلوۃ الرسول ﷺ“ یا دوسرے لفظوں میں ”القول المقبول“ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا مگر بعض چیزوں کے بارے میں انھیں غلط فہمی ہوئی۔

تیسرا باب:

مقلدین مولوی صاحبان کے بارے میں۔ یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے:

❁ فصل اوّل: یہ مقلدین کے ان بعض الزامات کے بارے میں ہے جو انھوں نے مسلک اہل حدیث پر ٹھونسے ہیں۔

❁ فصل دوم: اس فصل میں مقلدین کی ان باتوں کا جواب دیا گیا ہے جن کی بناء پر انھوں نے کتاب ”صلوة

الرسول ﷺ“ پر اعتراضات کیے ہیں۔

❁ فصل سوم: اس فصل میں ”مولوی محمد یوسف مقلد“ کی خیانتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

❁ فصل چہارم: یہ فصل ”مولوی محمد ابوبکر غازی پوری“ مقلد کی خیانتوں اور ان کے بعض اعتراضات کے رد پر مشتمل ہے۔

کتاب کے اختتام پر اس کی مختلف فہرستیں تیار کی گئی ہیں تاکہ اس سے استفادہ آسان رہے۔ وہ فہرستیں درج ذیل ہیں:

① فہرست قرآنی آیات۔

② فہرست احادیث و آثار۔

③ فہرست رواۃ و اعلام۔

④ فہرست مصادر و مراجع۔

⑤ فہرست مضامین۔

آخر میں اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح معنوں میں قبیح کتاب و سنت بنائے اور تعصب و جمود سے دور

رکھے اور ہمیں نیک اعمال کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور گناہوں سے بچائے۔ آمین۔

کتب

ابو عبد اللہ

عبد الرؤف بن عبد الحنان بن حکیم محمد اشرف سندھو

۱۳۲۶/۱۱/۹ھ بمطابق ۲۰۰۵/۱۲/۱۱م

شارجہ۔ متحدہ عرب امارات

نام نہاد سلفی ابو مسعود کے رسالے ”فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی“ کے بارے میں

یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اوّل:

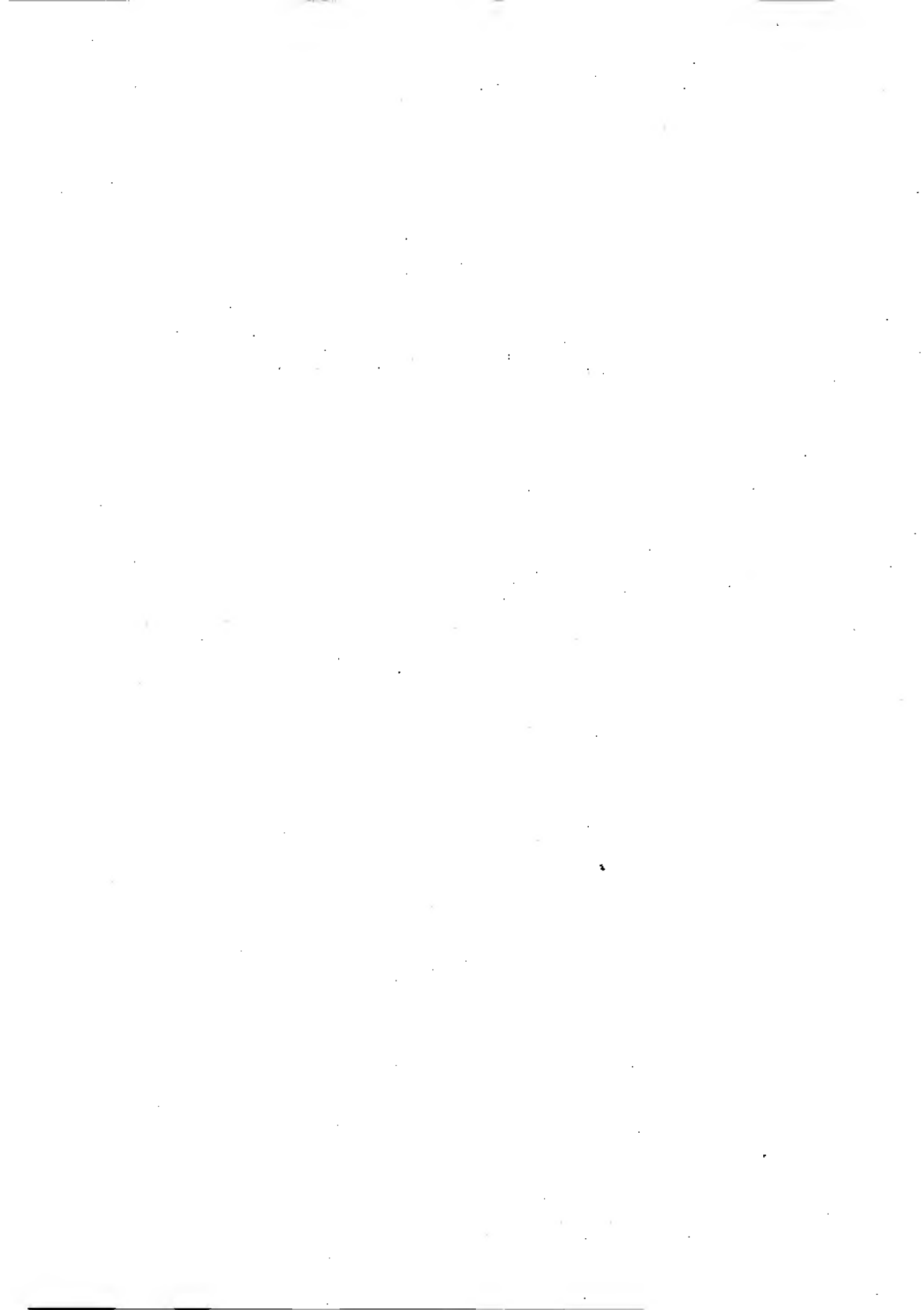
اس فصل میں نام نہاد سلفی ابو مسعود نے جو بیہودہ زبان اور نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں ان کا خاکہ پیش کیا جائے گا تاکہ قارئین کو اس کی سلفیت کی حقیقت معلوم ہو، مثل مشہور ہے۔ ”ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور۔“ یہی حال ہمارے مخاطب ابو مسعود سلفی کا ہے۔

اور الفاظ کے خاکہ کے ساتھ ساتھ موصوف کی بعض باتوں کا جائزہ بھی لیا جائے گا۔

فصل دوم:

اس فصل میں اس نام نہاد سلفی نے اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔





فصل اوّل

اس نام نہاد سلفی نے ”فرض نمازوں کے بعد دعاء اجتماعی اور اہل حدیث کا مسلک اعتدال“ کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ عنوان پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف نے اس مسئلہ پر بڑے اچھے انداز اور سنجیدگی سے بحث کی ہوگی مگر آپ جب رسالے پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نام نہاد سلفی نے کس قدر گندی زبان نازیبا کلمات اور گھٹیا اسلوب اختیار کیا ہے۔

جو شخص اپنی زبان اور اسلوب میں اعتدال کو قائم نہیں رکھ سکا تو وہ عاجز اس مسئلہ پر اعتدال کے ساتھ بحث کیسے کر سکتا تھا۔ اس نام نہاد سلفی نے اس قسم کا اسلوب اختیار کر کے بس اپنے دل کو تسکین پہنچانے کی کوشش کی ہے لیکن اسے تسکین حاصل نہ ہوگی۔ اِنْ شَاءَ اللہ۔

جس صاحب نے مجھے یہ رسالہ لا کر دیا اس نے کہا کیا یہ شخص بریلوی ہے میں نے کہا نہیں کیونکہ ٹائٹل پر ابو مسعود سلفی لکھا ہوا تھا۔ مگر جب رسالے پر نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ نام نہاد سلفی زبان درازی میں بریلویوں سے بھی چند قدم آگے ہے۔ قارئین کرام! آپ اس رسالے کے ٹائٹل پر صاحب رسالہ کے نام کو اس طرح سے لکھا ہوا پائیں گے: ابو مسعود سلفی ایم اے۔

اور ٹائٹل کے اندر والے صفحہ پر آپ کو یوں لکھا ہوا ملے گا۔

ابو مسعود سلفی فاضل جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ، فاضل جامعہ فیصل آباد ① ایم اے پنجاب یونیورسٹی لاہور محسوس یوں ہوتا ہے کہ اس شخص نے ڈگریاں حاصل کرنے میں تو بڑی تگ و دو کی ہے مگر جو سیکھا اس پر عمل کرنے اور خود کو اخلاق حسنہ سے متصف اور مزین کرنے کی کوشش نہیں کی ایسی ڈگریوں سے کیا فائدہ۔ ﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾۔ (الجمعة: ۵)

اس شخص نے دوسروں کے بارے میں جن الفاظ کا استعمال کیا ہے ان کی فہرست ملاحظہ کیجیے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجیے کہ اس قدر لچر اور بیہودہ زبان کا استعمال کسی حقیقی سلفی کا کام ہے یا کہ اس شخص کا ہے جس کے اندر نفاق پایا جاتا ہو۔

① جامعہ کا نام ذکر نہیں شاید جامعہ سلفیہ ہو۔ واللہ اعلم۔

الفاظ کی فہرست درج ذیل ہے۔

- ① خارجوں سے تشبیہ۔ (ص: ۵)۔
- ② ناعاقبت اندیش محققین (ص: ۷)۔
- ③ جافین محققین۔ (ص: ۸، ۹)۔
- ④ غالی اور جانی (ص: ۱۱، ۱۲، ۲۶)۔
- ⑤ غالیوں اور جانیوں کا آسودہ رسول ﷺ پر ظلم (ص: ۱۱)۔
- ⑥ شیطان کے ڈسے ہوئے جانی (ص: ۲۸)۔
- ⑦ تحقیق کے اندھے تیر چلانے والے (ص: ۳۳)۔
- ⑧ حدباء لائسان، سہباء لاء حلام (ص: ۳۳)۔
- ⑨ شیطانی مشن پورا کرنے میں مصروف (ص: ۴۹، ۵۰)۔
- ⑩ شیطان نے احمق مخلصین کو اپنا کارکن بنا لیا۔ (ص: ۵۰)۔
- ⑪ محققین (ص: ۵۰)۔
- ⑫ شراکیز تحقیق کے تیر چلانے والے (ص: ۵۱)۔

قارئین اب خود ہی فیصلہ کر لیں کہ یہ انداز کسی سلفی کا ہے یا کہ اس شخص کا جس کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے۔ ”وإذا خاصم فجر“^①

”جب جھگڑا کرتا ہے تو بدزبانی سے کام لیتا ہے۔“

موصوف نے اپنے رسالہ کے صفحہ (۱۳) پر سبب تالیف رسالہ بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے: ”چنانچہ راقم الحروف نے انہی بزرگوں کے جذبات پر اپنی گزارشات کو پیش کیا ہے۔“

ہم موصوف سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کے بزرگوں نے آپ کو یہ تلقین بھی کی تھی کہ جس قدر ہو سکے لچر اور بیہودہ زبان استعمال کرنا۔ (إنا لله وإنا إليه راجعون)۔

موصوف نے اپنے مخالفین ہی کے ساتھ اس قدر گھٹیا اور گرا ہوا انداز اختیار نہیں کیا بلکہ اپنے قارئین کو بھی معاف نہیں کیا چنانچہ (ص: ۷) پر ایک عنوان یوں قائم کیا ہے۔ ”زعمائے الجذبت مجرمانہ“ اس عنوان کے تحت لکھا ہے: ”لیکن اس جماعت کے لیڈروں کی مجرمانہ غفلت سے اس میں کچھ ناعاقبت اندیش محققین گھس گئے جنہوں

① جیسا کہ بخاری (حدیث ۳۳) اور مسلم (حدیث ۸۵) میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ذکر ہے۔

نے طے شدہ مسائل میں الجھاؤ پیدا کر دیا۔“^①

قلت: موصوف کو شاید غلط فہمی ہو گئی ہے کہ وہ اسے اپنے لیڈروں کی مجرمانہ غفلت سمجھ بیٹھے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے بہت بڑے حوصلے اور فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے کہ ابو مسعود جیسے لچر اور یہودہ زبان والے آدمی کو اپنی جماعت میں جگہ دے رکھی ہے۔

موصوف کے نزدیک طے شدہ مسائل میں سے فرض نماز کے بعد اجتماعی دعاء والا مسئلہ بھی ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ یہ مسئلہ کن دلائل کی بناء پر طے شدہ ہے۔ قرآن مجید کی کس آیت یا کس حدیث رسول ﷺ میں اس کا ذکر ہے یا صحابہ تابعین اور ائمہ کرام و محدثین میں سے کن حضرات نے اس کو طے کیا ہے ذرا ان کے نام تو ذکر کریں۔

یہ نام نہاد سلفی تو اس مسئلے کو طے شدہ مسئلہ بتا رہا ہے لیکن سنئے کہ علامہ مبارکپوری۔ رحمہ اللہ۔ اس مسئلے کے بارے میں کیا لکھتے ہیں، آپ رقمطراز ہیں:

”فائدة: اعلم أن علماء الحديث قد اختلفوا في هذا الزمان في أن الإمام إذا انصرف من الصلاة المكتوبة هل يجوز له أن يدعو رافعاً يديه، و يؤمن من خلفه من المأمومين رافعي أيديهم فقال بعضهم بالجواز، و قال بعضهم بعدم جوازه ظناً منهم أنه بدعة۔ قالوا إن ذلك لم يثبت عن رسول الله ﷺ۔ بسند صحيح، بل هو أمر محدث، و كل محدث بدعة۔“

”فائدہ۔ جان لو کہ اس زمانے میں علماء اہل حدیث کا اس میں اختلاف ہے کہ امام جب نماز فرض سے فارغ ہو جائے تو کیا اس کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مقتدیوں کا بھی ہاتھ اٹھانا اور اس کی دعاء پر آمین کہنا جائز ہے؟ بعض علماء نے جائز کہا ہے اور بعض دیگر علماء نے اس کو بدعت خیال کرتے ہوئے ناجائز کہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ عمل رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت نہیں۔^② بلکہ یہ ایک نیا کام ہے اور ہر نیا کام بدعت ہے۔“

اس کے بعد انھوں نے اس کو جائز کہنے والوں کے دلائل ذکر کیے ہیں اور اپنی جورائے دی ہے وہ یہ ہے:

قلت: القول الراجح عندي أن رفع اليدين في الدعاء بعد الصلاة جائز لو فعله

① اس آدمی کے انداز اور اسلوب سے اس کی کس قدر پریشانی اور بے بسی ظاہر ہوتی ہے۔

② قلت: بلکہ یہ ضعیف اور موضوع سند سے بھی ثابت نہیں ہے۔

چند منتخب پر ایک نظر

أحد لا بأس عليه۔ إن شاء الله تعالى۔ واللہ اعلم“ تحفة الأحوذی: (۲۰۲، ۱۹۸/)
”میرے نزدیک رائج قول یہ ہے کہ نماز کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے اگر کوئی ^(۱) ایسا کرے تو ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔“

مبارک پوری صاحب کے کلام سے معلوم ہوا کہ علماء اہل حدیث کی ایک جماعت نے اس اجتماعی دعاء کو بدعت کہا ہے اور یہ نام نہاد سلفی اس کو طے شدہ مسئلہ سمجھے بیٹھا ہے۔

اس نام نہاد سلفی نے گندی اور بیہودہ زبان استعمال کر کے ان اکابر علماء اہل حدیث کی بھی گستاخی اور بے ادبی کی ہے جنہوں نے اس کو بدعت کہا ہے لہذا ائمائے اہل حدیث اور جماعت کے لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ ایسے بے ادب و گستاخ کو جماعت سے نکال باہر پھینکیں۔

رہے اس نام نہاد سلفی کے اس بدعت کو ثابت کرنے کے لیے ادھر ادھر کے دلائل تو ان کا عنقریب ہم جائزہ لیں گے۔ ان شاء اللہ۔

موصوف (صفحہ: ۵۰) میں لکھتے ہیں:

”اور وہ (یعنی شیطان) ملعون عرصہ دراز سے اہل توحید کے سچے عقیدے اور تعلق باللہ پر نظر رکھے ہوئے تھا اور بڑا فکر مند تھا کہ اگر ان کا شوق و ذوق دعا اسی طرح جاری رہا تو کہیں سچے اور کھرے عقیدے والوں کو حسن عمل کی بنا پر اہل زمین کے ہاں قبولیت عامہ اور درجہ محبوبیت نصیب نہ ہو جائے اور لوگ ان کے عقیدہ و حسن عمل کو دیکھ کر اہل حدیث ہی نہ بن جائیں اور کہیں مساجد آباد اور آستانے ویران نہ ہو جائیں تو اس نے کمال عیاری سے اُحمتی مخلصین کو اپنا کارکن بنا لیا اور ان سے ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ جیسی نفع مند کتاب کی تخریج لکھوا دی۔“

قارئین دیکھیے یہ ہے مدعی سلفیت کا کلام ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ﴾ (الکھف: ۵)
کیا شیطان ایسا کام چاہے گا بلکہ اس کام سے تو وہ پریشان ہوگا اس لیے کہ وہ صحیح دین سے لوگ کو دور رکھنا چاہتا ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شیطان اس کام سے بڑا پریشان ہوا اور اس نے اس کے سد باب کے لیے ایک نام نہاد سلفی کو تلاش کر لیا تاکہ وہ کسی طریقے سے لوگوں کو اس کام سے متنفر کر سکے۔

شاید شیطان کو اُس دن جس دن اس نام نہاد سلفی کا یہ رسالہ مارکیٹ میں آیا ہوگا اپنے اس چیلے کے کارنامے سے

(۱) یعنی انفرادی طور پر۔

جس نے آ کر اسے یہ رپورٹ دی ہوگی کہ آج میں نے ایک میاں اور بیوی میں اختلاف ڈلوادیا اور نتیجہ طلاق نکلا۔^①
اتنی خوشی نہ ہوئی ہوگی جس قدر کہ اس رسالے کے مارکیٹ میں آنے سے۔

یہ ہے ادارہ تبلیغ القرآن والسنۃ سنت نگراں ہور کی دینی خدمت۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس مدہوش نے یہ بات کہہ کر بڑے بڑے ائمہ اور محدثین کو مطعون کر دیا ہے کیونکہ حافظ ابن کثیر، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر جیسے کبار ائمہ نے بھی دوسرے ائمہ کی کتب کی تخریج وغیرہ کی ہے تو کیا ان سے بھی شیطان ہی نے یہ کام کروایا تھا، اور کیا اسی کے کہنے پر ہی ان آئمہ نے یہ کام کیا اور کتب جرح و تعدیل وغیرہ لکھیں اور اسی کے اشارے پر ہی انھوں نے بال کی کھال اتاری ہے کیونکہ موصوف تحقیق کو بال کی کھال اتارنے سے تعبیر کرتے ہیں ملاحظہ ہو، ان کے رسالہ کا صفحہ (۵، ۳۸)۔

تحقیق سے بال کی کھال نہیں اترتی بلکہ اس سے ابو مسعود جیسے رطب و یابس بیان کرنے والے اور بدعات کو سنت سمجھنے والے نام نہاد سلفیوں کی کھال اترتی ہے اسی لیے ان کو پریشانی ہوتی ہے۔
موصوف تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں۔

”میں وثوق سے کہتا ہوں اگر یہ محققین سعودیہ اور متحدہ عرب امارت کی پرکشش تنخواہوں پر حصول جنت کو ترجیح دیتے اور تبلیغ دین کے لیے ایرکنڈیشنڈ کمروں کی بجائے مراکز شرک کے سامنے ڈیرے ڈال دیتے اور مشرکین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عقیدہ توحید کا ڈنکا بجاتے تو انھیں حکمت اسلام کا اندازہ ہو جاتا اور انھیں مساجد میں اللہ کے سامنے اٹھے ہوئے ہاتھ خوبصورت لگتے۔“ (ص: ۵۰-۵۱)۔

قلم: ﴿سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾۔ (النور: ۱۶)

کیا تمہارے شیطان نے تمہارے کان میں پھونکا ہے کہ ہم نے سعودیہ اور عرب امارات کی تنخواہوں کو جنت پر ترجیح دی ہے۔

محسوس یوں ہوتا ہے کہ نہ تو تمہیں اللہ عزوجل کا خوف ہی ہے اور نہ ہی شرم و حیا، ان دونوں چیزوں میں سے کم از کم اگر ایک چیز ہی تمہارے اندر پائی جاتی تو تم یہ بات نہ کہتے۔

تم نے بڑے بڑے جامعات میں تعلیم حاصل کی اور ڈگریاں بھی وصول کیں کیا رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث

صحیح مسلم (حدیث: ۲۸۱۳) کتاب ”صفة القيامة“، باب ”تحريش الشيطان وبعثه سراياہ لفتنة الناس“ میں حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے جس کا مختصر یہ ہے کہ آدمیوں کو ورغلانے کے لیے شیطان کے بھیجے ہوئے کارندے جب اس کو آ کر رپورٹ دیتے ہیں تو ایک کہتا ہے کہ آج میں نے یہ کیا، دوسرا کہتا ہے آج میں نے یہ کیا، وہ کہتا ہے کہ تم نے کچھ بھی نہیں۔ لیکن جب ایک یہ کہتا ہے کہ آج میں نے خاوند سے اس کی بیوی کو طلاق دلوادی تو وہ بہت خوش ہو جاتا ہے اور اسے گلے لگا لیتا ہے۔

تمہاری نظروں سے نہیں گذری۔ ”أَفَلَا شَقِقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا۔“ ﴿۱﴾
 ”تم نے اس کے دل کو چاک کیوں نہیں کیا تاکہ تمہیں پتہ چلتا کہ اس نے (دل نے) لا الہ الا اللہ کہا ہے یا نہیں۔“
 معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے حقدار یہی ہیں بلکہ انہیں دخول جنت کا سٹوٹکیٹ مل چکا ہے اور خدمتِ دین کا ٹھیکہ بھی انہوں نے لے رکھا ہے یہ کس قدر انتہائی درجے کا عجب اور غرور ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی عجب اور غرور تمہاری ہلاکت کا سبب بن جائے۔

جندب بن عبد اللہ ؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی نے قسم اٹھا کر کہا کہ اللہ فلاں کو معاف نہیں کرے گا تو اللہ عزوجل نے فرمایا:
 ”مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأْتِي عَلَيَّ أَنْ لَا أَغْفِرَ لِفُلَانٍ! إِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُ وَأَوْحَيْتُ عَمَلُكَ“ اَوْ كَمَا قَالَ۔ ﴿۲﴾
 ”کون ہے جو مجھ پر قسم اٹھائے کہ میں فلاں کو معاف نہیں کروں گا یقیناً میں نے اسے معاف کر دیا اور تیرے اعمال کو برباد کر دیا۔“
 یہ ہے عجب اور غرور کی سزا۔

جنت اگر تمہاری ملکیت ہے تو ٹھیک ہمیں جنت میں داخل نہ ہونے دینا، اور نہ ہی ہمیں تمہاری جنت کی ضرورت ہے۔
 رسول اللہ ﷺ مدعی اور مدعی علیہ سے تو یہ کہیں کہ ممکن ہے کہ تم میں سے ایک زبان میں تیز ہو تو میں اس کی باتیں سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو وہ اپنے بھائی کے حق کو نہ لے اور جس کے لیے میں نے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دیا تو میں نے اس کے لیے عذاب کے ایک حصے کا فیصلہ کر دیا۔ ﴿۳﴾

مگر یہ جاہل مرکب کہے کہ میں وثوق سے کہتا ہوں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ۔ اس نام نہاد سلفی کے لیے یہاں ہم رسول اللہ ﷺ کی ایک دوسری حدیث بھی ذکر کرتے ہیں شاید کہ اس کی اصلاح ہو جائے اور وہ حدیث ابو ہریرہ ؓ ہے جو درج ذیل الفاظ سے ہے:

”إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يَتَّبِعُ فِيهَا يَزِلُّ بِهَا إِلَى النَّارِ أَوْ إِلَى الْجَنَّةِ“
 ”وَالْمَغْرَبُ۔“ ﴿۴﴾

- ﴿۱﴾ ملاحظہ ہو، صحیح مسلم (حدیث: ۹۶) کتاب ”الإيمان“، باب: ”تحريم قتل الكافر بعد أن قال: لا إله الا الله“۔
 ﴿۲﴾ اس حدیث کو مسلم (حدیث: ۲۶۲۱) نے روایت کیا ہے۔
 ﴿۳﴾ جیسا کہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں مروی ام سلمہ ؓ کی حدیث میں ہے۔ اس حدیث کی مفصل تخریج میں نے ابن قدامہ کی کتاب ”روضة الناظر“ (ج ۲، حدیث: ۲۹۸) میں کی ہے جو زیر طبع ہے۔
 ﴿۴﴾ بخاری (۶۴۷۷) کتاب الرقاق، مسلم (۲۹۸۸) کتاب الزہد۔

”یقیناً بندہ ایسی بات کہنے کی وجہ سے جس کے بارے میں وہ ثبوت سے کام نہیں لیتا جہنم میں اتنا نیچے گر جاتا ہے جتنا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان دوری ہے۔“

اور اس نام نہاد سلفی کی صرف یہی ایک بات نہیں بلکہ اس قسم کی دیگر باتیں بھی ہیں۔ یہ یہ اللہ۔ اس نام نہاد سلفی کا خیال ہے کہ اہل شرک و بدعت سے صرف انہی لوگوں کو سامنا ہے جب کہ ہمارے ممالک، پاکستان، بنگلہ دیش اور انڈیا سے خلیجی ممالک میں آنے والے لوگوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے مگر اللہ۔ عزوجل۔ کے فضل و کرم سے یہاں عرب امارات میں خطبہ جمعہ اور دروس کی صورت میں بڑے احسن انداز سے دعوت و تبلیغ کا کام جاری ہے خصوصاً ہمارے شارجہ شہر میں اوقاف کی طرف سے تقریباً بیس سے زیادہ مساجد ایسی ہیں جن میں خطبہ اردو زبان میں دیا جاتا ہے۔ اور خطبہ دینے والے کتاب و سنت کے داعی ہیں۔

اور خطباء میں سے کچھ خطیب ایسے بھی ہیں کہ جن کی نماز جمعہ کے بعد سوال و جواب کی نشستیں بھی ہوتی ہیں۔ جن سے لوگ بہت مستفید ہوتے ہیں کتنے لوگ ایسے ہیں جو ہمیں دعائیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحیح دین کا علم ہمیں یہاں آ کر ہوا ہے۔

دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ہمارے حاکم شارجہ شیخ ڈاکٹر سلطان بن محمد قاسمی۔ رحمہ اللہ۔ بھی کافی دلچسپی رکھتے ہیں وہ صحیح العقیدہ اور محبت دین انسان ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے اور انھیں مزید خدمت دین کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

سطور بالا میں یہ ذکر ہوا کہ یہاں خلیجی ممالک میں بھی اہل شرک و بدعت موجود ہیں اور یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان میں کس قدر متعصب لوگ بھی ہیں ایک واقعہ سنئے چلیے۔

شاید بعض قارئین کو یاد ہو کہ ۱۹۹۹ء میں سعودی عرب کے شہر جمیل میں حافظ نعیم بن عبدالستار۔ رحمہ اللہ۔ کا جہول ہوا تھا اس کی وجہ کیا تھا کیا کوئی ذاتی رنجش تھی قطعاً ایسی کوئی بات نہ تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ انھیں ایک پاکستانی بریلوی نے محض اس بناء پر قتل کیا تھا کہ وہ اس کے خیال میں گستاخ رسول۔ رحمہ اللہ۔ تھے اس لیے ایسے آدمی کو قتل کرنا بہت بڑی سعادت اور حصول جنت کا ذریعہ ہے۔

ہمارے یہاں نظام یہ ہے کہ ہر اسلامی مہینہ کی ابتداء میں خطباء کی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے۔ اس لیے ہر خطیب کو مختلف مساجد میں جانے کا موقع ملتا ہے جس سے خطیب اور سامعین دونوں کو ہی فائدہ ہوتا ہے۔

حافظ صاحب کا تعلق جزائروالہ کے ایک گاؤں اکال گڑھ سے تھا جامعہ سلفیہ فیض آباد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد جامعہ ام القرآن مکہ مکرمہ میں استاد مقرر ہوئے یہاں چند سال خدمات دینے کے بعد جمیل منتقل ہو گئے اور اسی شہر میں ان کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔

اللہ عزوجل۔ سے دعا ہے کہ وہ ان کی اس موت کو شہادت کی موت بنائے۔ ان کی خطاؤں سے درگزر اور ان کے درجات بلند کرے۔ آمین

ابوسعود کے اس قول سے کہ انھیں حکمت اسلام کا اندازہ ہو جاتا۔ پتہ چلتا ہے کہ وہ اسلام اور حکمت اسلام کو خوب سمجھتے ہیں جب کہ ان کے اس رسالے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ محض ان کی خوش فہمی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان کے اس رسالے میں کئی باتیں لائینی اور سطحی قسم کی ہیں جو کہ ان کی جہالت پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ فہم اسلام اور معرفت حکمت اسلام پر اور اس فصل کے آخر میں ہم اس کی صرف دو مثالیں ذکر کریں گے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم نے ابتداء میں ان کے رسالے کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا بلکہ وقت کا ضیاع سمجھا۔

اور بعد میں جب پروگرام بنا تو محض دو وجوہ کی بناء پر جو یہ ہیں۔

① اس نام نہاد سلفی نے لوگوں میں یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ عرب ممالک میں رہنے والے محض دنیا کے طالب ہیں جب کہ یہ سراسر بہتان ہے۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے لوگوں کو یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ ہم دعا کے سرے سے منکر ہیں جب کہ یہ بھی بہت بڑا بہتان ہے۔

اللہ تعالیٰ اس نام نہاد سلفی کو ہدایت دے اور اسے صحیح معنوں میں سلفی بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

دعاء کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ ایک عبادت ہے اور جو اس عبادت سے انکار کرے وہ جہنمی ہے۔

اور اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے اس عبادت کے احکام، شروط اور آداب سے ہم اچھی طرح واقف ہیں بلکہ اس نام نہاد سلفی سے زیادہ بہتر طریقے سے واقف ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔ اب آخر میں اس نام نہاد سلفی کی جہالت کی دو مثالیں ذکر کر کے اس فصل کو ختم کرتے ہیں۔

③ عام طور پر اس قسم کی موت والے یا کفار کے ہاتھوں قتل ہو جانے والوں پر لفظ ”شہید“ کا اطلاق کیا جاتا ہے جو درست نہیں۔

درست یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی موت کو شہادت کی موت بنائے۔ وغیرہ وغیرہ

کیونکہ حقیقت کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ بخاری (حدیث: ۲۸۰۳) اور مسلم میں ابو ہریرہ۔ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: ”لا یکلم أحد فی سبیل اللہ۔ واللہ أعلم۔ بمن یکلم فی سبیلہ.....“ ”نہیں کوئی زخمی کیا جاتا اللہ کی راہ میں اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے۔“

اسی طرح عام طور پر لوگ فلاں مرحوم، میرا والد، بہنتی، میری ماں بہشتی وغیرہ الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں جب کہ ان الفاظ سے بھی گریز ضروری ہے اور ان کی بجائے یوں کہا جائے۔ ”رحمہ اللہ، رحمۃ اللہ علیہ“ میرے والد اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ بہشت میں جگہ دے۔ وغیرہ وغیرہ۔

④ ملاحظہ ہو، سورۃ المؤمن: (۶۰)۔

موصوف نے صفحہ (۲۵، ۲۴) میں لکھا ہے:

”الغرض ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی احادیث بے شمار ہیں اور کسی حدیث میں اس طرح کی ممانعت نہیں کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھائے جائیں بلکہ ”مجمع الزوائد“ اور ”طبرانی“ اور ”فض الدعاء“^❶ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر - رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی دعا مانگتے دیکھا تو فرمایا: ”إن رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلاته“ (قال: رجالہ ثقات) کہ رسول کریم - ﷺ - تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔“

یہ ہے موصوف کا کلام جس پر ہمارے درج ذیل ملاحظات ہیں:

❶ یہ عام ملاحظہ ہے وہ یہ کہ حوالے میں پہلی طبرانی کا ذکر ہونا چاہیے تھے کیونکہ طبرانی اصل ہے یعنی امام طبرانی نے اس حدیث کو اپنی کتاب ”المعجم الکبیر“ میں بالسند روایت کیا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ امام طبرانی کی تین معاجم ہیں۔ کبیر، اوسط اور صغیر، اور جب مطلق طور پر یہ کہا جائے کہ فلاں حدیث طبرانی میں ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے اس حدیث کو ”معجم کبیر“ میں روایت کیا ہے۔ اور ”مجمع الزوائد“ میں حافظ بیہقی نے مسند احمد، مسند ابویعلیٰ، مسند بزار اور طبرانی کی معاجم تلاش کی زوائد احادیث کو یعنی وہ احادیث جو اصول ستہ (معروف صحاح ستہ) میں نہیں پائی جاتیں ان کی اُسانید کو حذف کر کے انھیں فقہی أبواب پر مرتب کیا ہے۔^❷

لہذا حوالہ کا یہ انداز غلط ہے کہ اصل کتاب کو بعد میں اور غیر اصل کو پہلے ذکر کیا جائے۔ اور یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مختلف جامعات سے ڈگریاں حاصل کرنے والے کبیر السن اور سلفیت کا دعویٰ کرنے والے کو ابھی تک اس بات کا بھی علم نہیں ہے۔

کبیر السن ہم نے اس لیے کہا کہ موصوف نے اپنے مخالفین کو ”حدثاء الاسنان“ لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف عمر رسیدہ ہیں مگر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ موصوف اس عمر میں بھی اخلاق حسنہ، سنجیدگی اور حلم سے کورے ہیں۔ لا نا لہ و لا نا لیرا لیرا جمعون۔

❷ موصوف کے ہاں ایسے ہی ہے جب کہ صحیح ”فض الوعاء“ ہے نہ جانے کہ یہ طباعت کی غلطی ہے یا کہ موصوف کی۔ یہ علامہ جلال الدین سیوطی کا رسالہ ہے جس کا پورا نام اس طرح ہے: ”فض الوعاء فی احادیث رفع الأیدی فی الدعاء“ اس کے بارے میں اس کتاب کا صفحہ: (۵۱) بھی دیکھیں۔

② یہ کہنا کہ کسی حدیث میں اس طرح کی ممانعت نہیں یہ جہالت کی بات ہے۔

اس نام نہاد سلفی سے ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی بریلوی یہ کہے کہ درود کی فضیلت کے بارے میں بے شمار احادیث ہیں اس لیے ہم اذان سے پہلے بھی درود پڑھتے ہیں اور کسی حدیث میں اذان سے پہلے درود پڑھنے کی ممانعت بھی نہیں آئی۔ تو کیا خیال ہے کہ یہ کہنا درست ہے اگر نہیں تو کیوں؟ فما جوابکم فہو جوابنا۔^①

یہ تو ایک الزامی جواب تھا آئیے اب علمی جواب سنیں اور وہ یہ ہے کہ دعا ایک عبادت ہے اور عبادت کے بارے میں امام احمد اور فقہاء حدیث نے جو اصول بیان کیا ہے وہ یہ کہ عبادات میں اصل توقیف ہے لہذا وہی عبادت مشروع ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہو۔ اگر ہم اپنی طرف سے کسی کام کو عبادت سمجھ کر کریں گے تو ہم پر اللہ عزوجل کا یہ فرمان صادق آئے گا۔

﴿أَمْرٌ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ (الشوری: ۲۱)۔
”کیا ان لوگوں کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسے احکام دین مقرر کر رکھے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔“

اور عادات۔ عام دنیاوی امور۔ میں اصل اباحت ہے لہذا وہی چیز حرام ہوگی جسے اللہ نے حرام کیا ہو ورنہ ہم عزوجل کے اس فرمان میں داخل ہوں گے:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا﴾ (یونس: ۵۹)۔
”کہہ دیجیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل کیا ہے تم نے اس میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال کر رکھا ہے۔“^②

اس اصول کے ذکر کے بعد اب ہم حقیقی سلف کے اقوال سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں تاکہ اس نام نہاد سلفی کو علم ہو کہ عبادات کے بارے میں سلف کا مذہب کیا تھا۔

پہلی مثال: خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں سلف اور خلف کا موقف:

رسول اللہ ﷺ سے متعدد مقامات پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے مگر خطبہ جمعہ کی دعا میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا
① مقلد مولوی غازی پوری نے زبان سے نیت کرنے کے جواز پر دلیل یہ دی ہے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا ملاحظہ ہو اس کتاب کا صفحہ (۳۷۲)

ان کی اس دلیل کا اس نام نہاد سلفی کے پاس کیا جواب ہوگا؟
② اس اصول کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں۔ مجموع الفتاویٰ (۱۶/۲۹-۱۸) اور ”القواعد النورانیۃ الفقہیۃ“ (ص: ۱۷۶، بتخریج و تعلیق) کلاهما لشیخ الاسلام ابن تیمیہ۔

چند منتخب پر ایک نظر

آپ کا معمول نہ تھا آئیے اب اس دعا میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں صحابہ، تابعین اور دیگر ائمہ کا موقف معلوم کرتے ہیں۔
۱۔ عمارۃ بن رؤبہ۔ رضی اللہ عنہ صحابی کا موقف:

انھوں نے جمعہ کے دن خطبہ کی دعاء میں بشر بن مروان کو دعا کے لیے ﴿جب ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”قبح اللہ ہاتین الیذین القصیرتین لقد رأیت رسول اللہ ﷺ و ما یزید علی أن یقول ہکذا و أشار ہشیم بالسبابة“﴾
”اللہ تعالیٰ ان چھوٹے ہاتھوں کو خراب کرے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو (خطبہ جمعہ میں دعا کرتے وقت) صرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہشیم (اس حدیث کے ایک راوی) نے شہادت والی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا۔“

تنبیہ = بعض راویوں نے اس حدیث کو بیان کرتے وقت دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں کیا بلکہ مطلق ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے چنانچہ بعض علماء نے اس سے مراد یہ لیا ہے کہ جیسے بعض خطباء دوران خطبہ سامعین کو متنبہ کرنے کے لیے دائیں بائیں ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم اس مطلق روایت کے بارے میں محدث عظیم آبادی کی رائے اور اپنی رائے کا ذکر کریں اس روایت کی امام قرطبی نے جو ایک انوکھی شرح کی ہے اس کا اور اس روایت کے بارے میں بعض حنفی علماء کے عجیب ادہام کا ذکر کرتے ہیں:

شرح مسلم ابو عباس قرطبی ﴿م: ۶۵۶ھ﴾ کی انوکھی تفسیر:

قرطبی اس روایت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کان ذاک۔ واللہ أعلم۔ من رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عند التشہد فی الخطبة کما کان یفعل فی الصلاة“ المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم“
(۵۰۵/۲)۔

﴿یہ اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان کے بھائی ہیں اور ان کی طرف سے عراق پر امیر تھے اور ان کی وفات (۷۵ھ) میں ہوئی۔﴾
﴿اس حدیث کو ترمذی (۵۱۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی مفصل تخریج عنقریب آرہی ہے﴾
﴿یہ قرطبی تفسیر والے قرطبی نہیں بلکہ یہ ان کے اساتذہ میں سے ہیں اور ان کا نام احمد بن عمر بن ابراہیم ہے اور ان کی وفات (۶۵۶ھ) میں ہوئی۔ اور تفسیر والے جو قرطبی ہیں ان کی کنیت ابو عبد اللہ اور نام محمد بن احمد ہے۔ اور ان کی وفات (۶۷۱ھ) میں ہوئی۔﴾

”رسول اللہ ﷺ کا یہ اشارہ خطبہ میں تشہد کے وقت تھا۔ جیسا کہ آپ نماز میں کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔“
یعنی خطبہ مسنونہ میں ”أشهد أن لا إله إلا الله.....“ پڑھتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے جیسا کہ نماز میں کرتے تھے۔“

بعض حنفی علماء کے عجیب اوصام:

مولانا غلیل احمد سہارنپوری امام ابوداؤد کی اس تبویب باب: ”رفع الیدین علی المنبر“ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”أي عند القيام على المنبر في الخطبة، والمراد برفع الیدین: الرفع الذي يكون عند مخاطبة الناس للتنبيه كما هو عادة الخطباء، والوعاظ، لا الرفع الذي يكون عند التحريمة والدعاء“ (١٠٥/٦-١٠٦)۔

”یعنی خطبہ جمعہ میں منبر پر کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھانے سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو مخاطب کرتے وقت ان کی توجہ دلانے کے لیے جو ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں جیسا کہ خطباء اور وعاظ کی عادت ہوتی ہے نہ کہ وہ ہاتھ اٹھانا مراد ہے جو کہ تحریمہ اور دعاء کے وقت اٹھائے جاتے ہیں۔“

قلت: امام ابوداؤد کی مراد خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانا ہے کیونکہ انھوں نے اس باب کے تحت حدیث عمارہ اور حدیث سہل ذکر کی ہے اور دونوں ہی حدیثوں میں دعاء میں ہاتھ اٹھانے کی صراحت ہے۔

مولانا زکریا کاندھلوی صاحب ان کے اس کلام پر تعلق لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و أنكره في ”فيض الباري“ وقال: بل كان الرفع للدعاء كما شرح به البيهقي، وصاحب الإتحاف، ويؤيده رواية مسلم: ”رأيت بشراً يرفع يديه“ أي للدعاء، و أصرح منه ما في الترمذي بلفظ ”بشر بن مروان يخطب فرفع يديه في الدعاء، انتهى۔“

”اس کا انور شاہ کشمیری نے ”فیض الباری“ میں انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ رفع یدین دعاء کے لیے تھا جیسا کہ بیہقی صاحب اتحاف نے اس کی شرح کی ہے۔ اور اس کی تائید مسلم کی روایت ”بشر کو میں نے ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا“ سے بھی ہوتی ہے یعنی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

⊕ واضح رہے کہ تشہد میں عام طور پر اشارہ ”أشهد أن لا إله إلا الله“ کہتے وقت کرتے ہیں جب کہ اس پر کوئی صحیح صریح دلیل نہیں ہے تفصیل کے لیے ”القول المقبول“ (صفحہ ۴۵۰-۴۵۱) دیکھیں۔

اور اس سے زیادہ صریح ترمذی کی روایت ہے جو بایں الفاظ ہے: ”بشر بن مروان خطبہ دے رہا تھا کہ اس نے دعاء میں ہاتھ اٹھائے۔“

قلت: اس کلام پر درج ذیل مواخذات ہیں:

① کاندھلوی اور کشمیری بہت دور چلے گئے کیونکہ سہارنپوری نے جو کچھ کہا اس کی تردید ابوداؤد ہی کی روایت سے ہوتی ہے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

”رأى عمارة بن رؤيبة بشر بن مروان، وهو يدعو في يوم الجمعة۔“

نیز امام ابوداؤد نے اس حدیث کے بعد حدیث سہل کو روایت کیا ہے اور اس میں بھی دعا کا ذکر ہے۔

② کشمیری صاحب کا یہ کہنا کہ مسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے محل نظر ہے کیونکہ مسلم کی دونوں روایتوں میں سے کسی ایک میں بھی دعا کی صراحت نہیں ہے۔

۳۔ ”أي للدعاء“ یہ کشمیری صاحب کی اپنی تفسیر ہے جب کہ ان کے ظاہر کلام سے پتہ چلتا ہے بلکہ قاری یہی سمجھے گا کہ یہ حدیث کے کسی راوی کی تفسیر ہے۔ اس تفصیل کے بعد اب ہم عظیم آبادی کے موقف کی طرف آتے ہیں۔

عظیم آبادی کا موقف:

محدث عظیم آبادی نے اسی۔ مطلق ہاتھ اٹھائے جانے والی۔ روایت کو ترجیح دی ہے چنانچہ وہ ”غایۃ المقصود“ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و عندي للمعنى الثاني ترجيح من وجهين۔ الأول: أن أبا عوانة الوضاح، و سفيان الثوري، و عبد الله بن إدريس أوثق، و أثبت من هشيم بن بشير، و محمد بن فضيل، و إن كان زائدة بن قدامة مثل هؤلاء الثلاثة في الحفظ، فتعارض رواية هؤلاء الثلاثة الحفاظ رواية زائدة بن قدامة، و العدد الكثير أولى بالحفظ“ ①

”میرے نزدیک دو وجوہ کی بناء پر دوسرے معنی ہی کو ترجیح ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ زائدہ بن قدامہ اگرچہ حفظ میں ابوعوانہ و سفيان ثوري اور عبد اللہ بن إدريس جیسے ہیں مگر یہ (تینوں) هشيم بن بشير اور محمد بن فضيل سے زیادہ ثقہ اور ثبت ہیں چنانچہ ان تینوں حفاظ کی روایت زائدہ بن قدامہ کی روایت سے ٹکراتی ہے اور کثیر تعداد حفظ میں اولیٰ ہوتی ہے۔“

قلت: یہ ان کا کلام ہے جو ہمارے نزدیک درج ذیل وجوہ کی بناء پر محل نظر ہے۔

① ملاحظہ ہو ”عون المعبود“ (۲/۴۵۹)۔

① زائدہ بن قدامہ کے ساتھ ہشیم بن بشر اور محمد فضیل بھی تو ہیں اور ان کو یکسر نظر انداز کر دینا بالکل درست نہیں ہے اور یہ دونوں بخاری و مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔

محمد بن فضیل اگرچہ مذکورہ تینوں راویوں جیسے نہیں ہیں لیکن ہشیم بن بشر ان سے کم نہیں ہیں۔ علامہ ذہبی نے ”تذکرۃ الحفاظ“ میں انھیں ”الحافظ الکبیر محدث العصر“، میزان الاعتدال میں ”الحافظ أحد الأعلام“ اور کاشف میں ”إمام ثقة“ کہا ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے ”تقریب“ میں انھیں ”ثقة ثبت“ کہا ہے یہ الگ بات ہے کہ یہ تدلیس کرتے تھے لیکن اس سے ان کی ثقاہت پر کوئی حرف نہیں آتا یہ بھی واضح رہے کہ اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے ہشیم نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔

اور زائدہ کے بارے میں علامہ ذہبی نے کاشف میں ”ثقة حجة صاحب سنة“ اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں ”ثقة ثبت صاحب سنة“ کہا ہے۔

اور ان کی روایت پر دوسرے راویوں کی روایت کو ترجیح دینے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ثقہ ثبت راوی صحیح طرح سے روایت کو ضبط نہیں کر پائے جب کہ اس قسم کے راویوں کے بارے میں ایسی بات بغیر ٹھوس دلیل کے کہنا درست نہیں۔

② ان کا یہ قول ”والعدد الكثير“ محل نظر ہے کیونکہ دونوں روایتوں کے راویوں کی جو تعداد انھوں نے ذکر کی ہے وہ دونوں طرف ہی برابر ہے۔ اور ہشیم بن بشر اور محمد بن فضیل کو یکسر نظر انداز کر دینا یہ درست نہیں جیسا کہ ذکر ہوا۔ اگر وہ اپنی اسی بات پر اکتفاء کرتے کہ دوسری روایت کے راوی اُحفظ ہیں تو بات قدرے مناسب ہوتی۔

③ زائدہ بن قدامہ اور ان کے ساتھیوں کی روایت ابو عوانہ و ضاح اور ان کے ساتھیوں کی روایت کے منافی و مخالف نہیں کہ ترجیح کی ضرورت پیش آئے کیونکہ ابو عوانہ اور ان کے ساتھیوں نے صرف ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے جب کہ ابن قدامہ اور ان کے ساتھیوں نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے چنانچہ انھوں نے اپنی روایت میں دعاء کا اضافہ کیا ہے جسے اُصول حدیث کی اصطلاح میں ”زیادة الثقة“ کہا جاتا ہے یعنی ثقہ راوی کا اضافہ جو قابل قبول ہوا کرتا ہے اور دعا کا اضافہ ”زیادة الثقة“ نہیں بلکہ ”زیادة الثقات“ ہے۔ یعنی کئی راویوں کا اضافہ جن کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔ جو کہ اُصول حدیث کے مطابق قابل قبول ہے۔

④ واضح رہے کہ ثقہ کی ہر زیادتی کو قبول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے بارے میں تفصیل ہے جسے ”النکت علی ابن الصلاح“ لابن حجر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ”زیادات الثقات“ کے بارے میں محدثین اور اُصولیین کے ہاں فرق ہے علماء اُصول صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیادات کے بارے میں بحث کرتے ہیں جب کہ محدثین صحابہ۔ رضی اللہ عنہم کے علاوہ حدیث کے دیگر راویوں کی زیادات کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔

چند منتخب پر ایک نظر

④ بالفرض اگر زائدہ بن قدامہ اور ان کے ساتھیوں کی روایت کو ”زیادۃ الثقه“ نہ بھی کہا جائے تب بھی ترجیح انہی کی روایت کو ہوگی کیونکہ دوسرے راویوں کی روایت مطلق ہے جبکہ ان کی روایت مُقَيَّد ہے چنانچہ اصول فقہ کے قاعدے کے مطابق مطلق کو مُقَيَّد پر محمول کیا جائے گا۔

⑤ اس حدیث کے اکثر راویوں نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے مطلق ہاتھ اٹھانے کا نہیں لہذا اگر ترجیح کی صورت کو اختیار کریں تو ترجیح انہی کی روایت کو ہوگی۔

اس حدیث کو عمارہ بن رویہ۔ رضی اللہ عنہ سے حصین بن عبد الرحمن سُلمی نے روایت کیا ہے اور حصین سے اسے روایت کرتے ہوئے درج ذیل راویوں نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے۔

- ① زائدہ بن قدامہ۔
- ② ہشیم بن بشیر۔
- ③ شعبۃ بن الحجاج۔
- ④ زبیر بن معاویہ۔
- ⑤ محمد بن فضیل۔
- ⑥ جریر بن عبد الحمید۔

اسی طرح سفیان ثوری نے بھی محمد بن یوسف فریابی کی روایت میں دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ کعب اور عبد الرزاق نے ثوری سے روایت کرتے ہوئے دعاء کا ذکر نہیں کیا۔ ❦ اور کعب سفیان ثوری کے اُخت (زیادہ پختہ) اصحاب میں سے ہیں۔

اور جن راویوں نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں بلکہ مطلق ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

- ① عبد اللہ بن إدريس۔
- ② أبو عوانہ وضاح بن عبد اللہ۔

❦ زائدہ کی سند سے اس کو ابوداؤد (۱۱۰۴) ابونعیم نے المستخرج علی صحیح مسلم (۴۰۹/۲) میں اور طحاوی (۱۳۴/۱) نے، ہشیم کی سند سے ترمذی (۵۱۵) بغوی نے ترمذی سے ”شرح السنۃ“ (۲۵۵/۴) میں، ابونعیم اور ابن خزیمہ (۱۷۹۳) نے، شعبۃ کی سند سے طحاوی، ابن خزیمہ، ابونعیم اور بیہقی (۲۱۰/۳) نے، زبیر بن معاویہ کی سند سے احمد (۱۳۶/۴) نے، فضیل کی سند سے ابن ابی شیبہ (۴۷۵/۱) اور احمد (۲۶۱/۴) نے اور جریر بن عبد الحمید کی سند سے اس کو ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

❦ فریابی کی سند سے اسے داری (۳۶۶/۱) نے روایت کیا ہے، کعب اور عبد الرزاق کی سند سے اس کی تخریج عنقریب آرہی ہے۔

③ سفیان ثوری۔

④ أبو زبید عبثر بن قاسم۔^①

ان چاروں راویوں نے مطلق ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے جب کہ پہلے چھ راویوں نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے بلکہ مذکور چار راویوں میں سے سفیان ثوری کی ایک روایت میں بھی دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے جیسا کہ قریب ہی ذکر ہوا۔

جن چھ راویوں نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر ثقہ ثبت ہیں۔ زائدۃ بن قدامہ اور ہشیم بن بشیر کے بارے میں علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر کے اقوال ذکر ہوئے، اب شعبہ اور زہیر بن معاویہ کے بارے میں ان کے اقوال ملاحظہ کریں۔

① شعبہ بن حجاج۔ ثقة حجة (کاشف الذہبی) ثقة حافظ متقن (تقریب الحافظ)۔

② زہیر بن معاویہ۔ ثقة حجة۔ (کاشف) ثقة ثبت (تقریب)۔

لہذا ہم اگر عدد اور حفظ کے اعتبار سے بھی ترجیح دیں تو انھیں راویوں کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

تنبیہ = ہشیم بن بشیر سے علی بن مسلم اور ابورہیع کی روایت میں جمعہ کی بجائے عید کے دن کا ذکر ہے۔ جب کہ ان سے احمد بن منیع کی روایت میں خطبہ میں دوران دعاء ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ جمعہ یا عید کی قید نہیں۔^③ اسی طرح عبد اللہ بن ردریس، ابوزبید، زہیر، ابن فضیل اور جریر نے بھی اس حدیث کو حصین بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہوئے جمعہ یا عید کا ذکر نہیں کیا صرف منبر پر ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے۔

جب کہ سفیان ثوری، زائدۃ بن قدامہ، شعبہ اور ابوعوانہ نے جمعہ کے دن کی صراحت کی ہے۔ ان کی روایت اور عبد اللہ بن ردریس اور ان کے ساتھیوں کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ سفیان ثوری اور ان کے ساتھیوں کی روایت زیادۃ الثقات ہے جو قابل قبول ہوا کرتی ہے۔

اگر ترجیح کی صورت کو اختیار کریں تو ترجیح بھی انہی کی روایت کو ہوگی کیونکہ عبد اللہ بن ردریس وغیرہ کی روایت

① عبد اللہ بن ردریس کی سند سے اس کو ابن ابی شیبہ (۲۷۵/۱) نے اور ابن ابی شیبہ سے مسلم نے (۱۶۲/۶) ابونعیم نے المستخرج (۳۵۹/۲) میں ابن حبان (۱۲۱/۲) اور بیہقی (۲۱۰/۳) نے روایت کیا ہے۔ ابوعوانہ وضاح کی سند سے اسے مسلم، سفیان ثوری کی سند سے احمد (۱۳۵/۴-۱۳۶-۱۳۶) ابن خزیمہ (۱۷۹۳) اور عبد الرزاق (۱۹۲/۳) نے اور ابوزبید صہر بن قاسم کی سند سے داری (۲۶۶/۱) نے اس کو روایت کیا ہے۔

② علی بن مسلم کی روایت صحیح ابن خزیمہ میں اور ابورہیع کی روایت مستخرج ابونعیم میں ہے اور احمد بن منیع کی روایت ترمذی اور بغوی کے ہاں ہے۔

مطلق ہے اور ان کی روایت مُقْبِد ہے چنانچہ اصولی قاعدہ کے مطابق مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔
رہی ہشیم کی روایت تو اس میں اور ثوری وغیرہ کی روایت میں اس طرح سے ترجیح دی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے کہ عید جمعہ کے دن آئی ہو۔ واللہ اعلم۔

اگر یہ ترجیح بعید ہو تو ہشیم کی روایت شاذ ہے کیونکہ یہ ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہے۔
اس پر مستزاد یہ کہ جن محدثین نے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان تمام نے اسے ”کتاب الجمعة“ میں ہی روایت کیا ہے سوائے ابن حبان کے کہ انھوں نے اسے ”باب الادعیہ“ میں روایت کیا ہے۔

خلاصہ کلام:

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ معتبر روایت وہ ہے جس میں یہ ہے کہ بشر بن مروان کا منبر پر ہاتھ اٹھانا خطبہ جمعہ کی دعائیں تھانہ کہ عام خطبہ کی طرح دوران خطبہ ادھر ادھر ہاتھ ہلاتا۔

دوسری وجہ ترجیح:

عظیم آبادی نے دوسری وجہ ترجیح یہ بیان کی ہے کہ اس حدیث کے آخر میں ہے: ”لقد رأیت رسول اللہ ﷺ و هو علی المنبر ما یزید علی هذه۔ یعنی السبابة التي تلي الإبهام“ یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا کہ آپ شہادت والی انگلی سے اشارے کے علاوہ کچھ نہیں کر رہے تھے۔“ اور اس طرح سے دعاء میں اشارہ منقول نہیں۔

قلت: مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ ثابت ہے لہذا انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

ب: حدیث عمارہ بن رؤیبہ اور شارحین حدیث:

اس تفصیل کے بعد اب شارحین نے اس حدیث کی بناء پر جو کچھ کہا ہے اسے ملاحظہ کیجیے:

① امام بیہقی اس حدیث اور حدیث سہل بن سعد ؓ کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

② اس حدیث میں سہل بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی منبر اور غیر منبر پر دعاء میں ہاتھ اٹھائے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ میں نے آپ کو شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس حدیث کو أحمد (۵/۳۳۷) ابوداؤد (۱۱۰۵) ابویعلیٰ (۷۵۵) ابن خزیمہ (۱۳۵۰) ابن حبان (۱۲۱/۲) حاکم (۵۳۶/۱) طبرانی (۶/۶۰۲۳) اور بیہقی (۲۱۰/۳) نے روایت کیا ہے۔

مگر یہ روایت متکلم فیہ ہے منذری نے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اور البانی نے اس میں سنداً اور متناً کلام کیا ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: مختصر سنن أبی داؤد (۲۰/۲) اور ضعیف أبی داؤد (۷/۱۰)، حدیث: (۲۰۴)۔

”والقصد من الحديثين إثبات الدعاء في الخطبة ثم فيه من السنة أن لا يرفع يديه في حال الدعاء في الخطبة و يقتصر على أن يشير بإصبعه“ (سنن البيهقي: ۳/۲۱۰)۔

”ان دونوں حدیثوں سے مقصود خطبہ میں دعاء کا اثبات ہے۔

دوسری بات اس میں۔ دعاء میں۔ یہ ہے کہ خطبہ میں دعاء کے وقت ہاتھ نہ اٹھائے اور انگلی کے ساتھ اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کرے۔“

② امام بغوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”رفع اليدين في الخطبة غير مشروع، وفي الاستسقاء سنة“ فإن استسقى في خطبة الجمعة يرفع يديه اقتداءً بالنبي ﷺ (شرح السنة: ۴/۲۵۷)۔

”خطبہ جمعہ میں (دعاء میں) ہاتھوں کا اٹھانا غیر مشروع ہے اور استسقاء میں سنت ہے اگر خطبہ جمعہ میں (خطیب) بارش کی دعاء کرے تو نبی۔ ﷺ کی اقتداء کرتے ہوئے ہاتھ اٹھائے۔“

③ امام نووی لکھتے ہیں:

”هذا فيه أن السنة أن لا يرفع اليد في الخطبة، وهو قول مالك وأصحابنا وغيرهم۔ وحكى القاضي عن بعض السلف، وبعض المالكية إباحته، لأن النبي۔ صلى الله عليه وسلم۔ رفع يديه في خطبة الجمعة حين استسقى، وأجاب الأولون بأن هذا الرفع كان لعارض۔“

(شرح مسلم: ۶/۱۶۲، أيضاً، إكمال المعلم بفوائد مسلم للقاضي عياض: ۳/۲۷۷)

”اس حدیث میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ خطبہ (کی دعاء) میں ہاتھ نہ اٹھائے مالک ہمارے اصحاب (شافعیہ) وغیرہم کا یہی قول ہے۔

قاضی (عياض) نے بعض سلف اور بعض مالکیہ سے ہاتھ اٹھانے کا جواز نقل کیا ہے کیونکہ نبی۔ ﷺ نے خطبہ جمعہ میں جب بارش کے لیے دعا کی تو ہاتھ اٹھائے۔

پہلے قول والوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہاتھ اٹھانا عارضہ کی بناء پر تھا۔“

تنبیہ = پہلے قول والوں نے یعنی ”أجاب الأولون“ یہ نووی کا کلام ہے قاضی عياض کا نہیں۔ نووی کا یہ کلام

④ واضح رہے کہ خطبہ جمعہ کی عام دعاء میں ہاتھ اٹھانا درست نہیں لیکن اگر کوئی خاص دعاء جیسا کہ بارش وغیرہ کی دعاء ہو تو اس

میں ہاتھ اٹھانا درست ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ہماری کتاب ”القول المقبول“ (ص: ۵۰۱) اور صفة التسمية

(ص: ۹-۱۰، عربی) اس کتاب کے (ص: ۳۳) میں بھی اس کی کچھ تفصیل آ رہی ہے۔

چند کتب پر ایک نظر

قاضی عیاض کے قول کے بعد محمد بن خلیفہ آبی نے ”إكمال إكمال المعلم“ (۲۴۳/۳) میں اور محمد بن محمد السوسی نے ”مکمل إكمال الإكمال“ (۲۴۳/۳) میں بھی نقل کیا ہے۔

④ علامہ عینی نے بھی ”شرح سنن أبی داؤد“ (۴۴۵/۴) میں یہی کچھ کہا ہے غالباً انھوں نے امام نووی ہی کا کلام ان کا نام لیے بغیر نقل کر دیا ہے کیونکہ چند ایک لفظی فرق کے بعینہ وہی کلام ہے جو نووی کا ہے۔
⑤ علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

”والحدیثان المذكوران فی الباب یدلان علی کراهیة رفع الأیدی علی المنبر حال الدعاء، و أنه بدعة۔“ (نیل الأوطار: ۲۷۱/۳)۔

”باب میں مذکورہ دونوں حدیثیں۔ حدیث عمارہ و حدیث سہل۔ منبر پر دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے کی کراہت اور اس کے بدعت ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔“

⑥ علامہ مبارکپوری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”والحدیث یدل علی کراهیة رفع الأیدی علی المنبر حال الدعاء“ (تحفة الأحوذی: ۴۸/۳)۔

”یہ حدیث منبر پر دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے۔“

ج۔ اقوال تابعین و دیگر ائمہ:

اس حدیث کے بارے میں شارحین حدیث کے اقوال ملاحظہ کر لینے کے بعد اب اس مسئلے کے بارے میں اقوال تابعین و ائمہ ملاحظہ کریں۔

① امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری -
معمر نے ان سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: ”رفع الأیدی يوم الجمعة محدث.....“ جمعہ کے دن ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔“

معمر سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ان سے جمعہ کے دن ہاتھ اٹھانے کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا بدعت ہے اور اس بدعت کو سب سے پہلے عبد الملک ② نے ایجاد کیا تھا۔

② یعنی عبد الملک بن مروان بن حکم اموی خلیفہ۔

③ اس روایت کو عبد الرزاق (۱۹۲/۳) نے اور اس سے پہلے والی کو ابن أبی شیبہ (۳۷۵/۱) نے روایت کیا ہے اور ان دونوں روایتوں کی سندیں صحیح ہیں۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس کو ”باب فی رفع الأیدی فی الدعاء يوم الجمعة“ میں روایت کیا ہے۔

② امام مسروق بن الأجدع بن مالك أبو عائشه الفقيه۔

عبداللہ بن مرة بیان کرتے ہیں کہ امام نے جمعہ کے دن منبر پر ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھا لیے تو مسروق نے کہا: ”قطع الله أيديهم“ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں کو کاٹ دے۔“

③ امام محمد بن سيرين کہتے ہیں:

”أول من رفع يديه في الجمعة عبید الله بن عبد الله بن معمر“

”جمعہ میں سب سے پہلے جس نے ہاتھ اٹھائے وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن معمر ہے۔“

ابن سيرين کا یہ کہنا انکار کے طور پر تھا۔ مذکورہ تینوں ائمہ مشہور و معروف تابعین میں سے ہیں۔

اسی طرح لیث بن أبي سليم، طاؤس تابعی کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ جمعہ کے دن لوگوں کی دعاء کو مکروہ

سمجھتے تھے اور وہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے مگر اس کی سند میں لیث بن أبي سليم کی وجہ سے ضعف ہے۔

ان تابعین کے بعد اب دیگر بعض علماء کے اقوال ملاحظہ کریں۔

① امام شهاب الدين أبو شامة (متوفی: ۶۶۵ھ)۔

”و أما رفع أيديهم عند الدعاء فبدعة قديمة۔“

”رہا لوگوں کا دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا تو یہ قدیم (پرانی) بدعت ہے۔“

② شیخ الاسلام ابن تیمیہ (متوفی: ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

”و يكره للإمام رفع يديه حال الدعاء في الخطبة، لأن النبي صلى الله عليه وسلم

إنما كان يشير بإصبعه إذ دعا۔“

③ اسے ابن ابی شیبہ (۴۷۵/۱) اور عبد الرزاق (۱۹۲/۳) نے سند صحیح روایت کیا ہے۔ واضح رہے کہ عبد الرزاق کی روایت میں کچھ اختصار ہے۔

④ اس اثر کو ابن ابی شیبہ (۴۷۵/۱) اور بخاری نے ”تاریخ کبیر“ (۳۹۹/۵) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اس اثر کو ابن ابی حاتم نے جرح و تعدیل (۳۳۰/۵) میں ابن حبان نے ”ثقات“ (۷۴/۵) میں اور حافظ ابن حجر نے بھی ”تعیجل المنفعة“ (ص: ۲۷۳-۲۷۵) میں ذکر کیا ہے۔

⑤ یہ تابعین میں سے ہیں بصرہ کے والی (گورنر) تھے اور خلافت عمر بن خطاب میں جنگ اصطر میں مارے گئے جیسا کہ حافظ ابن حبان نے کہا ہے۔

⑥ اسے بھی ابن ابی شیبہ (۴۷۵/۱) نے روایت کیا ہے۔

⑦ الباعث علی انکار البدع والحوادث (ص: ۸۵)۔

⑧ الاختيارات العلمية (ص: ۲۸)۔

”امام کے لیے خطبہ میں دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے کیونکہ نبی ﷺ دعاء کے وقت صرف اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔“

❑ علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی: ۹۱۱ھ)۔

انہوں نے بھی خطبہ جمعہ کی بدعات کا ذکر کرتے ہوئے وہی بات کہی ہے جو ابوشامہ نے کہی ہے۔❖

❑ علامہ زبیدی (متوفی: ۱۲۰۵ھ)۔

یہ آداب دعاء کے ضمن میں تنبیہ کے طور پر لکھتے ہیں:

”لا يستثنى من مسألة رفع اليدين في الدعاء إلا مسألة واحدة، وهي الدعاء في الخطبة على المنبر فإنه يكره للخطيب رفع اليدين فيه، ذكره البيهقي في باب صلاة الجمعة، واحتج بحديث في صحيح مسلم صريح في ذلك“❖

”دعاء میں رفع یدین والے مسئلے سے صرف ایک مسئلہ مستثنیٰ کیا جائے گا اور وہ ہے منبر پر خطبہ میں دعاء والا مسئلہ سو اس دعاء میں خطیب کے لیے ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے اسے تنبیہی نے ”باب صلاة الجمعة“ میں ذکر کیا ہے اور اس پر انہوں نے اس کے بارے میں صحیح مسلم کی ایک صریح حدیث سے دلیل لی ہے۔“

حنفی علماء کا فتویٰ:

❑ حنفی علماء کا اس مسئلے کے بارے میں بڑا سخت فتویٰ ہے چنانچہ بقالی نے اپنی مختصر میں کہا ہے:

”و إذا شرع في الدعاء لا يجوز للقوم رفع اليدين، ولا تأمين باللسان جهراً، فإن فعلوا ذلك أثموا۔“

وقيل: أساءوا، ولا إثم عليهم، والصحيح هو الأول وعليه الفتوى۔“❖

”(خطیب) جب دعاء کرنے لگے تو لوگوں کے لیے ہاتھوں کا اٹھانا اور اونچی آواز سے آمین کہنا جائز نہیں اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ گنہگار ہوں گے۔“

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا ایسا کرنا تو اچھا نہیں مگر ان پر کوئی گناہ نہیں اور صحیح پہلا قول ہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔“

❖ ملاحظہ ہو ”الأمر بالاتباع والنهي عن الابتداع“ (ص: ۱۸۲)۔

تنبیہ: اس کتاب کے مطبوعہ نسخے میں ”قدیمہ“ کی بجائے ”قبیحة“ ہے یعنی بری بدعت، جب کہ ایک نسخے میں ”قدیمہ“ بھی ہے جیسا کہ محقق نے اشارہ کیا ہے۔

❖ اتحاف السادة المتقين (۲۳۵/۵)۔

❖ حاشیہ رد المختار (۱۵۸/۲)۔

چند قُتب پر ایک نظر

بلکہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے بدعت کے گراہی ہونے پر بشر بن مروان کے فعل کی مثال دی ہے چنانچہ لکھا ہے:

”و كذلك: رفع الیدین للدعاء فی خطبة الجمعة، فعله بشر بن مروان، وأنكره عليه عمارة۔“

❦ شیخ ناصر الدین البانی

❦ انھوں نے خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے کو جمعہ کی بدعات میں شمار کیا ہے۔

❦ شارحین حدیث، تابعین اور ائمہ کے مذکورہ اقوال ملاحظہ کر لینے کے بعد اب ہم نام نہاد سلفی ابو مسعود سے پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی حدیث ہے جس میں خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے سے منع کیا گیا ہو، اگر ہے تو ہمیں بھی بتائیں۔

❦ اگر آپ کہیں کہ ایسی کوئی حدیث نہیں تو ہم آپ سے پوچھیں گے کہ عمارہ صحابی۔ رضی اللہ عنہ زہری، مسروق، محمد بن سیرین، تابعین اور دیگر ائمہ کا خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے سے انکار کیسا ہے درست ہے یا کہ نہیں۔ اگر درست ہے تو کیوں اور اگر درست نہیں تو کیوں؟ بیوا تو جروا۔

❦ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ لوگ بھی جافین محققین، بال کی کھال اتارنے والے، شرانگیز تحقیق کے تیر چلانے والے، ناعاقبت اندیش، احمق مخلصین اور شیطان کا آلہ کار بننے والے تھے۔ نعوذ باللہ۔ ”إذا لم تستحي فاصنع ما شئت“

❦ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ جمعہ میں بارش کے لیے دعاء کے وقت ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جیسا کہ انس۔ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

❦ علماء نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ بوقت ضرورت ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جاسکتی ہے جیسا کہ بارش کے لیے یا اس جیسے کسی اور مسئلے کے لیے دعاء ہو تو، مگر عام دعاء میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔

❦ علامہ ابن العربی، حدیث عمارہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

”رفع الیدین علی المنبر جائز إذا احتاج إليه الإمام، في البخاری.....“

❦ اس کے بعد انھوں نے مذکورہ حدیث انس کا ذکر کیا ہے۔

❦ إقامة الحجّة (ص: ۲۷) نقلًا عن ”القول المبين في أخطاء المصلين“ لمشهور حسن (ص: ۳۷۹)۔

❦ الأجوبة النافعة (ص: ۷۲)۔

❦ یہ حدیث ہے ملاحظہ ہو اس کتاب کا مقدمہ (صفحہ: ۳)۔

❦ اس کو بخاری (۱۰۲۹) نے معلقاً اور بیہقی (۳۵۷/۳) نے موصولاً روایت کیا ہے، اس کی وضاحت کے لیے اس رسالے کا دوسرا باب (صفحہ: ۹۳) ملاحظہ کریں۔

❦ ملاحظہ ہو ”عارضۃ الأحوذی“ (۳۰۴/۲)۔

اسی طرح صفحہ (۵۰) میں مذکور امام نووی کا کلام بھی دیکھیں۔

خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے سے متعلق اس خصوصی حدیث انسؓ کے ساتھ ساتھ عام دعاء میں ہاتھ اٹھانے سے متعلق عمومی حدیث بھی ہے اور وہ سلمان فارسیؓ کی حدیث ہے جو بایں الفاظ ہے:

”إِنَّ رَبَّكُمْ - تَبَارَكَ وَتَعَالَى - حَبِيبٌ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مَنْ عَبْدُهُ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صَفْرًا“ ❶

”یقیناً تمہارا رب تبارک و تعالیٰ حیاء والا کرم والا ہے جب اس کا بندہ اس کے سامنے اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اسے ان ہاتھوں کو خالی لٹاتے ہوئے شرم آتی ہے۔“

اس عمومی حدیث اور خصوصی حدیث انسؓ کے باوجود علماء نے خطبہ جمعہ کی عام دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا انکار کیا ہے بلکہ سختی سے انکار کیا ہے جیسا کہ تفصیل سے اس کے بارے میں ان کے اقوال نقل کیے جا چکے ہیں۔

مذکورہ اقوال کے بعد ایک اور قول بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔ اور وہ ہے: غُضَيْفُ بْنُ حَارِثٍ ثُمَالِيؓ کا قول، فرماتے ہیں: کہ عبد الملک بن مروان نے میری طرف آدمی بھیجا کہ ہم نے لوگوں کو دو چیزوں پر جمع کر دیا ہے، کہا وہ کونسی؟ اس نے کہا کہ جمعہ کے دن منبروں پر ہاتھ اٹھانا اور نماز فجر اور عصر کے بعد قصے بیان کرنا، میں نے کہا:

”أَمَا إِنَّهُمَا أَمَثَلُ بَدْعَتِكُمْ عِنْدِي وَلَسْتُ مَجْبِيكَ إِلَى شَيْءٍ مِنْهُمَا“۔

”یہ دونوں چیزیں میرے ہاں تمہاری بدعات میں سے سب سے اچھی بدعات ہیں لیکن میں ان میں سے

❶ اس کو ابوداؤد (۱۳۸۸) ترمذی (۳۵۵۶) ابن ماجہ (۳۸۶۵) ابن حبان (۱۲۰، ۱۱۹/۲) حاکم (۱/۱) (۳۹۷) اور احمد (۵/۳۳۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ (۱۳۳/۱۱) میں اس کی سند کو جید کہا ہے مگر اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔ لیکن یہ حدیث اپنے بعض شواہد کی بناء پر ثابت ہے ان شواہد میں سے ایک حدیث انسؓ ہے جس کو حاکم نے حفص بن عمر کی سند سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے مگر ذہبی نے ان کا تعاقب کیا ہے۔

اس کو عبد الرزاق (۴۴۳/۱۰) ابو نعیم (۱۳۱/۸) اور بغوی (۵/۱۸۶) نے ابان اور طبرانی نے ”دعاء“ (۲۰۵، ۲۰۳) میں ربیعہ بن ابی عبد الرحمن کی سند سے بھی روایت کیا ہے مگر یہ دونوں سندیں سخت ضعیف ہیں اور اس کے شواہد میں دوسری حدیث جابر ہے جسے ابو یعلیٰ (۱۸۶۷) اور طبرانی نے ”أوسط“ (۱۱/۸۔ مجمع البحرین) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے مگر یہ حدیث اور حدیث انسؓ اپنی حفص والی سند کے ساتھ دونوں حسن درجہ تک پہنچ جاتی ہیں بلکہ بعض محققین نے حدیث انسؓ کی اس سند کو حسن کہا ہے ملاحظہ ہو ”الاسماء والصفات للبيهقي“ (۱/۲۲۱-۲۲۲) تحقیق عبد اللہ الحاشدی۔

بعض راویوں نے اس حدیث کو۔ حدیث سلمان کو۔ دوسرے سیاق سے روایت کیا ہے جیسا کہ (صفحہ ۷۱) میں آئے گا۔

کسی کو بھی قبول کرنے والا نہیں ہوں۔“

اس نے کہا کیوں؟ تو انھوں نے اس حدیث کا ذکر کیا:

”ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة“ فتمسك بسنة خير من إحداث بدعة۔“^①
 ”جو قوم کسی بدعت کو ایجاد کرتی ہے تو (اس سے) اسی کے مثل سنت اٹھالی جاتی ہے، لہذا سنت کا تمسک،
 بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔“

حافظ ابن حجر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وإذا كان هذا جواب هذا الصحابي في أمر له أصل في السنة، فما ظنك بما لا أصل له فيها، فكيف بما يشتمل على ما يخالفها“ (فتح الباری (۱۳/۲۵۴)۔
 ”جب اس صحابی کا اس کام کے بارے میں جس کی سنت میں اصل ہے جواب یہ ہے تو اس کام کے بارے
 میں کیا خیال ہے جس کی اس میں اصل ہی نہ ہو اور پھر اس کام کے بارے میں کیا خیال ہے جس میں اس
 کی سنت کی مخالفت پائی جائے۔“^②

① اس کو أحمد (۱۰۵/۴) مروزی نے ”السنة“ (رقم: ۹۷) میں اور لاکائی نے ”شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة“ (۱۲۱/۱) میں روایت کیا ہے۔

اس کے مرفوع حصے کو ”ما أحدث قوم.....“ بزار (۱۳۱-کشف) طبرانی (۱۸/حدیث: ۱۷۸) ابن قانع نے ”معجم الصحابة“ (۳۱۶/۲) میں اور ابن بطہ نے ”الإبانة“ (۳۴۹/۱-الإيمان) میں بھی روایت کیا ہے۔
 حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ (۲۵۳/۱۳) میں اس کی سند کو جید کہا ہے مگر اس کی سند ابوبکر بن عبد اللہ بن ابی مریم غسانی کی وجہ ضعیف ہے حافظ ابن حجر نے خود اس کو ”تقریب“ اور ”تخفیف“ (۱۱۸/۱) میں ضعیف کہا ہے۔
 مرفوع حدیث کو چھوڑ کر جہاں تک غصیف رضی اللہ عنہ کے قول کا تعلق ہے تو وہ صحیح ہے کیونکہ اس کی ایک دوسری سند بھی ہے، امام ابوزرعة دمشقی نے اپنی تاریخ (۶۰۳/۱-۱۷۱۲) میں اپنی صحیح سند کے ساتھ۔ جیسا کہ ”القول المبين في أخطاء المصلين“ (ص: ۳۷۹) میں ہے۔ حبیب بن عبید سے روایت کی ہے کہ عبد الملک نے غصیف بن حارث ثمالی سے منبر پر ہاتھ اٹھانے کا سوال کیا تو انھوں نے کہا میں آپ کی اس بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

اس کو جو مرفوع ٹکڑا ہے وہ حسان بن عطیہ تابعی کا قول بھی ہے جس کی سند صحیح ہے جیسا کہ (ص: ۶۵) میں تفصیل آ رہی ہے۔
 ② حافظ ابن حجر کا یہ کلام کتنا عمدہ ہے لیکن جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ”مجموع الفتاوی“ (۴۸۶/۲۰) میں کہا ہے کہ بعض اوقات فاضل آدمی ایسی بات کر دیتا ہے جو اُجھل الناس ہی کرے گا چنانچہ یہی حافظ ابن حجر عید میلاد النبی کے بارے میں لکھتے ہیں: ”أصل عمل المولد بدعة لم تنقل عن أحد من السلف الصالح من القرون الثلاثة“، ”عید میلاد منانا اصل میں بدعت ہے جو قرون ثلاثہ کے سلف صالحین میں سے کسی سے بھی منقول نہیں۔“ (اس کے بعد کہتے ہیں کہ →

دوسری مثال: دعاء قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کا حکم:

اس دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں کسی حدیث میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ اس کے بارے میں مبارکپوری لکھتے ہیں:

”و أما رفع اليدين في قنوت الوتر فلم أقف على حديث مرفوع فيه أيضاً“

(تحفة الأحوذی: ۵۶۷/۲)۔

”رہا قنوت وتر میں ہاتھوں کا اٹھانا تو اس کے بارے میں بھی میں کسی مرفوع حدیث پر مطلع نہیں ہوا ہوں۔“

یعنی مجھے کوئی مرفوع حدیث نہیں ملی۔

عبداللہ بن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ وہ قنوت وتر میں ہاتھ اٹھاتے تھے مگر یہ ان سے صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب ”مسنون نماز“ (ص: ۱۷۶، پہلا ایڈیشن) دیکھیں۔

بعض علماء اس دعاء کو عام دعاء پر قیاس کرتے ہوئے اس میں بھی ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں۔

جب کہ امام احمد بن حنبل اس دعاء کو دعائے قنوت نازلہ پر قیاس کرتے ہوئے اس میں ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں کیونکہ اس دعاء میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو، حوالہ مذکورہ (ص: ۱۷۷، حاشیہ)۔

ان علماء کے مقابلے میں علماء کی ایک دوسری جماعت ہے جو قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کو مکروہ جانتی ہے اس بناء پر کہ نماز میں رائے و قیاس کو دخل نہیں کیونکہ یہ ایک تعبدی اور توقیفی امر ہے۔ ملاحظہ ہو: احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام، لابن دقيق العيد (۱/۱۷۲) ایضاً۔ مسنون نماز۔

جو علماء کراہت کے قائل ہیں ان میں امام مالک، اوزاعی اور یزید بن ابی مریم بھی ہیں اور امام نسائی بھی اسی کے قائل ہیں چنانچہ انھوں نے اپنی ”سنن“ میں ایک باب یوں باندھا ہے: ”ترك رفع اليدين في الدعاء في الوتر“ ملاحظہ ہو (۳/۲۳۹)۔

اور دلیل کے لحاظ سے انہی علماء کا قول رائج اور قوی ہے۔

فائدہ= یہاں اس مسئلہ کی وضاحت خالی از فائدہ نہ ہوگی وہ یہ کہ سنت کی دو قسمیں ہیں:

→ ”مجھے اس کی ایک دلیل ملی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہود دس محرم کا روزہ رکھتے تھے جب ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انھوں نے کہا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو فرعون سے نجات دی تھی تو آپ نے فرمایا کہ ہم بھی شکرانہ کے طور پر اس دن کا روزہ رکھیں گے۔ الخ۔ ملاحظہ ہو: ”الحاوی للفتاویٰ“ للسیوطی (۱/۱۹۶)۔

امام مالک رحمہ اللہ نے سچ فرمایا: ”ما من أحد إلا ، و مأخوذ من كلامه ، و مردود عليه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم“ عقد الجید (ص: ۴۳، ۴۸)۔

یہی بات دیگر علماء نے بھی کہی ہے۔ ملاحظہ ہو ہماری کتاب مسنون نماز (ص: ۱۲، مقدمہ)۔

❶ **سنت فعلیہ**۔ یعنی وہ کام جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو۔

❷ **سنت ترکیہ**۔ یعنی وہ کام جو آپ نے نہ کیا ہو تو اس کا ترک (نہ کرنا) سنت ہے اب اس کے بارے میں بعض علماء کے اقوال ملاحظہ کیجیے۔

رسول اللہ ﷺ سے حجرِ اسود کا استلام (بوسہ دینا یا چھونا) اور رکن یمانی کا چھونا ثابت ہے بعض علماء بیت اللہ کے چاروں ہی کونوں کو چھونے کے قائل ہیں اس بناء پر کہ بیت اللہ میں سے کوئی چیز مجبور (متروک) نہیں ہے۔ امام شافعی ان کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”إِنَّا لَم نَدْعُ اسْتِلَامَهَا هَجْرًا لِلْبَيْتِ ، وَ كَيْفَ يَهْجُرُهُ ، وَ هُوَ يَطُوفُ بِهِ ، وَ لَكِنَّا نَتَّبِعُ السَّنَةَ فَعَلًا أَوْ تَرْكًا..... الخ۔“

”ہمارا دوسرے دو کونوں کو نہ چھونا اس لیے نہیں کہ ہم بیت اللہ کو چھوڑ رہے ہیں طواف کرنے والا اسے کیسے چھوڑ رہا ہے کیونکہ وہ تو پورے بیت اللہ کا طواف کرتا ہے بلکہ ہم تو فعل اور ترک میں سنت کی اتباع کرتے ہیں۔“ یعنی ہمارا دوسرے دو کونوں کو نہ چھونا سنت ترکیہ کی بناء پر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو چھوا نہیں۔“

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے رسول اللہ ﷺ کے ترک کو نقل کرنے کی دو قسمیں بیان کی ہیں اور فرماتے ہیں: ”و كلاهما سنّة“ اور دونوں ہی سنت ہیں“ اس کے بعد ان دونوں قسموں کی تفصیل اور مثالیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”فَإِنْ تَرَكَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَنَّةٌ كَمَا أَنَّ فَعَلَهُ سَنَّةٌ، فَإِذَا اسْتَحْبَبْنَا فَعَلَ مَا تَرَكَهُ كَانَ نَظِيرَ اسْتِحْبَابِنَا تَرَكَ مَا فَعَلَهُ ، وَ لَا فَرْقَ۔“ (إعلام الموقعين ۲/ ۳۷۰، ۳۷۱)۔

”آپ ﷺ کا ترک سنت ہے جیسا کہ آپ کا فعل سنت ہے پس اگر ہم آپ ﷺ کے اس کام کو جسے آپ نے ترک کیا کرنا مستحب سمجھیں تو یہ بعینہ اس طرح ہوگا جیسا کہ آپ نے جو کام کیا اس کے نہ کرنے کو ہم مستحب سمجھیں۔“

اور علامہ قسطلانی ”المواہب اللدنیہ“ میں لکھتے ہیں:

❸ امام شافعی کے طویل قول کا یہ خلاصہ ہے جسے حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ (۳/ ۳۷۴-۳۷۵) میں ذکر کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ”الام“ (۲/ ۲۵۸، ۲۶۰) کتاب ”الحج“ باب ”الركنان اللذان يليان الحجر، باب الاستلام في الزحام“ دیکھیں۔

”و ترکہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سنۃ کما أن فعلہ سنۃ“

(نقلًا عن ”أصول في البدع والسنن“ لمحمد العدوی (ص: ۷۲)۔

”آپ۔ ﷺ۔ کا کسی کام کو نہ کرنا بھی سنت ہے جیسا کہ آپ۔ ﷺ۔ کا کسی کام کو کرنا سنت ہے۔“

ایک اہم وضاحت:

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ آپ۔ ﷺ۔ کے ترک کی دو صورتیں ہیں:

① ایسا ترک جس کا آپ۔ ﷺ۔ کے زمانہ میں سبب موجود تھا۔ مثال کے طور پر عیدین کے لیے اذان اور اقامت کا ترک آپ کے زمانہ میں اس کا مقتضی موجود تھا وہ یہ کہ لوگوں کو نماز عیدین کے لیے بلانا مگر اس کے باوجود آپ۔ ﷺ۔ نے اذان اور اقامت کو ترک کیا چنانچہ ان کا ترک سنت اور ان کا فعل بدعت کہلائے گا۔ اس کی دوسری مثال نمازوں کے بعد اجتماعی دعاء کی ہے اس کے دوائی بھی رسول اللہ۔ ﷺ۔ کے زمانہ میں موجود تھے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

کوئی یہ نہ کہہ دے کہ مثال کے طور پر تو اس چیز کو ذکر کیا جاتا ہے جس پر اتفاق ہوا اور نماز کے بعد اجتماعی دعاء کے بارے میں تو اختلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف ہمارا پیدا کردہ ہے علماء اسلام میں اس مسئلے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں چنانچہ امام ابن قیم اور علامہ شاطبی نے مثالوں میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

② ایسا ترک جس کا رسول اللہ۔ ﷺ۔ کے زمانہ میں سبب موجود نہ تھا۔ مثال کے طور پر جمع مصحف والا مسئلہ ہے آپ۔ ﷺ۔ کے زمانہ میں اس کی ضرورت پیش نہ آئی کیونکہ وافر مقدار میں قرآن مجید کے قراء و حفاظ موجود تھے۔ مگر ابو بکر صدیق۔ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنگ یمامہ میں جب صحابہ۔ رضی اللہ عنہم۔ کثیر تعداد میں شہید ہوئے تو جمع مصحف کی ضرورت پیش آئی۔

ایسے مسائل جن کا رسول اللہ۔ ﷺ۔ کے زمانہ میں سبب موجود نہ تھا بلکہ بعد میں پیدا ہوا علماء اصول کی اصطلاح میں انھیں ”مصلح مرسلہ“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور شریعت کے عام اصول و دلائل کو سامنے رکھ کر ان پر حکم لگایا جاتا ہے۔
تنبیہ = اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ عدم نقل سے کسی کام کا عدم وجود تو لازم نہیں آتا تو اس سوال کے جواب کے لیے ”إعلام الموقعین“ (۳۷۱/۲-۳۷۲) دیکھی جائے۔

① ملاحظہ ہو: إعلام الموقعین (۳۷۱/۲) والموافقات (۲۸۹/۲)۔

② تفصیل واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو: بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، (حدیث: ۴۹۸۶)۔

③ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”اقتضاء الصراط المستقیم“ لابن تیمیہ (ص: ۲۷۸-۲۸۱) الموافقات (۲۸۷/۲-۲۹۱) اور الاعتصام (۳۶۱/۱) وما بعدها) کلاهما للشاطبی۔

تیسری مثال: یعنی اقوال سلف میں سے:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور و معروف واقعہ ہے کہ انھوں نے اجتماعی طور پر خاص انداز سے ذکر کرنے والوں پر انکار کیا اور فرمایا:

”و یحکم یا أمة محمد ما أسرع هلکتکم هولاء صحابة نبیکم متوافرون ، و هذه ثیابه لم تبل ، و آئیتہ لم تکسر ، والذي نفسي بیده إنکم لعلی ملّة هی أهدی من ملّة محمد ، أو مفتتحوا باب ضلالة؟ قالو: واللہ یا أبا عبد الرحمن ما أردنا إلا الخیر۔ قال: و کم من مرید للخیر لن یصیبہ ، أن رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - حدثنا ”أن قومًا یقرؤون القرآن لا یجاوز تراقیہم“ و أیم اللہ ما أدري لعل أكثرهم منکم ثم تولی عنهم، فقال عمرو بن سلمة: رأینا عامّة أولئك الحلق یطاعنوننا یوم النہروان مع الخوارج۔“

”امت محمد تم پر افسوس کتنی جلدی تم ہلاک ہونے لگ گئے تمہارے نبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کثرت سے موجود ہیں آپ۔ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آپ کے برتن ابھی تک ٹوٹے ہیں اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس طریقے پر تم ہو کیا وہ محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے زیادہ ہدایت والا ہے یا کہ تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو انھوں نے کہا اللہ کی قسم ابو عبد الرحمن (ابن مسعود کی کنیت ہے) ہمارا ارادہ صرف خیر کا ہے۔

آپ نے کہا کتنے لوگ ایسے ہیں جو نیکی حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر وہ اسے ہرگز حاصل نہیں کر پاتے۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ ”ایک قوم۔ ایسی آئے گی کہ وہ قرآن تو پڑھے گی مگر وہ اس کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا۔“ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ ان کی اکثریت تم ہی میں سے ہو۔ اس کے بعد آپ (ابن مسعود) چلے گئے۔“

عمرو بن سلمہ (اس قصے کے راوی) کہتے ہیں کہ ہم نے ان حلقوں کے۔ حلقے باندھ کر ذکر کرنے والے۔ اکثر لوگوں

⑤ اسے داری (۶۸/۱) اور مختل واسطی نے ”تاریخ واسطی“ (۱۹۸-۱۹۹) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

یہی واقعہ اختصار کے ساتھ مختلف سندوں اور مختلف سیاقوں سے مصنف عبدالرزاق (۳/۲۲۱-۲۲۲) طبرانی کبیر (۹/۱۳۳-۱۳۴) میں اور ”البدع والنہی عنہا“ لابن الوضاح (ص: ۸، وما بعدھا) میں ہے اور حافظ رحمہ اللہ نے طبرانی کی ایک سند صحیح کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱/۱۸۶)۔

کو دیکھا کہ وہ نہروان کے دن خوارج [ؓ] کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف لڑ رہے تھے۔

ذکر کی قرآن و سنت میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کی ترغیب بھی دلائی گئی ہے مگر اس کے باوجود ابن مسعود نے ان لوگوں پر سختی سے انکار کیا کیونکہ ان کا طریقہ سنت کے مطابق نہ تھا، امام ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

”فہذا ابن مسعود أنکر هذا الفعل مع إمكان إدراجہ تحت عموم فضیلة الذکر“

(احکام الأحکام: ۱/۱۷۳)۔

”ابن مسعود نے اس فعل کا انکار کیا جب کہ ذکر کی عمومی فضیلت میں اس کو داخل کیا جاسکتا ہے۔“

اب ہم اپنے اس نام نہاد سلفی ابو مسعود سے پوچھتے ہیں کیا ابن مسعود خارجی تھے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ کیونکہ موصوف نے لکھا ہے: ”خارجیوں کے متعلق آپ سب جانتے ہیں کہ ان کی نمازیں اور روزے بے مثال تھے تعق کی وجہ سے دین سے صاف نکل گئے جس طرح تیرکمان سے نکل جاتا ہے چنانچہ ان کے بحث مباحثے اور لڑائیاں جھگڑے مسلمانوں سے ہوتے تھے کافروں کو ان سے کوئی خطرہ تھا نہ نقصان، ملاحظہ ہو: فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی (ص: ۵)۔

ہم سلفیت کا لبادہ اوڑھنے والے اس نام نہاد سلفی سے سوال کرتے ہیں کہ ابن مسعود [ؓ] نے جن لوگوں پر انکار کیا اسی طرح عمارہ بن رویہ [ؓ] نے بشر بن مروان پر اور مسروق تابعی [ؓ] نے جن لوگوں پر انکار کیا۔ [ؓ] کیا وہ تمام لوگ مسلمان تھے یا کہ کافر؟ اگر مسلمان تھے تو کیا ان پر انکار کرنے والے آپ کے نزدیک خارجی ہوئے یا کہ نہیں؟۔

اس مجبوظ الحواس انسان سے کچھ بعید نہیں کہ کہہ دے کہ میرے نزدیک وہ خارجی ہی تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ نام نہاد سلفی خود کو اگر واقعہ سلفی سمجھتا ہے تو ابن مسعود [ؓ] کے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر اگر تھوڑی دیر کے لیے سنجیدگی سے غور کرے۔ بشرطیکہ اس کے اندر کچھ تھوڑی بہت سنجیدگی پائی جاتی ہو تو۔ [ؓ] تو اسے معلوم ہوگا کہ وہ سلفی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اسی گروہ سے ہے جس پر ابن مسعود نے انکار کیا تھا۔

[ؓ] اس سے مراد وہ جنگ ہے جو علی [ؓ] نے خوارج کے خلاف لڑی تھی چونکہ یہ لڑائی نہروان مقام پر ہوئی تھی اس لیے اسے ”یوم النہروان“ کہا گیا۔

[ؓ] ان کے اقوال کے لیے درج ذیل صفحات دیکھیں (۲۳، ۳۲، ۴۰)۔

[ؓ] موصوف کے بارے میں ہمیں سنجیدگی کا شک اس لیے ہے کہ ہم ذاتی طور پر انھیں جانتے نہیں ان کا رسالہ ہی دیکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اندر سنجیدگی نام کی کوئی چیز ہی نہیں۔

موصوف نے اپنے مخالفین کے بارے میں جو نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں قارئین کے لیے ہم (ص: ۲۲) میں ان کا مختصر سا خاکہ پیش کر چکے ہیں اگر وہ مزید تفصیل اور تاکید چاہیں تو موصوف کے رسالے کا مطالعہ کریں مطالعہ سے انھیں معلوم ہوگا کہ اس آدمی نے سلفیت کا لبادہ اوڑھ کر سلفیت کو کس قدر بدنام کرنے کی کوشش کی ہے نیز انھیں ان کے رسالے کے

نام نہاد سلفی کی جہالت کی دوسری مثال:

اس نام نہاد سلفی ابو مسعود کی جہالت کی دوسری مثال یہ ہے کہ موصوف نے (صفحہ: ۳۹) میں لکھا ہے:

”بریلوی صاحبان ایک بدیہی امر یعنی رسول کریم ﷺ کے سائے کا انکار کرتے ہیں اور ہم سے اس کا ثبوت صریح اور صحیح روایات سے طلب کرتے ہیں تو ہم اس بین حقیقت کا ثبوت فقط مسند احمد کی روایت سے پیش کر سکتے ہیں اس کے علاوہ انھیں ہاتھ اٹھا کر دعائے اجتماعی جیسی صریح روایت پیش نہیں کر سکتے لیکن اس کے باوجود کوئی بھی سلیم عقل انسان سائے کا انکار نہیں کرتا اسی طرح دعائے اجتماعی کے جواز پر بھی یقین رکھنا چاہیے۔“

یہ ہے نام نہاد سلفی ابو مسعود کا کلام جسے پڑھ کر ہمیں ایک شعر کا دوسرا مصرعہ یاد آ گیا:

اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوچھی

موصوف کے اندر ماشاء اللہ بڑی فتاہت، دقت اور گہرائی پائی جاتی ہے قارئین! آپ نے دیکھا کہ کس قدر پتے کی بات کی ہے۔

یہ پتے کی بات نہیں بلکہ پرلے درجے کی جہالت کی بات ہے ایک طرف تو یہ کہا جا رہا ہے کہ سائے کا ہونا ایک بدیہی امر اور بین حقیقت ہے اور کوئی صحیح عقل انسان سائے کا انکار نہیں کرتا اور دوسری طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ اس پر ہمارے پاس سوائے ”مسند احمد“ کی روایت کے کوئی دوسری دلیل نہیں ہے۔

حکیم اسلام صاحب جب آپ کے پاس سوائے مسند احمد کی روایت کے۔ جو کہ اسنادی اعتبار سے پایہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ اور کوئی دلیل نہیں ہے تو سائے کا مسئلہ ایک بدیہی امر اور بین حقیقت کیسے ہو گیا کیونکہ بدیہی امر یا بین حقیقت۔ ناشر ادارے، ”ادارہ تبلیغ القرآن والنہی“ کی قرآن و سنت کی تبلیغ و خدمت کا علم بھی ہوگا اور ہر سنجیدہ اور ذی شعور آدمی اس ادارے کے ذمہ داران سے یہ سوال کرے گا۔ ﴿اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيْدٌ﴾۔ (ہود: ۷۸)

یہ روایت صفیہ رضی اللہ عنہا اور ایک روایت کے مطابق عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ نبی ﷺ سے ناراض ہو گئے اور دو یا تین ماہ بعد آپ ان کے گھر تشریف لے گئے تو انھوں نے سب سے پہلے آپ کا سایہ دیکھا۔ اس کو احمد (۶/ ۱۳۱-۱۳۲، ۲۶۱، ۳۳۷، ۳۳۸) طبرانی نے ”کبیر“ (ج ۲/ ۲۴) حدیث: (۱۷۸) اور ”أوسط“ (۳/ ۲۳۳۹) حدیث: (۲۳۳۹) میں اور ابن سعد نے ”طبقات“ (۱۲۷/ ۸) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں صفیہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے راویہ سمیہ ہے اور بعض روایات میں ”شمیہ“ اور بعض میں ”سمیہ“ کی بجائے ”سمینہ“ سے مگر معتبر پہلے والی دونوں روایتیں ہیں۔ سمیہ مجہولہ ہے اور شمیہ کے بارے میں شیخ البانی نے ذکر کیا ہے کہ یہ ثقہ ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ان کی کتاب ”سلسلة الأحادیث الصحيحة“ (ج ۴/ ص: ۶۲۴-۶۲۶، حدیث: ۳۲۰۵)۔

حقیقت کا اطلاق تو ایسی چیز پر ہوتا ہے جو واضح اور ٹھوس دلائل سے ثابت ہو اور جس کا سلیم العقل اور سلیم الفطرت انسان کے لیے انکار ناممکن ہو۔

ہم اپنے اس نام نہاد سلفی اور حکمت دان سے گزارش کریں گے کہ سلیم العقل انسان سائے کا انکار اس لیے نہیں کرتا کہ اس کا ذکر ”مسند احمد“ کی روایت میں ہے بلکہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا بشر ہونا کتاب و سنت کے ٹھوس اور واضح دلائل سے ثابت ہے۔ اسی لیے فقہاء حنفیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ۔ بلکہ ہر رسول بشر ہی ہوتا ہے چنانچہ شرح ”عقائد نسفی“ میں رسول کی تعریف کے بارے میں لکھا ہے کہ:

”والرسل انسان بعثہ اللہ - تعالیٰ - إلی الخلق لتبلیغ الأحکام۔“

(شرح عقائد نسفی، مطبوعہ قیومی کانپور، ص: ۱۱) منقول از مقیاس، حنفیت (ص: ۹۷)۔

”اور رسول وہ آدمی ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف تبلیغ احکام کے لیے مبعوث کرتا ہے۔“

جب یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر تھے اور ہر بشر کا سایہ ہوتا ہے لہذا آپ کا بھی سایہ تھا اگر ہمارے پاس کوئی ٹھوس اور واضح دلیل ہو کہ جس میں یہ ہو کہ آپ ﷺ کا سایہ نہیں تھا تو پھر ہم آپ سے سایہ کی نفی کریں گے اور کہیں گے کہ آپ کا سایہ نہ ہونا آپ کے خواص میں سے ہے جب کہ ایسی کوئی دلیل نہیں ہے لہذا دلیل وہ حضرات دیں جو رسول اللہ ﷺ سے سایہ کی نفی کرتے ہیں کیونکہ سایہ کی نفی کے معنی یہ ہوئے کہ یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے اور خصوصیت پر ٹھوس دلیل چاہیے ٹھوس دلیل کے بغیر کسی بھی خصوصیت کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

واضح رہے کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ نافی پر دلیل نہیں جب کہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ نافی پر بھی دلیل ہے اور صحیح قول بھی جمہور ہی کا ہے کیونکہ اللہ عز وجل نے یہود کے اس قول کو ﴿وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرِي﴾ اور انھوں نے کہا کہ جنت میں یہود و نصاریٰ ہی داخل ہوں گے۔ یعنی ان کے علاوہ اور کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (البقرة: ۱۱۱) ”یہ ان کی آرزوئیں ہیں ان سے کہو اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو تو۔“

اس نفی پر ان سے دلیل طلب کی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ نافی پر بھی دلیل ہے۔

→ ان دونوں روایتوں میں کوئی روایت معتبر ہے یعنی سمیہ یا شمیہ والی روایت، اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے لہذا اس حدیث کی سند محل نظر ہے واللہ اعلم۔

چند منتخب پر ایک نظر

بعض نے نفی پر دلیل یہ دی ہے کہ حکیم ترمذیؒ نے ذکوان سے روایت کی ہے:

”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَرَى لَهُ ظِلًّا فِي شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ“

”سورج اور چاند کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کا سایہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔“

مگر یہ روایت مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ من گھڑت بھی ہے مرسل اس لیے کہ ذکوان تابعی ہیں اور من گھڑت اس لیے کہ اس کی سند میں عبد الرحمن بن قیس زعفرانی ایٹ راوی ہے جس کو عبد الرحمن بن مہدی اور ابو زرعہ نے کذاب کہا ہے۔

اور زعفرانی نے اس حدیث کو عبد الملک بن عبد اللہ بن الولید سے روایت کیا ہے جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

اسی طرح ابن عباسؓ سے مروی ہے:

”لَمْ يَكُنْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ۔“

”رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔“

اس کو ابن جوزی نے ”الوفاء بأحوال المصطفى“ (۶۵/۲) میں بلا سند ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اسے زرقانی

نے ”شرح المواهب اللدنیة“ (۵۲۵/۵) (۲۰۰/۷) میں ابن مبارک اور ابن جوزی کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی، لہذا یہ بے اصل ہے۔

اہم تنبیہ:

تقریباً ایک سال قبل (۲۰۰۵م) دوہی میں ایک صاحب عیسیٰ مانع حنیری نے اپنی تحقیق سے ایک جزء اس نام سے شائع کیا: ”الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف“ لعبد الرزاق۔ اور اس جزء میں ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث بھی ہے جس کی سند یوں ہے:

یہ حکیم ترمذی صاحب ”سنن ترمذی“ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ (متوفی: ۲۹۷ھ) کے علاوہ ہیں ان کا نام محمد بن علی اور کنیت ابو عبد اللہ

ہے ان کی چند ایک کتب میں سے ایک کتاب ”نوادیر الأصول“ بھی ہے اور یہ صوفیاء میں سے ہیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جیسے نبیوں کے لیے خاتم ہے اسی طرح اولیاء کے لیے بھی خاتم ہے اور ان کے ”عقائد مخرفہ“ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ دلالت کو نبوت پر فضیلت دیتے تھے ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے بعض کے کہنے کے مطابق ان کی تاریخ وفات (۲۸۵ھ) ہے ان کے ترجمے کے لیے تذکرۃ الحفاظ (۶۳۵//۲) اور ”سیر أعلام النبلاء“ (۳۳۹-۳۴۲) وغیرہ دیکھیں۔

اس کو سیوطی نے ”الخصائص الكبرى“ (۱/۶۸، ۷۱) میں، قسطلانی نے ”المواهب اللدنیة“ (۵۲۵-۵۳۳/۵)۔ شرح

الزرقانی) میں اور زرقانی نے ”شرح المواهب اللدنیة“ (۱۹۹/۷) میں حکیم ترمذی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

سیوطی نے ایک مقام پر (۱/۷۱) اس کی سند کا ابتدائی حصہ بھی ذکر کیا ہے جس سے اس کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

اسی طرح دیگر ائمہ نے بھی اس میں کلام کیا ہے ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال (۵۸۳/۲)۔

”عبد الرزاق عن ابن جريج قال أخبرني نافع أن ابن عباس قال: لم يكن لرسول الله صلى الله عليه وسلم ظلّ“ (ملاحظہ ہو مذکورہ جزء، صفحہ: ۵۶، نمبر: ۴)

اور یہ سند ظاہراً صحیح ہے مگر یہ مکمل جزء جس میں کل چالیس احادیث ہیں محل نظر ہے بلکہ من گھڑت اور بے اصل ہے اس کے بارے میں عربی زبان میں بہت تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اسی طرح ”محدث“ اور ”الاعتصام“ وغیرہ میں بھی اس جزء کے رد میں مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

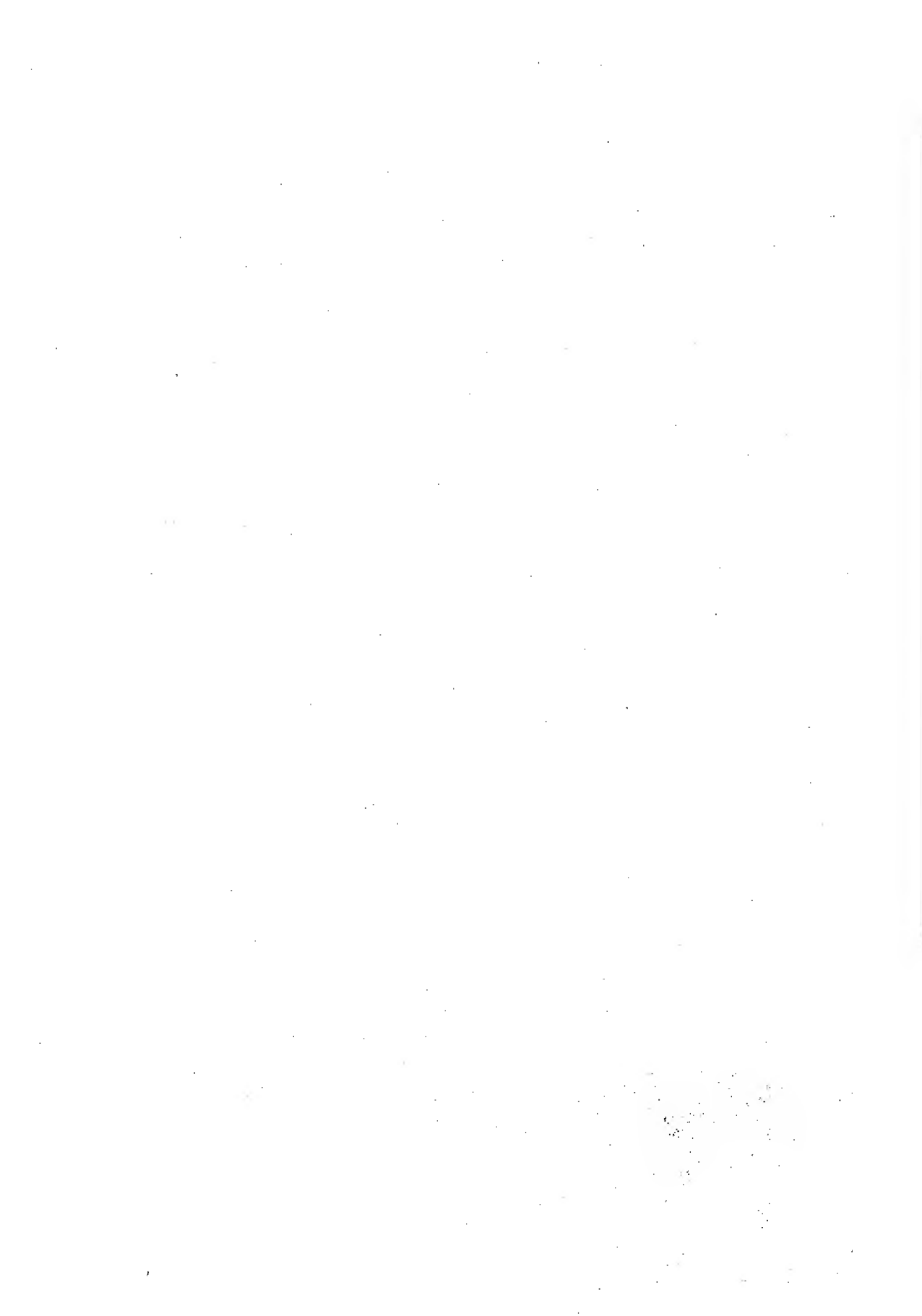
جب اس جزء کے بارے میں شور مچا تو حمیری نے اس کی توثیق کے لیے قلمی نسخہ ”مرکز جمعة الماجد للثقافة والتراث“ بھیجا جو کہ دوئی میں قلمی نسخوں کا بہت بڑا مرکز ہے اس مرکز میں بحیثیت مُدَقِّقِ المخطوطات۔ قلمی نسخوں کی جانچ پڑتال کا۔ کام کرنے والے ہمارے فاضل دوست شیخ شہاب اللہ بن بہادر جنگ نے بتایا کہ جب ہم نے اس نسخہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ جعلی نسخہ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے لہذا مرکز کی طرف سے دلائل و شواہد پر مبنی ایک رپورٹ تیار کر کے حمیری کو بھیج دی کہ یہ جعلی نسخہ ہے۔

شیخ محمد زیاد بن عمر نے ”شبكة سحاب السلفية“^❶ میں اس مکذوب اور مصنوعی جزء پر اپنے رد میں ذکر کیا ہے کہ شیخ ادیب کمدانی نے۔ جو کہ عیسیٰ حمیری کی ادارت میں کام کر چکے ہیں۔^❷ مجھے ٹیلیفون پر دوران گفتگو بتایا کہ حمیری نے مجھے جب یہ مخطوط دکھایا تو میں نے دیکھ کر کہا کہ یہ من گھڑت ہے اور ان سے کہا کہ جس شخص نے آپ کو یہ مخطوط (قلمی نسخہ) لا کر دیا ہے اسے پوچھیں کہ جس اصل قلمی نسخے سے اس کو نقل کیا گیا ہے وہ کہاں ہے تو اس نے جواب دیا کہ روس کے ایک مکتبہ سے اس کو نقل کیا گیا تھا اور وہ مکتبہ لڑائی میں جل گیا ہے پھر حمیری نے اس سے مطالبہ یہ کیا کہ اس جزء کا باقی حصہ کہاں ہے مجھے وہ بھی بھیجو مگر حمیری کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ ایک طرف تو یہ بات ہے جب کہ اس نسخہ کے آخر میں لکھا ہے کہ اس کو (۹۳۳ م) میں بغداد میں لکھا گیا۔

بہر حال بہت سے ایسے شواہد و دلائل ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جزء من گھڑت بناوٹی اور خانہ ساز ہے اور ”مصنف عبد الرزاق“ کے ساتھ اس جزء کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ واضح رہے کہ حمیری کو یہ جزء ہندوستان کے ایک محمد امین برکاتی قادری نے لا کر دیا تھا۔



- ❶ یہ انٹرنیٹ پر ایک روم کا نام ہے
- ❷ ان کا رد اب کتابی شکل میں بھی ”مجموع في كشف حقيقة الجزء المفقود (المزعم) من مصنف عبد الرزاق“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔
- ❸ یہ حمیری دوئی اوقاف کے مدیر ہو چکے ہیں۔



فصل دوم

یہ فصل دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں بیان یہ ہوگا کہ وہ دلائل جنہیں اجتماعی دعاء کے قائلین ذکر کرتے ہیں کیا وہ کبار ائمہ و محدثین پر مخفی رہے کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی اپنی کتاب میں کوئی ایسا باب قائم نہیں کیا جس سے اجتماعی دعاء کا جواز یا استحباب ثابت ہو اور اس کے بعد اس دعاء کے رد میں بعض کبار ائمہ کے فتوؤں کا ذکر ہوگا۔ ان شاء اللہ دوسرے حصے میں ان دلائل کا مختصر سا جائزہ لیا جائے گا جن کا نام نہاد سلفی ابو مسعود نے ذکر کیا ہے۔

..... پہلا حصہ

نماز کے بعد اجتماعی دعاء کے قائلین سے ہم پوچھیں گے کہ جن دلائل کو آپ لوگ اس کے اثبات پر پیش کرتے ہو کیا کبار ائمہ اور محدثین کو ان کا علم نہیں ہوا یا کہ وہ ان کی وجہ الدلالہ کو سمجھ نہیں پائے کیونکہ ان ائمہ کی کتب میں ”باب الدعاء قبل السلام“، ”باب الذکر بعد السلام“، یا ”باب الدعاء بعد السلام“ تو آپ کو ملے گا لیکن ”باب الدعاء الجماعی“ یا ”باب دعاء الامام والمؤمنین“ آپ کہیں نہیں پائیں گے۔ اب چند مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

❖ امام شافعی۔

ان کی کتاب ”الام“ کتاب الصلاة، باب ”کلام الإمام و جلوسه بعد السلام“ دیکھیے اس کے آخر میں امام شافعی فرماتے ہیں:

”و للمأموم أن ينصرف إذا قضی الإمام السلام قبل قیام الإمام، و أن يؤخر ذلك حتی ينصرف بعد انصراف الإمام، أو معه، أحب إلى له، و استحباب للمصلی منفردًا، وللمأموم أن يطیل الذکر بعد الصلاة، و یکثر الدعاء رجاء الإجابة بعد المكتوبة۔“ ❖

”مقتدی کو اختیار ہے کہ وہ امام کے سلام کے بعد امام کے کھڑے ہونے سے قبل یا اس کے جانے کے بعد یا اس کے جانے کے ساتھ ہی جا سکتا ہے امام کے ساتھ اس کا جانا مجھے زیادہ پسند ہے۔ منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والے) اور مقتدی کے لیے میں مستحب سمجھتا ہوں کہ وہ نماز کے بعد زیادہ ذکر کرے اور فرض نماز کے

❖ الام (۲۴۳/۱) أيضًا المجموع للنووي (۴۸۷/۳)۔

بعد دعاء کی قبولیت کی امید پر کثرت سے دعا کرے۔“

یہ ہے امام شافعی کا کلام وہ منفرد اور مقتدی کے لیے تو دعاء کو مستحب سمجھتے ہیں لیکن انھوں نے اجتماعی دعاء سے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کی جب کہ انھوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ نماز کے بعد دعاء کی قبولیت کی امید ہوتی ہے لیکن یہ نہیں کہا کہ اگر اجتماعی دعاء کر لیں تو زیادہ بہتر ہے۔

اور اس سے قبل انھوں نے یہ کہا ہے:

”و اختار للإمام ، و المأموم أن يذكر الله بعد الانصراف من الصلاة و يخفيان الذكر ، إلا أن يكون إمامًا يُحِبُّ أن يُتَعَلَّم منه ، فيجهر حتى يرى أنه قد تَعَلَّم منه ، ثم يُسِرُّ الخ.....“^①

”امام اور مقتدی کے لیے نماز کے بعد ذکر کرنے کو میں پسند کرتا ہوں اور یہ کہ وہ مخفی ذکر کریں۔ (لا یہ کہ امام کا مقصد تعلیم ہو تو وہ جہراً ذکر کرے گا جب سمجھے کہ لوگ سیکھ چکے ہیں تو پھر سر اُپی ذکر کرے۔“

❖ امام بخاری۔

انھوں نے اپنی ”صحیح“ میں کتاب الأذان میں ”باب الدعاء قبل السلام“ اور ”باب الذكر بعد السلام“ اور کتاب الدعوات میں باب ”الدعاء في الصلاة“ اور ”باب الدعاء بعد الصلاة“ تو ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو (۲/۳۱۷، ۳۲۴، ۱۱/۱۳۱، ۱۳۲، فتح الباری) لیکن کوئی ایسا باب قائم نہیں کیا جس سے اجتماعی دعاء کا ثبوت مہیا ہو یا ثانی الذکر باب میں کوئی ایسی حدیث ذکر کی ہو جس سے اجتماعی دعاء یا ذکر ثابت ہو۔

جہاں اجتماعی دعاء کا ثبوت تھا وہاں انھوں نے یہ باب باندھا ہے چنانچہ کتاب ”الاستسقاء“ میں انھوں نے ایک باب یوں باندھا ہے: ”باب رفع الناس أيديهم مع الإمام في الاستسقاء“ اور اس باب کے تحت انھوں نے خطبہ جمعہ میں استسقاء سے متعلق حدیث انسؓ کا ذکر کیا ہے:-

اسی طرح ایک باب یوں بھی قائم کیا ہے: ”باب رفع الإمام يده في الاستسقاء“ جب کہ کتاب ”الصلوة“ میں اس قسم کا کوئی باب قائم کیا ہے اور نہ ہی اس قسم کی کوئی حدیث ذکر کی ہے۔^②

❖ امام مسلم۔

انھوں نے بھی صحیح مسلم میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کی کہ جس سے اجتماعی دعاء ثابت ہو انھوں نے نماز کے بعد

① ملاحظہ ہو الأم (۱/۲۴۲) و أيضاً معرفة السنن والآثار للبيهقي (۲/۶۸)۔

② ملاحظہ ہو: صحيح بخاری (۲/۳۱۷، ۳۲۴، ۵۱۶، ۵۱۷۔ فتح الباری)۔

حدیث انسؓ کے بارے میں اس کتاب کا دوسرا باب (صفحہ ۹۳) ملاحظہ کریں، نیز اس باب کا (صفحہ ۳۳) بھی ملاحظہ کریں۔

ذکر سے متعلق جو احادیث ذکر کی ہیں ان پر امام نووی نے درج ذیل دو ابواب قائم کیے ہیں۔

① الذکر بعد الصلاة۔

② استحباب الذکر بعد الصلاة و بیان صفتہ“ ملاحظہ ہو: (شرح مسلم: ۵/۸۳، ۸۹)۔

❖ امام ابو داؤد۔

انھوں نے اپنی ”سنن“ میں کتاب ”الصلاة“ میں دو ابواب قائم کیے ہیں جو یہ ہیں:

① باب الدعاء۔

② باب ما يقول الرجل إذا سلم۔ ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد (۲/۸۲، ۷۶)۔

وہ ان دونوں بابوں میں کوئی ایسی حدیث نہیں لائے جس سے اجتماعی دعاء ثابت ہو اور نہ ہی انھوں نے اس کے بارے میں کوئی ایسا باب قائم کیا ہے۔

❖ امام ترمذی۔

انھوں نے اپنی ”جامع“ میں باب ”ما يقول إذا سلم من الصلاة“ قائم کیا ہے۔ لیکن کوئی ایسا باب قائم نہیں کیا جو اجتماعی دعاء سے متعلق ہو۔

❖ امام نسائی۔

انھوں نے نماز کے بعد مختلف اذکار کے بارے میں مختلف ابواب قائم کیے ہیں مگر ان میں سے کوئی باب بھی ایسا نہیں جس کا اجتماعی دعاء سے تعلق ہو۔ ملاحظہ ہو۔ سنن صغریٰ (۳/۶۷-۶۹) سنن کبریٰ (۱/۳۹۷-۴۰۳) اور عمل اليوم والليلة (صفحہ: ۱۸۰-۲۰۱)۔

❖ امام ابن ماجہ۔

انھوں نے اپنی ”سنن“ میں دو ابواب قائم کیے ہیں:

① باب ”ولا يخص الإمام نفسه بالدعاء“

② باب ما يقال بعد التسليم۔ ملاحظہ ہو: سنن ابن ماجہ (۱/۲۹۸) جب کہ ایسا کوئی باب نہیں جو اجتماعی دعاء سے متعلق ہو۔

❖ امام دارمی۔

انھوں نے اپنی ”سنن“ میں تین باب قائم کیے ہیں:

❖ اس باب کے تحت ابن ماجہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس کے بارے میں (صفحہ: ۸۳، نمبر ۱۱) میں تفصیل آرہی ہے۔

① باب الدعاء بعد التشهد۔

② باب القول بعد السلام۔

③ باب التسبیح فی دبر الصلاة۔ ملاحظہ ہو: سنن دارمی (۱/۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲) ①

لیکن اجتماعی دعاء سے متعلق آپ کو کوئی باب نہیں ملے گا۔

⑨ امام ابن خزیمہ۔

انھوں نے اپنی ”صحیح“ میں سلام کے بعد دعاء اور ذکر سے متعلق متعدد ابواب قائم کیے ہیں جن میں سے پہلا باب یہ ہے: ”باب جامع الدعاء بعد السلام“ مگر ان مختلف ابواب میں سے کوئی باب بھی ایسا نہیں جس میں اجتماعی دعاء کا ذکر ہو۔ ملاحظہ ہو صحیح ابن خزیمة (۱/۳۶۶-۳۷۲)۔

⑩ حافظ ابن حبان

انھوں نے بھی اپنے شیخ ابن خزیمہ کی طرح اپنی ”صحیح“ میں سلام کے بعد دعاؤں اور اذکار سے متعلق مختلف ابواب قائم کیے ہیں جن میں سے پہلا باب یہ ہے: ”ذکر ما یقول المرء إذا سلم من صلاته“۔ مگر ان ابواب میں سے کوئی باب بھی اجتماعی دعاء کے بارے میں نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ صحیح ابن حبان (۳/۲۲۵-۲۳۸)۔

⑪ امام بیہقی۔

انھوں نے سلام کے بعد ذکر سے متعلق تین ابواب قائم کیے ہیں جن میں سے دوسرا باب یہ ہے: ”باب الاختیار للإمام والمأموم فی أن یخفیا الذکر“۔ لیکن اجتماعی دعاء سے متعلق کوئی باب نہیں ملاحظہ ہو: سنن کبریٰ (۲/۱۸۳، ۱۸۴)۔ اسی طرح انھوں نے اپنی کتاب ”السنن الصغیر (۱/۱۴۷-۱۴۸) میں یہ باب قائم کیا ہے: ”باب ما یقول بعد السلام“ لیکن اجتماعی دعا سے متعلق کوئی باب قائم نہیں کیا۔

⑫ امام ابن سنی۔

انھوں نے بھی سلام کے بعد ذکر سے متعلق تین ابواب قائم کیے ہیں۔ ”باب ما یقول إذا سلم من الصلاة۔ باب ما یقول فی دبر صلاة الصبح۔ باب فضل الذکر بعد صلاة الفجر۔“ مگر ان میں سے کسی کا تعلق بھی اجتماعی دعاء سے نہیں ملاحظہ ہو: عمل الیوم واللیلة (ص: ۵۸، ۷۴)۔

⑬ عام طور پر اس کو مسند داری کہا جاتا ہے جو درست نہیں کیونکہ یہ سنن ہے۔ مسند نہیں۔

۱۳ امام طبرانی۔

انھوں نے سلام کے بعد اذکار سے متعلق مختلف ابواب قائم کیے ہیں لیکن ان میں ایک باب بھی ایسا نہیں جس کا تعلق اجتماعی دعاء سے ہو ملاحظہ ہو۔ کتاب الدعاء (۲/۱۰۸۷-۱۱۲۳)۔

۱۴ امام بغوی۔

انھوں نے درج ذیل دو باب قائم کیے ہیں:

- ① باب الدعاء قبل السلام۔
- ② باب الذکر بعد الصلاة۔ مگر اجتماعی دعاء سے متعلق کوئی باب نہیں۔ ملاحظہ ہو شرح السنة (۳/۲۰۰، ۲۲۳)۔

۱۵ حافظ ہیثمی۔

انھوں نے ”مجمع الزوائد“ میں مسند احمد، مسند ابویعلیٰ، مسند بزار، معجم کبیر، اوسط اور صغیر طبرانی کی ان احادیث کو جمع کیا ہے جو حدیث کی مشہور چھ کتب۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ۔ میں نہیں پائی جاتیں۔ اور جو احادیث ان کتب میں ہیں ان کا انھوں نے ذکر نہیں کیا۔

انھوں نے نماز کے بعد ذکر و دعاء سے متعلق ایک باب یوں باندھا ہے: ”باب ما یقول من الذکر والدعاء عقب الصلاة“ اور اس میں بھی کوئی ایسا باب نہیں ملے گا جو اجتماعی دعا کے بارے میں ہو۔

۱۶ ابوالبرکات مجد الدین عبدالسلام المعروف بابن تیمیہ۔

انھوں نے ”المنتقى“ میں ایک باب یوں باندھا ہے۔ ”باب فی الدعاء والذکر بعد الصلاة“ اس باب کے تحت انھوں نے نماز کے بعد پڑھے جانے والے متعدد اذکار اور دعائیں ذکر کی ہیں۔

علامہ شوکانی ”منتقى“ کی شرح ”نیل الأوطار“ (۲/۳۱۰) میں لکھتے ہیں: ”و قد وردت أذکار عقب الصلاة غیر ما ذکر المصنف“ ”نماز کے بعد جن اذکار کا مؤلف نے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ دیگر اذکار بھی ہیں۔“ اس کے بعد انھوں نے چند اذکار کا ذکر کیا ہے لیکن یہ نہیں کہا کہ نماز کے بعد اجتماعی دعاء کا ذکر بھی ہے۔ ان محدثین کے علاوہ فقہاء نے بھی اپنی کتب میں اجتماعی دعاء سے متعلق کوئی ایسی بات نہیں لکھی۔ مثلاً۔

① امام ابن قدامہ لکھتے ہیں:

”و يستحب ذکر الله - تعالیٰ - والدعاء عقب صلاته و يستحب من ذلك ما ورد به

الأثر“ (المغنی) (۲/۲۵۱)۔

① جیسا کہ (صفحہ: ۲۱) میں بھی ذکر ہوا۔

② یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دادا ہیں، شیخ کا نام احمد باپ کا نام عبدالحلیم اور دادا کا نام عبدالسلام ہے۔

چند متنب پر ایک نظر

”نماز کے بعد ذکر اور دعاء مستحب ہے اور وہ ذکر و دعاء مستحب ہے جس کے بارے میں اثر وارد ہوا ہے۔“
یعنی مسنون ذکر و دعائیں۔

اس کے بعد انھوں نے نماز کے بعد پڑھی جانے والی دعاؤں اور وظائف کا ذکر کیا ہے مگر اجتماعی دعاء کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

② امام ابو اسحاق شیرازی۔ ”المہذب“ میں لکھتے ہیں:

”و يستحب لمن فرغ من الصلاة أن يذكر الله - تعالى - لما روى ابن الزبير“
”نماز سے فارغ ہونے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے کیونکہ ابن زبیر نے روایت کی ہے۔“

اس کے بعد انھوں نے چند مسنون اذکار کا ذکر کیا ہے امام نووی ”المہذب“ کی شرح ”المجموع“ (۲۸۵، ۲۸۴/۳) میں لکھتے ہیں:

”اتفق الشافعي والأصحاب وغيرهم - رحمهم الله - على أنه يستحب ذكر الله - تعالى - بعد السلام - و يستحب ذلك للإمام والمأموم، والمنفرد، والرجل، والمرأة، والمسافر، و يستحب أن يدعوا - أيضاً - بعد السلام بالاتفاق، و جاءت في هذه المواضع أحاديث كثيرة صحيحة في الذكر والدعاء قد جمعتهما في كتاب الأذكار -“
”شافعی، أصحاب شافعی اور دیگر علماء رحمہم اللہ کا سلام کے بعد ذکر کے مستحب ہونے پر اتفاق ہے اور یہ امام مقتدی، منفرد، آدمی، عورت اور مسافر سب کے لیے مستحب ہے اور نمازی کا سلام کے بعد دعاء کرنا بھی بالاتفاق مستحب ہے ان مقامات پر ذکر اور دعاء کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث آئی ہیں جن کو میں نے کتاب الأذکار میں جمع کیا ہے۔“

اور ”أذکار“ میں انھوں نے ایک باب یوں قائم کیا ہے۔ ”باب الأذکار بعد الصلاة“ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۶۶)۔
اور اس باب کے تحت مسنون ذکر و دعاء والی احادیث لائے ہیں اور کوئی ایسا باب قائم نہیں کیا جس میں اجتماعی دعاء کا ذکر ہو۔

تنبیہ = امام نووی نے ”المجموع“ میں جو یہ کہا ہے:

”فرع، قد ذكرنا استحباب الذكر، والدعاء للإمام، والمأموم، والمنفرد، و هو

① یہ شافعی مذہب کے مشہور امام ہیں۔ فقہ میں ان کی کتاب ”التنبیہ“ اور ”المہذب“ اور أصول فقہ میں ”التبصرة“، ”اللمع“ اور ”شرح اللمع“ مشہور و معروف کتب ہیں۔

مستحب عقب کل الصلوات۔

و أما ما اعتاده الناس، أو كثير منهم من تخصيص دعاء الإمام بصلاتي الصبح، والعصر، فلا أصل له، وإن كان قد أشار إليه صاحب "الحاوی" فقال: إن كانت صلاة لا يُتَنَفَّلُ بعدها كالصبح والعصر استدبر القبلة، واستقبل الناس، و دعاء، وإن كانت مما يتنفل بعدها كالظهر، والمغرب، والعشاء فيختار أن يتنفل في منزله۔

وهذا الذي أشار إليه من التخصيص لا أصل له، بل الصواب استحبابه في كل الصلوات، ويستحب أن يقبل على الناس فيدعو والله أعلم۔" (المجموع: ۳/۴۸۸)۔

تو اس کلام سے ان کا مقصود اجتماعی دعاء نہیں بلکہ ان لوگوں کا رد مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ نماز جس کے بعد سنت نہیں۔ مراد نماز فجر وعصر۔ امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعاء (یعنی مسنون ذکر و دعائیں) کرے مگر وہ نماز جس کے بعد سنت ہیں جیسا کہ ظہر، مغرب، اور عشاء تو ایسی نماز کے بعد پسندیدہ بات یہ ہے کہ وہ سنت گھر میں جا کر ادا کرے یعنی مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعاء وغیرہ نہیں کرے بلکہ اٹھ کر چلا جائے اور گھر میں سنت ادا کرے۔

امام نووی ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ امام کے لیے ہر نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعاء وغیرہ کرنا مستحب ہے نہ کہ صرف فجر اور عصر کے بعد۔

③ علامہ کاسانی حنفی۔

یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہ نماز کے بعد امام کو کیا کرنا ہوگا۔ لکھتے ہیں:

”کہ وہ نماز جن کے بعد سنت نہیں جیسا کہ فجر اور عصر ہے تو امام کو اختیار ہے چاہے تو وہ کھڑا ہو جائے اور

اگر چاہے تو اپنی جگہ بیٹھ کر دعاء میں مشغول رہے لیکن قبلہ کی طرف منہ کر کے اس کا بیٹھے رہنا مکروہ ہے۔“

اس کے بعد انھوں نے کراہت کے دلائل ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اگر ایسی نماز ہے جس کے بعد سنت ہیں تو

اس کا بیٹھے رہنا مکروہ ہے اس کے بعد انھوں نے اس کراہت پر بعض دلائل ذکر کیے ہیں۔

اور اس کے بعد مقتدیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ہمارے بعض مشائخ کہتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں تو

کوئی حرج نہیں اور امام محمد سے مروی ہے کہ وہ اپنی صفیں توڑ دیں اور الگ الگ ہو جائیں۔ ملاحظہ ہو: ”بدائع

الصنائع“ (۱/۱۵۹-۱۶۰)

یہ مسائل تو کاسانی نے بیان کیے ہیں لیکن اجتماعی دعا کے مسئلے سے تعرض تک نہیں کیا۔

آپ جماعت والی مسجد یا قبائل میں سے کسی قبیلے کی مسجد والے امام کے بارے میں فرماتے ہیں:
”إذا سلم فليقم، ولا يقعد في الصلوات كلها۔“

”جب وہ سلام پھیرے تو اسے کھڑے ہو جانا چاہیے اور کسی نماز میں بھی اسے بیٹھنا نہیں چاہیے۔“

اور وہ امام جو سفر میں امام ہو یا اپنے گھر میں تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

”فإذا سلم فإن شاء تنحى وإن شاء قام۔“

”پس جب وہ سلام پھیرے تو چاہے ایک جانب ہو جائے اور اگر چاہے تو کھڑا ہو جائے۔“ ملاحظہ

هو: المدونة الكبرى (۱/۱۴۴)۔

امام مالک کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان کے ہاں اجتماعی دعاء کا کوئی تصور نہ تھا کیونکہ ان کے ہاں اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو یہ بھی کہتے کہ اگر چاہے تو مقتدیوں کے ساتھ مل کر دعاء کر لے۔

”الفقه المالکی وأدلتہ“ کے مؤلف طاہر بن حبیب نے نماز کے مندوبات کا ذکر کرتے ہوئے چودہواں مندوب عمل جو لکھا ہے وہ یہ ہے:

”ختم الصلاة بالاذکار الواردة عن الرسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ من غیر فصل

بنافلة۔“ (۱/۲۳۱)۔

”ان اذکار کے ساتھ نماز کا اختتام جو رسول اللہ ﷺ سے وارد ہیں ان میں نفلی نماز (سنتیں) کے ساتھ

فصل کیے بغیر۔“

انھوں نے اذکار کی طرف تو اشارہ کیا ہے مگر نماز کے بعد اجتماعی دعاء کے بارے میں کوئی بات ذکر نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ مالکی مذہب میں اجتماعی دعاء کی اگر کوئی شرعی حیثیت ہوتی تو وہ اس کی طرف بھی اشارہ کرتے۔

یہ تو وہ ائمہ، محدثین، فقہاء اور علماء ہیں جنھوں نے نماز کے بعد اجتماعی دعا کی کوئی بات ہی نہیں کی یا اس کی مشروعیت کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

آئیے اب بعض ان علماء کے اقوال ملاحظہ کریں جنھوں نے اس دعاء کا انکار کیا ہے اس کے بارے میں اقوال تو بہت سے علماء کے ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر صرف چند اقوال ذکر کریں گے۔

① شیخ الاسلام ابن تیمیہ (متوفی: ۷۲۸ھ)۔

اس سوال کے جواب میں کہ نماز کے بعد دعا سنت ہے یا کہ نہیں؟ اور ایسے امام پر جس نے نماز عصر کے بعد دعاء نہ

کی، انکار کرنے والا صواب پر ہے یا کہ غلطی پر؟ لکھتے ہیں:

”لم یکن النبی ﷺ یدعو هو، و المأمون عقیب الصلوات الخمس، كما یفعله بعض الناس عقیب العصر، والفجر، و لا نقل ذلك عن أحد، و لا استحب ذلك أحد من الأئمة، و من نقل عن الشافعی أنه استحب ذلك فقد غلط علیه، و لفظه الموجود فی کتبه ینافی ذلك، و كذلك أحمد، و غیره من الأئمة لم یستحبوا ذلك“۔

”نبی ﷺ۔ اور مقتدی پانچوں نمازوں کے بعد دعاء نہیں کرتے تھے جیسا کہ بعض لوگ نماز فجر اور عصر کے بعد کرتے ہیں اور یہ کسی سے بھی منقول نہیں اور نہ ہی ائمہ میں سے کسی نے اس کو مستحب سمجھا ہے۔

اور جس نے شافعی سے یہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس کو مستحب سمجھا ہے تو اس نے ان سے غلط نقل کیا ہے، ان کی کتب میں جو لفظ موجود ہے وہ اس کے منافی ہے۔ اور اسی طرح أحمد اور دیگر ائمہ نے بھی اس کو مستحب نہیں کہا۔“

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

”و لو دعاء الإمام، و المأمون أحياناً عقیب الصلاة لأمر عارض لم یُعَدَّ هذا مخالفاً للسنة..... الخ۔“

”امام اور مقتدی اگر کبھی نماز کے بعد کسی پیش آمدہ مسئلے کی بناء پر دعاء کر لیں تو اسے خلاف سنت شمار نہیں کیا جائے گا۔“

اور اس سوال کے جواب میں کہ لوگ ہر نماز کے بعد جو دعاء کرتے ہیں کیا یہ مکروہ ہے اور کیا سلف میں سے کسی سے ایسا کرنا وارد ہوا ہے؟..... لکھتے ہیں:

”الذي نقل عن النبی ﷺ۔ من ذلك بعد الصلاة المكتوبة إنما هو الذكر المعروف كالأذکار الثنی فی الصحاح، و کتب السنن و المسانید و غیرها، مثل ما فی الصحيح.....“

”نبی ﷺ۔ سے اس کے بارے میں فرض نماز کے بعد جو منقول ہے وہ وہی معروف ذکر ہے جیسا کہ وہ اذکار جو کتب صحاح، سنن اور مسانید وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں:

”و أما دعاء الإمام و المأمون جميعاً عقیب الصلاة فلم ینقل هذا أحد عن النبی ﷺ۔“

”رہی امام اور مقتدیوں کی نماز کے بعد اجتماعی دعا تو اسے نبی ﷺ۔ سے کسی نے بھی نقل نہیں کیا۔“

مزید آگے چل کر لکھتے ہیں:

”والثاني: دعاء الإمام والمؤمنين جميعاً، فهذا الثاني لا ريب أن النبي ﷺ لم يفعله في أعقاب المكتوبات، كما كان يفعل الأذكار المأثورة عنه، إذ لو فعل ذلك لنقله عنه أصحابه، ثم التابعون، ثم العلماء كما نقلوا ما هو دون ذلك۔“

”دوسری چیز: امام اور مقتدیوں کی اجتماعی دعاء یہ دوسری چیز ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی ﷺ نے فرض نمازوں کے بعد اس کو نہیں کیا۔ جیسا کہ آپ ان اذکار کو کرتے جو آپ سے منقول ہیں کیونکہ آپ نے اگر ایسا کیا ہوتا تو اس کو آپ سے آپ کے صحابہ پھر تابعین اور پھر علماء یقیناً نقل کرتے جیسا کہ انھوں نے اس سے چھوٹی چیزوں کو نقل کر دیا ہے۔“

اور اس سوال کے جواب میں کہ فرض نماز کے بعد امام اور مقتدی کی دعاء جائز ہے یا کہ نہیں لکھتے ہیں:

”أما دعاء الإمام والمؤمنين جميعاً عقب الصلاة فهو بدعة لم يكن على عهد النبي ﷺ۔“

”رہی امام اور مقتدیوں کی نماز کے بعد اجتماعی دعاء تو یہ بدعت ہے نبی ﷺ کے زمانہ میں یہ نہ تھی۔“

ملاحظہ ہو: مجموع الفتاویٰ (۵۱۲/۲۲-۵۱۷، ۵۱۹)۔

اس نام نہاد سلفی کو ابن تیمیہ کا یہ قول تو بہت یاد رہا: ”والاجتماع على القراءة والذكر والدعاء حسن.....“ ملاحظہ ہو فرض نمازوں کے بعد دعاء اجتماعی (ص: ۱۱)۔

مگر ان کے دوسرے اقوال کو سر اسر نظر انداز کر گیا، اور اہل بدعت کا یہی طریقہ ہے کہ جو بات ان کے مطلب کی ہوتی ہے اسے لے لیتے ہیں اور جو ان کے خلاف ہو اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ ابن تیمیہ کا مذکورہ قول محل نظر ہے انھوں نے یہ قول ایک سوال کے جواب میں کہا ہے سوال یہ تھا۔ کچھ عوام فقراء مسجد میں جمع ہو کر ذکر کرتے ہیں۔ قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتے ہیں پھر ننگے سر رو کر اور آہ زاری سے دعاء کرتے ہیں اور اس سے ان کا مقصود ریاکاری اور شہرت نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی خاطر ایسا کرتے ہیں تو کیا ایسا جائز ہے یا نہیں؟

تو اس سوال کے جواب میں انھوں نے یہ کہا: ”الاجتماع الى القراءة.....“ ملاحظہ ہو: ”مجموع الفتاویٰ“ (۵۲۳/۲۲)۔

مگر ان کا یہ قول صفحہ (۴۰-۴۱) میں گزرنے والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے خلاف ہے اسی طرح دیگر

دلائل کے خلاف بھی ہے بلکہ ان کے مذکورہ اقوال اور ان کے دیگر بہت سے اقوال کے بھی خلاف ہے۔ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ لہذا ان کا یہ قول محل نظر ہے۔ بلکہ مردود ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب فرمایا:

”ما من أحد إلا وماخوذ من كلامه، مردود علیہ إلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ (عقد الجید: ۴۳، ۴۸)۔

ہر شخص کی بات کو قبول بھی کیا جاسکتا ہے اور رد بھی، سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔“
یعنی آپ کے فرمان کو رد نہیں کیا جاسکتا بلکہ اسے قبول کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

❖ علامہ ابن الحاج (متوفی: ۷۳۷ھ)۔

یہ اپنی کتاب ”المدخل“ (۲/۲۷۶) میں لکھتے ہیں:

”لم يرو أن النبي- صلی اللہ علیہ وسلم- صلی صلاة فسلم منها، وبسط يديه، ودعا و آمن المأمومون على دعائه، وكذلك الخلفاء الراشدون بعده-رضی اللہ عنہم أجمعين-“

و كذلك باقي الصحابة-رضی اللہ عنہم أجمعين- وشئ لم يفعله النبي صلی اللہ علیہ وسلم - ولا أحد من الصحابة فلا شك في أن تركه أفضل من فعله بل هو بدعة كما تقدم۔“

”یہ مروی نہیں کہ نبی ﷺ نے کوئی نماز پڑھی ہو پھر سلام پھیر لینے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہو اور مقتدیوں (صحابہ) نے آپ کی دعا پر آمین کہا ہو اور نہ ہی آپ کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ۔ (رحمہم اللہ) سے ایسا مروی ہے۔“

اور وہ کام جسے نبی ﷺ اور صحابہ میں سے کسی نے بھی نہ کیا ہو تو اس میں شک نہیں کہ اس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہے بلکہ وہ (کام) بدعت ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔“

❖ امام ابن قیم الجوزیہ (متوفی: ۷۵۱ھ)۔

یہ اپنی کتاب ”زاد المعاد“ (۱/۲۵۷) میں لکھتے ہیں:

”و أما الدعاء بعد السلام من الصلاة مستقبل القبلة، أو المأمومين، فلم يكن من هديه- صلی اللہ علیہ وسلم- أصلاً ولا روي عنه بإسناد صحيح ولا حسن۔“

”ربی نماز سے سلام کے بعد قبلہ یا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعا تو آپ ﷺ کا قطعاً یہ طریقہ نہ تھا اور نہ ہی آپ سے یہ کسی صحیح اور حسن سند سے مروی ہے۔“

موصوف نے ابن قیم کے اس کلام کی توجیہ کے طور پر حافظ ابن حجر کا ”فتح الباری“ (۱۳۳/۱۱- دار الفکر) سے جو کلام نقل کیا ہے جس میں انھوں نے یہ کہا ہے کہ ابن قیم کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے جس چیز کی نفی کی ہے وہ یہ ہے کہ نمازی کا نماز کے بعد پابندی سے قبلہ رخ بیٹھ کر دعا مانگنا، مگر جب وہ رخ پھیر لے یا مسنون اذکار پڑھ لے تو پھر دعا کرنا ان کے نزدیک بھی منع نہیں۔

تو اس سے کیا یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابن حجر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پھر ان کے نزدیک اجتماعی دعاء کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اگر آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو اس کی کیا دلیل ہے کہ حافظ ابن حجر کی مراد یہ ہے کیا انھوں نے اجتماعی دعاء کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے ابن قیم کے اس کلام کی یہ توجیہ کی ہے؟

بلکہ ان کے کلام سے نمازی کا انفرادی طور پر دعاء کرنا ثابت ہوتا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

”و أما إذا انتقل بوجهه أو قدم الأذكار المشروعة فلا يمتنع عنده الايتان بالدعاء حينئذ“۔

”مگر نمازی جب قبلہ سے اپنا رخ پھیر لے یا مشروع اذکار کر لے تو اس وقت ان کے نزدیک (ابن قیم)

دعا کرنا ممتنع نہیں۔“

بلکہ علامہ ابن قیم نے خود اس کی صراحت کی ہے اور ان کی صراحت ہی کی بناء پر حافظ ابن حجر نے یہ بات کہی ہے۔
ملاحظہ ہو: زاد المعاد (۱/۲۵۸) اور فتح الباری (۱۳۳/۱۱)۔

نام نہاد سلفی نے نواب صدیق حسن خان صاحب کا ”نزل الأبرار“ سے یہ قول بھی نقل کیا ہے:

”..... ولا يضّر هذا الأدب عدم رواية الرفع في الدعاء بعد الصلاة، لأنه كان معلوماً

لجميعهم فلم يعتنوا بذكره في هذا الحين، وإنكار الحافظ ابن القيم - رحمه الله

تعالى - رفع اليدين في الدعاء بعد الصلاة و هم منه - قدس سره - وقد حققنا هذه

المسألة في مؤلفاتنا تحقيقاً واضحاً لا ستره عليه۔“

”اس ادب پر (دعاء میں ہاتھ اٹھانے والا ادب) نماز کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے عدم ذکر سے کچھ

فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ ادب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو معلوم تھا اس لیے انھوں نے اس کے بیان کرنے کا اہتمام

نہیں کیا اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے کا انکار کرنا ان کا وہم ہے اور ہم نے اپنی

مؤلفات میں اس مسئلہ کی تحقیق بڑی وضاحت سے کی ہے۔“

قلت = یہ نواب صاحب رحمہ اللہ کا کلام ہے جس پر ہمارے درج ذیل مواخذات ہیں:

ل۔ بالفرض اگر یہ مسئلہ ان کو معلوم تھا یا ان کے ہاں معروف تھا تو انھیں اپنے سے بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے بیان کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ ان کے زمانے کے لیے خاص تو نہ تھا۔

انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سلام پھیرنے کا طریقہ اور سلام کے الفاظ تو بیان کر دیے جو ایک سنی جانے والی چیز تھی تو کیا وجہ ہے کہ وہ اس چیز کو بیان کرنے کے بارے میں خاموش ہیں جس کا تعلق سماعت سے نہیں تھا۔ اگر معروف ہونے کی وجہ سے انھوں نے وعاء اور اس میں ہاتھ اٹھانے کا بیان نہیں کیا تو سلام اور اس کے الفاظ کو تو انھیں بالاولیٰ بیان نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ ”السلام علیکم“ تو امام مقتدیوں کو سنانے کے لیے آواز بلند کہتا ہے جس کو سب سنتے ہیں۔

ب۔ ان کی اس بات سے بدعات کا دروازہ کھلتا ہے کیونکہ مبتدع اس بات کو دلیل بنا کر اپنی بدعت کی مشروعیت ثابت کر سکتا ہے مثلاً وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ درود و سلام پڑھنے کا حکم قرآن و سنت میں ہے اور اس کی بہت زیادہ فضیلت بھی بیان کی گئی ہے چونکہ اس کی فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں معروف تھی لہذا انھوں نے اذان سے پہلے درود و سلام پڑھنے کا ذکر نہیں کیا۔ علیٰ ہذا القیاس۔

ج۔ ان کا نماز کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانے کی نفی کو ابن قیم کا وہم قرار دینا عجیب بات ہے کیونکہ یہ بات اس وقت درست ہوتی جب نواب صاحب یوں کہتے کہ اس دعاء میں ہاتھ اٹھانا تو روایات سے ثابت ہے حالانکہ وہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو اس لیے بیان نہیں کیا کہ یہ ان کے ہاں معروف تھا۔

اور جس واضح تحقیق کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ہے تو اس سے مراد عام دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے دلائل ہوں گے کیونکہ اگر نماز کے بعد کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے دلائل مراد لیے جائیں تو پھر ان کی بات میں تضاد لازم آئے گا اس لیے کہ انھوں نے اس سے قبل یہ کہا ہے کہ نماز کے بعد والی دعاء کے بارے میں صحابہ نے ہاتھ اٹھانے کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ یہ مسئلہ ان کے ہاں معروف تھا تو پھر یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی مؤلفات میں اس خاص دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے دلائل دیے ہوں گے۔

(ص: ۵۶) میں مذکور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کلام بھی دیکھیں۔

❖ علامہ ابراہیم بن موسیٰ شاطبی (متوفی: ۷۹۰ھ)۔

صفحہ (۳۹) میں گزر چکا ہے کہ حافظ ابن قیم اور علامہ شاطبی نے بدعات کی مثالیں دیتے ہوئے نماز کے بعد اجتماعی دعاء کا ذکر بھی کیا ہے اور مزید تفصیل کے لیے شاطبی کی کتاب ”الاعتصام“ (۱/۲۵۲، ۲۶۹، ۳۲۵، ۳۵۳، ۳۶۷) دیکھیے۔

نماز کے بعد اجتماعی دعاء سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

”إن هذا من البدع التي لم ترد عن النبي - صلى الله عليه وسلم - ولا عن أصحابه -“

(فتاویٰ ابن عثیمین اعداد و ترتیب اشرف بن عبد المقصود (۱/۳۶۷)۔)

”یقیناً یہ ان بدعات میں سے ہے جن کا ثبوت نبی - ﷺ - اور نہ ہی آپ کے صحابہ سے ملتا ہے۔“

❖ مصری محقق عمرو عبد المنعم -

یہ اپنی کتاب ”السنن والمبتدعات“ (صفحہ: ۲۷۲) میں لکھتے ہیں:

”و من بدع الدعاء التي انتشرت بين الناس حتى ظنّها بعض الجهال أنها من السنن المستحبة: بدعة الاجتماع من أجل الدعاء كأن يتداعى القوم فيما بينهم و يوقتون لهم وقتاً يجتمعون فيه، فيدعو أحدهم، و يؤمن الباقون، و غالباً ما يكون ذلك عقب الصلوات المكتوبة و قد شاهدنا ها كثيراً، و هي منتشرة لاسيّما بين أهل الشام، و بين مسلمي الهند و الباكستان۔“

”دعاء کی بدعات میں سے جو لوگوں میں عام ہو چکی ہیں حتیٰ کہ بعض جاہل ان کو مستحب کاموں میں سے تصور کرتے ہیں۔ دعاء کی خاطر اجتماع والی ایک بدعت بھی ہے۔“

اس کی صورت یہ ہے کہ کچھ لوگ آپس میں ایک وقت مقرر کر کے جمع ہو جاتے ہیں پھر ان میں سے ایک دعاء کرتا ہے اور باقی آمین کہتے ہیں۔ اور عام طور پر فرض نمازوں کے بعد ایسا ہوتا ہے اور اس بدعت کا ہم نے بہت زیادہ مشاہدہ کیا ہے اور یہ عام ہو چکی ہے خصوصاً اہل شام اور ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں میں۔“

ہم انھیں چند علماء کے اقوال پر اکتفاء کرتے ہیں اور یہ اقوال ہم نے بطور مثال ذکر کیے ہیں ان علماء کے علاوہ متقدمین اور متاخرین میں سے بہت سے دیگر علماء نے بھی اس دعاء کا انکار کیا ہے طالب تفصیل کو حکیم مولوی عماد الدین دیوبندی بلوچستانی کی کتاب ”التحقيق الحسن في نفي الدعاء الاجتماعي بعد الفرائض والسنن“ (ص:

❖ بلکہ بعض لوگوں نے تو اس کو فرض کا درجہ دے دیا ہے چنانچہ دعاء نہ کرنے والے پر خوب برس پڑتے ہیں۔ ہر اہم اللہ

❖ ہمارے پاکستان میں بعض دفعہ ایسے اشتہار دیکھنے میں بھی آئے جن میں لوگوں کو اجتماعی دعا کے لیے دعوت دی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ فلاں بزرگ دعاء کریں گے اور ایسے اشتہار ان لوگوں کی طرف سے دیکھنے میں آئے جو اتباع کتاب و سنت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ فوالی اللہ المشتکی۔

اب ہم اس نام نہاد سلفی سے پوچھیں گے کہ وہ کبار ائمہ و محدثین جنہوں نے اپنی کتب میں نماز سے قبل اور نماز کے بعد دعاؤں اور اذکار سے متعلق تو ابواب قائم کیے ہیں لیکن اجتماعی دعاء کے بارے میں انہوں نے اشارہ تک نہیں کیا، کیا ان کو حکمت اسلام کا اندازہ نہ تھا یا کہ مساجد میں اللہ کے سامنے اٹھے ہوئے ہاتھ ان کو خوبصورت نہیں لگتے تھے۔ اور وہ کبار علماء و محققین جنہوں نے اس اجتماعی دعاء کا انکار کیا اور اسے بدعت کہا کیا وہ ناعاقبت اندیش، احمق محققین، شیطان کے ڈسے ہوئے، تحقیق کے اندھے تیر چلانے والے، بال کی کھال اتارنے والے، شیطانی مشن کو پورا کرنے والے تھے۔

نہیں ہرگز ایسے نہیں بلکہ یہ تمام کی تمام صفات جمیلہ تو ہمارے نام نہاد سلفی ابو مسعود کے اندر پائی جاتی ہیں۔ قارئین کرام آپ کی یاد دہانی کے لیے کہ جن خوبصورت الفاظ کا آپ نے ابھی مشاہدہ کیا یہ تمام کے تمام الفاظ ہمارے نام نہاد سلفی کے اپنے مخالفین کے بارے میں استعمال شدہ ہیں جن کا خاکہ ہم (صفحہ: ۱۴) میں ذکر کر چکے ہیں چنانچہ وہاں ایک نظر ڈال لیجیے۔

اس سے بڑھ کر مزید سنیں کہ اس نام نہاد سلفی نے اپنے رسالہ کے (صفحہ: ۴۹) میں لکھا ہے۔
”میرے وہ برادران جنہیں فضائل اعمال والی روایات دیکھ کر قبض ہو جاتی ہے وہ روح اسلام اور مزاج شریف کو سمجھنے سے قاصر ہیں.....“

یہ ہے اس نام نہاد سلفی کا اسلوب اور زبان جسے بات کرتے ہوئے ذرا جتنا احساس نہیں ہوتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ امام بخاری اپنی ”صحیح بخاری“ میں فضائل اعمال سے متعلق کوئی ضعیف روایت نہیں لائے جس سے علماء نے اُخذ یہ کیا ہے کہ امام بخاری کے ہاں فضائل اعمال میں ضعیف روایت قابل عمل نہیں۔ امام مسلم نے اپنی ”صحیح مسلم“ کے مقدمہ میں ضعیف روایات کو۔ خواہ وہ فضائل سے متعلق ہوں۔ بیان کرنے والوں پر بڑے سخت الفاظ سے تشنیع کی ہے اسی طرح امام یحییٰ بن معین اور ابن العربی وغیرہ کے نزدیک بھی فضائل اعمال والی ضعیف روایات پر عمل درست نہیں تو کیا ان ائمہ کے بارے میں بھی یہ نام نہاد سلفی یہی بات کہے گا۔

ہم اپنے موصوف سے کہیں گے کہ اگر آپ کو فضائل اعمال والی ضعیف روایات ترک کر دینے پر اس مرض کے لاحق ہونے کا خطرہ ہے تو آپ معذور ہیں۔

یہ ہے خادم اسلام اور حکیم اسلام کی خدمت و حکمت، اس نام نہاد سلفی نے اپنے رسالے کے (صفحہ: ۵۰) میں ایک بات یہ بھی کہی ہے:

چند کتب پر ایک نظر

”میں وثوق سے کہتا ہوں اگر یہ متحققین سعودیہ اور متحدہ عرب امارات کی پرکشش تنخواہوں پر حصول جنت کو ترجیح دیتے اور تبلیغ دین کے لیے ایئر کنڈیشنڈ کمروں کی بجائے مراکز شرک کے سامنے ڈیرے ڈال لیتے اور مشرکین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عقیدہ توحید کا ڈنکا بجاتے تو انھیں حکمت اسلام کا انداز ہو جاتا۔“

یہ ہے اس آدمی کا کلام جو حکمت اسلام کو سمجھتا ہے اور خدمت دین کا بہت بڑا علمبردار بنا ہوا ہے جب کہ ایسا کلام کوئی عامی اور جاہل آدمی بھی نہیں کرے گا۔

اس نام نہاد اور بد زبان سلفی کا یہ کلام ہم (صفحہ: ۱۷۱) میں ذکر کر کے اس کے بارے میں گفتگو کر چکے ہیں اور یہاں ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں:

﴿أَهْمُ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (الآیۃ:

الشوریٰ: ۳۲). ﴿وَلِكَ فَضْلَ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ (الحديد: ۲۱)۔

”الدين النصيحة“ کے پیش نظر ہم اس نام نہاد سلفی کو نصیحت کرتے ہیں کہ آپ جلیں نہیں کیونکہ مشہور مقولہ ہے: ”الحسود لا يسود“ چنانچہ بجائے جلنے کے آپ بھی اللہ عزوجل سے مانگیں کہ یا اللہ ہمیں بھی ان نعمتوں سے نواز اور اس میں کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿وَسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (النساء: ۳۲)۔ اس فصل دوم کا پہلا حصہ اسی پر اپنے اختتام کو پہنچا۔



اس حدیث کو امام مسلم نے (۳۶/۲-۳۷) کتاب ”الایمان“ میں تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے مگر ان سے صحیح ثابت نہیں، صحیح حدیث تمیم ہی ہے جیسا کہ امام بخاری نے کہا ہے اس حدیث کی مفصل تخریج ہم نے امام شافعی کی کتاب ”الرسالہ (الفقرۃ: ۱۷۲) میں کی ہے اور یہ رسالہ زیر طبع ہے۔

فائدہ = صحیح مسلم میں تمیم داری کی یہی ایک حدیث ہے اور بخاری میں ان کی کوئی حدیث نہیں ہے جیسا کہ امام نووی نے کہا ہے جب کہ صحیح مسلم میں ایک ایسا واقعہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری سے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو: صحیح مسلم (۸۱-۸۰/۱۸) کتاب الفتن حدیث الجساسة۔

دوسرا حصہ

جیسا کہ اس فصل کے شروع میں ذکر ہوا کہ اس دوسرے حصے میں نام نہاد سلفی نے اجتماعی دعاء پر جو دلائل دیے ہیں ان کا مختصر سا جائزہ لیا جائے گا۔

ان دلائل کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلی قسم.....!!

نماز کے بعد پڑھے جانے والے مسنون اذکار و دعائیں۔

جن کا مختصر سا خاکہ یہ ہے:

① رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نماز کے بعد پڑھنے کے لیے جو یہ دعاء سکھائی تھی: ”اللَّهُمَّ اَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ.....“ ملاحظہ ہو فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی (صفحہ: ۱۷، ۱۸)۔

② عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی جن کا نام قبیصہ ہے۔ کو نماز فجر کے بعد دنیا کے لیے تین دفعہ پڑھنے کے لیے یہ دعا ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ.....“ اور آخرت کے لیے یہ دعاء: ”اللَّهُمَّ اهْدِنِي مِنْ عِنْدِكَ وَأَفْضُ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ.....“ سکھائی۔ ملاحظہ ہو: (صفحہ: ۱۸)۔

③ صہیب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فراغت کے بعد یہ دعاء پڑھتے: ”اللَّهُمَّ اصْلِحْ لِي دِينِي الَّذِي جَعَلْتَهُ عِصْمَةً أَمْرِي، وَاصْلِحْ لِي دُنْيَايَ.....“ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۰)۔

④ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد یہ دعاء

⑤ اس کو ابوداؤد (۱۵۲۲) اور نسائی (۵۳/۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور صحیح حدیث ہے۔

⑥ اس کو ابن السنی (۱۳۳، ۱۳۴) اور طبرانی (۱۸/۱) حدیث: (۹۴۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف حدیث ہے مگر اس مقام پر تفصیل کی گنجائش نہیں۔

⑦ اس کو نسائی (۷۳/۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”القول المقبول“ (صفحہ: ۲۸۴،

حدیث: ۴۳۱)۔

چند قتب پر ایک نظر

پڑھتے: ”اللهم اغفر لي خطائي وذنوبي كلها.....“ ﴿١﴾ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ: ۲۰)۔

تنبیہ = موصوف کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے والی دعاء ”اللهم اصلح لي ديني.....“ بھی ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے چنانچہ اس دعاء کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے اس کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں جب کہ پہلی دعاء کے راوی صہیب رضی اللہ عنہ ہیں۔

﴿٥﴾ حدیث علی رضی اللہ عنہ جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو یہ دعاء پڑھتے: ”اللهم اغفر لي ما قدمت و ما أخرت.....“ ﴿٢﴾ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ: ۲۸)۔

﴿٦﴾ علی رضی اللہ عنہ ہر نماز کے بعد یہ دعاء پڑھا کرتے تھے۔ ”اللهم تمّ نورك فهديت فلك الحمد.....“ ﴿٣﴾ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ: ۱۶-۱۷)۔

اس اثر سے نماز کے بعد دعاء کے لیے ہاتھ اٹھانے اور نہ ہی اجتماعی دعاء کا ثبوت ملتا ہے۔ نام نہاد سلفی نے اس کو ”امالی ابو القاسم“ کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور اس کو ابو یعلیٰ نے بھی اپنی ”مسند“ میں روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ألا يقوم أحدكم، فيصلّي أربع ركعات قبل العصر، و يقول فيهن ما كان رسول الله ﷺ يقول: ”تمّ نورك فهديت.....“
”یعنی تمہیں عصر سے قبل چار رکعت پڑھنی چاہئیں اور ان میں وہ دعاء پڑھو جو رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے۔“ ”تمّ نورك.....“۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ دعاء نماز کے اندر پڑھی جائے اسی لیے حافظ ابن حجر نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: ”باب الذكر في الصلاة“ ملاحظہ ہو: ”المطالب العالیة“ (۴/۳۴۱/۳۴۱)۔

﴿١﴾ اسے حاکم (۴۶۲/۳) طبرانی نے ”کبیر“ (ج: ۸/رقم: ۳۸۷۵) اوسط (۳۳/۸-۳۵-مجمع البحرین) صغیر (۲۱۹/۱-۲۲۰) میں اور حافظ ابن حجر نے ”تنتائج الأفكار“ (۴/۲۰۳) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے مگر اس پر ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث شاہد ہے جس کی بناء پر یہ قوی ہو جاتی ہے اس حدیث کو طبرانی (۸/۲۳۶-۲۷۰) ابن السنی (۱۶۶) اور حافظ ابن حجر نے (۲/۳۰۲) روایت کیا ہے۔
تنبیہ = اس حدیث کا دوسرا نکتہ ا یہ ہے: ”واهدني لصالح الأعمال والأخلاق.....“ اور یہ نکتہ صحیح ہے کیونکہ اس کا ذکر اس کے بعد آنے والی حدیث علی رضی اللہ عنہ میں بھی ہے۔

﴿٥﴾ اس کو مسلم (۶۱/۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس حدیث کے ایک راوی نے اس دعاء کو سلام سے پہلے پڑھنے کا ذکر کیا ہے مگر صحیح ترین روایت اس کو سلام کے بعد پڑھنے والی ہے۔ ملاحظہ ہو ”القول المقبول“ (ص: ۴۶۴-۴۶۵)۔

﴿٦﴾ اس کی تخریج عنقریب آرہی ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث کی سند سخت ضعیف ہے۔
یہ وہ دعائیں و اذکار ہیں جن کو نام نہاد سلفی نے ذکر کیا ہے مگر ان میں یہ کہاں ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جائے یا اجتماعی دعاء کی جائے۔

ان کا ذکر تو اس کے لیے کیا جائے جو نماز کے بعد مسنون دعاء و ذکر کا قائل نہ ہو جبکہ کوئی بھی ایسا نہیں جو مسنون دعاء و ذکر کا انکار کرے بلکہ اجتماعی دعاء کے جو قائل نہیں وہ مسنون دعاؤں و اذکار کو آرام و اطمینان سے پڑھتے ہیں برعکس ان کے جو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کب امام دعاء کے لیے ہاتھ اٹھائے تاکہ دعاء کر کے چلتے بنیں۔
ہمارے موصوف کا یہ کہنا کہ ”یہ سلام پھیرتے ہی جوتا اٹھا کر بھاگ جاتے ہیں، مسنون ذکر و اذکار تک نہیں کرتے۔“ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۲)۔

تو کیا ان کے سلام پھیرتے ہی چلے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ مسنون ذکر و اذکار نہیں کرتے بلکہ ان کا اٹھ کر چلے جانا تو حقیقی سلف کے عمل کے عین مطابق ہے کیونکہ وہ ان مجلسوں میں جہاں بدعت کا ارتکاب ہوتا بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

بلکہ جو دعاء کے منتظر رہتے ہیں ان کو یہی فکر لاحق رہتی ہے کہ کب امام دعاء کرے تاکہ ہم جانے والے بنیں، اور ان کو مسنون ذکر و اذکار کی بجائے دعاء کی فکر زیادہ ہوتی ہے حسان بن عطیہ تابعی نے سچ کہا ہے:

”ما ابتدع قوم بدعة في دينهم إلا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا يعيدها إليهم إلى يوم القيامة“ ❖

❖ اس کو ابویعلیٰ (حدیث: ۴۳۰) نے اس سند سے روایت کیا ہے: الخلیل بن مرة عن الفرات بن سلمان قال قال عليّ:
”اور یہ سند سخت ضعیف ہے اس میں درج ذیل علتیں ہیں:

- ۱۔ فرات کی علیؑ سے روایت مرسل ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ”المراسیل“ (ترجمہ: ۶۱۲) میں ذکر کیا ہے۔
- ۲۔ خلیل بن مرہ ضعیف ہے جیسا کہ ”تقریب“ میں ہے۔ ان دونوں علتوں کا ذکر حافظ ٹیٹھی نے بھی کیا ہے چنانچہ لکھا ہے: ”والفرات لم يدرك عليًا، والخليل بن مرة وثقه أبو زرعة، وضعفه الجمهور“ (مجمع الزوائد: ۱۰/۱۶۱)۔
- ۳۔ محقق مند ابویعلیٰ نے کہا ہے کہ مجھے فرات بن سلمان کا ترجمہ نہیں ملا۔

❖ اس کو داری (۲۵/۱) ابن وضاح نے ”البدع والنهي عنها“ (ص: ۳۷) میں ابن بطة نے ”الإبانة“ (۱/۳۵۱)۔ کتاب الإیمان میں لاکائی نے ”شرح أصول“ (۱/۹۳) میں اور ابونعیم نے ”حلیۃ الأولیاء“ (۶/۷۳) میں روایت کیا ہے اور اس اثر کی سند صحیح ہے۔

یہی بات ایک مرفوع حدیث میں بھی آئی ہے مگر وہ سنداً صحیح نہیں اور وہ حدیث (ص: ۳۶) میں گزر چکی۔

”جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت ایجاد کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم سے اسی کے مثل سنت اٹھا لیتا ہے اور پھر قیامت تک اسے ان کے پاس نہیں لوٹاتا ہے۔“

اس نام نہاد سلفی کو دیکھیں جو حکمت اسلام سے واقف ہے زیر بحث مسئلہ تو اجتماعی دعاء کا ہے مگر یہ دلائل دے رہا ہے نماز کے بعد مسنون ذکر و دعائیں پڑھنے پر، یہ ہے اس آدمی کی حکمت اور فہم کا حال۔ جو اس قدر مغفل ہو کہ اسے یہ خیال تک نہ ہو کہ میرے زیر بحث مسئلہ کیا ہے اور اس پر جو دلائل دے رہا ہوں وہ کیا ہیں تو وہ کسی مسئلہ پر اعتدال سے بحث کیا کرے گا۔

بس اس نے ادھر ادھر کے دلائل جمع کر کے خود کو اور اپنے ہمنواؤں کو خوش کرنے اور عوام الناس کو مغالطہ دینے کی کوشش ہے۔ اللہ بھد یہ۔

دوسری قسم.....!!

یہ ان دلائل کی ہے جن کا تعلق عام حالات کی دعاء سے ہے نماز کے بعد اجتماعی دعاء سے قطعاً ان کا تعلق نہیں، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

① اندر والے ٹائٹل کے صفحہ کی دوسری طرف اس عنوان ”ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعاء مانگنے والوں کی مغفرت“ کے تحت درج ذیل حدیث ذکر کی گئی ہے:

”عن شداد بن اوس۔ رضی اللہ عنہ۔ قال کنا عند النبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقال ”هل فيكم غريب؟ يعني أهل الكتاب، فقلنا: لا يا رسول الله، فأمر بغلق الباب، و قال: ارفعوا أيديكم، و قولوا لا إله إلا الله، فرفعنا أيدينا ساعة، ثم وضع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يده ثم قال: الحمد لله اللهم بعثني بهذه الكلمة، و أمرتني بها ، و وعدتني عليها الجنة، و إنك لا تخلف الميعاد“ ثم قال : أبشروا فإن الله -عز وجل- قد غفر لكم۔“

② اس کو احمد (۱۲۳/۳) بزار (حدیث: ۱۰- کشف) طبرانی نے کبیر (۷/۳۷۳/۷۱۶۳) اور منذ الشامین (حدیث: ۱۱۰۴) میں، حاکم (۵۰۱/۱) اور دولابی نے ”کئی“ (۹۳/۱) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند راشد بن داؤد صنعانی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

علامہ ڈبئی نے ”تلخیص المستدرک“ میں کہا ہے: ”راشد ضعفه الدارقطني، وغيره، و وثقه دحيم“ اسے دارقطنی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور دحیم نے اس کی توثیق کی ہے۔“

دحیم کی طرح ابن معین نے بھی اس کی توثیق کی ہے جب کہ امام بخاری نے اس کے بارے میں یہ کہا ہے: ”فيه نظر“ ملاحظہ ہو: میزان (۳۵/۲)۔

چند منتخب پر ایک نظر

”شداد بن اوس بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس تھے آپ نے فرمایا تمہارے اندر کوئی غریب تو نہیں؟ یعنی اہل کتاب، ہم نے کہا: یا رسول اللہ نہیں۔ پھر آپ نے دروازہ بند کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور ”لا اِلهَ اِلاَ اللہ“ کہو تو ہم نے ایک گھڑی ہاتھ اٹھائے رکھے پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا پھر فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، یا اللہ تو نے مجھے اس کلمہ (لا اِلهَ اِلاَ اللہ) کے ساتھ بھیجا اور اسی کے بارے میں مجھے حکم دیا، اسی پر تو نے مجھ سے جنت کا وعدہ کیا اور بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا: تمہیں خوشخبری ہو یقیناً اللہ عزوجل نے تمہیں معاف کر دیا۔“

یہ وہ دلیل ہے جسے نام نہاد سلفی نے اندر والے نائٹل کے صفحہ کی دوسری جانب اس عنوان کے تحت ذکر کیا ہے:

”ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعاء مانگنے والوں کی مغفرت۔“

مگر آپ جب اس دلیل پر تھوڑا سا غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس حدیث میں اجتماعی دعاء کا ذکر تک نہیں۔ دراصل اس نام نہاد سلفی کی مثال اس بھوکے جیسی ہے جس سے دو اور دو کہا گیا تو اس نے فوراً کہا کہ دو اور دو چار روٹیاں۔ یہی مسئلہ ہمارے اس بناوٹی سلفی کا ہے کہ اسے ہر ذکر اور دعاء والی حدیث میں اجتماعی دعاء ہی نظر آتی ہے۔

اب ہم اس حدیث کے بارے میں قدر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں:

- ① یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ اس کی تخریج میں ذکر ہوا۔
- ② اس حدیث کو بالفرض اگر صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس میں اجتماعی دعاء تو کیا انفرادی دعاء میں بھی ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں ہے آپ ذرا حدیث کے سیاق پر غور کریں کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا ہاتھ اٹھاؤ اور ”لا اِلهَ اِلاَ اللہ“ کہو، یہ نہیں کہا کہ دعاء کرو یا دعاء کریں۔ اور لا اِلهَ اِلاَ اللہ“ کہنے کے لیے ہاتھ اٹھانا یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اشارے کے طور پر ہوگا۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث کے الفاظ ہیں:

”ثم وضع رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يده.....“

”پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا۔“

حدیث میں ”یدہ“ اپنا ہاتھ ہے۔ ”یدہ“ اپنے ہاتھ نہیں۔

جن مصادر (کتب) سے اس حدیث کی تخریج کی گئی ہے ان میں مسند احمد، مستدرک حاکم، اور کنی دولابی میں اسی طرح یعنی ”یدہ“ ہے اور دیگر کتب میں یہ حدیث بقدر اختصار سے ہے ان میں: ”فوضع رسول الله ﷺ يده“ کا ذکر نہیں۔

اور دعاء میں دونوں ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں ایک ہاتھ نہیں۔

تنبیہ = موصوف کے رسالے میں ”ایدیہ“ ہے اور انھوں نے اس حدیث کو ”جامع العلوم والحکم“ سے نقل کیا ہے اور جامع العلوم میں بھی ”یدیہ“ ہی ہے۔

موصوف نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے تحریف سے کام لیا ہے یا ان کو وہم ہوا ہے یا کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

③ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ نیچے کر لینے کے بعد یہ دعا ”اللہم بعثتني بهذه الكلمة.....“ کی اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی آپ ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہاتھ اٹھانے کا حکم دینا دعاء کے لیے نہ تھا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ نے انفرادی دعاء کی یعنی خود دعاء کی چنانچہ اس حدیث سے اجتماعی دعاء پر استدلال کرنا انتہائی درجے کی حماقت اور غفلت ہے۔

④ علماء نے اس حدیث سے ”لا إله إلا الله“ کی فضیلت پر استدلال کیا ہے نہ کہ اجتماعی دعاء پر چنانچہ علامہ ابن رجب اس حدیث کو درج ذیل حدیث انس رضی اللہ عنہ کے تحت لائے ہیں:

”قال الله : يا ابن آدم إنك ما دعوتني ، ورجوتني غفرت لك على ما كان فيك ولا أبالي.....“ ⑤

اس حدیث میں توحید کی فضیلت کا ذکر ہے کہ وہ گناہوں کا کفارہ بنتی ہے اور اسی حدیث کے ضمن میں ابن رجب اس حدیث۔ حدیث شذاذہ کو لائے ہیں ملاحظہ ہو جامع العلوم والحکم۔ (حدیث: ۴۲)۔
حافظ منذری اس حدیث کو ”ترغیب“ (۴۱۵/۲) میں ”باب الترغیب فی قول ”لا إله إلا الله و ما جاء فی فضلها“ میں لائے ہیں۔

⑥ اس حدیث کو ترمذی (۳۵۴۰) نے ”کتاب الدعوات“ میں روایت کیا ہے اور یہ اپنے شواہد کی بناء پر صحیح حدیث ہے اور اس کے شواہد میں سے ایک حدیث ابو ذر رضی اللہ عنہ ہے جسے احمد (۱۵۳/۵، ۱۷۴، ۱۶۷) اور دارمی (۳۲۲/۲) نے روایت کیا ہے۔
اور ایک دوسری حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہے جسے طبرانی نے ”کبیر“ (۱۹/۱۲) اوسط (۸/۸) اور صغیر (۲۰/۲-۲۱) میں روایت کیا ہے۔

حافظ بیہقی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ابراہیم بن اسحاق صینی اور قیس بن ربیع ہیں اور ان دونوں میں اختلاف ہے (یعنی ان کی تضعیف اور توثیق میں) اور اس کے باقی راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۱۰/۲۱۹)
اور ایک تیسری حدیث ابو الدرداء رضی اللہ عنہ ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور الکبانی نے اسے صحیح الجامع (۴۲۱) میں ذکر کیا ہے۔

حافظ بیٹھی اس حدیث کو ”مجمع الزوائد“ میں دو مقامات پر لائے ہیں جو درج ذیل ہیں:

❶ کتاب الإیمان: اور اس کتاب میں وہ اسے باب ”فیمن یشہد أن لا إله إلا الله“ میں لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (۲۴، ۲۳/۱)۔

❷ کتاب الأذکار: اور اس کتاب میں اسے باب ”ما جاء فی فضل لا إله إلا الله“ میں لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (۸۴/۱۰)۔

امام حاکم اس حدیث کو کتاب ”الدعاء والتکبیر والتہلیل والتسبیح والذکر“ میں لائے ہیں۔

محقق نے اس حدیث پر جانی حاشیہ میں جو عنوان قائم کیا ہے وہ یہ ہے:

”رفع الأیدی عند قول لا إله إلا الله وأمر غلق الباب“۔

سندھی نے اس حدیث سے دو مسئلے اخذ کیے ہیں: چنانچہ لکھا ہے:

”فیہ تجرید مجالس الذکر عما لا یلیق إھلالہ، و حفظہا عن طروقہ، و رفع الید

عند الذکر، لأن الذکر فی معنی السؤال“۔

(نقلًا من المسند المحقق (۲۸/۳۴۹) - مؤسسة الرسالة)۔

”اس حدیث میں یہ ہے کہ ذکر کی مجالس کو ان تمام چیزوں سے پاک اور محفوظ رکھنا چاہیے جن کا وجود اس قسم

کی پاکیزہ مجلسوں کے شایان شان نہ ہو اور یہ کہ ذکر کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں کیونکہ ذکر سوال کے معنی

میں ہے۔“

کسی نے بھی اس حدیث سے اجتماعی دعاء پر استدلال نہیں کیا۔ اس حدیث کے ذکر کرنے سے ہی نام نہاد سلفی کے

اس رسالے کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ حدیث جو اس رسالے کے ٹائٹل کے اندر والے صفحے کے دوسری جانب لکھی

ہوئی ہے اس کا ہی رسالے کے موضوع سے تعلق نہیں۔

اس نام نہاد سلفی کے استدلال سے تو صوفیاء کا استدلال اس سے واضح ہے کہ انھوں نے اس سے اجتماعی ذکر پر

استدلال کیا ہے چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اجتماعی ذکر ایک شرعی حکم ہے لہذا اس سے حجت لینا درست نہیں اس کے

بارے میں (صفحہ: ۴۰-۴۱) میں مذکور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ملاحظہ کریں۔

ایک عجیب شرح:

شیخ عمرو عبد المنعم جو کہ مصری عالم ہیں نے اس حدیث کی بڑی عجیب شرح کی ہے انھوں نے اس حدیث

سے اجتماعی ذکر پر استدلال کرنے والوں کا دو طرح سے رد کیا ہے۔

چند متب پر ایک نظر

① یہ حدیث ضعیف ہے انھوں نے راشد بن داؤد کی وجہ سے اس کو ضعیف کہا ہے۔

② دوسری طرح سے رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و من أخرى، فلو صح هذا الحديث، فليس فيه دلالة على جواز الذكر الجماعي، فهو صريح الدلالة على أن ذلك كان للبيعة- أو لتجديد البيعة- وليس لمجرد الذكر، لا سيما، وقد أمرهم النبي ﷺ برفع الأيدي فهذا للمبالغة، ولا يشترط، بل، ولا يستحب في الذكر-“ (السنن والمبتدعات في العبادات: ۳۱۱)۔

”دوسرے اعتبار سے اس طرح کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس میں اجتماعی ذکر پر دلالت نہیں بلکہ اس کی صریحاً دلالت اس پر ہے کہ یہ (ہاتھوں کا اٹھانا) بیعت یا تجدید بیعت کے لیے تھا نہ کہ مجرد ذکر کے لیے، نبی ﷺ کا خاص کر ان کو ہاتھ اٹھانے کا حکم دینا مبالغہ کے لیے تھا، اور ذکر میں ہاتھوں کا اٹھانا شرط ہے۔ اور نہ ہی مستحب ہے۔“

اور ان کی اس تاویل میں بہت بعد پایا جاتا ہے۔

③ ابو مسعود کی دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے اہل طائف نے آپ کی دعوت کو رد کر دیا آپ وہاں سے پلٹ کر ایک درخت کے نیچے تشریف لے گئے:

”فصلی رکعتین، ثم قال: ”اللهم أشكو إليك ضعف قوتي.....“ ④

”تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھی پھر یہ دعا کی: ”اللهم أشكو إليك.....“ (صفحہ: ۱۹)

قارئین دیکھیں کہ زیر بحث مسئلہ تو اجتماعی دعا کا مسئلہ ہے اور اس پر جو دلیل دی جا رہی ہے اس میں انفرادی دعا کا ذکر ہے نیز اس میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نام نہاد سلفی کو سمجھ عطا فرمائے۔

④ اس کو طبرانی نے ”کبیر“ (۱۳/۷۳/۱۸۱) اور دعاء (۱۰۳۶) میں عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کی سند محمد بن اسحاق کے معنے کی وجہ سے ضعیف ہے، اسی علت کی بناء پر اس کو طبرانی کبیر کے محقق شیخ حمزہ اور شیخ البانی نے ”دفاع عن الحديث النبوي والسيرة“ (ص: ۲۷) میں ضعیف کہا ہے اور حافظ یثمی نے بھی اس علت کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ لکھا ہے: ”رواه الطبراني وفيه ابن إسحاق وهو مدلس ثقة، وبقية رجاله ثقات-“ (مجمع الزوائد: ۶/۳۸)۔

اور طبرانی دعاء کے محقق ڈاکٹر محمد سعید بخاری نے بڑی عجیب بات کہی ہے کہ اس کی سند حسن ہے لیکن اس میں ابن اسحاق کا معنے ہے اور وہ تدلیس کرنے میں مشہور ہیں۔ اور زاد المعاد کے محققین شیخ شعیب و عبد القادر نے اس سے بھی بڑھ کر عجیب بات کہہ دی کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر اس میں ابن اسحاق کی تدلیس ہے۔ ملاحظہ ہو تحقیق زاد المعاد (۱/۹۹)۔

جبکہ کہنا یہ چاہیے تھا کہ اس میں ابن اسحاق کا معنے ہے۔

واضح رہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ اس کی تخریج میں بیان ہوا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ طائف دعوت و تبلیغ کے لیے نہیں گئے اور آپ کو پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ یہ واقعہ دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے مگر اس میں نماز پڑھنے اور مذکورہ دعاء کرنے کا ذکر نہیں۔

❖ حدیث سلمان۔ روایت ”ما رفع قوم أكفهم إلى الله تعالى يسألونه شيئاً.....“ ملاحظہ ہو: (صفحہ: ۲۱، ۳۱) ”یعنی جب کوئی جماعت اپنی تھیلیاں اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگتی ہے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس سے جو مانگے وہ اسے دے۔“

مگر یہ حدیث ان الفاظ سے شاذ بلکہ ضعیف ہے اور درج ذیل الفاظ سے محفوظ ہے۔

❖ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بخاری (۳۲۳۱) کتاب بدء الخلق باب ”إذا قال أحدكم آمين.....“ مسلم (۱۵۵/۱۲) کتاب الجہاد والسير، باب ما لقي النبي ﷺ من أذى المشركين والمنافقين۔
❖ اس حدیث کو طبرانی (۶/حدیث: ۶۱۳۲) اور ابن شاپین نے ”الترغیب“ (صفحہ: ۱۸۱، حدیث: ۱۴۳) میں روایت کیا ہے۔
مگر یہ حدیث ان الفاظ سے ضعیف ہے جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

❖ اس حدیث کی سند یوں ہے: ”أبو طلحة الراسي عن الجريري عن أبي عثمان عن سلمان۔
الجريري یہ سعید بن ایاس ہیں جو آخر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ أبو طلحہ راسی یہ شداد بن سعید ہیں اور یہ ان لوگوں میں نہیں ہیں کہ جنہوں نے جریری سے ان کے اختلاط سے قبل روایات سنی ہیں۔

جب کہ اس حدیث کو جریری سے حماد بن سلمہ نے اس سیاق سے روایت کیا ہے: ”أجد في التوراة أن الله حيي كريم.....“ یعنی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پایا ہے کہ اللہ حیاء والا کریم ہے.....“
اور حماد بن سلمہ کا سماع جریری سے ان کے اختلاط سے پہلے ہے۔ ملاحظہ ہو: تہذیب النہدیب (۴/۷)۔
اسی سیاق سے اس کو أبو عثمان۔ یہ عبد الرحمن بن مثنیٰ النہدی ہیں۔ سے ثابت بنانی اور حمید الطویل نے بھی روایت کیا ہے اور اس سیاق سے اس کو بیہقی نے ”الاسماء والصفات“ (۱/۲۲۳/۱۵۶) میں روایت کیا ہے۔

أبو عثمان نہدی سے اس حدیث کو جعفر بن میمون اور أبو معلىٰ یحییٰ بن میمون نے بھی روایت کیا ہے اور انہوں نے سلمان رضی اللہ عنہ سے اس کو اسی طرح روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ رَبَّكُمْ حَيٌّ كَرِيمٌ.....“ یعنی مرفوعاً روایت کیا ہے۔ جعفر کے طریق سے اس کو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور أبو معلىٰ کے طریق سے اسے خلیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۸/۳۱۷) میں اور بخاری نے ”شرح السنة“ (۵/۱۸۵) میں روایت کیا ہے۔

اسی طرح سے اس کو سلیمان تمیمی نے بھی أبو عثمان سے روایت کیا ہے اور ان کے طریق سے اسے ابن حبان (۲/۱۲۰) حاکم (۱/۵۳۵) طبرانی نے کبیر (۶/حدیث: ۶۱۳۰) اور دعاء (۲۰۲) میں اور ابن شاپین (حدیث: ۱۴۳) نے روایت کیا ہے۔ اسے احمد (۵/۳۳۸) حاکم (۱/۳۹۷) اور بیہقی نے ”الاسماء والصفات“ (حدیث: ۱۰۱۳) میں بھی تمیمی کے طریق سے روایت کیا ہے مگر ان کے ہاں یہ روایت موقوف ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ سیاق ”ما رفع قوم أكفهم.....“ سے یہ حدیث غیر صحیح ہے۔

چند مقب پر ایک نظر

”إِنَّ رَبَّكُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالَى حَبِيبٌ كَرِيمٌ.....“

اور ان الفاظ سے یہ حدیث گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۳۵)۔

❖ حدیث انسؓ۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ جمعہ میں بارش کی دعا ہاتھ اٹھا کر کی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے۔

اس حدیث کی تخریج اس کتاب کے دوسرے باب (صفحہ: ۹۳) میں آرہی ہے۔ ان شاء اللہ
❖ سعد بن ابی وقاصؓ کا قول: ”أَجِثُوا عَلَى الرِّكْبِ ثُمَّ قُولُوا يَا رَبِّ يَا رَبِّ“ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر یا رب یا رب کہو۔“ (صفحہ: ۲۳)۔

اس اثر سے کیا ثابت ہوا کہ نماز کے بعد اجتماعی دعاء کی جائے اس میں قطعاً ایسی کوئی بات ہی نہیں۔
اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے لوگوں کو دعاء کے آداب سکھاتے ہوئے یہ کہا ہے یعنی جب دعاء کرنی ہو تو اس انداز سے کرو۔ اگر اس سے اجتماعی دعاء ثابت ہوتی ہے تو پھر کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اللہ عزوجل کے اس فرمان سے بھی اجتماعی دعاء کا ثبوت ملتا ہے۔

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (المومن: ۶۰)
”اور تمہارے رب نے کہا ہے کہ مجھ سے دعاء کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔“

❖ عبد اللہ بن عباسؓ کا یہ اثر:

”الابتہال ہکذا، و بسط یدیدہ و ظہورہما.....“ ❖

”ابتہال یہ ہے کہ ہاتھوں کو (یہاں تک) پھیلا جائے کہ ان کی پشت چہرے کے برابر ہو جائے اور دعاء یہ ہے کہ ہاتھوں کو (پھیلا کر) ڈاڑھی کے نیچے رکھا جائے اور اخلاص یہ ہے کہ انگلی سے اشارہ کیا جائے۔“ (صفحہ: ۲۳، ۲۴)۔
دیکھیں زیر بحث اجتماعی دعاء کا مسئلہ ہے اور دلیل وہ ذکر کی جارہی ہے کہ جس میں دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ مذکور ہے یہ نام نہاد سلفی یا تو انتہائی مغفل انسان ہے یا پھر اسے عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے رسالے کو مخفی کرنے کا شوق تھا بس۔

ہم ان چیزوں کو یہاں اس لیے ذکر کر رہے ہیں کہ قارئین کو اس کے رسالے کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

❖ اس کو عبد الرزاق (۲/۲۵۰) اسی طرح ابوداؤد (۱۳۸۹-۱۳۹۰) نے بھی روایت کیا ہے اور اس اثر کی سند صحیح ہے۔ یہ اثر ابوداؤد کے ہاں بھی ہے مگر ہمارے موصوف نے اس کو عبد الرزاق کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ ابوداؤد (۱۳۹۱) اور بیہقی (۲/۱۳۳) میں یہ ابن عباس سے مرفوعاً بھی مروی ہے اور یہ مرفوعاً بھی صحیح ہے۔

﴿ عروہ کی مرسل روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اعراب (دیہاتیوں) کی ایک قوم سے گزر ہوا جو مسلمان ہو چکے تھے اور دشمنوں نے ان کے علاقے کو خراب کر دیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے چہرے کی طرف ہاتھ اٹھا کر ان کے لیے دعا مانگنا شروع کی تو ایک اعرابی نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ (مزید) پھیلائیں (اپنے ہاتھوں کو)۔ تو آپ نے اپنے چہرے کے برابر ہاتھ پھیلانے اور ان کو آسمان کی طرف نہیں اٹھایا۔ ﴿ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۴)۔

تنبیہ = موصوف نے عروہ۔ رحمہ اللہ لکھا ہوا ہے جب کہ عروہ مشہور و معروف تابعی ہیں صحابی نہیں، معلومات کا حال یہ ہے اور بیٹھ گئے اس مسئلہ پر اعتدال کے ساتھ لکھنے کے لیے۔

﴿ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین میں عورتوں کو بھی نماز عیدین کے لیے جانے کا حکم دیا تاکہ وہ بھی لوگوں کی دعا کے ساتھ دعا کریں اور اس دن کی برکت اور طہارت کی امید رکھیں۔ ﴿ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۵)۔

واضح رہے کہ اس حدیث سے کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ اس میں جس دعا کا ذکر ہے وہ دعا نماز کے بعد ہماری اجتماعی دعا جیسی ہوگی کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے یہ حدیث بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر بھی بہت سی کتب حدیث کے اندر ہے۔ ﴿ مگر کسی کتاب یا اس حدیث کی کسی روایت میں اس کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ (جیسے جمعہ کے دن) جو ہفتہ کی عید ہے خطبہ جمعہ میں دعا کرتے تھے اسی طرح آپ خطبہ عید میں بھی دعا کرتے ہوں گے بلکہ امام ابن خزیمہ اس حدیث سے یہی سمجھے ہیں چنانچہ انھوں نے اپنی ”صحیح“ میں ”جماع أبواب صلاة العیدین“ میں ایک باب اس طرح قائم کیا ہے:

”باب إشارة الخاطب بالسبابة على المنبر عند الدعاء في الخطبة وتحريكه إياها عند

الإشارة بها“ (صحیح ابن خزیمہ: ۲/۳۵۱)۔

اور اس باب کے تحت وہ سہل بن سعد۔ رحمہ اللہ کی حدیث لائے ہیں جو اس رسالے کے صفحہ (۲۹) کے حاشیے

﴿ اے عبدالرزاق (۲/۲۵۱) نے روایت کیا ہے اور یہ مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور مرسل روایت اسے کہا جاتا ہے جسے تابعی صحابی کے واسطے کے بغیر رسول اللہ ﷺ سے روایت کرے اور یہ روایت محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے۔

﴿ اس حدیث کو بخاری (۹۷۱) اور مسلم (۱۷۹/۶) نے روایت کیا ہے۔

بخاری نے اس کو متعدد مقامات پر روایت کیا ہے اور مذکورہ سیاق ”کتاب العیدین“، باب ”التکبیر آیام منی“ کا ہے۔

﴿ اس کو ابوداؤد (۱۱۳۶) ترمذی (۵۳۹) نسائی (۱۸۱، ۱۸۰/۳) ابن ماجہ (۱۳۰۸) دارمی (۳۷۷/۱) ابن خزیمہ (۱۳۶۶، ۱۳۶۷) ابن

حبان (۲۰۸/۴) بیہقی نے سنن (۳۰۵-۳۰۶) اور ”معرفۃ السنن“ (۵۳/۳) میں اور أحمد (۸۴/۵) نے بھی روایت کیا ہے۔

میں گزر چکی ہے۔

❖ حبیب بن مسلمہ فہری۔ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث:

ابن ہبیرہ بیان کرتے ہیں کہ حبیب مستجاب الدعاء تھے انھیں فوج کا سپہ سالار مقرر کیا گیا جب گئے اور دشمن سے سامنا ہوا تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”جب کوئی جماعت جمع ہو ان میں سے کوئی ایک دعا کرے اور باقی آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول کرتا ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور یہ دعاء کی۔

”اللہم احقن دماءنا و اجعل أجورنا أجور الشهداء“ ❖

”یا اللہ ہمارے خونوں کو روک دے اور ہمارے اجر شہیدوں جیسے کر دے۔“

اس حدیث کا سیاق اس طرح سے ہے کہ حبیب بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے میدان جنگ میں حدیث کو بیان کیا پھر دعا کی مگر ہمارے موصوف نے اسے دوسرے انداز سے ذکر کیا ہے کہ لوگوں نے ان سے دعاء کی درخواست کی۔ نیز دعاء کا جو سبب تھا اسے بھی ذکر نہیں کیا شاید یہ اس لیے کہ بغیر کسی سبب کے بھی اجتماعی دعاء پر استدلال کیا جا سکے۔ ملاحظہ ہو: (صفحہ: ۲۵، ۲۶، ایضاً: ۳۰)۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس سے استدلال کرنے سے پہلے اس کا صحیح ثابت ہونا ضروری ہے اور اس کی صحت کا دار و مدار ابن ہبیرہ کا حبیب سے سماع پر ہے اگر سماع ثابت ہو تو صحیح و درجہ۔

❖ اللہ عز و جل نے سورۃ یونس (آیت: ۸۹) میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿قَدْ أَجَبْنَا دَعْوَتُكُمَا﴾ ”یقیناً تم دونوں کی دعاء قبول کر لی گئی۔“

مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دعاء کرتے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر (۲/۳۷۰) اور درمنثور (۴/۳۸۵)۔

موصوف کی اجتماعی دعا پر ایک دلیل یہ بھی ہے ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۶)۔

❖ ابراہیم علیہ السلام والا واقعہ جس میں ہے کہ وہ جب اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام کو چھوڑ کر جانے لگے تو انھوں نے

❖ اس کو طہرانی (۴/حدیث: ۳۵۳۶) اور حاکم (۳/۳۴۷) نے روایت کیا ہے۔

حبیب بن مسلمہ کی صحبت میں اختلاف ہے لیکن راجح یہ ہے کہ ان کی صحبت ہے حافظ ابن حجر نے تقریب (۱۵۰/۱) میں کہا ہے: ”مختلف فی صحبتہ والراجح ثبوتہا۔“

ابن ہبیرہ یہ عبد اللہ بن ہبیرہ ہیں اور ثقہ ہیں مسلم اور سنن اربعہ کے راویوں میں سے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے بشرطیکہ ابن ہبیرہ کا حبیب بن مسلمہ سے سماع ہو تو، حاکم اور اسی طرح ذہبی نے بھی اس حدیث پر سکوت کیا ہے جب کہ امام حاکم عام طور پر حدیث پر کوئی نہ کوئی حکم لگاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چند قتب پر ایک نظر

ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي﴾^① (الایۃ (سورۃ ابراہیم: ۳۷)۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۳۰)۔
یہ ہے موصوف کے دلائل کی دوسری قسم جن میں عام حالات کی دعا کا ذکر ہے اور موصوف کے رسالے کا عنوان ”فرض نمازوں کے بعد دعاء اجتماعی اور اہل حدیث کا مسلک اعتدال“ ہے۔

ان دلائل کو تو اس شخص کے لیے ذکر کیا جائے جو سرے سے دعا ہی کا منکر ہو جیسا کہ بعض فلاسفہ ہیں۔
نیز موصوف کے رسالے کے عنوان میں ”اور اہل حدیث کا مسلک اعتدال“ بھی محل نظر ہے کیونکہ سب اہل حدیث اس دعا کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ (صفحہ: ۱۵) میں علامہ عبدالرحمن مبارکپوری کے حوالے سے ذکر ہوا چنانچہ تمام اہل حدیث کا اس کو مسلک قرار دینا بنی بر جہالت ہے۔

تیسری قسم.....!!

یہ قسم ان دلائل کی ہے جن میں نماز کے بعد دعاء کرنے کا ذکر ہے اب ہم ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ یہ اس نام نہاد سلفی کے موقف کی کس حد تک تائید کرتے ہیں:
① اللہ عزوجل کا یہ فرمان:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ (سورۃ الانشراح: ۸۰، ۷)۔

اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

جلیل القدر ائمہ تفسیر مثلاً ترجمان القرآن = عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما امام قتادہ، امام ضحاک، امام مقاتل، امام کلبی اور امام مجاہد رحمہم اللہ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

”فإذا فرغت من الصلاة المكتوبة فانصب إلى ربك في الدعاء وارغب إليه في المسألة يعطك“ معالم التنزيل مع ألباب التأويل“ (جلد: ۷/ص: ۲۲۰)۔

کہ ”جب تو فرض نماز سے فارغ ہو جائے تو اپنے رب سے دعاء مانگنے میں اپنے آپ کو محنت میں ڈال اور سوال کرنے میں اس کی طرف رغبت کر۔“ (صفحہ: ۱۵)۔

یہ ہے اس نام نہاد سلفی کی اجتماعی دعاء پر دلیلوں میں سے ایک قرآنی دلیل۔

قارئین آپ خود ہی اس نام نہاد سلفی سے پوچھیے کہ اس میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے دراصل بات یہ ہے کہ جیسے ہم پہلے بھی ذکر کر چکے کہ نماز سے متعلق ہر ذکر و دعاء میں اس مدعی سلفیت کو اجتماعی دعاء ہی دکھائی دیتی ہے اس لیے کہ موصوف بہت بڑے حکیم اسلام ہیں نا۔

① اس واقعہ کو بخاری نے (حدیث: ۳۳۶۳) کتاب الانبیاء، باب (۹) میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ مذکورین میں سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ سے دیگر روایات کے مطابق اس سے نماز کے اندر دعاء کرنا مراد ہے۔

۱۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرماتے ہیں، کہ اللہ عزوجل نے اپنے رسول ﷺ سے کہا ہے۔
”إِذَا فَرَغْتَ مِنْ صَلَاتِكَ وَتَشَهُدْتَ فَاَنْصِبْ إِلَى رَبِّكَ وَاسْأَلْهُ حَاجَتَكَ“
(درمنثور: ۵۵۱/۸)۔

”جب اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ اور تشهد بیٹھو تو خوب دلجمعی سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے اپنی حاجت کا سوال کرو۔“

ب۔ ابن جریر نے مجاہد سے روایت کی ہے:

”إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَاَنْصِبْ فِي حَاجَتِكَ إِلَى رَبِّكَ“ (تفسیر ابن جریر ۲۶۰/۱۵)۔
یعنی جب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو اپنے رب سے اپنی حاجت طلب کرنے میں لگ جاؤ۔
فریابی، عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے ان سے درج ذیل الفاظ سے بھی روایت کی ہے:
”إِذَا جَلَسْتَ فَاجْتَهِدْ فِي الدُّعَاءِ وَالْمَسْأَلَةِ“۔

”جب بیٹھ جاؤ (تشہد میں) تو خوب دعا اور سوال کرو۔“
اسی طرح ﴿وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ کی ان سے یہ تفسیر بھی مروی ہے:
”اجعل رغبتك و نيتك إلى ربك“۔

”اپنی رغبت اور نیت کو اپنے رب کے لیے خاص کرو۔“
اس تفسیر کو ابن جریر، فریابی اور عبد بن حمید وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ج۔ ابن جریر نے ضحاک سے اس طرح روایت کی ہے:

”من الصلاة المكتوبة قبل أن تسلم ، فانصب“۔

”فرض نماز سے فراغت کے بعد اور سلام پھیرنے سے قبل دعاء میں لگ جاؤ۔“

یہی تفسیر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے: چنانچہ وہ ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
”فراغك من الركوع والسجود“ (اپنے رکوع اور سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد) ﴿وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ في المسألة و أنت جالس“ (اپنے بیٹھنے کی حالت میں ”تشہد میں“ دعا میں مصروف ہو جاؤ۔)

اس تفسیر کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے جیسا کہ سیوطی نے ذکر کیا ہے اور اس تفسیر کی تائید درج ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے:

① ”ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الدَّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُو“

یعنی تشہد سے فارغ ہو جانے کے بعد نمازی کو جو دعاء پسند ہو وہ کر لے۔

② ”إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشْهَدِ الْآخِرِ، فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْ أَرْبَعٍ“۔ الحدیث

”جب تم میں سے کوئی آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو چار چیزوں سے پناہ پکڑے: قبر اور جہنم کے عذاب سے، زندگی، موت اور مسیح دجال کے فتنے سے۔“

مذکورہ تفسیر کے علاوہ ان آیات کی تین اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ جب دشمن کے ساتھ جہاد سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب کی عبادت میں لگ جاؤ۔

یہ تفسیر حسن بصری، عبد الرحمن بن زید اور اسی طرح قتادہ سے بھی مروی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب دنیا کے کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہو جاؤ یعنی قیام اللیل وغیرہ میں۔

یہ تفسیر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے اور ایک روایت کے مطابق مجاہد کی بھی یہی تفسیر ہے اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ جب تبلیغ رسالت سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے لیے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی استغفار کرو اس تفسیر کو قرطبی نے کلبی سے نقل کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر ابن جریر (۲۶۱-۲۶۰/۱۵) تفسیر قرطبی: (۳۴۹/۱۰) تفسیر ابن کثیر (۵۶۸/۸) اور درر منثور (۵۵۱/۸)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت کی موصوف نے جو تفسیر ذکر کی ہے اس سے نماز کے بعد اجتماعی دعاء اور نہ ہی ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

② حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ

”مَنْ صَلَّى صَلَاةً فَرِيضَةً فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ“ (الحدیث)

”جس نے فرض نماز ادا کی اس کے لیے (اللہ کے ہاں) قبول ہونے والی دعاء ہے۔“ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۶)۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے بلکہ اس حدیث کا ظاہر تو منفرد کے

① اس حدیث کو بخاری (۸۳۵) اور مسلم (۱۱۸-۱۱۷/۳) نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

② اس کو مسلم (۸۷/۵) ابوداؤد (۹۸۳) نسائی (۵۸/۳) اور ابن ماجہ (۹۰۹) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

③ اس کو طبرانی (۲۵۹/۱۸) نے روایت کیا ہے۔

بارے میں ہے۔ نیز یہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے۔

③ حدیث ابی امامہ (رضی اللہ عنہ)۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کوئی دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے آپ نے فرمایا:

”جوف الليل الآخر، و دبر الصلوات المكتوبات“

”رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے بعد۔“

اس دلیل کے متعدد جوابات ہیں:

- ا۔ اس میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے جیسے ہم پہلے بھی ذکر کر چکے کہ کسی بھوکے آدمی سے کہا گیا دو اور دو تو اس نے فوراً کہا دو اور دو چار روٹیاں۔ یہی حال اس نام نہاد سلفی کا ہے کہ اسے ہر حدیث میں اجتماعی دعاء ہی نظر آتی ہے۔
- ب۔ لفظ ”ذُبر“ میں دونوں احتمال ہیں۔ نماز کا آخری حصہ سلام سے پہلے اور سلام کے بعد، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”و لفظ دبر الصلاة قد يراد به آخر جزء من الصلاة كما يراد بدبر الشيء مؤخره، و قد يراد به ما بعد انقضائها كما في قوله تعالى ﴿وَأُدْبِرَ السُّجُودُ﴾ (ق: ٤٠) و قد يراد به مجموع الأمرين“ (مجموع الفتاوى (٥١٦/٢٢)۔

”لفظ ”دبر الصلاة“ سے کبھی تو نماز کا آخری حصہ مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ ”دبر الشيء“ سے اس چیز کا آخری حصہ مراد لیا جاتا ہے اور کبھی اس سے۔ لفظ ”دبر الصلاة“ سے۔ نماز کے ختم ہو جانے کے بعد والا وقت مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿وَأُدْبِرَ السُّجُودُ﴾۔ فتاویٰ میں اس طرح ہے جب کہ ابن قیم نے ان سے یوں نقل کیا ہے:

”و دبر الصلاة يحتمل قبل السلام، و بعده، و كان شيخنا يرجح أن يكون قبل السلام، فراجعته فيه، فقال: دبر كل شيء منه كدبر الحيوان“ (زاد المعاد (٣٠٥/١)۔

④ اس میں دو علتیں ہیں ایک یہ کہ اس کی سند میں عبد الحمید بن سلیمان خزاعی ہے جسے حافظ ہبشی نے ”مجمع الزوائد“ (١٤٥/٤) میں حافظ ابن حجر نے ”تقریب“ میں ضعیف کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ”کاشف“ میں کہا ہے: ”ضعفوه“ یعنی محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے اور دوسری علت یہ ہے کہ اس میں طبرانی کا شیخ فضل بن ہارون بغدادی ہے جسے خطیب نے ”تاریخ بغداد“ (٣٤٢/١٢-٣٤٣) میں ذکر کیا ہے لیکن اس کے بارے میں کسی قسم کی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی۔

⑤ اسے ترمذی (٣٣٩٩) نسائی نے ”عمل اليوم والليلة“ (١٠٨) میں اور ترمذی کی سند سے حافظ ابن حجر نے ”نتائج الأفكار“ (٢/٢٣٤) میں روایت کیا ہے۔

”دبر الصلاة“ میں سلام سے قبل اور بعد دونوں احتمال ہیں، ہمارے شیخ ابن تیمیہ سلام سے قبل کو ترجیح دیتے تھے، چنانچہ میں نے ان سے اس کے بارے میں بات کی تو وہ کہنے لگے کہ ہر چیز کا پچھلا حصہ حیوان کے پچھلے حصے کی طرح ہے۔“

جب کہ حافظ ابن حجر نے یہ کہا ہے کہ ”دبر کل صلاة“ سے مراد بالاجماع بعد السلام ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری (۱۱/۱۳۳)۔

ج۔ اس حدیث میں لفظ ”دبر الصلوات المكتوبات“ کا اضافہ شاذ ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ صحیح نہیں ہے۔

۴۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول کہ نفل نمازوں کی نسبت فرض نمازوں کے بعد دعاء مانگنا ایسے ہی افضل ہے جیسے فرض نماز نفل نماز سے افضل ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۶)۔

اس قول میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے نیز یہ جعفر صادق کا قول ہے جو حجت نہیں۔

۵۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث جس میں ہے کہ مشرکین مکہ نے بحالت سجدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اونٹ کی اوجھری رکھ دی اور آپ نے نماز سے فراغت کے بعد تین مرتبہ یہ دعا کی: ”اللهم عليك بقريش، اللهم عليك بأبي جهل.....“

اس حدیث میں بھی اجتماعی دعاء کا ذکر نہیں، اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی آدمی پر کوئی مصیبت آئے یا اسے کوئی پریشانی لاحق ہو یا اس کی کوئی حاجت ہو تو اس کے لیے نماز کے بعد دعا کر سکتا ہے۔

در اصل بات یہ ہے کہ ہمارا نام نہاد سلفی یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ جو نماز کے بعد اجتماعی دعاء کے قائل نہیں وہ سرے سے ہی دعاء کے منکر ہیں اور وہ کسی حالت میں بھی نماز کے بعد دعاء کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس کی کئی باتوں سے یہی پتہ چلتا ہے جب کہ یہ اس کی یا تو کم فہمی ہے یا الزام تراشی۔

۶۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد ہاتھ اٹھا کر قبلہ رو ہو کر یہ دعا کرتے: ”اللهم خَلِّصْ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، وَ عِيَّاشَ بْنَ أَبِي رَيْعَةَ.....“

اس کے علاوہ بھی اس کی سند میں دو عتیں ہیں تفصیل کے لیے ”نتائج الافکار“ للحافظ ابن حجر (۲/۲۳۷-۲۳۹) ”الفتوحات الربانية“ لابن علان (۳۰/۳) اور ”القول المقبول“ (ص: ۲۹۲) دیکھیں۔

ان کے اس قول کو طبری نے روایت کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ (۱۱/۱۳۳) میں کہا ہے۔

اس حدیث کو بخاری (۵۲۰) ”الصلاة“، مسلم (۱۵۲/۲) ”الجهاد“ اور نسائی نے (۱۶۲/۱) ”الطهارة“ میں روایت کیا ہے۔ اس کی بعض روایات میں ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری (۲۴۰) کتاب الوضوء کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد دعا کی۔

چند مقب پر ایک نظر

اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے: ”كان يدعو في دبر صلاة الظهر“ اللهم خَلِّص الوليد.....“^①
 ”آپ نماز ظہر کے بعد یہ دعاء کرتے“ اور اس روایت میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں۔

اس دلیل کے مختلف جوابات ہیں جن میں سے دو درج ذیل ہیں:

① اس حدیث میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہا ہے بلکہ اس میں تو اجتماعی دعاء کرنے والوں پر رد ہے وہ اس طرح کہ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام کے بعد دعاء کی اور ابو ہریرہؓ نے صرف آپ کے دعاء کرنے کا ذکر کیا ہے جس سے ثابت یہ ہوا کہ صحابہؓ اس دعاء میں آپ کے ساتھ شریک نہ تھے، اگر شریک ہوتے تو ابو ہریرہ یقیناً ان کا ذکر کرتے جب کہ ایسا ہرگز نہیں۔

② یہ حدیث اس طرح سے منکر ہے۔^② اور صحیح اس طرح سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعاء نماز میں رکوع کے بعد کی۔

اس کی تفصیل اور دیگر جوابات کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب ”القول المقبول“ (ص: ۴۹۰ - ۴۹۱) دیکھیں۔

④ عبد اللہ بن زبیرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز سے فراغت سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا:

”لَنْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يَفْرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ“^③

⑤ پہلی روایت سے اس کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر (۵۸۷۲/۱۰۴۸/۳) میں اور دوسری روایت سے اس کو ابن جریر (۲۹۰/۴-۲۹۱) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند علی بن زید کی وجہ سے ضعیف ہے اور یہ حدیث منکر ہے اس کی قدرے تفصیل بعد میں آ رہی ہے۔

⑥ منکر حدیث دو طرح کی ہوتی ہے ایک یہ کہ اس کو بیان کرنے والا راوی ضعیف ہو اور دوسری یہ کہ اس کو بیان کرنے والا راوی ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ ثقہ راوی کی مخالفت بھی کرے اور یہ حدیث اس معنی میں منکر ہے کیونکہ سعید بن مسیب سے اس طرح سے اس کو علی بن زید نے روایت کیا ہے جو ضعیف ہیں نیز انھوں نے زہری کی جو کہ ثقہ و حافظ ہیں، مخالفت بھی کی ہے کیونکہ زہری نے ابن مسیب سے اس کو اس طرح سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں رکوع کے بعد یہ دعا کرتے۔

⑦ اس کو طبرانی نے (۳۲۳/۱۲۹/۱۳) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں فضیل بن سلیمان نمیری ہے جس کی بہت زیادہ اغلاط ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ”تقریب“ (۱۱۲/۲) میں کہا ہے۔

اس کے بارے میں تفصیل کے لیے ”تہذیب التہذیب“ (۲۶۲/۸-۲۶۳) دیکھی جائے۔

نیز اس کی سند میں انقطاع کا خدشہ بھی ہے کیونکہ عبد اللہ بن زبیرؓ سے اس کو محمد بن ابی یحییٰ اسلمی نے روایت کیا ہے اور اسلمی کو حافظ ابن حبان نے ”نقات“ (۳۷۲/۷) میں اتباع تابعین میں ذکر کیا ہے۔ جب کہ حافظ ابن حجر نے ان کو طبقہ خامسہ کا تابعی کہا ہے ملاحظہ ہو: ”تقریب التہذیب“ (۲۱۸/۲)۔

اور یہ طبقہ ان صغارتا بعین کا ہے جنھوں نے ایک یا دو صحابہ کو دیکھا ہے اور بعض کا ان سے سماع ثابت نہیں جیسا کہ

”یقیناً رسول اللہ ﷺ نماز سے فراغت کے بعد ہی ہاتھ اٹھاتے تھے۔“

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے کیونکہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم، بلکہ آپ نے صرف رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے زمانے میں اجتماعی دعاء نہ تھی لہذا یہ حدیث اجتماعی دعاء کے قائلین پر رد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے جیسا کہ حاشیہ میں تفصیل ذکر ہوئی۔

⑧ بحرین کے مرتدین کے خلاف جنگ کے لیے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے علاء بن حضری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا وہاں پہنچ کر انھیں پانی کے سلسلے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے نماز فجر کے بعد اپنے ساتھیوں سمیت گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اور ہاتھ اٹھا کر دعاء کی تو اللہ عزوجل نے ان کے لیے پانی کا انتظام کر دیا، تفصیل واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو: البداية والنهاية (۳۳۲/۶-۳۳۳)۔

اس میں اجتماعی دعاء کا ذکر ہے اسی لیے ہمارے موصوف نے اس کو ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۸، ۲۷)۔ اور اس مقام پر جو اجتماعی دعاء کی گئی تو اس لیے کہ انھیں جو مسئلہ درپیش تھا وہ سب کے لیے تھا یعنی اجتماعی مسئلہ تھا اور جب مسلمانوں کو کوئی اجتماعی مسئلہ درپیش ہو تو اجتماعی دعاء کر لینے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بارش کے لیے خطبہ جمعہ میں دعاء کی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ دعاء کی جیسا کہ (صفحہ: ۳۰، ۳۱) میں بھی ذکر ہوا۔ صفحہ (۳۰) میں موصوف نے لکھا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کوئی کہے تو پھر دعاء کی جائے بلکہ امام بغیر کسی کے کہے بھی دعاء مانگ سکتا ہے جس طرح حضرت علاء رضی اللہ عنہ کے واقعے سے ظاہر ہے۔

→ حافظ ابن حجر نے ”مقدمة التقریب“ میں صراحت کی ہے۔

انھوں نے ان کو طبقہ خامہ کا تابعی اس لیے کہا ہے کہ یوسف بن عبد اللہ بن سلام سے ان کی روایت ہے اور یوسف کو حافظ ابن حجر نے صحابی صغیر کہا ہے اگرچہ ان کی صحبت میں اختلاف ہے۔

حافظ مزنی نے ”تہذیب الکمال“ میں اور نہ ہی حافظ ابن حجر نے ”تہذیب التہذیب“ میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ترجمہ ان سے روایت کرنے والوں میں اُسلمی کا اور نہ ہی اُسلمی کے ترجمے میں ان کے شیوخ میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔

تنبیہ = اُسلمی نے عبد اللہ بن زبیر سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یوں کہا ہے: ”رأیت عبد اللہ بن الزبیر“ اگر اُسلمی تک اس کی سند صحیح ہوتی تو پھر تو یہ بات واضح تھی کہ ان کی ابن زبیر سے روایت کیا ہے مگر اُسلمی تک اس کی سند صحیح نہیں کیونکہ ان سے اس کو فضیل بن سلیمان نے روایت کیا ہے جن کے بارے میں ذکر ہوا کہ ان کی بہت زیادہ اغلاط ہیں لہذا اس روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

قلت: اس واقعے سے جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو کوئی اجتماعی مسئلہ درپیش ہو تو امام سے کوئی دعاء کی درخواست نہ بھی کرے تو اسے از خود دعاء کرنی چاہیے کیونکہ امام قد وہ و پیشوا ہوتا ہے اسے مسلمانوں کی پریشانی و تکلیف کا احساس ہونا چاہیے لیکن اس واقعے سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بغیر کسی سبب کے مقتدیوں کو خوش کرنے کے لیے گاہے بگاہے دعاء کرتا پھرے کیونکہ ایسا رسول اللہ ﷺ۔ اہل خیر القرون اور نہ ہی ائمہ و محدثین و فقہاء سے ثابت ہے بلکہ کبار علماء کے اس کے خلاف فتاویٰ موجود ہیں جن میں سے بعض کا ذکر بھی ہوا۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۵۴: ۵۵) و ما بعدھا۔

مذکورہ واقعہ میں ہے کہ علاء بن حضری لشکر کے قائد و سپہ سالار تھے اگر سپہ سالار کو اپنی اور اپنے لشکر کی پریشانی کا احساس نہیں ہوگا تو پھر احساس کس کو ہوگا لہذا اس واقعہ سے یہ دلیل لینا کہ امام مقتدیوں کے کہنے کے بغیر بھی دعا کر سکتا ہے یعنی عام حالات میں تو یہ درست نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ امام کو خیر خواہی کے طور پر کبھی کبھار مقتدیوں کے کہنے کے بغیر دعا کر دینی چاہیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ۔ سے بڑھ کر کون خیر خواہ ہو سکتا ہے تو کیا آپ نے کبھی ایسا کیا؟ قطعاً نہیں۔ دراصل اس قسم کی باتیں اس بدعت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے حیلوں اور بہانوں کے سوا کچھ نہیں۔

① رسول اللہ ﷺ۔ جب نماز سے فارغ ہوتے اپنے ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا پڑھتے:

”رب اغفر لی ما قدّمت.....“

اس دلیل کے تین جواب ہیں:

① اس میں اجتماعی دعاء کہاں سے ثابت ہوتی ہے؟

② یہ معضل روایت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ۔ سے اس کو روایت کرنے والے علقمہ بن مرثد اور اسماعیل بن اُمیہ ہیں اور یہ دونوں اتباع تابعین میں سے ہیں اور معضل روایت ضعیف ہوتی ہے۔

③ صحیح سند سے اس دعاء کو نماز کے بعد پڑھنا ثابت ہے لیکن صحیح سند والی روایت میں ہاتھ اٹھانے کا قطعاً ذکر نہیں لہذا اس معضل روایت میں ہاتھ اٹھانے کا جو ذکر ہے وہ مردود ہے۔

ہمارے اس نام نہاد سلفی کی حدیث دانی کا عالم یہ ہے کہ وہ اس معضل روایت کو مرسل روایت سمجھ بیٹھے ہیں چنانچہ

④ اس کو عبد اللہ بن مبارک نے ”زبد“ (۱۱۵۴) میں روایت کیا ہے۔

⑤ معضل روایت اسے کہتے ہیں جس کی سند سے دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہو جائیں اسی طرح تبع تابعی کی روایت کو بھی معضل کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی دو واسطے گرجاتے ہیں صحابی اور تابعی کا واسطہ۔

اور بعض علماء ہر اس روایت کو مرسل کہتے ہیں جس کی سند میں انقطاع ہو۔

⑥ تفصیل کے لیے ”القول المقبول“ (ص: ۴۶۳-۴۶۵، ۴۹۷) دیکھیں۔

اس کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

”یاد رہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب: مرسل روایت پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل مل جائے تو وہ بالاتفاق حجت ہے۔“ (دیکھیے سبل السلام) ملاحظہ ہو: (صفحہ: ۲۹)۔

مرسل روایت پر صحابہ کا عمل ہو تو وہ قابل حجت ہے ابن تیمیہ سے بہت پہلے یہ بات امام شافعی نے کہی ہے اور انھوں نے اس کے لیے مزید اور شروط بھی ذکر کی ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ان کی کتاب ”الرسالۃ“ (فقہ: ۱۲۶۳، وما بعدھا)۔ اور مذکورہ روایت مرسل نہیں بلکہ معضل ہے بالفرض اس روایت کو اگر مرسل تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کی تائید میں صحابہ کا کونسا عمل ہے جس میں یہ ہو کہ انھوں نے بغیر کسی سبب اور عارضہ کے نماز کے بعد اجتماعی دعا کی؟۔

⑤ ابو ہریرہ۔ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث جس میں ہے کہ اللہ کے ولی جبرئیل پر ناجائز بچے کی تہمت لگائی گئی تو اس میں ہے: ”فقام فصلى و دعا“ (پس وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھی اور دعاء کی) پھر اس بچے سے کہا کہ تیرا باپ کون ہے اس نے کہا کہ میں فلاں چرواہے کا بچہ ہوں۔

اس حدیث سے بھی ہمارے نام نہاد سلفی کا مدعا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی کسی مصیبت میں پھنس جائے نماز پڑھے اور اللہ سے دعاء کرے۔ نیز اس میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے؟ اس قسم کی احادیث کا ذکر کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینا نہیں تو اور کیا ہے۔

⑥ ثوبان۔ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث، جس میں ہے کہ جو شخص کسی قوم کا امام ہو تو وہ صرف اپنے لیے ہی دعاء نہ کرے اگر اس نے ایسا کیا تو اس نے اس قوم کی خیانت کی۔^⑤ موصوف اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”قابل غور بات یہ ہے اگر اس سے مراد نماز کے اندر کی دعائیں ہی مراد ہوں تو خود حضرت نبی مکرم اور صحابہ کرام ”اللهم باعد بیني وبين خطاياي“ الی آخرہ اور بین السجدتین کی دعاء اور قبل از سلام دعائیں مثلاً: ”ربّ إني ظلمت نفسي“ بصیغہ واحد پڑھتے تھے سیدھی سی بات ہے کہ وہ اجتماعی دعاء بعد از نماز فرض یا نفل ہی ہو سکتی ہے جس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ (صفحہ: ۳۱)۔

⑦ اس کو امام احمد نے اپنی ”مسند“ (۳۰۷/۲) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو بخاری (۳۳۳۶، ۲۲۸۲) کتاب المظالم والغضب، و کتاب ”أحاديث الأنبياء“ اور مسلم نے بھی (۱۰۷/۶) کتاب ”البر والصلة“ میں روایت کیا ہے مگر ان کے ہاں دعاء کا ذکر نہیں۔

⑧ اس حدیث کو احمد (۲۸۰، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۰/۵) اور ابوداؤد (۹۱، ۹۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو: ”القول المقبول“ (صفحہ: ۲۹۵) اور یہ ضعیف حدیث ہے جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

اس حدیث کے درج ذیل جوابات ہیں:

پہلا جواب:

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق نماز کے اندر کی جانے والی دعاؤں سے ہے بلکہ علماء نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے چنانچہ امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ایک باب یوں قائم کیا ہے:

”باب الرخصة في خصوصية الإمام نفسه بالدعاء دون المؤمنين خلاف الخبر غير الثابت المروي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قد خانهم إذا خص نفسه بالدعاء دونهم -“ (صحيح ابن خزيمة: ۶۳/۳).

”یہ باب امام کو مقتدیوں کے علاوہ خاص اپنی ذات کے لیے دعا کرنے کی رخصت کے بارے میں ہے برعکس نبی - ﷺ - سے مروی اس غیر ثابت خبر کے کہ اس نے اگر خاص اپنے لیے دعا کی تو ان کی خیانت کی۔“ اور اس باب کے تحت امام ابن خزیمہ حدیث ”اللهم باعد بيني، و بين خطاياي لائے ہیں۔

اور ابن خزیمہ وہ محدث و فقیہ ہیں جن کے بارے میں امام ابن سرتج نے کہا ہے کہ وہ موپنے سے حدیث رسول اللہ ﷺ سے نکالتے ہیں۔

تنبیہ = علامہ ابن قیم نے کہا ہے کہ ابن خزیمہ نے حدیث ”اللهم باعد بيني، و بين خطاياي“ ذکر کر کے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس موضوع حدیث کے رد پر دلیل ہے۔ اس کے بعد انھوں نے مذکورہ حدیث کا ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو: زاد المعاد (۱/۲۶۳)۔

ابن قیم کو غالباً مغالطہ ہوا ہے کیونکہ ابن خزیمہ نے موضوع حدیث نہیں کہا بلکہ غیر ثابت کہا ہے۔ موضوع حدیث بھی اگرچہ غیر ثابت ہوتی ہے لیکن غیر ثابت میں ضعیف حدیث بھی داخل ہے۔ دوسری تنبیہ: زاد المعاد کے محققین شعیب و عبد القادر نے کہا ہے:

”لم نجد كلام ابن خزيمة هذا في ”صحيحه“ عقب الحديث الذي ذكره المصنف، فلعله في مكان آخر -“

”جس حدیث کو مصنف نے ذکر کیا ہے اس کے بعد ہمیں ابن خزیمہ کا یہ کلام ان کی ”صحیح“ میں نہیں ملا شاید کہ کسی دوسری جگہ ہو۔“

قلمت: امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کو موضوع نہیں بلکہ غیر ثابت کہا ہے۔ جیسا کہ چند سطور پہلے بھی ذکر ہوا۔ اور انھیں اس کلام کا بھی نہ ملنا قابل تعجب نہیں کیونکہ امام ابن خزیمہ نے جہاں تکبیر تحریر کے بعد پڑھی جانے والی دعاؤں

کا ذکر کیا ہے وہاں اس حدیث ”اللہم باعد بینی“ کے بعد یہ کلام نہیں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح ابن خزیمة ۲۳۷/۱۰، حدیث: ۴۶۵) بلکہ انھوں نے یہ کلام بہت آگے چل کر جہاں امام کو اپنے لیے خاص دعاء کرنے کی رخصت کا باب باندھا ہے وہاں کیا ہے۔

امام ابن خزیمة کے بعد اب دیگر علماء کے اقوال سنئے:

۱ امام بغوی۔

امام بغوی وتر میں دعائے قنوت والی حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”قلت: وإن كان إماماً فيذكر بلفظ الجمع: ”اللهم اهدنا، و عافنا، و تولنا، و بارك لنا، و قنا، و لا يخص نفسه بالدعاء“

”میں کہتا ہوں کہ اگر امام ہو تو جمع کے لفظ کے ساتھ ذکر کرے: ”اللهم اهدنا.....“

اس کے بعد انھوں نے اسی حدیث ”و لا يؤمّ قومًا فيخص نفسه بالدعاء“ کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: شرح السنّة (۱۲۹/۳)۔

۲ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”سمعت شيخ الاسلام ابن تيمية يقول: هذا الحديث عندي في الدعاء الذي يدعوه الإمام لنفسه للمؤمنين، ويشتركون فيه كدعاء القنوت ونحوه“ واللّه أعلم۔
(زاد المعاد: ۱/۲۶۴)۔

”میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو یہ کہتے ہوا سنا کہ میرے نزدیک یہ حدیث اس دعاء کے بارے میں ہے جو امام اپنے لیے اور مقتدیوں کے لیے کرتا ہے اور وہ اس میں شریک ہوتے ہیں جیسا کہ دعاء قنوت وغیرہ۔ واللہ اعلم۔“

۳ شافعی اور حنبلی علماء:

علامہ مبارکپوری اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”اسی لیے شافعی اور حنبلی علماء نے کہا ہے کہ امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ دعائے قنوت جو حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”اللهم اهدني فيمن هديت“ میں جمع کی ضمیر لائے حالانکہ روایت ”اللهم اهدني“ افراد کی ضمیر کے ساتھ ہے۔“

اس کے بعد انھوں نے شیخ منصور بن إدريس حنبلی اور شیخ منصور بن یونس بھوتی حنبلی کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ واضح رہے کہ علامہ مبارکپوری کا اپنا موقف یہ ہے امام دعا ”اللهم اهدني“ بصیغہ افراد ہی کرے مگر نیت میں

مقتدیوں کو بھی شامل رکھے۔ ملاحظہ ہو: تحفۃ الأحوذی (۳۴۲/۲-۳۴۳، ۳۴۴)۔

۴ **عزیزی** نے کہا ہے:

”هذا في دعاء القنوت خاصة بخلاف دعاء الافتتاح، والركوع، والسجود، والجلوس بين السجدين والتشهد“۔

”یہ دعاء قنوت کے بارے میں خاص ہے برعکس افتتاح، رکوع، سجود اور دو سجدوں کی دعاء کے اور تشہد کے۔“

۵ صاحب ”توسط“ نے کہا ہے:

”معناه تخصيص نفسه بالدعاء في الصلاة والسكوت عن المقتدين“۔

”اس کے معنی یہ ہیں کہ امام نماز میں دعاء کو اپنے لیے خاص کرے اور مقتدیوں کے بارے میں خاموشی اختیار کرے۔“

یعنی ان کے لیے دعاء نہ کرے اس قول کو اور اس سے پہلے والے عزیزی کے قول کو عظیم آبادی اور مبارکپوری نے ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو: تحفۃ الأحوذی (۳۴۲/۲-۳۴۳) اور عون المعبود: (۱/۱۱۱)۔

۶ علامہ **عبد الرحمن** مبارکپوری۔

اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”و حدیث ثوبان۔ رضی اللہ عنہ۔ هذا يدل على كراهة أن يخصص الإمام نفسه بالدعاء، ولا يشارك المأمومين فيه“۔ (تحفۃ الأحوذی: ۲/۳۴۲)

”ثوبان رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس بات کی کراہت پر دلالت کرتی ہے کہ امام (نماز میں) خاص اپنے لیے دعا کرے اور مقتدیوں کو اس میں شریک نہ کرے۔“

۷ علامہ **عبید اللہ** مبارکپوری۔

انہوں نے اس حدیث کی شرح میں وہی کہا ہے جو علامہ عبد الرحمن مبارکپوری نے کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: مرعاة

المفاتيح (۳/۵۱۵)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ کبار ائمہ و علماء اس حدیث سے یہی سمجھتے ہیں کہ اس کا تعلق نماز میں کی جانے والی دعا سے ہے نہ کہ سلام کے بعد والی دعا سے۔

مگر عظیم آبادی کے خیال میں اس میں دونوں احتمال ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

”والدعاء بعد التسليم يحتمل كونه كالدخل و عدمه“ (عون المعبود: ۱/۱۱۱)۔

”احتمال ہے کہ سلام کے بعد والی دعاء اس میں داخل ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ داخل نہ ہو۔“

ان کی یہ رائے ہے کیونکہ اس میں سلام کے بعد دعاء کا احتمال بہت بعید ہے۔

نام نہاد سلفی نے کہا ہے کہ سیدھی سی بات ہے کہ وہ اجتماعی دعاء بعد از نماز فرض یا نفل ہو سکتی ہے جس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

ماشاء اللہ بڑے مجتہد اور فقیہ بن بیٹھے ہیں پاک و ہند کے علماء اہل حدیث تو فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کے جواز اور عدم جواز پر گفتو کرتے رہے مگر اس نام نہاد سلفی نے نفل نماز کے بعد بھی اجتماعی دعاء کے جواز کا مسئلہ نکال لیا اور سنتوں کے بعد دعاء کرنے والے دیوبندیوں اور بریلویوں کو خوش کر دیا اور اہل حدیثوں میں سنتوں کے بعد بھی اس بدعت کا اضافہ کر دیا۔

ہم اس نام نہاد سلفی سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہ حدیث سلام کے بعد دعاء کے بارے میں ہے تو کیا رسول اللہ ﷺ نے سلام کے بعد اجتماعی دعاء کی یا نہیں اگر جواب یہ ہو کہ نہیں کی تو مسئلہ صاف ہے اگر جواب یہ ہو کہ کی ہے تو پھر ہمارا سوال یہ ہے آپ ﷺ نے اجتماعی طور پر جو دعائیں کیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شریک ہوئے ان میں سے چند ایک دعائیں ہمیں بھی بتا دیں تاکہ ہمیں بھی فائدہ ہو اور ہم بھی وہ دعائیں کریں اگر آپ یہ کہیں کہ ان کا ذکر تو نہیں ہے تو پھر ہم یہ یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بعد جن اذکار و دعاؤں کو انفرادی طور پر پڑھا صحابہ نے ان کو تو بیان کر دیا مگر وہ دعائیں جن میں آپ ﷺ نے ان کو بھی شریک کیا یا ان کو ساتھ ملا کر کیں ان کو انھوں نے بیان کیوں نہیں کیا؟ بینوا تو جروا۔

ممکن ہے کہ موصوف (صفحہ: ۵۸) میں مذکور نواب صاحب کے کلام کی بناء پر یہ کہہ دیں کہ چونکہ وہ دعائیں ان کے ہاں معروف تھیں کیونکہ وہ اجتماعی طور پر کی جاتی تھیں اس لیے انھوں نے ان کو بیان نہیں کیا۔

دوسرا جواب:

اس حدیث سے اجتماعی دعاء کیسے ثابت ہوتی ہے اس میں تو زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ امام جب کوئی دعاء کرے تو صرف اپنے لیے خاص طور پر دعاء نہ کرے بلکہ مقتدیوں کے لیے بھی دعاء کرے تو اس میں اجتماعی دعاء کہاں سے آگئی۔

تیسرا جواب:

یہ حدیث ضعیف ہے۔ شیخ البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم سے بھی اس کی تضعیف نقل کی ہے۔

ابن قیم کے کلام کے لیے اس کتاب کا صفحہ (۸۴) دیکھا جائے۔

شیخ البانی نے اس حدیث پر دو تین طرح سے کلام کیا ہے، تفصیل کے لیے ان کی کتاب ”ضعیف أبو داؤد“ (ج: ۱، حدیث: ۱۲۰۰ - اصل کتاب) دیکھی جائے۔

انہوں نے اس حدیث کو ”ضعیف الجامع“ (۶۳۴۹) میں بھی ذکر کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔

❶ فضل بن عباس - رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں ہے کہ نماز دو دو رکعت ہے، ہر دو رکعت میں تشہد بیٹھنا (یعنی سلام پھیرنا ہے) عاجزی کرنا گڑبڑ انا اور مسکینی ظاہر کرنا ہے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے رب کی طرف سیدھے اٹھا کر ”یا رب، یا رب“ کہے اور جو ایسا نہیں کرے اس کی نماز ناقص ہوگی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص ایسا اور ایسا ہے۔

اس حدیث کی مفصل تخریج اور اس کے متعدد جوابات ہم نے ”القول المقبول“ (صفحہ: ۴۹۱-۴۹۳) میں دیے ہیں یہاں ہم صرف ایک دو باتیں کریں گے۔

موصوف نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

”سوچے نقل نمازوں کے بعد جس عمل کا استحباب ہے وہ فرض نمازوں کے بعد کیونکہ بدعت ہو سکتا ہے۔ (صفحہ: ۵۲)۔

اس کلام پر ہمارے درج ذیل ملاحظات ہیں:

❶ اس حدیث سے استحباب نہیں بلکہ وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ جو مذکورہ کام نہیں کرے گا اس کی نماز ناقص ہوگی اور اس کی ایک دوسری روایت کے مطابق جو شخص یہ کام نہیں کرے گا وہ ایسا اور ایسا ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ اس حدیث میں جو کچھ ذکر ہوا اس کا کرنا ضروری ہے ورنہ اس کی نماز ناقص ہوگی یا دوسری روایت کے مطابق وہ وعید کا مستحق ٹھہرے گا۔

❷ یہ حدیث ضعیف ہے اس کو بخاری، ابن خزیمہ اور عقیلی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔

موصوف نے اس حدیث کی بناء پر دعاء کو مستحب کہا ہے جب کہ (صفحہ: ۴۷) میں انہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ کلام نقل کیا ہے:

”و لم يقل أحد من الأئمة إنه يجوز أن يجعل الشيء واجباً أو مستحباً بحدیث ضعیف، و من قال هذا فقد خالف الإجماع۔“

”ائمہ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث کی بناء پر کسی چیز کو واجب یا مستحب ٹھہرانا جائز ہے اور جس نے یہ بات کہی اس نے یقیناً اجماع کی مخالفت کی۔“

آخر میں ایک بات یہ کہ اس حدیث میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے؟ مزید تفصیل کے لیے: القول المقبول دیکھیں۔

یہ تھی نام نہاد سلفی کی اُحدیث میں سے آخری دلیل، اور اسی پر ان کے دلائل کا جائزہ ختم ہوا۔ ایک اور بات جسے اس نام نہاد سلفی نے بڑے فخر سے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ (صفحہ: ۱۰) میں ایک عنوان یوں قائم کیا ہے: ”امام حرم ﷺ کا دانشمندانہ طرز عمل“۔ اور اس عنوان کے تحت لکھا ہے:

اگر کسی شخص کی واقعی تحقیق ہو کہ نماز کے بعد دعا مانگنا صحیح نہیں تو اس کے لیے حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے جیسا کہ امام عبداللہ بن سبیل نے تعلیم الاسلام ماموں کا نجھ ضلع فیصل آباد میں پانچ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی تو پانچویں بار بتایا کہ یہ طریقہ (ان کے خیال میں) مسنون نہیں اگر کوئی درخواست کرے تو مانگنا جائز ہے۔

قبل اس کے کہ ہم ایک دوسرے امام کعبہ کا تمسک بالسنۃ کا واقعہ بیان کریں اس نام نہاد سلفی کو یہ بتادینا چاہتے ہیں۔ بریکٹ میں آپ نے جو (ان کے خیال میں) لکھ دیا یہ صرف ان کا خیال نہیں بلکہ بڑے بڑے علماء بھی اس کو غیر مسنون سمجھتے ہیں اور بدعت کہتے ہیں جن میں سے بعض کے اقوال بھی ہم نقل کر چکے ہیں۔^① وہ الگ بات ہے کہ تم اپنی ہٹ دھرمی پہ قائم رہو اور ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ﴾ کے غلط اصول کو اپنا کر اس کو ترک نہیں کرو ورنہ بات وہی درست ہے جو امام کعبہ نے کہی، ممکن ہے کہ انھوں نے یہ اسلوب اصل مسئلہ سمجھانے کی خاطر اختیار کیا ہو مگر کچھ ایسے بھی ہیں کہ وہ سمجھنے والے نہیں۔ ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ﴾۔ آئیے اب وہ واقعہ سنیں جس کی طرف اشارہ ہوا۔ آج سے تقریباً آٹھ، نو سال قبل ہمارے یہاں شارجہ میں امام کعبہ سعود بن ابراہیم شریع تشریف لائے ایک روز شارجہ کی مشہور و معروف مسجد۔ مسجد صحابہ۔ میں انھوں نے فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد ان سے ایک سوڈانی نے کہا:

”یا شیخ نرید منك شیئاً واحداً أن تدعونا۔“

”شیخ ہم آپ سے ایک چیز چاہتے ہیں وہ یہ کہ آپ ہمارے لیے دعا کریں۔“

شیخ نے جواباً کہا:

”ندعو لك يظهر الغيب إن شاء الله۔“

”ہم ان شاء اللہ تمہارے لیے غیب (تمہاری غیر موجودگی) میں دعاء کریں گے۔“

① ملاحظہ ہو (صفحہ: ۵۳) وما بعدھا۔

چند کتب پر ایک نظر

اور اس وقت شیخ نے دعاء نہ کی بلکہ بعد میں دعاء کرنے کا وعدہ کیا۔

یہ تو امام کعبہ شریف کا واقعہ تھا اب ہم اس نام نہاد سلفی کو بتاتے ہیں کہ علماء حرمین شریفین کے ہاں یہ اجتماعی دعاء بدعت ہے چنانچہ مولانا صغت اللہ صاحب کا ان کے فتاویٰ پر مشتمل درج ذیل عنوان سے ایک رسالہ ہے:

”فرائض و سنن کے بعد اجتماعی دعا کے بدعت ہونے پر علماء حرمین شریفین کا مدلل فتویٰ۔“ (عربی وارود ترجمہ مطبوع)

اس رسالے کا ذکر انھوں نے اپنے ایک انٹرویو میں ”میں اہل حدیث کیسے ہوا“ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ”ہم اہل حدیث کیوں ہوئے۔“ (صفحہ: ۲۲۳)۔

موصوف نے (صفحہ: ۵۱) میں لکھا ہے کہ محمد اسحاق قادری اور الیاس قادری کی کتب میں موضوع روایات کے انبار لگے ہوئے ہیں ان کی تخریج یا ان کا رد کیا جاتا۔

ہم پوچھتے ہیں کہ آپ نے یہ کام کیوں نہیں کیا یا کہ آپ نے گالیاں نکالنا اور بیہودہ زبان چلانا ہی سیکھا ہے اور اس کام کی آپ میں صلاحیت نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ فضول رسالہ لکھنے کی بجائے آپ یہ کام کرتے تو ہم بھی سمجھتے کہ موصوف کو ان روایات کے رد کرنے کی بڑی فکر ہے جن کی بناء پر یہ لوگ عوام الناس میں کفر و شرک پھیلا رہے ہیں۔

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ آپ یہ کام نہیں کریں گے کیونکہ آپ میں اور ان میں ایک چیز قدرے مشترک ہے وہ یہ کہ وہ لوگ ان روایات کو پھیلانے کے درپے ہیں جن سے شرک پھیلتا ہے اور آپ ان روایات کو پھیلا رہے جن سے بدعات جنم لیتی ہیں۔



کیا فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بالاتفاق قابل عمل ہے؟

اس پہلے باب کے اختتام سے قبل ہم اس مسئلہ پر مختصر سی روشنی ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے جب کہ اس طرح سے مطلق طور پر یہ کہنا درست نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ امام نووی وغیرہ نے ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ ﴿مگر یہ دعویٰ درست نہیں بلکہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس دعویٰ کو باطل قرار دیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

”وَأَمَّا الْعَمَلُ بِالضَّعِيفِ فِي فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ ، فِدَعْوَى الْإِتِّفَاقِ فِيهِ بَاطِلَةٌ ، نَعَمْ هُوَ مَذْهَبُ الْجُمْهُورِ ، لَكِنَّهُ مُشْرُوطٌ بِأَنْ لَا يَكُونَ الْحَدِيثُ ، ضَعِيفًا شَدِيدًا الضَّعْفِ ، فَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ لَمْ يَقْبَلْ فِي الْفَضَائِلِ أَيْضًا“ ﴿

”فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کرنے کا دعویٰ باطل ہے ہاں یہ جمہور علماء کا مذہب ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو اگر سخت ضعیف ہو تو اس کو فضائل میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔“ لکھنوی صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر اتفاق کا دعویٰ بے بنیاد و باطل ہے ہاں یہ جمہور علماء کا مذہب ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو۔

انھوں نے صرف ایک شرط ذکر کی ہے جب کہ اس پر عمل کے لیے دو مزید شرطیں بھی ہیں جو یہ ہیں:

﴿۱﴾ اس پر عمل اس اعتقاد سے نہ کیا جائے کہ وہ حدیث صحیح و ثابت ہے۔

﴿۲﴾ اس پر عمل کی تشہیر نہ کی جائے یعنی عوام الناس کے سامنے اس پر عمل نہ کیا جائے۔ ﴿

جمہور علماء کے مقابلہ میں علماء کا ایک گروہ وہ بھی ہے جس کے نزدیک مطلق طور پر ضعیف حدیث پر عمل جائز نہیں جن میں امام بخاری اور مسلم وغیرہ بھی ہیں جیسا کہ (صفحہ: ۶۱) میں ذکر ہوا۔

جمہور علماء نے ضعیف حدیث پر عمل کی جو شروط ذکر کی ہیں، ان کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ ضعیف حدیث پر عمل درست نہیں۔ حافظ ابن حجر ضعیف حدیث پر عمل کی شرطیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وَلَا فَرْقَ فِي الْعَمَلِ بِالْحَدِيثِ فِي الْأَحْكَامِ ، أَوْ فِي الْفَضَائِلِ ، إِذَا الْكُلُّ شَرَعَ“ ﴿

”ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں احکام اور فضائل میں کوئی فرق نہیں کیونکہ سب احکام و فضائل شرع ہیں۔“



﴿۱﴾ یہ دعویٰ انھوں نے ”الترخیص بالقیام“ (ص: ۵۵) وغیرہ میں کیا ہے مزید تفصیل کے لیے ”مقالات عبد الرؤف“ (ص: ۲۳) ملاحظہ کریں۔

﴿۲﴾ الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة“ (ص: ۸۱)

﴿۳﴾ ملاحظہ ہو: ”شرح العمدة“ لابن دقیق العید“ (۱/۱۷۱-۱۷۲) تبیین العجب بما ورد فی فضل رجب“ لابن حجر (ص: ۱۱-۱۲)

﴿۴﴾ تبیین العجب (ص: ۱۲)

”القول المقبول“ کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے بارے میں

جیسا کہ مقدمہ میں ذکر ہوا کہ یہ باب ان بعض مخلصین کے بارے میں ہے کہ جنہوں نے ”القول المقبول“ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا مگر بعض چیزوں کے بارے میں انہیں غلط فہمی ہو گئی اور اس باب میں اس سلسلے کی دو مثالوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

① انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ جمعہ میں بارش کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے۔

اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے میں نے کہا ہے کہ یہ حدیث بیہقی (۳/۳۵۷) میں موصولاً اور بخاری (۲/۵۱۶، فتح) میں تعلیقاً ہے ملاحظہ ہو: القول المقبول (صفحہ: ۵۰۰) پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۳۳۷)۔

اس تخریج پر ہمارے ایک فاضل دوست کو اشکال یہ ہوا کہ خطبہ جمعہ میں بارش طلب کرنے والی حدیث انس کو بخاری نے متعدد مقامات پر موصولاً بھی روایت کیا ہے لہذا یہ کہنا کہ بخاری میں تعلیقاً ہے درست نہیں۔

جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے بات کی تو میں نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بخاری نے اس کو متعدد مقامات پر موصولاً روایت کیا ہے مگر اس حدیث میں میرا جو محل شاہد (دعا کے لیے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کا ہاتھوں کا اٹھانا) ہے وہ بخاری میں تعلیقاً ہے موصولاً نہیں۔

جس طرح اس فاضل کو یہ اشتباہ ہوا ممکن ہے کہ کسی اور فاضل کو بھی یہ اشتباہ ہوا ہو یا ہو سکتا تھا اس لیے دوسرے ایڈیشن کے حاشیے میں اس کی وضاحت کر دی گئی۔

② دو سجدوں کے درمیان پڑھی جانے والی دعا: ”اللھم اغفر لی و ارحمنی.....“

یہ دعا دو سجدوں کے درمیان پڑھی جائے اس حوالے سے یہ ضعیف ہے چنانچہ ”القول المقبول“ (صفحہ: ۴۴۰، حدیث: ۳۸۴، دوسرا ایڈیشن) میں اس کو ضعیف کہا گیا ہے اس کو ضعیف کہنے کی وجہ سے تین طرح کے اعتراضات میرے

سامنے آئے اور تینوں ہی غلط فہمی پر مبنی تھے:

پہلا اعتراض:

ایک صاحب کہنے لگے کہ آپ نے دو سجدوں کے درمیان پڑھی جانے والی دعاء کی حدیث کو ضعیف کہا ہے جب کہ یہ دعا ”صحیح مسلم“ میں بھی ہے جیسا کہ امام نووی نے ”ریاض الصالحین“ میں اس کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔^① میں نے کہا کیا ”صحیح مسلم“ میں اس کو بین السجدتین پڑھنے کا ذکر ہے جس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ امام مسلم نے اس دعا والی حدیث کو سعد بن ابی وقاص اور طارق بن اُشیمؓ سے روایت کیا ہے۔

سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے کہا کہ مجھے پڑھنے کے لیے آپ کوئی دعا سکھلائیں آپ نے فرمایا کہ یہ پڑھو:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا حَوْلَ، وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔“

اس نے کہا کہ یہ کلمات تو میرے رب کے لیے ہیں میرے لیے کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ کہو:

”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ“

اس حدیث کے راوی موسیٰ جھنی کہتے ہیں کہ ”عافنی“ کے بارے میں مجھے وہم ہے یعنی اس دعا میں یہ لفظ بھی ہے یا کہ نہیں۔

اور طارق بن اُشیمؓ کی حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی اسلام قبول کرتا تو آپ اسے نماز کی تعلیم دیتے پھر اسے یہ دعا پڑھنے کا حکم دیتے:

”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔“

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے آکر کہا کہ جب میں اپنے رب سے سوال کروں تو کیا کہوں تو آپ نے اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے اپنے انگوٹھے کے علاوہ اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ یہ کلمات تیرے لیے تیری دنیا اور آخرت کو اکٹھا کر دیتے ہیں۔^②

یعنی یہ دعا ایک ایسی جامع دعا ہے کہ اس میں دنیا اور آخرت دونوں ہی آجاتی ہیں۔

① ملاحظہ ہو ریاض الصالحین کتاب الدعوات پہلا باب ”فضل الدعاء“۔

② ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے کتاب ”الذکر والدعاء“ (۱۹/۲۰) میں روایت کیا ہے اور حدیث طارقؓ کو ابن ماجہ نے بھی کتاب الدعاء (حدیث: ۳۸۴۵) میں روایت کیا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ دونوں ہی حدیثوں میں اس دعا کو بین السجدتین پڑھنے کا ذکر نہیں بلکہ عام اوقات میں پڑھنے کا ذکر ہے۔

اس دعاء کا ذکر ایک تیسری حدیث میں بھی ہے اور وہ ہے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث۔ جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قیام اللیل میں تکبیر تحریمہ کے بعد دس دس مرتبہ ”اللہ اکبر، الحمد للہ، سبحان اللہ، لا إله إلا اللہ“ اور ”استغفر اللہ“ کہتے اور پھر کہتے: ”اللهم اغفر لی، واهدنی، وارزقنی، و عافنی“ اس کو ابو داؤد (۷۶۶) نسائی (۲۰۹/۳، ۲۸۴/۸) اور ابن ماجہ (۱۳۵۶) وغیرہ نے عاصم بن حمید کی سند سے روایت کیا ہے۔

اسے احمد (۱۴۳/۶) اور نسائی نے ”عمل الیوم واللیلہ“ (۸۷۰) میں ربیعہ جریجی کی سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس سند میں اس دعاء کو بھی دس مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ اور یہ صحیح حدیث ہے اس کی مفصل تخریج کے لیے ”القول المقبول“ (صفحہ: ۵۹۸، ۵۹۹) دیکھیں۔

دوسرا اعتراض:

کئی سال قبل ایک فاضل یہاں شارح آئے اور ایک مجلس میں کہنے لگے کہ آپ نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے جب کہ علامہ ذہبی نے۔ جیسا کہ انھوں نے کہا۔ ”سیر أعلام النبلا“ میں ذکر کیا ہے کہ حبیب بن ابی ثابت کا اپنے استاد سے سماع ہے۔

میں نے ان کو جواب دیا کہ اس کی سند کو ضعیف اس لیے نہیں کہا کہ ان کا اپنے استاد سے سماع نہیں بلکہ اس لیے اس کو ضعیف کہا ہے کہ حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں اور انھوں نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے اپنے استاد سے سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی اور جب مدلس راوی اپنی روایت میں تحدیث یا سماع کی صراحت نہ کرے تو اصول حدیث کے قاعدے کے مطابق ایسے راوی کی روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔

اس واقعے کے تین چار روز بعد ہماری پڑوسی ریاست عجمان سے ایک صاحب نے اسی سلسلے میں مجھے فون کیا اور

اس حدیث میں حبیب کے استاد سعید بن جبیر ہیں اور انھوں نے اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے ”سیر“ میں امام بخاری کے حوالے سے ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حبیب کا سماع ذکر کیا ہے مگر سعید بن جبیر سے ان کے سماع کے بارے میں کوئی بات نہیں کی بلکہ حبیب کے اساتذہ میں بھی انھوں نے سعید بن جبیر کا ذکر نہیں کیا، جب کہ ”تذکرۃ الحفاظ“ میں انھوں نے ان کے اساتذہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ”سیر“ (۲۸۹/۵، ۲۹۱) تذکرۃ (۱/۱۱۶)۔

بعینہ وہی بات کی جو فاضل مذکور نے کہی تھی ظن غالب ہے کہ انھوں نے انہی فاضل سے سنا ہوگا۔ واللہ اعلم۔
ان کے اشکال یا غلط فہمی کی وجہ تدلیس کے معنی سے عدم واقفیت تھی لہذا یہاں اختصار کے ساتھ تدلیس کے معنی کو بیان کر دینا مناسب ہے۔

تدلیس کہتے ہیں کہ کوئی راوی اپنے استاد سے یا جس سے اس کی ملاقات ہوئی ہو ایسی روایت بیان کرے جو اس نے اس سے سنی نہ ہو مگر وہ اس کو ایسے انداز سے بیان کرے جس سے شبہ یہ ہو کہ اس نے اس روایت کو اپنے استاد سے سنا ہے مثال کے طور پر یوں کہے: ”قال فلان“ فلان نے کہا یا ”عن فلان“ کہے۔ ”فلان سے روایت ہے“ تو اس کو تدلیس اور ایسا کام کرنے والے راوی کو مدلس کہتے ہیں۔

ایسے راوی کے بارے میں اکثر محدثین کا اصول یہ ہے کہ اگر یہ راوی روایت بیان کرتے ہوئے ”سمعت فلاناً“ میں نے فلاں سے سنا یا ”حدثنی فلان“ فلان نے مجھے بیان کیا“ کہے تو اس کی روایت قبول کی جائے گی اگر ”قال فلان“ یا ”عن فلان“ کہے تو اس کی روایت قابل قبول نہ ہوگی۔

حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں ان کو امام ابن خزیمہ نے اپنی ”صحیح“ (۱۹۷/۲، حدیث: ۱۱۷۵) میں حافظ ابن حبان نے ”نقات“ (۱۳۷/۴) میں اور حافظ ابن حجر نے ”تقریب“ وغیرہ میں اور دیگر علماء نے بھی مدلس کہا ہے اور اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے انھوں نے ”عن سعید بن جبیر“ کہا ہے ان سے تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی لہذا یہ روایت ضعیف ہوئی اور اس حدیث کو دیگر علماء نے بھی ضعیف کہا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

تیسرا اعتراض:

یہ سندھ سے ضلع سانگھڑ کے ایک فاضل کا اعتراض ہے۔

تقریباً ایک سال قبل انھوں نے مجھے ایک طویل خط تحریر کیا جو کہ فل اسکیپ کے چار صفحات پر مشتمل تھا جس کے شروع میں انھوں نے لکھا کہ آپ کی تحقیق مجھے بہت پسند ہے اور اس کا انداز عالمانہ ہے میں بھی تحقیق کو پسند کرتا ہوں لہذا میں نے بھی ”التحقیق الجلیل فی بعض أحادیث صلوٰۃ الرسول“ ایک کتاب لکھی ہے جو کہ ابھی تک نامکمل ہے اور اس کتاب میں میں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اس لیے کہ حبیب بن ابی ثابت کو تمام محدثین اور محققین علماء کرام نے ثقہ کہا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے حبیب بن ابی ثابت کے بارے میں علماء کی توثیق کے اقوال کا انبار لگا دیا کہ فلان نے ان کو ثقہ کہا، فلاں نے اس نے کو ثقہ کہا، فلاں نے ثقہ کہا، فلاں نے ثقہ کہا۔

ان اقوال کے بعد انھوں نے ذکر کیا کہ اس حدیث کو فلاں نے صحیح کہا ہے فلاں نے صحیح کہا ہے اور اس دعا کو فلاں

نے مسنون کہا ہے شیخ ابن باز نے مسنون کہا ہے نورستانی اور کیلانی نے اس کو مسنون کہا۔ الخ۔
اور آخر میں لکھا کہ اصلاً عرض ہے کہ آپ اپنی تحقیق پر نظر ثانی کریں یا اگر میری تحقیق میں کوئی خطا ہو تو میری اصلاح کریں۔

موصوف کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی تدلیس کے معنی نہ جاننے کی وجہ سے اشکال ہوا یا کہ وہ یہ سمجھے کہ تدلیس ایک ایسا عیب یا جرح ہے جس کی وجہ سے ایسے راوی کی روایت قبول نہیں کی جاتی غالباً اسی لیے انھوں نے حبیب کے بارے میں علماء کی توثیق کے اقوال نقل کیے جب کہ تدلیس ایسا عیب نہیں کہ جس کی وجہ سے مدلس کی روایت کو بالکل رد کر دیا جائے اسی لیے امام شافعی فرماتے ہیں:

”و من عرفناه دلس مرة، فقد أبان لنا عورته في روايته، وليست تلك العورة بالكذب، فنرد بها حديثه، ولا النصيحة في الصدق فنقبل منه ما قبلنا من أهل النصيحة في الصدق، فقلنا: لا نقبل من مدلس حديثاً حتى يقول فيه: ”حدثني، أو سمعت.....“ (الرسالة. الفقرات (١٠٣٣-١٠٣٥) ①

”جس کو ہم نے جان لیا کہ اس نے ایک مرتبہ تدلیس کی ہے تو اس نے ہمارے لیے اپنی روایت میں اپنے خلل کو واضح کر دیا اور یہ خلل جھوٹ بھی نہیں کہ جس کی وجہ سے ہم اس کی حدیث کو رد کر دیں اور نہ ہی یہ سچائی میں خیر خواہی ہے کہ ہم اس سے وہ قبول کریں جو سچائی میں خیر خواہی والوں سے قبول کرتے ہیں، اسی لیے ہم نے کہا کہ مدلس راوی جب تک اپنی حدیث میں ”حدثني“ یا ”سمعت“ نہ کہے تو ہم اس کی حدیث کو قبول نہیں کریں گے۔“

اسی طرح ”الكفاية“ (۳۹۹) میں خطیب بغدادی کا کلام بھی ملاحظہ کریں۔

فاضل موصوف کو جواباً لکھا گیا کہ آپ تدلیس کی تعریف سے ناواقف ہیں اگر ایسی بات نہ ہوتی تو حبیب بن ابی ثابت کے بارے میں ائمہ کی توثیق کے اقوال ذکر نہ کرتے۔

اس جواب کے جواب میں انھوں نے پہلے سے بھی طویل خط لکھا جس میں زیادہ باتیں پہلے والی ہی تھیں یعنی حبیب بن ابی ثابت کو فلاں نے ثقہ فلاں نے ثقہ کہا ہے۔

اور اس دعاء کو فلاں، فلاں نے صحیح اور فلاں، فلاں نے مسنون کہا ہے۔

اور یہ دونوں فہرستیں کافی طویل تھیں اور جواب میں انھوں نے جو ایک نئی بات کہی وہ یہ کہ کیا حبیب کو علی بن مدینی،

① راقم نے اس رسالہ پر تخریج و تعلیق کا کام کیا ہے اور اب یہ دار الفتح شارجہ میں زیر طبع ہے۔

بخاری، مسلم، فلاں امام اور فلاں امام نے مدلس کہا ہے۔

چنانچہ ان کے اس جواب کا تفصیلی جواب لکھا گیا جو کہ فل اسکیپ کے چھ صفحات پر مشتمل تھا۔

اس کے بعد انھوں نے مجھے ایک تیسرا خط لکھا جس کے شروع میں انھوں نے صرف اتنا لکھا کہ آپ کا ارسال کردہ جواب ملا، اور اس کے بعد اپنے ایک دوسرے مسئلے کا ذکر چھیڑ دیا اور جواب کے بارے میں بالکل خاموشی اختیار کی۔

اس دعاء کے بارے میں چونکہ کافی لوگوں کو اشکال اور شبہ ہوا ہے اور ان کے خیال میں صرف میں نے ہی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لہذا یہاں دیگر جن علماء نے اس کو ضعیف کہا ہے ان کا ذکر کر دینا انتہائی مناسب ہے۔

”القول المقبول“ (صفحہ ۴۴۱) میں صرف بوسیری کی تضعیف کا ذکر کیا گیا ہے اب بوسیری کے علاوہ دیگر علماء کا ذکر ملاحظہ کریں۔

① امام ترمذی، انھوں نے اس حدیث کو ”غریب“ کہہ کر اس کی تضعیف کی ہے جیسا کہ اس کے بعد میں آنے والے نمبر ۲ میں تفصیل آرہی ہے۔

② امام بغوی، انھوں نے ”شرح السنة“ (۱۶۳/۳) میں اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے: ”هذا حديث غريب“، ”یہ حدیث غریب ہے، یعنی ضعیف ہے۔“

شیخ عبدالحق دہلوی ”مقدمہ أصول الحديث“ (ص: ۷۶-۷۷) میں لکھتے ہیں:

”والغريب قد يقع بمعنى الشاذ أي شذوذاً، هو من أقسام الطعن في الحديث، وهذا هو المراد من قول صاحب ”المصابيح“ من قوله: هذا حديث غريب لما قال بطريق الطعن۔“

”غریب کبھی شاذ کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہ حدیث میں طعن کی اقسام میں سے ہے اور صاحب ”مصابیح“۔ امام بغوی۔ جب کسی حدیث میں طعن کے طور پر ”یہ حدیث غریب ہے“ کہتے ہیں تو ان کے اس قول سے مراد یہی ہوتی ہے۔“

امام بغوی ہی نہیں بلکہ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کے بارے میں یہی کہا ہے: ”هذا حديث غريب“ ملاحظہ ہو: ترمذی (۷۷/۲)۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث: ”إن للشيطان لمة بابن آدم، وللملك لمة۔“

اس حدیث کو ترمذی (۳۳۳/۸-تختہ) نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: ”هذا حديث غريب“

اس حدیث کو صاحب ”مشكاة“ (۲۸/۱-تحقیق الألبانی) نے ترمذی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور ان کا

مذکورہ کلام بھی نقل کیا ہے۔^①

شیخ البانی "تحقیق المشکاۃ" میں لکھتے ہیں:

"أي ضعيف، وهو المراد بالغرابۃ عند الإطلاق، وقد تجماع الصحة أحياناً۔"
 "یعنی غریب سے مراد ضعیف ہے اور مطلق طور پر غریب کہنے سے (ان کی) مراد یہی ہوتی ہے اور کبھی حدیث
 غریب ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح بھی ہوتی ہے۔"

مذکورہ دونوں حدیثوں کو امام ترمذی نے غریب کہنے کے بعد خاموشی اختیار کی ہے مگر بعض مقامات پر غرابت کی
 وضاحت بھی کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما "اذكروا محاسن موتاكم....." کو "هذا حديث غريب" کہنے کے بعد لکھتے ہیں:
 "سمعت محمداً يقول: عمران بن أنس المكي منكر الحديث"

(جامع الترمذی (حدیث: ۱۰۱۹) کتاب الجنائز باب (۳۴)۔

"یہ حدیث غریب ہے میں نے محمد (امام بخاری) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عمران بن انس کی منکر الحدیث ہے۔"

اسی طرح انھوں نے اس باب سے پہلے باب والی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا (حدیث: ۱۰۱۸) اور اس باب کے بعد والے
 باب کی حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (حدیث: ۱۰۲۰) کے بارے میں "هذا حديث غريب" کہنے کے بعد غرابت کی
 وضاحت کی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث، حدیث دعاء بین السجدتین، امام ترمذی کے نزدیک بھی ضعیف ہے۔
 ان کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے اس حدیث کے بارے میں
 یہ بھی کہا ہے:

"وروى بعضهم هذا الحديث عن كامل أبي العلاء مرسلًا۔"

"بعض راویوں نے اس حدیث کو کامل ابو العلاء سے مرسل روایت کیا ہے" واضح رہے کہ یہ معطل روایت ہے
 کیونکہ کامل اتباع تابعین میں سے ہیں ان کے اس کلام میں بھی اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔

② علامہ ابن قدامہ۔

انھوں نے بھی اس دعاء کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اس کتاب کے (صفحہ: ۱۰۵) میں مذکور امام احمد بن حنبل
 کا قول ذکر کرنے کے بعد اس کی دلیل دیتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے: "والأصل في هذا ما روى حذيفة۔"

③ ترمذی کے نسخوں میں اختلاف ہے بعض میں "هذا حديث حسن غريب" ہے ملاحظہ ہو (حدیث: ۲۹۸۸۔ تحقیق احمد
 شاکر) اور "تحفة الأحوذی" میں بھی ایسے ہی ہے۔

چند قتب پر ایک نظر

اس کی دلیل حذیفہ کی حدیث ہے۔ جو کہ اس کتاب کے صفحہ (۱۰۵) میں مذکور ہے۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔
”و روي عن ابن عباس أنه قال.....“

”ابن عباس سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا۔“ اس کے بعد انھوں نے اسی دعاء ”رَبِّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي.....“ کا ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو: ”معنی (۲۰۷/۲)۔

علامہ ابن قدامہ نے حدیث حذیفہ ذکر کرنے کے بعد ابن عباس کی حدیث کے بارے میں ”روي عن ابن عباس“ کہہ کر گویا کہ اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔
⑤ حافظ ابن حجر۔

امام نووی نے ”الأذکار“ (صفحہ: ۵۶) میں اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے جب کہ حافظ ابن حجر نے ”نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذکار“ (۱۲۲/۲) میں اس حدیث کے بارے میں: ”هذا حديث غريب“ کہا ہے اور مزید یہ کہا ہے کہ

”وقول الشيخ: وإسناده حسن، كأنه اعتمد فيه على سكوت أبي داود“ ملاحظہ ہو: (۱۲۵/۲)۔
”شیخ (نووی) کا یہ کہنا کہ اس کی سند حسن ہے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ حکم لگانے میں ابوداؤد کے سکوت پر اعتماد کیا ہے۔“

حافظ ابن حجر کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ وہ امام نووی کے اس قول پر مطمئن نہیں ہیں اس لیے تو انھوں نے اس حدیث کو غریب کہا ہے اور ان کی ”نتائج الأفكار“ میں عام طور پر غریب حدیث سے مراد ضعیف حدیث ہوتی ہے کیونکہ بے شمار احادیث ایسی ہیں کہ جنہیں وہ غریب کہہ کر ان کی اسانید میں کلام کرتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں ان کے ضعف کی وضاحت کرتے ہیں۔ مثلاً:

”حدیث عائشة رضی اللہ عنہا۔ قالت: كان رسول الله ﷺ حين يقوم للوضوء يكفأ الاناء“ (الحديث)۔

حافظ صاحب اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”هذا حديث غريب.....، حارثة۔ وهو بمهملة و مثناة مدني۔ ضعفه۔“ (۲۳۰/۱)۔

”یعنی یہ حدیث ضعیف ہے حارثہ کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔“

صرف اسی ایک مثال پر اکتفاء کیا جاتا ہے اگر اس کی مزید مثالیں درکار ہوں تو ”نتائج الأفكار“ کے درج ذیل مقامات دیکھیں۔ (۱/۱۹۹، ۲۱۹-۲۲۰، ۲۳۲، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۸، ۲۵۹، ۳۰۷، ۳۰۸)۔

واضح رہے کہ یہ پہلی جلد کے چند مقامات ہیں جب کہ کتاب تین جلدوں میں مطبوع ہے مگر ناقص ہے مکمل کتاب نہیں ہے۔

⑤ مبارکپوری صاحب ”مرعاة“ - ”مرعاة المفاتيح“ (۲۲۲/۳) میں لکھتے ہیں:

”و حبيب بن أبي ثابت ثقة، فقيه، جليل لكنه كثير الإرسال والتدليس، وقد روى عند الجميع بالعنعنة، قال في ”الزوائد“ رجاله ثقات إلا أن حبيب بن أبي ثابت كان يدلس، وقد عنعنه۔“

”حبیب بن ابی ثابت ثقہ، فقیہ اور جلیل القدر ہیں مگر وہ ارسال اور تدلیس سے بہت زیادہ کام لیتے ہیں اور انھوں نے سب کے ہاں (اس کو) لفظ ”عن“ سے ہی روایت کیا ہے بصری نے ”زوائد“ - مصباح الزجاجة - میں کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر حبیب بن ابی ثابت تدلیس کرتے تھے اور انھوں نے اس کو لفظ ”عن“ سے روایت کیا ہے۔“

مبارکپوری کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ ان کا رجحان اس حدیث کی تضعیف کی طرف ہے۔

⑥، ⑦ شعیب ارناء و طوزہیر شادیش۔

انھوں نے ”شرح السنة“ کی تحقیق میں کہا ہے:

”وصححه الحاكم“ (۲۶۲/۱، ۲۷۱) و وافقه الذهبي مع أن حبيب بن أبي ثابت مدلس، وقد عنعن“ (تحقیق شرح السنة ۱۶۳/۳)۔

”حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے جب کہ حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں اور انھوں نے (اس کو) لفظ ”عن“ سے روایت کیا ہے۔“

⑧ زکریا بن غلام قادر پاکستانی۔

انھوں نے بھی ”الإخبار بما لا يصح من أحاديث الأذکار“ (صفحہ ۴۳) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے

اور اس کی علت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”و حبيب بن أبي ثابت لم يصرح بالسماع، و به أعلمه البوصيري في ”مصباح الزجاجة“ (۱۴۰) فقال: حبيب بن أبي ثابت كان يدلس، وقد عنعنه“ انتہی۔

”حبیب بن ابی ثابت نے سماع کی صراحت نہیں کی، اور بصری نے ”مصباح الزجاجة“ (۱۴۰) میں اس کی یہی علت بیان کی ہے چنانچہ انھوں نے کہا ہے کہ حبیب بن ابی ثابت تدلیس کرتے تھے اور انھوں

نے (اس کو) لفظ ”عن“ سے روایت کیا ہے۔“

① سلیم اھلالی شاگرد شیخ البانی۔

انھوں نے اپنی ”اذکار“ کی تعلیق میں اس کو حبیب سے ابی ثابت کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

”والحدیث ضعفه الترمذی، والبغوی وابن الترمذی“ (ملاحظہ ہو: ۱۷۲/۱-۱۷۳)۔

”اور اس حدیث کو ترمذی، بغوی اور ابن ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔“

② بدر بن عبد اللہ البدر محقق کتاب ”الدعوات الکبیر“ للبیہقی۔

انھوں نے اس حدیث کے حبیب بن ابی ثابت سے راوی کامل ابو العلاء کے بارے میں ”تلخیص“ سے حافظ ابن حجر کا یہ قول ”و هو مختلف فیہ“ اور ”تقریب“ سے یہ قول ”صدوق یخطئ، نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

”قلت: و فی إسناده كذلك حبیب بن أبی ثابت، و هو مدلس، و لم یصرح

بالتحدیث، فالإسناد ضعیف“۔ (ملاحظہ ہو: کتاب الدعوات الکبیر ۶۰/۱، حدیث: ۷۸)۔

”میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں حبیب بن ابی ثابت بھی ہیں جو مدلس ہیں اور انھوں نے تحدیث کی

صراحت نہیں لہذا سند ضعیف ہے۔

③ زیر علی زئی۔

انھوں نے بھی ”تسهیل الوصول إلى تخريج صلوٰۃ الرسول“ (صفحہ: ۲۸۳، حدیث: ۴۴۱) میں اس حدیث

کو ضعیف کہا ہے اور لکھا ہے: اس کی سند حبیب بن ابی ثابت کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ④

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے حالانکہ انھیں یہ اعتراف ہے کہ حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں

چنانچہ ”صحیح سنن أبی داؤد“ (۴/۳-۴۳۶، حدیث: ۷۹۶- اصل کتاب) میں لکھتے ہیں

”و إسناده حسن إن كان حبیب بن أبی ثابت سمعه من سعید فقد وصف بالتدلیس۔“

”اس کی سند حسن ہے اگر حبیب بن ابی ثابت نے اس حدیث کو سعید سے سنا ہو تو، کیونکہ انھیں مدلس کہا گیا ہے۔“

جب کہ شیخ نے ”أحادیث صحیحہ“ میں کئی آسانید پر حبیب کی وجہ سے کلام کیا ہے مثلاً ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”و هذا إسناده ضعیف، و حبیب بن أبی ثابت كثير التدلیس“

(ملاحظہ ہو: ۱۷۳/۳، حدیث: ۱۱۵۲)۔

⑤ درست عبارت یوں تھی: حبیب بن ابی ثابت کے عنعنہ۔ لفظ عن کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ سے ضعیف ہے اس کتاب کا

(صفحہ: ۷۰) بھی ملاحظہ کریں۔

ایک اور مقام پر لکھا ہے:

”فلو لا أن حبيب بن أبي ثابت مدلس لحکمت علی الإسناد بالصحة“ (ملاحظہ ہو: ۵/۵۶۴، حدیث: ۲۴۳۵)۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں مگر انہی دو مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

حبیب بن ابی ثابت کے علاوہ اس حدیث کی ایک دوسری علت بھی ہے اور وہ ہے حبیب بن ابی ثابت سے اس حدیث کا راوی کامل ابو العلاء۔ کامل ابو العلاء کو بعض محدثین نے تو ثقہ کہا ہے جب کہ بعض نے اس میں کلام کیا ہے اسی لیے حافظ ابن حجر ”نتائج الأفكار“ (۲/۱۲۳) میں لکھتے ہیں: ”و هو مختلف في توثيقه“ اور ”تخفيض“ (۱/۲۵۸) میں کہا ہے: ”وفيه كامل أبو العلاء، و هو مختلف فيه“ اس کی سند میں کامل ابو العلاء ہے اور یہ مختلف فیہ ہے۔ اب جن علماء نے اس کامل کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے یا اس کی سند میں کلام کیا ہے ان کے اُسمائے گرامی ملاحظہ کیجیے۔

۱ حافظ ابن حبان۔

انھوں نے اس کو اپنی کتاب ”المجروحین“ (۲/۲۲۶، ۲۲۷) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے:

”كان ممن يقلب الأسانيد، ويرفع المراسيل من حيث لا يدري، فلما فحش ذلك من أفعاله بطل الاحتجاج بأخباره“۔

”یہ ان لوگوں میں سے تھا جو اسانید کو الٹ پلٹ کر دینے اور غفلت کی بناء پر مرسل روایات کو موصول بنا دینے والے تھے جب اس سے اس قسم کی اغلاط زیادہ سرزد ہوئی تو اس کی روایات سے حجت لینا باطل ٹھہرا۔“ اس کے بعد انھوں نے مذکورہ حدیث اور اس کے بعد اس کی بعض دیگر احادیث کا ذکر بھی کیا ہے۔

۲ حافظ منذری۔

یہ ”مختصر السنن“ (۱/۴۰۳) میں اس حدیث کے بارے میں (صفحہ: ۹۹) میں مذکور امام ترمذی کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”و كامل هو أبو العلاء..... وثقة يحيى بن معين، و تكلم فيه غيره“۔

”کامل یہ ابو العلاء ہے، ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے اور ان کے علاوہ دیگر نے اس میں کلام کیا ہے۔“

۳ ابن ترکمانی۔

یہ لکھتے ہیں:

”قلت: فی سندہ کامل بن العلاء جرحہ ابن حبان ذکرہ الذہبی، وقد اختلف علیہ، فروی عنه كذلك، و ذکر الترمذی أن بعضهم رواه عنه مرسلًا“
(الجوہر النقی (۱۲۱/۲، ۱۲۲)۔

”میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں کامل بن علاء ہے جس پر ابن حبان نے جرح کی ہے جس کو ذہبی نے ذکر کیا ہے اور اس پر (کامل پر) اختلاف بھی ہوا ہے یہ حدیث اس سے اس طرح (موصولاً) بھی مروی ہے اور ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ بعض راویوں نے اس سے اس کو مرسل روایت کیا ہے۔“
[۲] شیخ مفلح بن سلیمان الرشیدی۔

انھوں نے جزائر سے شائع ہونے والے ”منابر الہدی“ نامی رسالے میں اس دعاء کے بارے میں ”الدعاء بین السجدتین فی الصلاة“ کے نام سے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں:
”والحق أنه حدیث ضعیف، لأن مداره علی کامل أبی العلاء، و هو صاحب غرائب، و مناكير فلا يحتج بحديثه ما دام أنه لم يتابع عليه“
(منابر الہدی العدد: ۳، منبر السنة: ۲۴)۔

”حق یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کا دارو مدار کامل ابو العلاء پر ہے جو غرائب اور مناكير بیان کرنے والا ہے چونکہ اس حدیث پر اس کی متابعت نہیں کی گئی لہذا اس کی اس حدیث سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔“

شیخ البانی نے ”صفة الصلاة“ (۸۰۹، ۸۱۰- اصل کتاب) میں کہا ہے:

”فيه کامل أبو العلاء، و هو مختلف فيه، فالحق أن الحديث جيد“

”اس کی سند میں کامل ابو العلاء ہے اور یہ مختلف فیہ ہے اور حق یہ ہے کہ یہ حدیث جید ہے۔“

اسی طرح شیخ نے ”الکلم الطیب“ (صفحہ: ۹۷) کی تخریج میں بھی اس کو جید کہا ہے اور دونوں کتب میں اثر ثبت کو شاہد کے طور پر ذکر کیا ہے۔

اثر علی میں ہے کہ وہ اس دعاء کو بین السجدتین پڑھتے تھے جب کہ اس کو دو وجوہ کی بناء پر شاہد بنانا درست نہیں۔

① اس اثر میں ان کے اپنے عمل کا ذکر ہے لہذا یہ مرفوع حدیث نہیں کہ مرفوع حدیث کے لیے اس کو شاہد بنایا جائے۔

تنبیہ: اس دعاء کے بارے میں بریدہ رحمہ اللہ کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے جسے بزار (۵۲۷- کشف) نے

روایت کیا ہے مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے ”القول المقبول“ (صفحہ: ۴۴۱) دیکھیں۔

② یہ اثر اسنادی اعتبار سے ضعیف بھی ہے۔ یہ دوسندوں سے مروی ہے۔ پہلی سند حارث اعمور کی ہے اس سند سے اس کو عبد الرزاق (۱۸۷/۲) طحاوی نے ”مشکل الآثار“ (۳۰۸/۱) میں طبرانی نے ”دعا“ (۶۱۵) میں، بیہقی نے ”معرفۃ السنن“ (۲۰/۲) میں اور حافظ ابن حجر نے ”نتائج الأفكار“ (۱۲۶، ۱۲۵/۲) میں روایت کیا ہے اور یہ سند حارث کی وجہ سے ضعیف بلکہ سخت ضعیف ہے۔

دوسری سند سلیمان تمیمی کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ بین السجدتین ”رب اغفر لی“ کہتے تھے۔

اس کو بیہقی نے ”سنن“ (۱۲۲/۲) میں اور حافظ ابن حجر نے ”نتائج الأفكار“ (۱۲۵/۲) میں روایت کیا ہے اور یہ سند منقطع ہے ممکن ہے کہ تمیمی اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان حارث اعمور کا ہی واسطہ ہو اور اس کی طرف بیہقی نے بھی اشارہ کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”و رواه الحارث الأعور عن علي“

”اس کو حارث اعمور نے علی سے روایت کیا ہے۔“

یہ ہے اس اثر کی حقیقت جس کی بناء پر شیخ ألبانی اس حدیث کو جید کہہ رہے ہیں۔

واضح رہے کہ اس مقام پر پڑھنے کے لیے ایک دوسری دعا ثابت ہے جس کا ذکر حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”و كان يقعد فيما بين السجدتين نحواً من سجوده، و كان يقول: رب اغفر لي، رب اغفر لي“

①

”آپ دو سجدوں کے درمیان تقریباً سجدے کے برابر بیٹھتے اور ”رب اغفر لی، رب اغفر لی“ کہتے۔“

امام احمد بن حنبل کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ اس دعا کو بار بار پڑھا جائے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ نے ”مغنی“

(۲۰۷/۲) میں ذکر کیا ہے اور ظاہر حدیث سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔

امام طحاوی حنفی اس دعا کو روایت کرنے اور اس پر بعض محدثین کا عمل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”و هذا عندنا من قوله حسن، و استعماله إحياء لسنة من سنن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، و إليه نذهب،

و إياه نستعمل“ (مشکل الآثار: ۳۰۸/۱، ۳۰۹)۔

② اس حدیث کو ابوداؤد (۸۷۳) اور نسائی (۱۹۹/۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے تفصیل کے

لیے ”القول المقبول“ (صفحہ: ۴۴۲، حدیث: ۳۸۳) دیکھی جائے۔

”ہمارے نزدیک ان کا یہ قول اچھا ہے، اس پر عمل کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت کو زندہ کرنا ہے، ہم بھی اسی کے قائل ہیں اور اسی پر ہی ہمارا عمل ہے۔“

اس دعاء کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب ”مسنون نماز“ دیکھی جائے۔
اسی پر یہ دوسرا باب اپنے اختتام کو پہنچا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔



مقلدین مولوی صاحبان کے بارے میں

جیسا کہ مقدمہ میں ذکر ہوا کہ یہ باب ان مقلدین مولوی صاحبان کے بارے میں ہے جنہوں نے کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کی تخریج و تعلیق یا دوسرے لفظوں میں ”القول المقبول“ کے آجانے کے بعد اس کتاب پر کیچڑ اچھالنے اور اس کے خلاف غلط پروپیگنڈا کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ چنانچہ مولوی محمد یوسف نے ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ کے نام سے ایک رسالہ ترتیب دیا اور مولوی محمد ابوبکر غازی پوری نے بنام ”حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول ﷺ کے بارے میں“ ایک رسالہ لکھا۔

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے۔

❁ پہلی فصل: یہ مقلدین کے ان بعض الزامات کے بارے میں ہے جو انہوں نے مسلک اہل حدیث پر ٹھونسے ہیں۔
❁ دوسری فصل: اس فصل میں مقلدین کی ان باتوں کا جواب دیا گیا جن کو لے کر انہوں نے ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔

❁ تیسری فصل: اس فصل میں مولوی محمد یوسف پاکستانی دیوبندی کی ان خیانتوں اور دھوکے بازیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا ارتکاب انہوں نے ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ پر اعتراضات کرنے کی خاطر کیا ہے۔

❁ چوتھی فصل: یہ فصل مولوی محمد ابوبکر غازی پوری ہندوستانی دیوبندی کی بعض باتوں اور خیانتوں پر مشتمل ہے۔





پہلی فصل

جیسا کہ ذکر ہوا کہ مولوی محمد یوسف مقلد ^① نے ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس کے شروع میں مولوی محمد امین اوکاڑوی کی تقریظ، اس کے بعد صوفی مفتی بشیر احمد کا مختصر سا مقدمہ پھر مؤلف کا پیش لفظ، پیش لفظ کے بعد پھر صوفی مفتی بشیر احمد کا ایک طویل مقدمہ ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب و فضائل کے بارے میں ہے۔ اور اس فصل میں ہم اوکاڑوی صاحب اور مفتی صاحب کی بعض باتوں کا جائزہ لیں گے۔

① اوکاڑوی صاحب:

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ انھوں نے ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ رسالے پر تقریظ لکھی ہے جس کو ان کلمات سے ذکر کیا گیا ہے:

”تقریظ سعید و کلمات مبارکہ حقیقۃ“

مولانا حسین احمد مدنی نے ”حسام الحرمین“ کے جواب ”رجوم المذنبین علی رءوس الشیاطین“ المعروف ”الشہاب الثاقب“ میں بریلوی حضرات کو جو یقین دلایا ہے کہ آپ حضرات خواہ مخواہ عقیدہ کی خرابی کے عنوان سے اکابر دیوبند کو بدنام کر رہے ہیں حالانکہ دیوبندی گروہ ہر عقیدہ میں آپ کا ہم نوا ہے اگر کسی عقیدہ میں قدرے اختلاف ہے تو محض غلط فہمی یا تنگ نظری پر مبنی ہے وہ (یقین دہانی) بالکل درست ہے تفصیل کے لیے دادا رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ”حقیقت نما“ المعروف ”اکابر علماء دیوبند کا مذہب“ دیکھا جائے۔

اوکاڑوی صاحب بنیادی طور پر چونکہ سکول ٹیچر (پرائمری ماسٹر) تھے اور معروف معنوں میں عالم نہ تھے اس لیے ان کے مناظروں اور تقریروں میں سنجیدہ اور علمی گفتگو کی بجائے زبان درازی اور لائینی قسم کی گفتگو غالب رہتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دیوبند کا سنجیدہ طبقہ انھیں پسند نہیں کرتا تھا۔

موصوف کی اس تقریظ میں بھی اسی قسم کی گفتگو کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں چنانچہ اپنی اس تقریظ میں لکھتے ہیں:

”..... محمد صادق نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ”صلوۃ الرسول“ رکھا اختلافی احادیث میں جن احادیث کے موافق خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ کا عمل تھا ان کا کتاب میں اشارہ تک نہ کیا اور جو احادیث

① یہ لوگ خود کو مقلد کہنے میں ایسے ہی فخر محسوس کرتے ہیں جیسے بریلوی خود کو سگ دربار غوثیہ کہنے میں۔

چند متب پر ایک نظر

خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ میں متروک العمل تھیں ان کا انتخاب کر کے کتاب میں لکھا اور انتخاب خود کیا مگر کتاب کا نام ”صلوٰۃ الرسول“ رکھا گیا کہ یہ انتخاب رسول کا ہے جن غیر مقلدین نے واقعتاً اس انتخاب کو رسول کا انتخاب مان لیا اور حکیم صادق کو رسول مان لیا ان میں کتاب بہت مقبول ہوئی۔۔۔۔۔“ (صفحہ ۴۰)

یہ ہے اوکاڑوی صاحب کا کلام نہ لفظ رسول پر درود و سلام اور نہ ہی صحابہ کے نام کے بعد (ﷺ) یہ تو ایک ضمنی بات تھی اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

اوکاڑی صاحب تو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لہذا ہم مولانا محمد یوسف اور مفتی بشیر احمد صاحبان سے اور ہر اس دیوبندی مولوی سے جو اوکاڑوی صاحب کے مذکورہ کلام سے متفق ہو پوچھتے ہیں کہ وہ کونسی احادیث ہیں جن کے موافق خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل تھا مگر ان کو ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ میں ذکر نہیں کیا گیا نیز وہ کونسی احادیث ہیں جو خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں متروک العمل تھیں اور انھیں اس کتاب میں ذکر کیا گیا، امید ہے کہ آپ صاحبان یہ وضاحت کر کے ہمیں مستفیض فرمائیں گے۔

اوکاڑی صاحب کا یہ کہنا کہ انتخاب خود کیا اور نام ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ رکھا گیا ہم پوچھتے ہیں کہ آپ لوگوں کی ”حنفی نماز“، یا ”کمل حنفی نماز“ وغیرہ کے ناموں سے جو کتابیں ہیں کیا ان کو امام صاحب نے تالیف کر کے آپ کو دیا ہے یا کہ آپ نے ان کو خود تالیف کیا ہے اگر آپ نے ان کو خود تالیف کیا ہے تو پھر ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ پر یہ اعتراض کیوں؟ اوکاڑی صاحب کا یہ کہنا کہ حکیم صادق کو رسول مان لیا یہ کس قدر الزام تراشی اور بہتان بازی ہے۔

ہمارے نزدیک مولانا صادق رحمہ اللہ کا اگر یہ درجہ ہوتا تو ان کی اس کتاب کی تخریج کی جاتی اور نہ ہی اس پر تعلیق لگائی جاتی اور نہ ہی اس تخریج و تعلیق پر علماء اہل حدیث تبصرے و تقارین لکھتے۔

مولانا صادق صاحب رحمہ اللہ تو درکنار ہم تو اس امت میں سب سے افضل جو ہستی ہے یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو بھی رسول کا درجہ نہیں دیتے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں کسی نبی کے فرمان کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔

اس شنیع جرم کا ارتکاب تو تم لوگوں نے کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو رسول کا درجہ دے دیا ہے جو کہ ان پر سراسر زیادتی ظلم و انفراد ہے اور وہ تمہارے اس شنیع فعل سے اللہ عزوجل کے ہاں بالکل بری ہیں۔

قبل اس کے کہ اس پر کچھ دلائل ذکر کیے جائیں ”الانصاف“ سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا کلام سنتے جائیں، شاہ صاحب عز الدین بن عبد السلام رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و من العجب العجائب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعاً، وهو مع ذلك يقلده فيه، و يترك من شهد الكتاب

والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جموداً على تقليد إمامه، بل يتحیل لدفع ظاهر الكتاب، والسنة ويتأولهما بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالاً عن مُقلِّده۔

وقال: ”لم يزل الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقليد لمذهب، ولا إنكار على أحد من السائلين إلى أن ظهرت هذه المذاهب، و متعصبوها من المقلدين، فإن أحدهم يتبع إمامه مع بُعد مذهبه عن الأدلة مقلداً له فيما قال كأنه نبي أرسل، وهذا نأي عن الحق، و بُعد عن الصواب لا يرضى به أحد من أولى الألباب“

❖ (الإنصاف في بيان أسباب الاختلاف: ۱۰۰، ۹۹)

”نہایت تعجب ہے کہ فقہاء مقلدین میں سے بعض فقہاء کو اپنے امام کا ضعف ماخذ (دلیل کا کمزور ہونا) معلوم ہو جانے اور اس کے ضعف کا دفاع نہ کر سکنے کے باوجود وہ اس میں اس کی تقلید کرتا ہے اور اپنے امام کی تقلید پر جمود اختیار کرتے ہوئے ان فقہاء کا مذہب ترک کر دیتا ہے جن کے مذہب پر کتاب وسنت اور صحیح قیاسات شاہد ہوتے ہیں بلکہ وہ کتاب وسنت کے ظاہر کو رد کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اختیار کرتا ہے اور اپنے مقلد (امام) کے دفاع کی خاطر ان کی (کتاب وسنت کی) بڑی بعید اور باطل قسم کی تاویلیں کرتا ہے۔ اور ان کا (ابن عبد السلام کا) کہنا ہے کہ لوگ بغیر کسی مذہب کے تعین کے اور سائل پر کسی قسم کا انکار کیے بغیر علماء میں سے جس سے موقع ملتا سوال کر لیتے تھے یہاں تک کہ یہ مذاہب اور ان کے بارے میں تعصب برتنے والے مقلدین پیدا ہوئے جو اپنے امام کے مذہب کو دلائل سے بعید ہونے کے باوجود اپنے امام کی اس طرح اتباع کرتے ہیں گویا کہ وہ مرسل (بھیجا ہوا) نبی ہے، اور یہ حق اور صواب سے دوری ہے جسے عقلمندوں میں سے کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔“

اب ہم بڑے بڑے چند حنفی علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں جن سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے ائمہ کو کس درجے پر لاکھڑا کیا ہے۔

❶ **أبو الحسن کرخی** لکھتے ہیں:

”إن كل آية تخالف قول أصحابنا، فإنها تحمل على النسخ أو على الترجيح،

والأولى أن تحمل على التأويل من جهة التوفيق“

(أصول الكرخی (ص: ۱۸، اصل: ۲۹) ضمن مجموعة قواعد الفقه مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)۔

”ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب (ائمہ) کے قول کے خلاف ہو اسے نسخ یا ترجیح پر محمول کیا جائے گا اور بہتر

❶ ایضاً ملاحظہ ہو: قواعد الأحكام لابن عبد السلام“ (۱۳۵/۲)۔

یہ ہے کہ اس کی کوئی ایسی تاویل کی جائے تاکہ جمع کی صورت نکل آئے، یعنی حدیث اور ان کے قول میں بظاہر ٹکراؤ باقی نہ رہے۔

اس کے بعد لکھا ہے:

”إِنَّ كُلَّ خَيْرٍ يَجِيءُ بِخِلَافِ قَوْلِ أَصْحَابِنَا، فَإِنَّهُ يَحْمِلُ عَلَى النَّسْخِ، أَوْ عَلَى أَنَّهُ مُعَارِضٌ بِمِثْلِهِ۔“
”ہر وہ حدیث جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو اسے نسخ پر محمول کیا جائے گا یا اس پر معارض کیا جائے گا کہ وہ اپنے ہم پلہ حدیث کے مخالف ہے۔“

کرنی کا اس کے بعد بھی کچھ کلام ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے حدیث کی توجیہ کی جائے گی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اصحاب کے قول کے مقابلے میں حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ کسی نہ کسی طریق سے اس حدیث کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

② صاحب ”در مختار“ لکھتے ہیں:

”فلعنة ربنا أعدد رمل علي من رد قول أبي حنيفة“ دز مختار (۶۳/۱)
”پس ریت کے ذرات کے برابر اس شخص پر لعنت ہو جو ابوحنیفہ کے قول کو رد کرے۔“
دیکھیں کہ یہ امام صاحب کے بارے میں کس قدر غلو ہے جبکہ امت محمدیہ میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کے قول کو قبول کرنا ضروری اور اسے رد کرنا باعث لعنت ہو۔

③ شیخ الہند **محمود الحسن** صاحب مسئلہ خیار مجلس^① پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”فالحاصل أن مسألة الخيار من مهمات المسائل، وخالف أبو حنيفة فيه الجمهور، وكثيراً من الناس من المتقدمين، والمتأخرين صنفوا رسائل في ترديد مذهبه في هذه المسألة، ورجح مولانا الشاه ولي الله المحدث الدهلوي قدس سره۔ في رسائل مذهب الشافعي من جهة الأحاديث، والنصوص، وكذلك قال شيخنا۔ مدظله۔

① خیار مجلس سے مراد یہ ہے بیچنے والا اور خریدنے والا جب تک دونوں اس مجلس میں رہیں جس میں ان کے درمیان کسی چیز کا سودا طے ہوا ہو تو تب تک بیچنے والے کو سودا واپس لینے اور خریدنے والے کو سودا واپس کرنے کا اختیار ہے جب کہ حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں اور انھوں نے اس حدیث کی جس میں خیار مجلس کا ذکر ہے تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سودا طے ہو جانے کے بعد اگر ان کی کسی دوسرے موضوع پر گفتگو شروع ہوگی تو یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے اور ان کی یہ تاویل باطل و مردود ہے۔

بترجیح مذهبہ، و قال: الحق، والإنصاف أن الترجيح للشافعي في هذه المسألة، و نحن مقلدون يجب علينا تقليد إمامنا أبي حنيفة۔ واللہ أعلم“ (تقریر الترمذی: ۳۹)۔

”خلاصہ کلام یہ ہے کہ خیار والا مسئلہ اہم مسائل میں سے ہے اور ابوحنیفہ نے اس مسئلے میں جمہور (اکثر علماء) اور بہت سے متقدمین اور متاخرین علماء کی مخالفت کی ہے اور علماء نے اس مسئلے میں ان کے مذہب کے رد میں رسائل تصنیف کیے ہیں۔ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ قدس سرہ۔ نے کئی رسائل میں احادیث اور نصوص کی بناء پر شافعی کے مذہب کو ترجیح دی ہے اسی طرح ہمارے شیخ مدظلہ نے بھی شافعی کے مذہب کو رائج قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ اس مسئلے میں ترجیح شافعی ہی کو ہے۔ (یعنی ان کا مذہب درست ہے) اور ہم چونکہ مقلد ہیں اس لیے ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔ واللہ اعلم۔“

اس سے بڑھ کر بھی کیا کوئی جرأت ہو سکتی ہے کہ یہ جاننے کے باوجود کہ امام صاحب کا مذہب احادیث اور نصوص کے خلاف ہے پھر بھی انہی کے مذہب پر ڈٹے رہنا یہ ان کو رسول کے مقام پر لاکھڑا کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔

تمہارا خود کا حال یہ ہے اور دوسروں پر الزام تراشیاں کرتے ہوئے شرماتے نہیں ہو۔

ایسی مذموم جرأت بلکہ حماقت سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین

شیخ الہند کے قول سے ملتا جلتا ایک قول ابن نجیم کا بھی ہے ملاحظہ ہو اس کتاب کا صفحہ (۱۹۳)

④ مفتی عثمانی لکھتے ہیں:

”ہر حال میں تقلید واجب ہے اور اپنے امام یا مفتی کے قول سے خروج جائز نہیں خواہ اس کا کوئی قول ان کو بظاہر حدیث کے خلاف ہی معلوم ہو۔“ (درس ترمذی (۱۲۲/۱) منقول از فقہی مسلک کی حقیقت، صفحہ: ۱۸۳)۔

یہ بھی کتنی عجیب بات ہے گویا کہ امام یا مفتی نبی ہے اس لیے اس کے قول سے خروج جائز نہیں۔ عثمانی صاحب اگر ساتھ یہ بھی کہہ دیتے کہ عامی کو اگر کوئی حدیث ایسی ملے جو امام یا مفتی کے قول کے خلاف ہو تو اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے تو بات قدرے معقول ہوتی لیکن تقلید کے شکنجے کے اندر پھنسے ہوئے آدمی سے ایسی بات کیسے نکلے گی۔

آپ لوگوں نے امام صاحب کے بارے میں کس قدر غلو سے کام لیا ہے اس پر ایک غیر اہلحدیث عالم کی شہادت ملاحظہ کیجیے اور وہ ہیں مراکشی عالم شیخ احمد بن محمد صدیق غماری (متوفی: ۱۳۸۰ھ) جو زاہد کوثری (متوفی ۱۳۷۱ھ) کے معتقدین کی نظر میں ایک ثقہ عالم تھے۔

موصوف نے کوثری کی تلیسات کے رد میں ”بیان تلیس المفتری زاہد الکوثری“ کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے جس کے (صفحہ: ۵۹) میں وہ رقمطراز ہیں:

”فأنتم قوم لا دين لكم في الحقيقة إلا رأي أبي حنيفة وقوله ، فهو ربكم المعبود و نبيكم المرسل و أقسم بالله - باراً غير حاث - أن لو بعث الله نبيّه - صلى الله عليه وسلم - مرة أخرى فخطبكم شفاهاً أن أبا حنيفة مخطئ لكفرتم به ، و لرددت رسالته عليه كما تردون الآن شريعته و سنته بهذا التلاعب المخزئ نسأل الله العافية -“

”تم وہ قوم ہو جس کا حقیقی دین ابوحنیفہ کی رائے اور قول ہی ہے وہی تمہارے معبود اور رسول ہیں۔“

میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں اگر اللہ اپنے نبی ﷺ کو دوبارہ مبعوث فرمادے اور وہ تم سے مخاطب ہو کر کہیں کہ ابوحنیفہ غلطی پر تھے تو تم آپ کے ساتھ کفر کرو گے اور آپ کی رسالت کو رد کر دو گے جیسا کہ اب آپ کی شریعت اور سنت کو کمینی حرکتوں سے رد کر رہے ہو، ہم اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔“

کوثری کا مختصر سا تعارف اس کتاب کے (صفحہ.....) میں آ رہا ہے۔

⑤ نبی کو امتی کا امتی بنانے کی مذموم سعی۔

بات صرف امتیوں کو امام ابوحنیفہ کی تقلید کا پابند بنانے تک محدود نہیں رہی بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ان کا مقلد بنا دیا گیا قبل اس کے کہ اس کی تفصیل میں جائیں رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل حدیث ملاحظہ کر لیں۔

”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزَلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مَقْسُطًا، فَيُكْسِرُ الصَّلِيبَ“ ①

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریب ہے کہ ابن مریم عیسیٰ علیہ السلام حکم اور عادل بن کر نازل ہوں۔ سو وہ صلیب کو توڑیں گے۔“ الحدیث۔

”حَكَمًا“ سے مراد ہے: ”ينزل حاكماً بهذه الشريعة“ جیسا کہ امام نووی اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے یعنی اس شریعت (شریعت محمدی) کے مطابق فیصلے کریں گے۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ متواتر ہیں جیسا کہ حافظ ابن کثیر وغیرہ نے کہا ہے اور یہ عقیدے کا ایک اہم مسئلہ ہے چنانچہ امام طحاوی ”عقیدہ طحاوی“ میں فرماتے ہیں:

”و نؤمن بأشراط الساعة: من خروج الدجال، ونزول عيسى بن مريم - عليه السلام - من السماء“ (شرح عقيدة الطحاوية: ۴۹۹)۔

”ہم دجال کے خروج اور عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کے بارے میں قیامت کی علامات پر ایمان رکھتے ہیں۔“

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے قبل آئیں گے اور شریعت محمدی کے مطابق فیصلے کریں گے۔

① اس کو بخاری نے (۲۲۲۲، ۳۳۳۸) کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر، کتاب أحادیث الأنبياء میں اور مسلم نے (۲۳۲) کتاب الإیمان میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اب دیکھتے ہیں کہ بعض حنفی فقہاء نے کیا کہا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیں گے۔ راقا
لہ ورائنا الیہ راجعون۔

ایک نبی امام الانبیاء کا امتی بن جائے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن ایک نبی کو کسی امتی کا مقلد بنا دیا جائے اس
سے بڑھ کر اس کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے۔

عسائی علیہ السلام امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیں گے اس کا ذکر علامہ علاء الدین ہسکفی (متوفی: ۱۰۸۸ھ) نے ”در مختار“
(۵۶، ۵۵/۱) میں اور شیخ ٹھٹھوی نے ”ذب ذبابات الدر اسات“ (۷۲، ۷۵۳، ۳۸۴، ۲۳۹/۱) میں کیا ہے۔

ان سے پہلے یہی بات علامہ شمس الدین قہستانی (متوفی: ۹۵۰ھ) نے ”جامع الرموز“ میں اور خواجہ محمد بن محمد
المعروف خواجہ پارسا (متوفی: ۸۲۲ھ) نے ”الفصول الستہ“ میں بیان کی۔

مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں اور انہی کے حوالے سے بعض متاخرین علمائے احناف نے اسے نقل کیا بلکہ انتہائی
حیرت کی بات ہے کہ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ امام صاحب کی بنائی فقہ حضرت عسائی علیہ السلام کو دیا ہے جیون سے ملے
گی۔ اور اس پر وہ عمل کریں گے اس سلسلے میں جو کہانی بنائی گئی اسے نقل کرتے ہوئے قلم کو حیا آتی ہے شائقین اس
کی تفصیل طحاوی (۳۱، ۴۰/۱) میں ملاحظہ فرمائیں، منقول از مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی لارشد الحق
الاشری (صفحہ: ۲۰-۲۱)۔

یہ ہیں اندھی تقلید کے کرشمے چنانچہ ان لوگوں کے مقابلے میں بعض متعصب شافعیوں نے یہ کہہ دیا کہ عسائی علیہ السلام کا
اجتہاد امام شافعی رحمہ اللہ کے موافق ہوگا۔

چونکہ فریقین کے اقوال ہی غلط اور ناقابل التفات تھے اسی لیے علماء کی ایک جماعت نے ان کا رد کیا ہے جن میں
ملا علی قاری اور مولانا عبدالحی لکھنوی بھی ہیں بلکہ ملا علی قاری نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام
ہے: ”المشرب الوردی فی مذهب المہدی“ ملاحظہ ہو حوالہ مذکور۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ موجودہ حنفی فقہ امام صاحب کی مرتب کی ہوئی نہیں یا شاید کہ انھوں نے عسائی علیہ السلام کے زمانے کے لیے
اس وقت کے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر کوئی دوسری طرز کی فقہ مرتب کی ہو۔

لکھنوی صاحب ”مقدمة الفوائد البہیہ“ (صفحہ: ۶) میں لکھتے ہیں: ”و اما قول بعض المجہولین والمتعصبین ان
عسائی، والمہدی یقلدان الإمام أبا حنیفة ولا یخالفانہ فی شیء من طریقہ فہو من الأقوال السخیفة نص علیہ
أرباب الشریعة والحقیقة، بل ہو رجم بالغیب بلا شک ولا ریب۔“

”رہا کچھ مجہول اور متعصب لوگوں کا یہ کہنا کہ عسائی اور مہدی امام ابوحنیفہ کی تقلید کریں گے اور ان کے مذہب میں ان کی کسی
بات میں بھی مخالفت نہیں کریں گے تو یہ گھٹیا اور خفیف قسم کے اقوال میں سے ہے جس کی ارباب شریعت اور حقیقت نے
صراحت کی ہے بلکہ بلا شک و شبہ یہ بے بنی ہانکنا ہے۔“

امام صاحب کے کندھوں کے درمیان ختم نبوت جیسی علامت:

مذکورہ قول قابل تعجب و قابل مذمت تو ہے ہی مگر اس سے بڑھ کر ایک انوکھی بات ملاحظہ کیجیے وہ یہ کہ موفق نے ”مناقب ابوحنیفہ“ (۱۶/۱) میں نصری کی سند سے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر کے لیے وہ محمد بن سیرین کے پاس بسرہ گئے اور ان سے اپنا خواب بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ خواب آپ کا نہیں ہے یہ تو ابوحنیفہ کا خواب ہے۔^❶ انھوں نے جواب دیا کہ ابوحنیفہ میں ہی ہوں تو انھوں نے کہا کہ اپنی پیٹھ سے کپڑا اٹھائیے جب کپڑا اٹھایا تو انھیں آپ کے کندھوں کے درمیان تل نظر آیا تو امام صاحب سے کہا کہ آپ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”يخرج في أمتي رجل يقال له: أبو حنيفة بين كتفيه خال يحيي الله على يديه السنة“۔

”میری امت میں ایک ایسا آدمی پیدا ہوگا جسے ابوحنیفہ کہا جائے گا اس کے کندھوں کے درمیان تل ہوگا اور اس کے ذریعے اللہ سنت کو زندہ کرے گا۔“^❷

علامہ عبدالرحمن معلیٰ ”التنكيل“ (صفحہ ۲۰۱) میں اس حکایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”ولا يخفى ما في ذكر الخال بين الكتفين من المضارعة لخاتم النبوة“۔

”کندھوں کے درمیان تل کے ذکر کرنے میں مہر نبوت سے جو مشابہت ہے وہ مخفی نہیں۔“

دیکھیے امام صاحب کو نبی بنانے کے لیے کس قدر جھوٹ سے کام لیا گیا اور الزام ہم پر ٹھونس دیا کہ مولانا صادق صاحب کو ہم نے رسول بنا لیا ہے اس مناسبت سے درج ذیل واقعہ بھی سنتے جائیں۔

تھانوی صاحب کو رسول اللہ بننے کا شوق:

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب سے ان کے ایک مرید نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں خواب میں کلمہ ”لا إله إلا الله محمد رسول الله“ پڑھنا چاہتا ہوں مگر میری زبان پر ”محمد رسول الله“ کی بجائے ”اشرف علی رسول الله“ آجاتا ہے جس پر تھانوی صاحب نے کہا: تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔“^❸

اور ماہنامہ ”الامداد“ بابت صفر ۱۳۳۶ھ (ص: ۳۴-۳۵) میں ہے کہ مرید نے کہا کہ میں درود یوں پڑھتا ہوں:

”اللهم صلّ على سيدنا، ونبينا مولانا اشرف علي“۔

❶ کیا انھیں علم غیب تھا کہ یہ خواب انہی کا ہے۔

❷ واضح رہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے۔

❸ ماہنامہ برہان دہلی بابت ماہ فروری ۱۹۵۲ء (ص: ۱۰۷) منقول از ”تبلیغ نصاب“ از ارشد قادری (ص: ۵۹-۶۰) ناشر مکتبہ رضویہ۔

تھانوی صاحب نے جواب میں لکھا:

جواب: اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔

یہ ہے شخصیت پرستی میں غلو (حد سے تجاوز کر جانے) کا نتیجہ، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”إِيتَاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مِنْ كَانَ قَبْلَكَ الْغُلُوَّ فِي الدِّينِ“ ﴿٥﴾

”خود کو دین میں غلو سے بچاؤ کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو ہی نے ہلاک کیا تھا۔“

تھانوی صاحب کو چاہیے یہ تھا کہ اپنے اس مرید سے کہتے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اس سے فوراً توبہ کرو اور آئندہ ایسا سوچو بھی نہیں یہ کفر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں بہکا دے اور تم دائرۃ اسلام سے خارج ہو جاؤ مگر آپ اپنے مریدی والہانہ محبت و عقیدت پہ خوش ہو رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حق وہی ہے جو گنگوہی صاحب کی زبان سے نکلے:

تھانوی صاحب کے مذکورہ واقعہ کے بعد ان کے پیرو مرشد مولانا رشید احمد گنگوہی کی سینے، فرماتے ہیں:

”سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور تقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ

میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔“ (مذکورۃ الرشید: ۱۷/۲)۔

تھانوی صاحب کو تو رسول بننے کا شوق ہی تھا مگر ان کے پیرو مرشد نے رسول ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا کسی امتی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس قدر جرأت کرے کہ حق وہی ہے جو میں کہوں اور نجات میری اتباع پر

موقوف ہے اگر گنگوہی صاحب کی یہ بات درست ہے تو مرزا غلام احمد کذاب اور دجال کیوں ہے؟

گنگوہی صاحب کا یہ کلام واضح طور پر باطل و مردود ہے ہمارا موضوع چونکہ یہ نہیں اس لیے ہم اس کی تفصیل میں

نہیں جاتے یہاں صرف ایک چھوٹی سی مثال ذکر کی جاتی ہے جس سے بخوبی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی زبان سے

غیر حق بھی نکلتا تھا۔

گنگوہی صاحب سے ایک بار کسی شخص نے سوال کیا کہ کسی قبر پر شرینی لے جانا اور کسی بزرگ کی فاتحہ دے کر تقسیم

کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

﴿ اس کو نسائی (۲۶۸/۵) نے ”مناسک الحج“ باب ”التقاط الحصى“ میں اور ابن ماجہ (۳۰۲۹) نے ”المناسک“، باب

”قد رخصی الرمي“ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔

تنبیہ: یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے بلکہ ”فضل بن عباس“ ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ”الذکت

الظراف علی الأطراف“ (۵۴۲۷/۳۸۷/۴) میں ذکر کیا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا اگر بنام خدا ہے اور ایصالِ ثواب ہی مقصود ہے تو کچھ قباحت نہیں اور اگر پیر کے نام ہے جیسا کہ اکثر جہال کرتے ہیں وہ حرام ہے اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت اگر ایصالِ ثواب ہی مقصود ہو تو ہر جگہ سے ممکن ہے قبر ہی پر کون ضرورت ہے کہ کوئی چیز بھیجی جاوے آپ نے فرمایا: خیر وہاں خادم رہتے ہیں اچھا ہے ان کو ہی دے دی جائے اس میں کیا قباحت ہے؟ (حدیث: الرشید: ۲/۲۹۱)۔

اس کلام میں دے الفاظ میں قبر پرستی کی دعوت نہیں تو اور کیا ہے؟ جس قبر کے آس پاس مجاور اور خادم رہتے ہوں وہاں شریعوں کی کمی ہوگی، اور ایسی قبر وہی ہوگی جہاں غیر اللہ کی پوجا پاٹ کی جاتی ہو اب رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ملاحظہ کر لیجیے اور پھر خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ گنگوہی صاحب کا یہ کلام حق ہے یا کہ باطل و مردود۔

ثابت بن ضحاک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ بوانہ مقام میں اونٹ ذبح کرے گا۔

چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

”هل كان فيها وثن من أوثان الجاهلية يعبد؟“

”وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تو نہیں جس کی پوجا پاٹ کی جاتی ہو؟“

لوگوں نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

”هل كان فيها عيد من أعيادهم؟“

”وہاں جاہلیت کی عیدوں (میلوں) میں سے کوئی عید تو نہیں ہوتی؟“

لوگوں نے کہا: نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أوف بنذرک ، فإنه لا وفاء لنذر في معصية الله ، ولا فيما لا يملك ابن آدم“

”اپنی نذر کو پورا کر، سوائے اللہ کی نافرمانی والی نذر کو پورا نہیں کرنا اور نہ ہی اس چیز والی نذر کو پورا کرنا ہے جس کا

یہ یلملم کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، یلملم آج کل ”سعدیہ“ کے نام سے معروف ہے، جو مکہ سے تقریباً اسی (۸۰) کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، پاکستان، انڈیا، یمن اور دیگر ممالک کے لیے میقات ہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد (۳۳۱۳) طبرانی (۲/۷۵/۱۳۳۱) اور بیہقی (۱۰/۸۳) نے روایت کیا ہے۔

اور یہ صحیح حدیث ہے اور اختصار کے ساتھ یہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے جسے ابن ماجہ (۲۱۳۰) اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

اس سے ملتی جلتی حدیث میمونہ بنت کردم رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ (۲۱۳۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور بوصری نے ”مصباح الزجاجة“ (حدیث: ۷۵۶) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

انسان کو اختیار نہیں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ جہاں غیر اللہ کے نام کی نذر نیاز دی جاتی ہو غیر اللہ کی عبادت کی جاتی ہو وہاں اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر دینا معصیت اور گناہ ہے۔

یہاں اگر تھوڑی سی وضاحت کر دی جائے تو بہتر ہوگا (وہ یہ کہ معلوم ہونا چاہیے) کہ حق صرف نبی ہی کی زبان سے نکلتا ہے چنانچہ اس کے بارے میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث سنئے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو چیز بھی سنتا اسے یاد کرنے کی خاطر لکھ لیتا تو قریش نے مجھے اس سے منع کر دیا اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی غصے کی حالت میں بھی کلام کرتے ہیں چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا اور اس کا ذکر میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

”اكتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه إلا حق۔“

”لکھو، اللہ کی قسم اس سے حق ہی نکلتا ہے۔“

امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو انھوں نے منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں ایک بات یہ بھی کہی:

”فإن أحسنت فأعينوني وإن أسأت فقوموني۔“

”اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو تو میری اصلاح کرنا۔“

امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور اس امت میں سب سے افضل ہیں وہ تو یہ فرمائیں مگر گنگوہی صاحب یہ کہیں کہ ہدایت و نجات میری اتباع پر موقوف ہے۔

اسی طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انھوں نے ”کلالہ“ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا:

”أقول فيها برأبي، فإن يكن صواباً فمن الله وإن يكن خطأ فمني، ومن الشيطان،

والله ورسوله بريتان منه: الكلاله ما عدا الوالد والولد۔“

”اس کے بارے میں، میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر وہ رائے درست ہو تو اس کا درست ہونا اللہ کی

طرف سے ہے اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔

اس کو ابو داؤد (۳۶۳۶)، دارمی (۱۲۵/۱) اور أحمد (۱۹۲، ۱۶۲/۲) نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔

اس کو ابن اسحاق نے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو ”سیرت ابن ہشام“ (۶۶۱/۲)۔

کلالہ کا ذکر قرآن مجید میں وراثت کے مسائل میں دو جگہ آیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ نساء: آیت (۱۷۶، ۱۲)۔

اس کو دارمی (۳۶۶-۳۶۵/۲) وغیرہ نے شععی کی سند سے روایت کیا ہے اور شععی نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا مگر عجل نے ذکر کیا ہے کہ شععی کی مرسل روایت صحیح ہوتی ہے۔ اس کی ایک دوسری سند بھی ہے مگر وہ بھی منقطع ہے۔

کلام وہ ہے جس کا باپ ہو اور نہ بیٹا۔“

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک فیصلہ کیا جس کے بارے میں ان کے کاتب نے یہ لکھا:

”هذا ما أرى الله أمير المؤمنين عمر۔“

یعنی امیر المومنین نے جو فیصلہ کیا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔

اس پر امیر المومنین نے اس کو ڈانٹا اور فرمایا کہ ایسے نہیں بلکہ یوں لکھ:

”هذا ما رأى عمر فيان كان صواباً، فمن الله، وإن كان خطأ فمن عمر“ ﴿١﴾

”یہ عمر کی رائے ہے اگر یہ درست ہے تو اس کا درست ہونا اللہ کی طرف سے ہے اور اگر یہ خطا ہے تو یہ خطا

عمر کی طرف سے ہے۔“

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انھوں نے اپنی رائے سے ایک فتویٰ دینے سے قبل یہ فرمایا:

”فإن كان صواباً فمن الله وحده لا شريك له، وإن كان خطأ فمني، ومن الشيطان،

والله ورسوله منه براء“ ﴿٢﴾

اس قول کے معنی بھی وہی ہیں جو مذکورہ اقوال کے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ تو یہ کہیں مگر گنگوہی

صاحب یہ دعویٰ کریں کہ ان کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ حق ہی نکلتا ہے۔ إنا لله و إنا إليه راجعون۔

کاشمیری صاحب کا اظہارِ افسوس:

ائمہ کے بارے میں غلو سے کام لینے والوں میں سے جن کے دل میں کچھ نہ کچھ اللہ عزوجل کا خوف ہوتا ہے تو انھیں

کبھی نہ کبھی یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا یا کر رہے ہیں وہ درست نہیں اور انھیں اس پر ندامت بھی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر مولانا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنئے یہ واقعہ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”وحدت

امت“ میں ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:

”ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کروں جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی۔

قادیان (بھارت) میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری صاحب رحمۃ

اللہ علیہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے میں بھی آپ کے ساتھ تھا، ایک صبح

نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغوم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا

﴿١﴾ اس کو بیہقی (۱۱۶/۱۰) وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

﴿٢﴾ اس کو نسائی (۱۲۳/۶) وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

مذکورہ تمام آثار کی مفصل تخریج میں نے ”روضۃ الناظر“ لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے جو کہ بیروت میں زیر طبع ہے۔

حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا: ہاں! ٹھیک ہی ہے میاں کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی۔

میں نے عرض کیا، حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی!

فرمایا میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی!

میں نے عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟ فرمایا: ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حقیقت کی ترجیح قائم کر دیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا!

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟

مفتی محمد شفیع وحدت امت (ص: ۱۵) منقول از فقہی مسلک کی حقیقت۔ مولانا ابوزکی (ص: ۱۵۷-۱۵۸)۔

مفتی صاحب نے سچ فرمایا: ”اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی“

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (ق: ۳۷)۔

اب مفتی صاحب کی اپنی بات بھی سنتے چلیے فرماتے ہیں:

”تم اپنے فقہی مذہب میں حنفی رہو کوئی حرج کی بات نہیں مگر حدیث کو حنفی بنانے سے بچنا“ ملاحظہ ہو:

”تکملة فتح الملہم“ از محمد تقی عثمانی (۱/۷) منقول از ”الماتریدیہ“ للشمس السلفی

الأفغانی (۲/۵۳۰)۔

اوکاڑی صاحب کا یہ کہنا کہ جس حدیث کے مضمون پر فقہ حنفی نے فتویٰ دیا ہمارے نزدیک وہ صحیح ہے اور جس کو

احناف نے ترک کر دیا وہ ہمارے ہاں معلول ہے۔ (صفحہ: ۵۴)۔

تو ان کا یہ کہنا بالکل درست ہے اور انھوں نے جو کہا اپنے اعتقاد و مذہب کے مطابق بالکل صحیح کہا ہے کیونکہ جب

ان کے بڑوں نے یہ کہہ دیا۔

”إذا سئلنا عن مذہبنا، و مذہب مخالفنا قلنا وجوباً: مذہبنا صواب یحتمل الخطأ،

و مذہب مخالفنا خطأ یحتمل الصواب“ (در مختار: ۱/۴۸)۔

”جب ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالف کے مذہب کے بارے میں سوال کیا جائے تو ہم لازماً یہ کہیں گے کہ ہمارا

مذہب درست ہے اس میں غلطی کا احتمال ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب خطأ ہے اس میں درستگی کا احتمال ہے۔“

یہ تو مذہب کے بارے میں بات تھی اب سنئے کہ عقیدے کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ لکھا ہے کہ:

”و إذا سئلنا عن معتقدا، و معتقد خصومنا، قلنا وجوبًا: الحق ما نحن عليه، والباطل ما عليه خصومنا“ (حوالہ مذکور)۔

”جب ہم سے ہمارے عقیدے اور مخالف کے عقیدے کے بارے میں سوال کیا جائے تو ہم لازماً یہ کہیں گے کہ جس عقیدہ پر ہم ہیں وہ حق ہے اور جس عقیدہ پر ہمارا مخالف ہے وہ باطل ہے۔“
ہم پوچھتے ہیں کہ آپ لوگوں کا عقیدہ کیا ہے سنیے آپ لوگ عقیدہ میں مختلف ہیں آپ میں جمہی، ماتریدی، معتزلی، مرجئی، اتحادی اور علوی وغیرہ ہیں۔

اور ان لوگوں کے عقائد اہل سنت و جماعت یعنی صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین اور ائمہ کے عقیدہ کے خلاف ہیں چنانچہ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اہل سنت و جماعت کا عقیدہ باطل ہے یا کہ ان لوگوں کے عقائد باطل ہیں۔
بلکہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام طحاوی وغیرہ رحمہم کا عقیدہ بھی وہی تھا جو سلف کا عقیدہ تھا۔ تو کیا ان لوگوں کا عقیدہ بھی باطل تھا؟

صاحب ”در مختار“ نے اپنے مذہب اور مخالف کے مذہب کے بارے میں جو کچھ کہا آپ نے ملاحظہ کر لیا۔ آئیے اب دوسروں کے مذہب کے بارے میں تھانوی صاحب کیا کہتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

”و أما المذاهب فأهل الحق منهم أهل السنة، والجماعة المنحصرين بإجماع من يعتد بهم في الحنفية والشافعية والمالكية والحنابلة.....“

(ملاحظہ ہو ”عشرہ طروس طرس عشر“ منقول از ”اکابر علماء دیوبند کا مذہب“ (ص: ۱۹)۔)
”اور رہے مذاہب تو ان میں سے اہل حق، اہل سنت و جماعت ہیں جو باجماع معتبر علماء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ میں منحصر ہیں۔“

تھانوی صاحب چاروں مذاہب کے پیروکاروں کو اہل حق بتا رہے ہیں جب کہ صاحب ”در مختار“ خود ہی کو اہل حق سمجھ رہے ہیں اس کے باوجود یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مقلدین میں کوئی اختلاف نہیں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”الرفع والتکمیل“ لعبد الحی لکھنوی (صفحہ: ۳۸۵-۳۸۶، تحقیق اُبی غدہ) اور ”الماتریدیہ“ للشمس السلفی الأفغانی (۱/۱۷۲-۱۷۵)۔

ملاحظہ ہو: ”الماتریدیہ“ (۱/۱۷۲-۱۷۵)۔
تھانوی صاحب کا اس کے بعد بھی کچھ کلام ہے جو انتہائی تعصب پر مبنی ہے جسے ذکر کر کے ہم اس کے رد کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے بس یہاں ایک بات کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان چاروں مذاہب کے لوگوں سے پہلے جو لوگ تھے کیا وہ حق پر نہ تھے؟
ان کا باہمی اختلاف کس حد تک پہنچا اس کی قدرے تفصیل (صفحہ: ۱۴۳ و ما بعدھا) میں آ رہی ہے۔

اب ہم اوکاڑی صاحب کی اس بات ”جس حدیث کے مضمون پر فقہ حنفی نے فتویٰ دیا ہمارے نزدیک وہ صحیح ہے اور جس کو احناف نے ترک کر دیا وہ ہمارے ہاں معلول ہے“ کی طرف آتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اوکاڑوی صاحب تو اس دنیا سے چل بے اس لیے ہم مولوی محمد یوسف اور مفتی محمد بشیر سے اور اسی طرح ہر اس دیوبندی عالم سے جو اوکاڑوی کی اس بات سے متفق ہو پوچھتے ہیں کہ آپ کی معتبر کتاب ”ہدایہ“ جسے ”الہدایۃ کالقرآن“ کہا گیا ہے اسکی کتنی ایسی احادیث ہیں کہ جن میں علامہ زیلعی نے ”نصب الرایہ“ میں کلام کیا ہے یا دوسرے لفظوں میں وہ معلول ہیں تو آپ حضرات ان احادیث کے بارے میں کیا کہیں گے کہ وہ واقعہً معلول ہیں یا کہ علامہ زیلعی کا ان میں کلام بے جا اور باطل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم آپ کو آپ کے گھر ہی سے یہ ثابت کر کے دیتے ہیں کہ جن احادیث کو احناف نے ترک کر دیا ان میں بھی صحیح احادیث ہیں۔ اب اس کے بارے میں اپنے چند علماء کے اقوال ملاحظہ کریں۔

❖ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا قول ہے:

”إذا صح الحديث فهو مذهبي۔“ ❖

”صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔“

امام صاحب نے یہ نہیں کہا کہ جن احادیث کو میں نے ترک کر دیا ہے وہ معلول ہیں بلکہ یہ کہا ہے کہ جب بھی کوئی صحیح حدیث آجائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

ابن عابدین نے ابن شحنے کبیر کی ”شرح الہدایہ“ سے نقل کیا ہے:

”إذا صح الحديث ، و كان على خلاف المذهب عمل بالحديث ، ويكون ذلك

مذهبه ، ولا يخرج مقلده عن كونه حنفياً بالعمل به ، فقد صح عن أبي حنيفة أنه

قال : إذا صح الحديث فهو مذهبي“ ❖

”جب کوئی صحیح حدیث مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے گا اور ان کا۔ امام صاحب۔ کا مذہب

❖ ملاحظہ ہو حاشیہ ابن عابدین (۱/۶۷-۶۸) اور ”مجموعہ رسائل ابن عابدین“ (صفحہ: ۲۳)۔

یہی قول امام شافعی کا بھی ہے ملاحظہ ہو: ”معنی قول المطالبی إذا صح الحديث فهو مذهبي“ للسیکی (۱/۷۱، ۱۳۳)۔

❖ حاشیہ ابن عابدین (۱/۶۷-۶۸) اور ”مجموعہ رسائل ابن عابدین“ (صفحہ: ۲۳)۔

❖ مولانا عبدالحی لکھنوی نے ”عصام بن یوسف“ کے ترجمے میں ذکر کیا ہے کہ وہ نماز میں رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے ہیں۔

یہ ذکر کرنے کے بعد انھوں نے اس سے دو چیزیں اخذ کی ہیں دوسری چیز کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:



بھی وہی ہوگا اور ان کا مقلد اس حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے حنفیت سے خارج نہیں ہوگا۔ ﴿ کیونکہ ابوحنیفہ سے صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے کہا کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔“

اسی طرح امام صاحب کا ایک قول یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے اصحاب سے کہا: ”إِنْ تَوَجَّهَ لَكُمْ دَلِيلٌ فَقُولُوا بِهِ۔“ ﴿

اگر تمھیں کوئی دلیل (حدیث) مل جائے تو اس پر عمل کرو۔“

امام صاحب کے اس قول سے بھی اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ جن احادیث کے مطابق ان کا فتویٰ نہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ احادیث ان کے ہاں معلول تھیں بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ احادیث ان تک پہنچی نہیں تھیں اگر انھوں نے ان احادیث کو معلول ہونے کی وجہ سے ترک کیا ہوتا تو پھر وہ: ”إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ..... إِنْ تَوَجَّهَ لَكُمْ دَلِيلٌ“ نہ کہتے بلکہ یوں کہتے کہ جس حدیث کے مطابق میرا فتویٰ نہیں وہ معلول ہے۔

﴿ مولانا عبدالحی لکھنوی صحیح احادیث کے بارے میں متعصب مقلدین کے رویے کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”وإن وجدوا حديثاً صحيحاً، أو أثراً صحيحاً على خلافه، وزعموا أنه لو كان هذا الحديث صحيحاً لأخذ به صاحب المذهب، ولم يحكم بخلافه، وهذا جهل منهم بما روته الثقات عن أبي حنيفة من تقديم الأحاديث والآثار على

→ و يعلم أيضاً۔ أن الحنفی لو ترك فی مسألة مذهب إمامه لقوة دليل خلافه لا يخرج به عن رتبة التقليد، بل هو عین التقليد فی صورة ترك التقليد ألا ترى إلى أن عصام بن يوسف ترك مذهب أبي حنيفة فی عدم الرفع، و مع ذلك هو معدود فی الحنفية..... وإلى الله المشتكى من جهلة زماننا حيث يطعنون على من ترك تقليد إمامه فی مسألة واحدة لقوة دليلها و يخرجونه عن جماعة مقلديه، و لا عجب منهم، فإنهم من العوام، إنما العجب ممن يتشبه بالعلماء و يمشى مشيهم كالأنعام“ (الفوائد البهية: ۱۱۶)۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حنفی اپنی امام کے مذہب کے کسی مسئلہ کو اس کے خلاف قوی دلیل ہونے کی بنا پر چھوڑ دیتا ہے تو اس سے وہ تقلید کے دائرہ سے خارج نہیں ہو جائے گا بلکہ یہ ترک تقلید کی صورت میں عین تقلید ہے عصام بن یوسف کو نہیں دیکھتے کہ انھوں نے عدم رفع یدین میں ابوحنیفہ کے مذہب کو ترک کر دیا اس کے باوجود ان کا شمار حنفیہ میں ہوتا ہے۔

ہم اپنے زمانے کے ان جہلاء کا شکوئی اللہ عزوجل سے کرتے ہیں جو اس شخص پر جو کسی ایک مسئلے میں اس کی دلیل قوی ہونے کی بناء پر اپنے امام کی تقلید کو ترک کر دیتا ہے طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اسے مقلدین کی جماعت سے خارج کر دیتے ہیں ان پر تعجب نہیں کیونکہ وہ تو عامی لوگ ہیں مگر تعجب ان پر ہے جو علماء کا روپ اختیار کرتے ہیں اور ان جیسی چال چلتی ہیں۔“

اس صفحہ کے نمبر ۲ میں مذکور مولانا عبدالحی لکھنوی کے کلام میں بی یہی کچھ ہے۔

﴿ الدر المختار (۶۷/۱) اور مجموعہ رسائل ابن عابدین (صفحہ: ۲۳)۔

أقواله الشريفة، فترك ما خالف الحديث الصحيح رأيي سديد، و هو عين تقليد الإمام لا ترك التقليد“ (مقدمة النافع الكبير: ٤٥/١)۔

”اگر وہ امام کے قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث یا صحیح اثر پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو صاحب مذہب (امام صاحب) اس کو قبول کرتے اور اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے اور یہ کہنا (امام) ابو حنیفہ کے اس قول سے لاعلمی کی بناء پر ہے جس کو ان سے ثقات نے روایت کیا ہے کہ ان کے اقوال پر احادیث اور آثار کو مقدم کیا جائے چنانچہ صحیح حدیث کے خلاف چیز کو ترک کر دینا ہی صحیح رائے ہے اور یہ امام کی عین تقلید ہے، ترک تقلید نہیں۔“

اور ایک دوسرے مقام پر ائمہ ثلاثہ، امام ابو حنیفہ، ابو یوسف و محمد رضی اللہ عنہ کا ان مسائل کے بارے میں جو حنفی کتب میں موجود ہیں اور صحیح احادیث کے خلاف ہیں دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”..... بل هي من تفرعات المشايخ استنبطوها من الأصول المنقولة عن الأئمة ، ف وقعت مخالفة للأحاديث الصحيحة، فلا طعن بها على الأئمة الثلاثة، بل، و لا على المشايخ- أيضاً- فإنهم لم يقرروها مع علمهم بكونها مخالفة للأحاديث الصحيحة..... بل لم يبلغهم تلك الأحاديث، و لو بلغتهم لم يقرروا على خلافها، فهم في ذلك معذورون و مأجورون-“ (حوالہ مذکور: ٢١/١)۔

”بلکہ وہ مسائل فقہاء کی تفریعات میں سے ہیں جن کو انھوں نے ائمہ سے منقول اصولوں سے مستنبط کیا ہے سو اس طرح سے وہ صحیح احادیث کے خلاف واقع ہو گئے ہیں، چنانچہ ان مسائل کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ پر بلکہ نہ ہی فقہاء پر کوئی طعن ہے کیونکہ انھوں نے باوجود یہ علم ہونے کے کہ یہ صحیح احادیث کے خلاف ہیں ان کا استنباط نہیں کیا بلکہ وہ صحیح احادیث ان تک پہنچیں نہیں، اگر وہ احادیث ان تک پہنچتیں تو وہ ان مسائل کو ان احادیث کے خلاف مستنبط نہ کرتے چنانچہ وہ اس کے بارے میں معذور اور مأجور ہیں۔“

مولانا لکھنوی کے اس کلام سے دو چیزیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ کتنی احادیث ایسی ہیں جن پر فقہ حنفی کا فتویٰ نہیں اور وہ صحیح ہیں اور دوسری یہ کہ کتنی ایسی صحیح احادیث ہیں جو ائمہ ثلاثہ اور ان کے مقلدین فقہاء پر مخفی رہ گئی ہیں۔

مزید سنئے: امام ابو یوسف فرماتے ہیں، کہ میں نے ابو حنیفہ سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا جو فرض نماز میں رکوع سے سر اٹھاتا ہے تو کیا: ”اللهم اغفر لي“ کہے؟ انھوں نے کہا کہ ”ربنا لك الحمد.....“ کہے اور خاموش رہے اسی طرح مسجدوں کے درمیان بھی خاموش ہی رہے۔ (یعنی کوئی دعاء نہ پڑھے) ان کے اس قول کو امام محمد نے ”الجامع

چند متب پر ایک نظر

الصغیر“ میں ذکر کیا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی ”النافع الكبير شرح الجامع الصغیر (صفحہ: ۸۸) میں لکھتے ہیں:

”هنا مخالف لما جاء في الأخبار الصحاح من زيادة الأدعية في القومة وبين السجدة.....“۔

”یہ ان صحیح احادیث کے خلاف ہے جن میں قومہ میں مزید دعاؤں اور دو سجودوں کے درمیان دعاؤں کا ذکر ہے۔“

اس کے بعد انھوں نے بعض ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں ان دعاؤں کا ذکر ہے۔

صفحہ (۱۰۵) میں مذکورہ امام طحاوی کا کلام بھی دیکھیں۔

❖ تھانوی صاحب اپنے استاد گنگوہی صاحب کو ایک خط میں جامد مقلدین کے طرز عمل پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے

رقطر از ہیں: ”تقلید شخصی عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً و عملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید

سے گو کہ اس کے تمام عقائد موافق کتاب و سنت کے ہوں اس قدر بغض و نفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلوٰۃ، فساد و

فجارسے بھی نہیں رکھتے اور خواص کا عمل و فتویٰ وجوب اس کا مؤید ہے۔“

تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں:

”اور مفاسد کا ترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف

کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے تو ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب

میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو

بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر

نصرت مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر

عمل کر لیں۔“ (ملاحظہ ہو: تذکرۃ الرشید (۱/۱۳۱)۔

❖ مفتی محمد شفیع صاحب۔

تھانوی صاحب نے جو کچھ کہا اس کی طرف مفتی صاحب نے بالاختصار یوں اشارہ کیا ہے:

”تم اپنے فقہی مذہب میں حنفی رہو اس میں کوئی حرج نہیں مگر حدیث کو حنفی بنانے سے بچنا“ ان کا یہ

کلام (صفحہ: ۱۲۱) میں بحوالہ گزر چکا ہے۔ یعنی صحیح حدیث کی تاویل کر کے اس کو حنفی مذہب کے مطابق بنانے

کی کوشش مت کرو۔

❖ حنفی علماء کے اقوال ملاحظہ کر لینے کے بعد اب عبد الوہاب شعرانی شافعی کا قول بھی ملاحظہ کرتے جائیں وہ لکھتے ہیں:

”فإن قلت: فما أصنع بالأحاديث التي صحت بعد موت إمامي، ولم يأخذ بها؟“

فالجواب: الذي ينبغي لك أن تعمل بها، فإن إمامك لو ظفر بها، وصحت عنده لربما

كان أمرك بها فلان الأئمة كلهم أسرى في يد الشريعة۔ كما سيأتي بيانه في فصل تبريهم من الرأي۔ ومن فعل ذلك فقد جاز الخير بكلتا يديه، و من قال: لا أعمل بحديث إلا إن أخذ به إمامي فاته خير كثير، كما عليه كثير من المقلدين لأئمة المذاهب، وكان أولى لهم العمل بكل حديث صح بعد إمامهم تنفيذاً لوصية الأئمة، فإن اعتقادنا فيهم أنهم لو عاشوا، وظفروا بتلك الأحاديث التي صحت بعدهم، لأخذوا بها، وعملوا بما فيها، وتركوا كل قياس كانوا قاسوه، و كل قول كانوا قالوه“ (الميزان الكبرى للشعراني: ۲۶/۱)۔

”اگر تو یہ کہے کہ جو احادیث میرے امام کی موت کے بعد صحیح ثابت ہوئیں میں ان کے بارے میں کیا کروں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تیرے لائق یہ ہے کہ تو ان احادیث پر عمل کرے سوا اگر تیرا امام ان احادیث کو پاتا اور وہ اس کے نزدیک صحیح ہوتیں تو وہ تجھے ان پر عمل کرنے کا حکم دیتا کیونکہ تمام ائمہ شریعت کے اسی (قیدی) ہیں اور جس نے ان احادیث پر عمل کیا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے خیر کو جمع کر لیا اور جس نے یہ کہا کہ میں تو اس حدیث پر عمل کروں گا جس کو میرے امام نے لیا ہو تو وہ خیر کثیر سے محروم ہو گیا جیسا کہ اکثر مقلدین ائمہ مذاہب کا حال ہے حالانکہ ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ ائمہ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے ہر اس حدیث پر عمل کرتے جو ان کے امام کے بعد صحیح ثابت ہوئی۔ یقیناً ہمارا ان کے بارے میں اعتقاد یہ ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے اور وہ احادیث جو ان کی وفات کے بعد صحیح ثابت ہوئیں ان تک پہنچتیں تو یقیناً وہ ان کو قبول کرتے اور ان پر عمل کرتے اور اپنے ہر اس قیاس کو جو انھوں نے کیا اور ہر اس قول کو جو انھوں نے کہا ترک کر دیتے۔“

اسی طرح شعرانی نے لکھا ہے:

”اعتقادنا، و اعتقاد کل منصف في أبي حنيفة أنه لو عاش حتى دوت أحاديث الشريعة، و بعد رحيل الحفاظ في جمعها من البلاد، والثغور، وظفر بها، لأخذ بها، وترك كل قياس كان قاسه، و كان القياس قل في مذهبه كما قل في مذهب غيره بالنسبة إليه لكن لما كانت أدلة الشريعة مفرقة في عصره مع التابعين، و تابعي التابعين في المدائن، والقرى، والثغور كثر القياس في مذهبه بالنسبة إلى غيره من الأئمة ضرورة، لعدم وجود النص في تلك المسائل التي قاس فيها بخلاف غيره من الأئمة۔“ (الميزان الكبرى: ۲۲/۱)۔

مذکورہ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ شعرانی کہتے ہیں کہ ہمارا اور ہر انصاف پسند آدمی کا امام ابوحنیفہ کے بارے

میں اعتقاد یہ ہے کہ اگر ان کے زمانے میں احادیث کتابی شکل میں جمع ہو جاتیں تو وہ ان احادیث پر عمل کرتے اور اپنے ہر قیاس کو ترک کر دیتے اور دوسرے مذاہب کی طرح ان کے مذہب میں بھی قیاس کم پایا جاتا۔ شعرانی صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے کثرت قیاس کا سبب ان تک بہت سی احادیث کا نہ پہنچنا تھا لہذا یہ بات کیسے کہی جاسکتی ہے کہ امام صاحب نے جس حدیث پر عمل نہیں کیا وہ معلول ہے۔

شعرانی کے اس کلام کو مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی ”مقدمة النافع الكبير“ (صفحہ: ۴۵) میں نقل کیا ہے اور اس کے بعد انھوں نے نمبر (۲) میں گزرنے والا اپنا کلام کیا ہے اسی طرح اسی مقدمہ (صفحہ: ۲۲) میں لکھا ہے:

”واعلم أنه قد كثر النقل عن الإمام أبي حنيفة، وأصحابه، بل، وعن جميع الأئمة في الاهتداء إلى ترك آرائهم إذا وجد نص صحيح صريح مخالف لأقوالهم، كما ذكره الخطيب البغدادي والسيوطي في ”تبييض الصحيفة بمناقب الإمام أبي حنيفة“ و عبد الوهاب الشعراني في ”الميزان“ وغيرهم۔“

”معلوم ہونا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب بلکہ تمام ائمہ سے یہ کثرت سے منقول ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح اور صریح ان کے اقوال کے خلاف موجود ہو تو ان کے اقوال کو ترک کر دیا جائے جیسا کہ خطیب بغدادی، سیوطی نے ”تبیيض الصحيفة“ شعرانی نے ”ميزان“ میں اور دیگر علماء نے ذکر کیا ہے۔“ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفی فقہ بلکہ دیگر مذاہب کی فقہ کا بھی جن احادیث پر فتویٰ نہیں ان میں بھی صحیح احادیث موجود ہیں لہذا یہ کہنا کہ وہ احادیث معلول ہیں اپنے مذہب کے کبار علماء کے اقوال سے بے خبری کی دلیل ہے۔

آئیے اب آپ اپنی جن احادیث پر ناز کرتے ہیں ان کی حقیقت بھی اپنوں ہی کی زبان سے سنتے جائیے۔ ملا علی قاری قضائے عمری کے بارے میں ایک بے بنیاد روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”باطل قطعاً، لأنه مناقض للإجماع على أن شيئاً من العبادات لا يقوم مقام فائتة سنوات، ثم لا عبرة بنقل صاحب ”النهاية“ ولا بقية شراح ”الهداية“ فإنهم ليسوا من المحدثين، ولا أسندوا الحديث إلى أحد من المخرجين“ (الموضوعات، حدیث: ۵۱۹)۔

”یہ قطعاً باطل (روایت) ہے کیونکہ یہ اس اجماع کے خلاف ہے کہ عبادات میں سے کوئی عبادت بھی کئی برس کی فوت شدہ عبادت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔“

صاحب ”نہایہ“ اور باقی شارحین ”ہدایہ“ کا اس کو اپنی کتب میں ذکر کرنے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ محدثین میں سے نہ تھے اور نہ ہی انھوں نے اس حدیث کو حدیث کی تحریر کرنے والوں میں سے کسی ایک کی طرف

منسوب کیا ہے۔“

② مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

”فکم من کتاب معتمد اعتمد علیہ أجلة الفقهاء مملوء من الأحادیث الموضوعة ،

و لاسیما الفتاوی“ (مقدمة النافع الكبير (۳۱/۱)۔

”کتنی معتبر کتب ایسی ہیں جن پر جلیل القدر فقہاء نے اعتماد کیا ہے اور وہ موضوع احادیث سے بھری پڑی ہیں خصوصاً فتاویٰ۔“

اور ”الأجوبة الفاضلة“ (صفحہ: ۲۹-۳۰) میں لکھتے ہیں:

”..... ألا ترى إلى صاحب ”الهداية“ من أجلة الحنفية، و الرافعي شارح ”الوجيز“ من أجلة الشافعية۔ مع كونهما ممن يشار إليه بالأنامل، و يعتمد عليه الأماجد والأماثل۔ قد ذكرا في تصانيفهما ما لا يوجد له أثر عند خبير بالحديث يستفسر، كما لا يخفى على من طالع ”تخريج أحاديث الهداية“ للزيلعي، و ”تخريج أحاديث شرح الرافعي“ لابن حجر العسقلاني۔

و إذا كان حال هؤلاء الأجلة هذا، فما بالك بغيرهم من الفقهاء الذين يتساهلون في إيراد الأخبار، و لا يتعمقون في سند الآثار“

”صاحب ”ہدایہ“ کی طرف نہیں دیکھتے جو جلیل القدر حنفیہ میں سے ہیں اور رافعی شارح ”الوجیز“ کی طرف جو جلیل القدر شافعیہ میں سے ہیں باوجود اس کے کہ یہ دونوں ان لوگوں میں سے ہیں جن کی طرف اگلیوں سے اشارے کیے جاتے ہیں اور جن پر بڑے بڑے نامور علماء و فقہاء اعتماد کرتے ہیں۔

ان دونوں نے اپنی اپنی تصانیف میں ایسی احادیث ذکر کر دی ہیں کہ جن کا ماہر حدیث کے ہاں کوئی ذکر ہی نہیں ملتا۔ یعنی انھوں نے بے بنیاد احادیث ذکر کی ہیں۔ جیسا کہ یہ بات زیلعی کی ”تخريج أحاديث الهداية“ اور ابن حجر عسقلانی کی ”تخريج أحاديث شرح الرافعي“ کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہ ہوگی۔

جب ان جلیل القدر ہستیوں کا حال یہ ہے تو پھر ان فقہاء کا حال کیا ہوگا جو احادیث کے ذکر کرنے میں تساہل برتتے ہیں اور احادیث کی اُسانید کے بارے میں چھان بین سے کام نہیں لیتے۔“

اس قسم کے اقوال علامہ لکھنوی کی دیگر کتب میں بھی پائے جاتے ہیں نیز بعض دیگر حنفی علماء کی بھی اس قسم کی تصریحات ہیں جنھیں ”نتائج التقلید“ (صفحہ: ۱۴۳-۱۴۷) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

یہ ہے بڑی بڑی اور معتبر کتب فقہ کا حال کہ ان میں موضوع اور بے اصل روایات پائی جاتی ہیں دوسری فصل میں ان روایات کی چند مثالیں بھی آئیں گی۔

اداکاری صاحب کی ایک اور انوکھی بات جسے بہت زیادہ اچھلا گیا کہ آپ لوگ جس حدیث کو صحیح کہتے ہیں کیا اس حدیث کو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے صحیح کہا ہے؟ یہ بات اس لیے کہی گئی کہ آپ لوگ چونکہ اتباع کتاب و سنت کا دعویٰ کرتے ہیں اس لیے حدیث کی صحت کو بھی کتاب و سنت سے ثابت کریں۔

پہلی بات یہ ہے کہ محدثین نے حدیث کی چھان بین اور صحت کے لیے جو اصول و ضوابط وضع کیے ہیں وہ کتاب و سنت کے عام دلائل ہی کو سامنے رکھ کر وضع کئے ہیں جن کی تفصیل میں جانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی یہاں گنجائش ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جیسے آپ ہم سے سوال کرتے ہو اسی طرح ہم آپ سے بھی یہ سوال کر سکتے ہیں کہ آپ چونکہ امام صاحب کے مقلد ہو تو کیا آپ لوگ جس حدیث کو صحیح کہتے ہو تو وہ اس بناء پر کہ اس حدیث کو آپ کے امام نے صحیح کہا ہوتا ہے؟

ممکن ہے کہ جواب میں یہ کہہ دیا جائے کہ ہمارے امام کا کسی حدیث پر عمل اس کی صحت کی دلیل ہے یعنی امام صاحب نے اس پر اسی لیے عمل کیا کہ وہ ان کے نزدیک صحیح تھی۔

اب ہمارا سوال یہ ہے کیا آپ اپنے امام صاحب سے بسند صحیح یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ انھوں نے ان تمام احادیث پر عمل کیا اور ان کے مطابق فتویٰ دیا جن کو آپ لوگ صحیح کہتے ہو؟

دوسری بات وہ احادیث جن کے مطابق امام صاحب کا فتویٰ نہیں اور آپ کے علماء نے ان کو صحیح کہا ہے یا ان کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔[❧] تو انھوں نے ان کو کس بناء پر صحیح کہا ہے۔

نیز آپ کے شیخ ظفر احمد تھانوی کی کتاب ”قواعد فی علوم الحدیث“ میں جو قواعد ذکر کیے گئے ہیں کیا وہ بھی امام صاحب ہی سے ثابت ہیں اسی طرح آپ کی کتب اصول فقہ میں جو قواعد ہیں کیا ان کی بھی آپ کے پاس امام صاحب سے صحیح سندیں ہیں کہ ان قواعد کو انھوں نے ہی وضع کیا ہے اگر نہیں تو پھر آپ لوگ امام صاحب کے مقلد نہیں۔ بیٹو! تو جو را جزا کم اللہ خیراً۔

واضح رہے کہ ”قواعد فی علوم الحدیث“ کی تصنیف کا مقصد اپنے مذہب سے متعلق احادیث کی تصحیح اور مخالفین کی احادیث کی تضعیف ہے اسی لیے شیخ البانی نے کہا کہ کیا ہی بہتر ہو کہ اس کے عنوان کے آخر میں ”علیٰ

❧ اس سلسلے میں (صفحہ: ۱۲۳-۱۲۸) میں علماء حنفیہ کے مذکورہ اقوال ملاحظہ کریں۔

مذہب الحنفیہ“ کا اضافہ بھی کر دیا جائے تاکہ یہ عنوان اس کتاب کے مضمون اور حقیقت کے عین مطابق ہو۔^①
اسی لیے ایک صاحب نے جب اس کتاب کو پڑھا تو اس پر یہ لکھ دیا:

”حق هذا الكتاب أن يستمى ”مهازل في علوم الحديث“ فعلم الحديث في واد،
وهؤلاء العميان في واد۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔“^②

”یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کا نام ”مهازل في علوم الحديث“ رکھا جائے کیونکہ علوم حدیث
ایک وادی میں ہیں اور یہ اندھے لوگ دوسری وادی میں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔“

اس کتاب پر شیخ بدیع الدین رحمہ اللہ کا رد ہے جو شیخ صلاح الدین مقبول احمد کی تحقیق سے ”نقص قواعد في علوم الحديث“
کے نام سے پہلی بار ۲۰۰۳ء میں مؤسسہ غراس کویت سے شائع ہوا۔

اوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں: ”صلوة الرسول“ پر تحقیق کرنے والے کا فرض تھا کہ ثبوت، دلالت اور رفع تعارض تینوں
پر بحث کرتا مگر دلالت اور رفع تعارض کی بحث صرف فقہاء کا حصہ ہے اور فقہ سے یہ فرقہ محروم ہے اس لیے مولوی
عبدالرؤف صاحب نے صرف اس پر بحث کی کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی صحیح نہیں اس میں بھی اللہ، رسول سے
کوئی بات ثابت نہیں کی، شوافع کے اصولوں پر مدار رکھا ہے اور ثابت کر دکھایا کہ اس کتاب کی اکثر احادیث محدثین کے
ہاں بھی ضعیف ہیں۔“ (صفحہ: ۶)۔

یہ ہے اوکاڑوی صاحب کا کلام جس پر مختصر سا تبصرہ درج ذیل ہے:

۱۔ اوکاڑوی صاحب کا یہ کہنا کہ رفع تعارض کی بحث صرف فقہاء کا حصہ ہے انھوں نے سچ فرمایا مگر ان کے ہاں رفع
تعارض کا جو طریقہ ہے وہ بھی ملاحظہ کیجیے۔

① جو قرآن کی آیت یا حدیث ان کے ائمہ کے مذہب کے خلاف ہو اس کو منسوخ کہہ دیا جائے تعارض ختم، تفصیل
کے لیے اس کتاب کے (صفحہ: ۱۱۱) میں ابوالحسن کرخی کا مذکورہ کلام دیکھیں۔

② قرآن مجید کی دو آیات کا آپس میں ٹکراؤ پیدا کر کے دونوں کو ہی ناقابل استدلال ٹھہرا دیا جائے تعارض ختم مثال
کے لیے ملاحظہ ہو۔ ملا جیون کی کتاب ”نور الانوار“ (صفحہ: ۱۹۶-۱۹۷ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)۔

③ صحیح احادیث کو رد کر دیا جائے یا ان کی بے جا اور باطل قسم کی تاویلیں کردی جائیں بس تعارض ختم، ملاحظہ ہو اس
کتاب کے صفحات (۱۲۱، ۱۱۲، ۱۱۱) میں عز بن عبد السلام، محمود الحسن اور مفتی محمد شفیع کا مذکورہ کلام۔

④ ملاحظہ ہو: مقدمة شرح العقيدة الطحاوية (صفحہ: ۴۳)۔ المکتب الاسلامی)۔

⑤ مقدمة التحقيق لنقص ”قواعد في علوم الحديث“ (صفحہ: ۱۴)۔

⑥ مهازل: بھڑلہ کی جمع ہے جس کے معنی ہنسی ٹھٹھہ اور مذاق کے ہیں۔

ب۔ اوکاڑوی صاحب کا یہ کہنا کہ مولوی عبدالرؤف صاحب نے صرف اس پر بحث کی کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی صحیح نہیں ہے یہ سراسر خلاف حقیقت بات ہے قارئین ”صلوة الرسول ﷺ“ کی تخریج و تعلیق کا مطالعہ کریں جس سے ان پر اوکاڑوی صاحب کی کذب بیانی واضح ہو جائے گی۔

ج۔ ان کا یہ کہنا کہ شوافع کے اصولوں پر مدار رکھا ہے یہاں سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اصول تھے جن پر مدار ہونا چاہیے تھا موصوف کو یہ بھی تو بیان کرنا چاہیے تھا، جن اصولوں کو انھوں نے شوافع کے اصول کہا ہے وہ محدثین ہی کے اصول ہیں اور اس حقیقت کا اوکاڑوی صاحب کو بھی اعتراف ہے جیسا کہ ان کے مذکورہ کلام کے بعد والے کلام سے ظاہر ہے۔ ”اور یہ ثابت کر دکھایا کہ اس کتاب کی اکثر احادیث محدثین کے ہاں بھی ضعیف ہیں۔“ آئیے اب محدثین کے قواعد و اصول کی اہمیت اپنے علماء کی زبانی سنئے۔

① مولانا عبدالحی لکھتے ہیں: طحاوی، ابن ہمام بھی مذہب کی خاطر تاویلات کر جاتے ہیں اور صحت میں قواعد محدثین سے نکل جاتے ہیں۔ (فوائد بہیة، منقول از فتاویٰ اہل حدیث (۷/۱)۔)

② دیکھیے آپ کے شیخ محمد عوامہ جو کہ متعصب حنفی ہیں، لکھتے ہیں:

”لکن أقول۔ مُتَعَجِّلًا، و غیر مبالغ، و لا مسرف إن شاء الله۔ لو لا نصوص ابن القطان، و ابن دقیق العید، و ابن عبد الہادی فی ”نصب الراية“ لفقد الكتاب نصف أهميته، و قيمته العلمية۔

و جزى الله الحافظ الزيلعي خيراً، و مثوبة على ما أفاد في حفظ نصوص هذه الكتب النادرة الفذة“ (دراسة حدیثیة مقارنة: ۱۶۶)۔

”لیکن میں۔ بغیر کسی مبالغے اور اسراف کے إن شاء اللہ۔ کہتا ہوں کہ ”نصب الراية“ میں اگر ابن قطان، ابن دقیق اور ابن عبد الہادی کے نصوص (ان کے اقوال) نہ ہوتے تو یہ کتاب اپنی آدھی اہمیت اور علمی قیمت کھو بیٹھتی۔

اللہ حافظ زیلعی کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے ان نادر اور منفرد کتب کے نصوص کو محفوظ کر کے مستفید کیا۔“ ①

① علامہ زیلعی ابن قطان کی کتاب ”بیان الوهم والإيهام الواقعين في كتاب الأحكام“ ابن دقیق کی کتاب ”الإمام في معرفة أحاديث الأحكام“ اور ابن عبد الہادی کی کتاب ”تنقيح التحقيق في أحاديث التعليق“ سے نقل کرتے ہیں اور اب یہ تینوں کتابیں چھپ چکی ہیں مگر ”الإمام“ نامکمل ہے بلکہ مؤلف ہی اس کو مکمل نہیں کر سکے تھے۔

علامہ زیلعی ”نصب الراية“ میں احادیث کی اسانید کی تصحیح اور تضعیف کے بارے میں ابن قطان، ابن دقیق اور ابن عبدالحادی سے بہت نقل کرتے ہیں اور ان ائمہ نے احادیث کی تصحیح و تضعیف کے بارے میں جو کلام کیا ہے وہ محدثین کے اصول و قواعد ہی کی بناء پر کیا ہے۔

ابن قطان مسلک مالکی اور ابن عبدالحادی مسلک حنبلی ہیں، جب کہ ابن دقیق العید پہلے مالکی تھے پھر انھوں نے شافعی مذہب کو اختیار کر لیا مگر واضح رہے کہ یہ ائمہ اپنے مذہب کے بارے میں قطعاً متعصب نہ تھے۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصل اعتبار محدثین کے قواعد ہی کا ہے نہ کہ آپ کے قواعد کا جن کو احادیث کے رد کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

9۔ اوکاڑوی صاحب کا یہ کہنا کہ اس کتاب کی اکثر احادیث محدثین کے ہاں بھی ضعیف ہیں یہ سفید جھوٹ ہے قارئین کو اگر اس کا ثبوت درکار ہو تو وہ ”القول المقبول“ کا مطالعہ کر کے دیکھیں۔



❖ مفتی وصوفی بشیر احمد صاحب

یہ ہیں تو مفتی صاحب مگر ان کا حال بھی اوکاڑی صاحب سے کوئی زیادہ مختلف نہیں بلکہ ان سے بھی چند قدم آگے ہی ہیں اور ان کے مبلغ علم کا حال یہ ہے کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں مشہور عربی مقولہ ہے: ”إِذَا فَاتَكَ الْحَيَاءُ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ“ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۳۹)۔

مفتی صاحب یہ مشہور عربی مقولہ ہی نہیں بلکہ ”صحیح بخاری“ کی مشہور و معروف حدیث بھی ہے جس کے الفاظ کا ذکر اس رسالے کے مقدمے میں گزر چکا۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۷)۔

ان مفتی صاحب نے مولوی محمد یوسف صاحب کی کتاب کے دو مقدمے لکھے ہیں پہلے مقدمے میں کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کے بارے میں مختصر سی گفتگو کی ہے اس مقدمے کے بعد مؤلف کا پیش لفظ ہے اس کے بعد پھر مفتی صاحب کا ایک طویل مقدمہ ہے جس میں زیادہ تر بحث امام ابوحنیفہ کے فضائل و مناقب پر ہے۔

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ یہ مفتی صاحب بھی اوکاڑی صاحب سے زیادہ مختلف نہیں بلکہ زبان درازی میں ان سے بھی چند قدم آگے ہیں چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”..... اب دوسری طرف بے عقلوں، بد عقلوں، بیوقوفوں کا ایک مختصر گروہ ہے جو انسان ہونے اور کہلانے کے باوجود عقل والوں کے پیچھے لٹ لے کر بھاگا پھرتا ہے کہ ہم تمہاری دین کے معاملہ میں نہیں مانیں گے۔“
اور قرآن مجید کی رو سے وہ ﴿أُولَٰئِكَ كَمَا لَأَنعَامٌ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ ”وہ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں“ کیونکہ وہ حیوانوں کی طرح نہ تو ترقی کرتا ہی چاہتے ہیں اور نہ ہی ترقی کرنے والے حضرات کو ماننا چاہتے ہیں۔

ان کے نزدیک تو علماء و فقہاء و مجتہدین رحمہم اللہ کی تمام دینی کوششیں فضول اور بے کار ہیں اور کروڑ ہا قسم کی ہر فن میں مدون کی ہوئی کتب ان فاتحین بد بخت عیسائیوں کی طرح دریا برد اور زمین برد ❖ وغیرہ کر دینے

❖ تم ہو کون ہم تمہاری بات کو مانیں کیا ہم نے تمہارا کلمہ پڑھ رکھا ہے کہ تمہاری بات مانیں۔

بیچارے ہیں تو مفتی صاحب مگر باتیں مفتیوں جیسی نہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے۔

❖ مفتی صاحب صرف احادیث سے ہی نا آشاء نہیں بلکہ اردو کے محاورات کے بارے میں بھی بے خبر ہیں مفتی صاحب ”زمین برد“ نہیں بلکہ ”زمین دوز“ کہا جاتا ہے۔

کے لائق ہیں جنہوں نے اندلس کے دریائی پانی کو سیاہ اور فضاء کو کتب کے جلانے سے دھواں دار اور مکدر کر دیا تھا۔ ان میں اکثر کتب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اور فقہ حنفی کی بھی ہوں گی جیسا کہ بعض علماء کا قیاس کہتا ہے۔ اللہ اعلم۔“ (ص: ۳۵-۳۶)۔

یہ ہے حضرت مفتی صاحب کا کلام ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾۔ ہم مفتی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ یہ کس معتبر عالم نے کہا ہے کہ فقہاء و مجتہدین کی تمام دینی کوششیں فضول اور بے کار ہیں ہر فن کی کتب ضائع کر دینے کے لائق ہیں مفتی صاحب اس کا ثبوت چاہیے ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (البقرة: ۱۱۱)

مفتی صاحب ایسی بے بنیاد باتیں کرنا آپ کے شایان شان تو نہ تھا اپنے اس سفید جھوٹ اور الزام تراشی سے توبہ کریں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبر میں آپ کا منہ بھی قبلہ سے پھر جائے۔

مفتی صاحب اگر کچھ کلام ہوا ہے تو آپ کے بعض ان فقہاء کے بارے میں ہوا ہے جنہوں نے بڑے عجیب و غریب مسائل ذکر کیے ہیں یا آپ کی بعض ان کتب کے بارے میں ہوا ہے جن کے اندر ایسے ایسے مسائل ہیں کہ جنہیں ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے آئیے ہم آپ کو ایک دلچسپ واقعہ سناتے ہیں جس سے بخوبی یہ اندازا ہو جائے گا کہ آپ کے اکابر کی تحریریں آپ ہی کے مفتیان صاحبان کی نظر میں کیا ہیں۔

مولانا ابوزکی صاحب نے اپنی کتاب ”فقہی مسلک کی حقیقت“ میں ”مولانا عامر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرارت“ کے عنوان کے تحت ایک بڑا دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ لکھتے ہیں:

”اس حوالے سے آج سے قریباً نصف صدی پہلے کا ایک تاریخی واقعہ ہے جو انفس ناک بھی ہے اور عبرت انگیز بھی۔“

ان لوگوں کو کتاب ”صلوة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم“ پر بعض ادہام کی بناء پر کچھ اچھالنے کا تو بڑا شوق کو دا مگر ان کی اس مختصری کتاب ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ کا حال یہ ہے کہ اس میں دوسری اغلاط سے قطع نظر صفحات کے نمبروں میں بھی اغلاط پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ صفحہ (۳۲) کے بعد صفحہ نمبر (۳۵، ۳۳، ۳۴) کی بجائے (۳۵، ۳۶، ۳۷) اور صفحہ (۶۹) کی بجائے (۷۰) ہے اور صفحہ (۱۲۰) کے بعد چھ صفحات نمبروں سے خالی ہیں اور ان کے بعد صفحہ (۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳) ہے اور صفحہ (۱۲۳) پر کتاب ختم ہو جاتی ہے جب یہ بیچارے اس مختصری کتاب کے صفحات کو صحیح ترتیب نہیں دے سکے تو کتاب ”صلوة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم“ پر اعتراضات کرنے کے اہل کیسے ہو سکتے ہیں۔

قبلہ سے منہ پھر جانے کی آگے چل کر وضاحت آئے گی ملاحظہ ہو: (صفحہ ۱۸)۔

دیوبند قصبے میں مولانا عامر عثمانی مرحوم ^① ماہنامہ تجلی کے ایڈیٹر ہوا کرتے تھے وہ دارالعلوم دیوبند سے باقاعدہ فارغ التحصیل اور مستند عالم دین تھے لیکن کسی سبب سے وہ دیوبند مدرسے کے اس وقت کے بعض علماء سے بوجہ ناراض ہو گئے تھے ایک مرتبہ اچانک انھیں یہ ”شرارت“ سوچھی کہ انھوں نے بعض اکابر دیوبندی علماء کی کتب سے بعض قابل اعتراض تحریریں۔ جیسا کہ ہمارے بریلوی حضرات نے بھی دیوبندی علماء کی کتب سے کئی قابل اعتراض عبارتیں اپنی بعض کتابوں میں نقل کر دی ہیں۔ نکال لیں۔ پھر ان تحریروں کو ان کے لکھنے والوں کے نام ظاہر کیے بغیر دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں استفتاء کے طور پر ارسال کر دیا اور سوال کیا کہ جو شخص ان تحریروں اور ان عبارتوں میں درج عقائد و نظریات رکھتا ہو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جب یہ استفتاء اس وقت کے مفتی صاحب کے پاس آیا تو انھوں نے اس کے جواب میں یہ فتویٰ لکھا کہ جو شخص ایسے عقائد و نظریات رکھتا ہو جو ان عبارتوں میں ظاہر کیے گئے ہیں وہ گمراہ، ضال، مضل، بے دین، کافر اور ملحد ہے۔ اس کے بعد وہی تحریریں اور عبارتیں مولانا عامر عثمانی صاحب نے دیوبند اکابر علماء کے اصل ناموں اور ان کی اصل کتابوں کے حوالے کے ساتھ دوبارہ مفتی صاحب کے پاس بھیج دیں کہ یہ تو آپ کے اپنے اکابر کی تحریریں ہیں اور فلاں فلاں کتاب میں موجود ہیں تو اس پر وہ محترم مفتی صاحب بہت شیشٹائے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا کیونکہ یہ ساری رونداد مولانا عامر عثمانی صاحب نے اپنے ماہنامے ”تجلی“ میں شائع کر دی۔ جس کے نتیجے میں دارالعلوم کی بڑی سبکی ہوئی تھی۔“

(فقہی مسلك: صفحہ: ۱۷۳-۱۷۴)۔

مفتی صاحب آپ نے اپنی تحریر میں خود کو بڑا عقلمند ظاہر کیا ہے اور یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ آدمی اپنی ہی تحریر سے ضال، مضل، کافر اور ملحد ٹھہرے اگر آپ لوگوں کے ہاں عقل سلیم ہوتی تو صحیح عقیدے کو اپناتے اور سمجھتے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں لاکھڑا نہ کرتے۔

آئیے ایک سلیم فطرت اور سلیم عقل بدو کا واقعہ سنیں اور یہ واقعہ مدینہ منورہ میں دوران تعلیم ایک مغربی (مراکشی) دوست نے بیان کیا کہ مسجد نبوی میں مالکی مذہب سے تعلق رکھنے والے ایک عالم ”موطأ امام مالک“ کا درس دیا کرتے تھے چونکہ ”وہ موطأ“ کا درس دیتے تھے اس لیے ان کی زبان پہ بار بار یہ کلمہ آتا:

”قال مالك كذا، قال مالك كذا۔“

ہوا کیا کہ ایک روز ایک بدو دوران درس ہی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

”كل يوم عندك قال مالك، قال مالك، ما عندك قال رسول الله ﷺ۔“

① موصوف نے لفظ ”مرحوم“ استعمال کیا ہے مگر اس قسم کے الفاظ سے گریز کرنا چاہیے تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ: ۲۰ حاشیہ: ۱) دیکھیں۔

”ہر روز آپ کے پاس یہی ہے کہ مالک نے کہا مالک نے کہا کیا آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ نے کہا۔“
نہیں ہے۔“

یہ ہے عقل سلیم کا تقاضا، اور ہر مسلمان کا شیوہ بھی یہی ہونا چاہیے کہ اسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے فرمان سے محبت ہو اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو۔

آئیے اب اپنے بعض فقہاء کے عقل و فہم و فراست پر مبنی چند فتوے بھی سنتے جائیے۔

بعض اکابر فقہاء احناف نے شفاء کے لیے خون اور پیشاب سے قرآن مجید کو لکھنے کی اجازت دی ہے چنانچہ علامہ قاضی خان لکھتے ہیں:

”والذي رعى، فلا يرقأ دمه، فأراد أن يكتب بدمه على جبهته شيئاً من القرآن، قال أبو بكر الإسكاف - رحمه الله - يجوز، قيل: لو كتب بالبول؟ قال: لو كان فيه شفاء لا بأس به۔“ (فتاویٰ قاضی خان بر حاشیہ عالمگیری (۳/۴۰۴)۔

”جس کو نکسیر آئے اور وہ بند نہ ہو تو اس کے لیے اپنے خون سے اس کی پیشانی پر قرآن پاک کی کوئی آیت لکھی جائے تو اس کے بارے میں ابوبکر اسکاف رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ یہ جائز ہے ان سے پوچھا گیا اگر پیشاب سے لکھے تو انھوں نے فرمایا اس میں شفاء ہو تو پیشاب سے لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔“
یہی فتویٰ عالمگیری (۳۵۶/۵) اور در المختار (۲۱۰/۱) میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

علامہ الحموی رضی اللہ عنہ نے ”النوازل“ کے حوالہ سے بھی اسی طرح سورہ فاتحہ کو خون اور پیشاب سے لکھنے کے بارے میں ”لا بأس به“ کا قول نقل کیا ہے۔ (شرح الأشباہ (۱/۱۱۸) منقول از ”مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی رضی اللہ عنہ“ (صفحہ ۱۳۲)۔

یہ ہے ان کی فتاہت کا حال جس پر ان کو بہت ناز ہے خون ان کے نزدیک ناپاک ہے جس کے نکلنے سے ان کے ہاں وضوء تو ٹوٹ جاتا ہے مگر اس ناپاک چیز سے جب قرآن کو لکھا جائے تو اس سے قرآن پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ ہی اس کی حرمت پامال ہوتی ہے۔ إنا لله وإنا اليه راجعون۔

اور پیشاب جس سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے اور جس کے چھینٹوں سے اپنے جسم کو نہ بچانا عذاب قبر کا باعث ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے۔ مگر جب اس پیشاب سے قرآن کو لکھا جائے تو شفا حاصل ہو۔ فواجباً۔

⊕ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری (۲۱۸، ۲۱۹) کتاب الوضوء اور صحیح مسلم (۳/۲۰۰) کتاب الطہارۃ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اور ابن ماجہ (۳۳۸) الطہارۃ دارقطنی (۱/۱۲۸) اور مسند أحمد (۲/۲۸۸، ۳۸۹) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

کوئی آدمی مسلمان بھی یہ سننے کے لیے تیار نہ ہوگا کہ اس کی مقدس کتاب کو پیشاب سے لکھا جائے۔ مسلمانوں کو چھوڑیے آپ کسی غیر مسلم سے اس کی مقدس کتاب کے بارے میں اگر یہ بات کہیں تو وہ بھی اس کو بالکل برداشت نہیں کرے گا بلکہ آپ کے گلے پڑ جائے گا مگر ان مسلمان مفتیوں کو دیکھیں کہ شفا کے لیے پیشاب سے قرآن کو لکھنے کی اجازت مراحت فرما رہے ہیں۔

یہ وہ مسلم ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں چونکہ اللہ عزوجل کا خوف تھا اس لیے کئی مسائل میں انھوں نے اپنے حنفی مسلک کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں بھی انھوں نے مخالفت ہی کی ہے اور بڑے سخت الفاظ سے لکھتے ہیں:

”و لا يجوز أن يكتب شيء من القرآن بالدم، أو غيره من النجاسات، و من حکم بجوازہ أتى بما يرضى به الشيطان۔“ (التعليق الممجد: ۳/۳۸۲۔ تحقیق ڈاکٹر تقی الدین ندوی)

”قرآن میں سے کسی چیز کو بھی خون یا دیگر ناپاک چیزوں کے ساتھ لکھنا جائز نہیں اور جس نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اس نے ایسا کام کیا کہ جس سے شیطان خوش ہو۔“

۱۲ امام شافعی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے فضل بن ربیع نے کہا کہ میں آپ اور لؤلؤی رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرہ سننا چاہتا ہوں میں نے کہا کہ وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوں گے انھوں نے کہا کہ میری یہ بہت چاہت ہے میں نے کہا کہ ٹھیک جب چاہو تو انھوں نے ایک دعوت کا انتظام کیا جس میں مجھے اور لؤلؤی کو بھی بلا لیا جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی نے جو کہ میرے ساتھ تھا لؤلؤی سے سوال کیا کہ آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو بحالت نماز کسی پاکدامن عورت پر تہمت لگاتا ہے لؤلؤی نے جواب دیا کہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس نے کہا اس کے وضوء کا کیا حکم ہوگا تو انھوں نے کہا کہ وضوء اس کا باقی رہے گا۔

تو اس نے دوسرا سوال یہ کیا کہ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو جو نماز میں ہنس پڑے تو انھوں نے جواب دیا کہ اس کی نماز اور وضوء دونوں ہی باطل ہو گئے۔ اس پر اس آدمی نے کہا کہ کیا نماز کی حالت میں پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا نماز میں ہنسنے کی نسبت چھوٹا کام ہے، یہ سن کر لؤلؤی نے اپنا جوتا اٹھایا اور چلتے بنے۔

تفصیل کے لیے مولانا ارشاد الحق اثری کا رسالہ ”مسلك أحناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی“ دیکھا جائے۔ ان کا نام حسن بن زیاد، کنیت ابوعلی ہے اور یہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے ہیں۔ ان کے ترجمے کے لیے تاریخ بغداد (۳۱۳/۸۷) ملاحظہ کریں۔

حنفیہ ایک ضعیف روایت کی بناء پر کہتے ہیں کہ نماز میں ہنسنے یا تہقہہ لگا کر ہنسنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اس روایت کے بارے میں تفصیل کے لیے سنن دارقطنی (۱/۱۶۱، ۱۷۵) نصب الراية (۱/۸۳، ۸۴) اور تلخیص الحییر (۱/۱۱۵) دیکھیں۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ میں نے فضل سے کہا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔^①
کتاب فقہ حنفی میں ہے: [۳]

”و إذا ذبح ما لا يؤكل لحمه طهر جلده، و لحمه إلا الآدمي والخنزير“ ملاحظہ ہو مختصر
قلدوری (صفحہ: ۴۹۷) ہدایہ (۵۰۲/۹) اور کنز الدقائق (۶/۴۸۸- تبیین الحقائق) وغیرہ۔
یعنی حرام جانور کو (جیسا کہ کتاب ہے)، ذبح کر لینے سے اس کی جلد اور گوشت پاک ہو جاتا ہے ماسوائے
آدمی اور خنزیر کی جلد اور گوشت کے۔

اور زیلعی نے ”تبیین الحقائق“ (۶/۴۶۸) میں لکھا ہے:

”كما يطهر لحمه يطهر شحمه أيضاً۔“

”جیسے اس کا گوشت پاک ہو جاتا ہے ویسے اس کی چربی بھی پاک ہو جاتی ہے۔“

اس مہنگائی کے دور میں ممکن ہے کہ بعض لوگ اس فتوے سے فائدہ اٹھائیں۔

[۴] ابن نجیم نے ”البحر الرائق“ (۱/۴۹۵) میں لکھا ہے:

”و في عدة الفتاوى: الكعبة إذا رفعت عن مكانها لزيارة أصحاب الكرامة ففي

تلك الحالة جازت صلوٰۃ المتوجہین إلى أرضها۔“

”متعدد فتاویٰ میں ہے کہ خانہ کعبہ جب اپنی جگہ سے اصحاب کرامت کی زیارت کے لیے چلا جائے تو ایسی

حالت میں اس کی (خانہ کعبہ کی) زمین کی طرف (رخ کر کے) نماز پڑھنا جائز ہے۔“

اور ”البحر الرائق“ کے حوالے سے یہ بات ابن عابدین نے بھی ”رد المحتار علی در المختار“

(۴۳۲/۱) میں نقل کی ہے۔ اسی طرح ان کا ”البحر الرائق“ پر حاشیہ ”منحة الخالق“ (۱/۴۹۵) بھی دیکھیں۔

دیکھیے آپ کے فقہاء نے کیسی انہونی بات کر دی کیا آج تک کبھی ایسا ہوا کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والوں یا مسجد

حرام میں موجود لوگوں نے بیت اللہ کو غائب پایا ہو۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو قریش نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے

حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔ چنانچہ آپ اور آپ کے ساتھ صحابہ کو اس سال بغیر عمرہ کیے واپس لوٹنا پڑا۔^② مگر ایسا

① اس واقعہ کو ابن عدی (۲/۴۳۲) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ إرواء الغلیل (۲/۱۱۷) میں ہے۔

اس واقعہ کو لکھنوی صاحب نے بھی ”الفوائد البہیہ“ (صفحہ: ۶۱) میں لکھنے کے ترجمے میں ذکر کیا ہے۔

② تفصیل واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد، حدیث: (۲۷۳۱)۔

(۲۷۳۲) اور مسند أحمد (۴/۳۲۸-۳۳۱)۔

نہیں ہوا کہ بیت اللہ اور صفا و مروہ وہاں آگے ہوں تاکہ آپ اور آپ کے صحابہ عمرہ کر لیں۔
 کیا آپ لوگوں کے اصحاب کرامات، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے بھی بڑھ کر ہیں کہ ان کی زیارت کے لیے
 تو خانہ کعبہ چلا جائے مگر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو اپنی زیارت سے محروم رکھے۔
 [۵] تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

مسئلہ (۳) آدھے سے زیادہ بچہ نکل آیا لیکن ابھی پورا نہیں نکلا اس وقت جو خون آدھے وہ بھی نفاس ہے اگر
 آدھے سے کم نکلا تھا اس وقت خون آیا تو وہ استحاضہ ہے اگر ہوش و حواس باقی ہوں تو اس وقت بھی نماز پڑھے، نہیں تو
 گنہگار ہوگی۔ نہ ہو سکے تو اشارہ ہی سے پڑھے قضا نہ کرے۔ لیکن اگر نماز پڑھنے سے بچہ کے ضائع ہو جانے کا ڈر ہو تو
 نماز نہ پڑھے۔“ ملاحظہ ہو بہشتی زیور دوسرا حصہ نفاس کا بیان (صفحہ: ۷۳-۷۴) ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی۔
 تھانوی صاحب کے اس فتوے پر تبصرہ ہم قارئین کے لیے چھوڑتے ہیں اور انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔
 مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ کیونکہ وہ حیوانوں کی طرح نہ تو ترقی کرنا ہی چاہتے ہیں اور نہ ہی ترقی کرنے والے
 حضرات کو ماننا چاہتے ہیں۔

مفتی صاحب کی اس قسم کی باتیں دیکھ کر ہمیں بہت تعجب ہوا کہ مفتی صاحب اور اس قسم کی اخلاق سے گری ہوئی گفتگو
 مگر یہ تعجب اس وقت زائل ہو گیا کہ جب ان کے پہلے مقدمے پر نظر پڑی کیونکہ اس مقدمے کے شروع میں یہ لکھا ہوا ہے:
 ”مقدمہ از صوفی کامل مفتی بشیر احمد صاحب عطار“
 اور مقدمے کے اختتام پر یہ لکھا ہوا ہے: ”صوفی بشیر احمد صاحب عطار رب بھروسے عطر فروش مین بازار میاں
 جنوں“ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۷۸، ۷۹)۔

مفتی صاحب اجتہاد کے دروازے کے بند ہو جانے کا فتویٰ آپ لوگوں کا اور ترقی کرنے سے ہم روکتے ہیں:
 ”رمتنی بدائھا و انسلت“ الٹا چور کو تو وال کو ڈانٹے۔

بعض متعصبین کا کہنا ہے کہ ائمہ اربعہ پر اجتہاد مطلق ختم ہو گیا ہے اور حنفی مذاہب میں علامہ نسفی صاحب ”کنز“ پر
 اجتہاد ختم ہو چکا ہے۔

یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کا کوئی سر پیر نہیں اسی لیے علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بڑے سخت الفاظ سے رد کیا
 ہے فرماتے ہیں:

”وہذا غلط، و رجم بالغیب، فإن سئل من أين علمتم هذا؟ لا یقدرون علی ابداء
 دلیل أصلاً، ثم هو تحکم علی قدرة اللہ - تعالیٰ - فمن أين یحصل علم أن لا یوجد

إلى يوم القيامة أحد يتفضل الله عليه مقام الاجتهاد، فاجتنب عن مثل هذه التعصبات۔“ (مقدمة النافع الكبير: ۱۵۰)۔

”یہ غلط ہے اور بے تکی ہانکنا ہے اگر ان سے یہ سوال کیا جائے کہ تمہیں اس کا علم کیسے ہوا (اجتہاد کے دروازے کے بند ہو جانے کا) تو وہ اس پر قطعاً کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں ہٹ دھرمی ہے سو یہ علم کیسے ہوگا کہ تاقیامت کوئی ایسا شخص نہیں آئے گا کہ جس کو اللہ مقام اجتہاد سے نوازے۔ اس قسم کے تعصبات سے بچ کر رہ۔“ مفتی صاحب ترقی ہم نہیں کرنے دیتے جب کہ آپ کے اکابر علماء نے لڑکیوں کو کتابت سکھانے کی ممانعت کا فتویٰ دیا ہے اور طالبان حکومت کے دور میں لڑکیوں پر تعلیم کی پابندی کسی پر مخنی نہیں۔

آپ کے جن اکابر نے لڑکیوں کو کتابت سکھانے کی ممانعت کا فتویٰ دیا ہے ان میں ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مولانا ظلیل احمد سہارنپوری، علامہ عراق نعمان بن محمود آلوی اور مولانا وکیل احمد سکندر پوری ہیں۔

چونکہ ان کا یہ فتویٰ صحیح حدیث کے خلاف ہے اسی لیے مولانا عبدالحق لکھتے ہیں:

”در باب جواز کتابت برائے زنان حدیث شفاء شافعی و وافی است۔“

(مجموعہ الفتاویٰ (۳۸۱/۲) منقول از مسلك احناف (صفحہ: ۱۳۰-۱۳۱)۔

یعنی عورتوں کے لیے کتابت کے جواز کے بارے میں شفاءؒ کی حدیث شافی اور کافی دلیل ہے۔

جس حدیث شفاءؒ کی طرف مولانا لکھنوی نے اشارہ کیا ہے وہ اس طرح ہے۔ ان کے پاس پہلو کی پھنسیوں کے بارے میں ایک دم تھا جسے انھوں نے حصہؒ کو سکھایا تھا۔ بیان کرتی ہیں کہ ایک روز میں حصہ کے پاس تھی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے آپ نے فرمایا:

”ألا تعلمین هذه رقية النملة كما علمتها الكتابة۔“ ①

”اس کو (حصہ کو) پہلو کی پھنسیوں والا دم کیوں نہیں سکھاتی ہو جس طرح کہ تم نے اس کو لکھنا سکھایا ہے۔“

مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے اپنے مذکورہ کلام کے بعد شیخ عبدالحق اور ملا علی قاری کا رد کیا ہے اور شیخ عبدالحق نے جس حدیث کی بناء پر ممانعت کا فتویٰ دیا ہے اسے انھوں نے موضوع۔ من گھڑت۔ کہا ہے۔ ② اور تاریخی حوالوں سے بطور

① اس حدیث کو احمد (۳۷۲/۶) اور ابوداؤد (۳۸۸۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ

ہو: ”سلسلة الأحادیث الصحيحة: ۱۷۸)۔

② وہ حدیث یوں ہے: ”لا تنزلوهن الغرف، ولا تعلموهن الكتابة، وعلموهن المغزل و سورة النور“ (انھیں۔ عورتوں کو۔ بالا خانوں میں نہیں ٹھہراؤ اور نہ ہی انھیں لکھنا سکھاؤ اور انھیں سوت کا تار اور سورة النور سکھاؤ۔“

چند مقب پر ایک نظر

ثبوت ان مقدس خواتین کے نام پیش کیے ہیں جو تیسری صدی ہجری سے لے کر ملا علی قاری کی صدی ہجری تک لکھنے لکھانے کا کام کرتی تھیں اور علمی سوالات کے جوابات دیتی تھیں۔ ملاحظہ ہو حوالہ مذکور۔

مفتی صاحب ترقی میں رکاوٹ بننے کا الزام ہمیں نہ دیں بلکہ اس کا سبب آپ لوگوں کا مذہبی تعصب ہے جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف و انتشار کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے اسی تعصب ہی کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور اسی کی وجہ سے بعض غیر مسلم اسلام کو قبول کرنے سے رک گئے علامہ محمد سلطان معصومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے ”ہدیۃ السلطان الی مسلمی بلاد جاپان“ کے مقدمے میں ذکر کیا ہے کہ میرے پاس ٹوکیو اور جاپان کے مسلمانوں کی طرف سے سوال آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

دین اسلام کی حقیقت کیا ہے مذہب سے کیا مراد ہے؟ جو شخص دین اسلام سے مشرف ہونا چاہے کیا اس کے لیے مذہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کا التزام ضروری ہے کیونکہ یہاں بہت بڑا اختلاف ہوا ہے کہ چند روشن خیال جاپانیوں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے ٹوکیو میں جمعیۃ المسلمین کے سامنے اس رغبت کا اظہار کیا تو ہندوستان کی ایک جماعت نے کہا کہ انھیں امام ابوحنیفہ کا مذہب اختیار کرنا چاہیے کیونکہ وہ امت کے چراغ ہیں۔ اور جاوا انڈونیشیا کی ایک جماعت نے کہا کہ ان کے لیے شافعی بننا ضروری ہے۔

جب ان جاپانیوں نے ان کا یہ کلام سنا تو بہت زیادہ حیران رہ گئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ یہ اختلاف ان کے اسلام لانے میں آڑے آیا۔ **﴿إنا لله و إنا إليه راجعون﴾**

کیا خیال ہے کہ یہ جاپانی لوگ قیامت کے دن اللہ عزوجل کی عدالت میں ان خفیوں اور شافعیوں کے۔ جو ان کے قبول اسلام میں رکاوٹ بنے۔ خلاف دعویٰ دائر نہیں کریں گے اور یہ مجرم اللہ تعالیٰ کو وہاں کیا جواب دیں گے۔ یہ ہیں اندھی تقلید کی تباہ کاریاں جس نے امت محمدیہ کا شیرازہ بکھیر دیا۔

یہاں ایک حقیقت بھی ملاحظہ کرتے جائیں کہ آج سے تقریباً چودہ پندرہ سال پہلے کی بات ہے کہ ہمارے شارح کے شہر ”الذید“ میں ایک روز وہاں مدیر اوقاف **﴿﴾** کے دفتر میں ہم چند ساتھی بیٹھے ہوئے تھے تو اسلام کی دعوت کے

→ اس حدیث کو ابن حبان نے ”المجروحین“ (۳۰۲/۲) میں طبرانی نے ”المؤسط“ (۲۰۱۸/۱۵/۴) مجمع البحرین میں حاکم (۳۹۶/۲) بیہقی نے ”شعب الایمان“ (۲۲۲۷/۳۸۸/۵) میں اور خطیب بغدادی نے ”تاریخ بغداد“ (۲۲۳/۱۴) میں روایت کیا ہے۔

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ موضوع ہے اور یہ موضوع ہی ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سلسلۃ الأحادیث الضعیفة (جلد: ۵/ حدیث: ۲۰۱۷)۔

﴿﴾ ملاحظہ ہو: ”مقدمة صفة الصلاة“ للألبانی (ص ۶۷-۶۹)۔

﴿﴾ جو ۱۹۹۵ء میں وفات پا گئے۔ اللہم اغفر له وارحمہ۔

بارے میں بات ہوئی تو مدیر جو کہ شافعی مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے مذہب کے بارے میں متعصب بھی تھے کہنے لگے کہ اسلام کی دعوت سلفی طریق۔ مسلک اہل حدیث۔ سے ہی ہونی چاہیے۔

تقلید کی تباہ کاریوں کے سلسلے میں ایک واقعہ تو آپ نے ملاحظہ کر لیا آئیے چند مزید واقعات بھی ملاحظہ کیجیے۔

① تقلید کی وجہ سے مختلف مذاہب کے مقلدین کے درمیان اس قدر تعصب پیدا ہوا کہ ۶۶۳ء میں مصر میں ہر مذہب والوں کے لیے الگ الگ قاضی مقرر کیے گئے حنفیوں کے لیے حنفی قاضی، شافعیوں کے لیے شافعی قاضی، مالکیوں کے لیے مالکی قاضی اور حنبلیوں کے لیے حنبلی قاضی۔

اور یہ خلیفہ ابو العباس الحاکم بامر اللہ کے دور میں ہوا۔

ان کے بعد ان کے بیٹے خلیفہ ابو البرقع سلیمان بن حاکم المستکفی بامر اللہ کے دور میں ۷۰۴ء میں امیر بھرس جاشکیر منصور نے پھر از سر نو چار قاضی مقرر کیے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ الخلفاء للسيوطی (صفحہ: ۴۸۰، ۴۸۴۔ عربی) اور تاریخ التقلید (ص: ۱۳۰)۔

خیالہ الاکوان میں چاروں مذاہب کے قاضی قانونی طور پر مقرر ہونے کا واقعہ اس طرح سے مذکور ہے:

جب ابو حامد اسفرائینی نے خلیفہ قادر باللہ ابو العباس احمد کے دربار میں رسوخ حاصل کیا تو اس سے اقرار لیا کہ ابو محمد الکفانی حنفی جو بغداد کے قاضی ہیں ان کی جگہ ابو العباس احمد بن محمد بازاری شافعی کو قاضی مقرر کیا جائے۔

خلیفہ قادر باللہ نے ان کے کہنے سے ایسا ہی کیا پھر ابو حامد اسفرائینی نے سلطان محمود غزنوی کو لکھا کہ محکمہ قضاۃ خلیفہ نے چونکہ شافعیہ کے سپرد کر دیا ہے لہذا خلیفہ کی اقتداء میں تم بھی ایسا ہی کرو اس پر خراسان (حنفی ملک) میں بہت شور ہوا۔ اور ادھر بغداد کے لوگ بھی دو فریق ہو گئے (کیوں کہ ہارون الرشید کے عہد سے تا اس دم رئیس القضاۃ چلے آ رہے تھے) آخر فتنہ شدید پیا ہونے کے خطرہ سے خلیفہ کو معزول شدہ حنفی قاضی بنانا پڑا۔

اور (۵۶۴ھ) میں شافعی مذہب کا مصر میں بہت زور ہو گیا اور کچھ مالکی مذہب کا بھی ہوا جب سلطان نور الدین محمود عماد الدین زنگی کا تسلط ہوا جو متعصب حنفی تھا اس نے ملک شام میں حنفی مذہب کو خوب فروغ دیا اور اسی اثر کے تحت ملک مصر میں حنفی مذہب کی بھی خاصی شہرت اور ترویج ہو گئی پس انہی وجوہ کے ماتحت جب سلطان ظاہر بھرس بند قداری کا دور حکومت آیا تو اس نے مصر اور قاہرہ میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کے الگ الگ چار قاضی مقرر کر دیے پس (۶۶۵ھ) سے یہی دستور حکومت ہو گیا حتیٰ کہ تمام اسلامی ملکوں میں ان چاروں مذاہب کے سوا کوئی دوسرا فقہی مذہب اسلام پہچانا ہی نہیں جاتا تھا۔ (خیالہ الاکوان فی افتراق الامم والادیان، صفحہ: ۲۳۲۔ مطبوعہ مصر)۔

مؤرخ اسلام (اکبر شاہ) رقمطراز ہیں کہ (۶۶۵ھ) میں مصر کے بادشاہ ظاہر بھرس نے حنفی شافعی، مالکی، حنبلی چار

چند منتخب پر ایک نظر

قاضی مقرر کر کے چار فقہی مذاہب کو مخصوص و متعین کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باقی فقہی مذاہب کی شہرت و معرفت جاتی رہی۔ ^① ورنہ اس سے پہلے اور بھی متعدد فقہی مذاہب مشہور و مروج تھے۔ (قول حق، صفحہ: ۱۱۵) منقول از تاریخ التقلید (صفحہ: ۱۳۰-۱۳۱)۔

② بات صرف ہر مذہب والوں کے لیے الگ الگ قاضی مقرر کرنے تک ہی محدود نہ رہی بلکہ ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور حقارت نے اس قدر زور پکڑا کہ حج بیت اللہ کے لیے مختلف ممالک اور علاقوں سے آنے والوں کا آپس میں مل بیٹھنا اور ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنا امر محال ہو گیا چنانچہ (۸۰۱ھ) میں فرح بن برقوق چرکی نے جو کہ حنفی فرمانروا تھا۔ چاروں مذاہب کے لیے چار مصلے تعمیر کرواتے ہوئے چاروں مذاہب سے چار امام مقرر کر دیے۔

اور ہر مذہب والوں نے اپنے اپنے مذہب کی حقانیت پر دلائل دینے شروع کر دیے مثلاً حنفیوں نے کہا کہ ہمارا مصلی چونکہ بیت اللہ شریف کے دائیں جانب اور عین میزابِ رحمت ^③ (پر نالہ بیت اللہ) کے سامنے واقع ہے

④ مذاہب اربعہ کے علاوہ وہ ائمہ جن کے نام کے مذاہب تھے مگر بعد میں ختم ہو گئے ان میں امام لیث بن سعد، امام آوازعی، امام داؤد ظاہری، امام سفیان ثوری وغیرہم ہیں۔

⑤ واضح رہے کہ اس میزاب (پر نالے) کی فضیلت کسی معتبر حدیث سے قطعاً ثابت نہیں ہے اس کے بارے میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: ”صلوا فی المصلی الأخیار، واشربوا من شراب الأبرار.....“ اختیار کے مصلی میں نماز پڑھو اور نیک لوگوں کے پینے سے پیو۔“ جب ان سے اس کی وضاحت طلب کی گئی تو انھوں نے بتایا کہ اختیار کا مصلی میزاب کے نیچے ہے اور نیکوں کا پینا زمزم ہے۔

اس کو اُزرقی نے ”أخبار مکہ“ (۱/۳۱۸، ۲/۵۲-۵۳) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عبد اللہ خاظمی ہے جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد عطاء بن ابی رباح کا کہنا ہے کہ جس نے میزاب کعبہ کے نیچے کھڑے ہو کر دعاء کی تو اس کی دعا قبول ہوگی اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا گویا کہ آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے اس کو بھی اُزرقی ہی نے روایت کیا ہے ایک تو یہ عطا کا قول ہے دوسرا یہ سند ابھی قوی نہیں ہے۔

اسی طرح اُزرقی (۱/۳۱۹) نے محمد بن علی بن حسین باقر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میزاب کعبہ کے سامنے آتے تو یہ دعا پڑھتے: ”اللهم إني أسألك الراحة عند الموت والعفو عند الحساب“ مگر اس کی سند ضعیف ہے ایک تو یہ مرسل ہے نیز اس میں عثمان بن ساج ہے جو قابلِ حجت نہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب ”مثير العزم الساكن“ (۱/۳۷۹) میں باب ”ذكر الميزاب“ کے تحت اور تقی الدین ابوبکر جراحی نے ”تحفة الراکع والساجد“ (صفحہ: ۴۴) میں بھی مذکور روایات ہی کا ذکر کیا ہے۔

بنابریں ہمارا مذہب و مصلیٰ حق ہے۔

ہندوستانی مؤرخ (اکبر شاہ) رقمطراز ہے کہ:

”فرح بن برقوق چرکی نے (۸۰۱ھ) میں چار مصلے اور ہر مصلے کے لیے الگ الگ امام مقرر کر کے چار الگ الگ جماعتوں کا سلسلہ جاری کیا اس زمانہ کے (متدین) مسلمانوں اور ہر اسلامی ملک کے مسلم علماء (حقانی) نے اس کی سخت مخالفت کی مگر چونکہ حجاز (مقدس) اور مکہ معظمہ پر چرکسہ کی حکومت تھی۔ لہذا یہ بات رفتہ رفتہ سب کو گوارا ہو گئی۔“ (قول حق بصفحہ ۱۱۵)۔

آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان مصلوں والی بدعت کا خاتمہ امیر سعود رحمہ اللہ کے ہاتھوں کروا دیا چنانچہ انھوں نے ان کا صفایا کر کے مسلمانوں کو ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے پر متفق کر دیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”تاریخ التقلید“ (صفحہ: ۱۳۳-۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۷-۱۳۸)۔

۳) اندھی تقلید اور تعصب سے پیدا ہونے والے فتنے چاروں مذہب کے الگ الگ قاضی اور بیت اللہ میں چاروں مذاہب کے لیے چار مصلے مقرر کرنے تک ہی محدود نہ رہے بلکہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ علامہ رشید احمد رضا رقمطراز ہیں:

”و قد بلغ من إيذاء بعض المتعصبين لبعض في طرابلس الشام في آخر القرن الماضي أن ذهب بعض شيوخ الشافعية إلى المفتي - و هو رئيس العلماء - وقال له: أقسم المساجد بيننا، وبين الحنفية، فإن فلاناً من فقهاءهم يعدنا كأهل الذمة بما ذاغ في هذه الأيام من خلافهم في تزوج الرجل الحنفي بالمرأة الشافعية، و قول بعضهم: لا يصح لأنها تشك في إيمانها - يعني أن الشافعية، وغيرهم من الأشعرية يجوزون أن يقول المسلم: أنا مؤمن إن شاء الله - و قول آخرين بل يصح نكاحها قياساً على الذمّة“۔

(مقدمة المغنى لابن قدامه (۱/۱۸). مكتبة الرياض الحديثة، أيضاً تاريخ التقلید (ص: ۱۲۸)۔

→ خلاصہ کلام یہ ہے کہ میزاب کی فضیلت کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے۔ جرائع نے (صفحہ: ۴۵) میں ذکر کیا ہے کہ حسن بصری نے اپنے مشہور رسالے میں ذکر کیا ہے کہ مکہ میں پندرہ مقامات میں دعا قبول ہوتی ہے اس کے بعد جرائع نے ان مقامات کا ذکر کیا ہے اور ان میں ایک مقام ”تحت المیزاب“ (پر نالے کے نیچے) بھی ہے۔ امام حسن بصری نے یہ بات کس بناء پر کہی کیا ایسی کوئی حدیث ہے جس میں یہ ذکر ہو اگر کوئی حدیث ہے تو اس کی اسنادی حیثیت کیسی ہے؟

چند متب پر ایک نظر

”گزشتہ صدی کے آخر میں طرابلس شام میں متعصبین کی ایک دوسرے کو ایذا رسانی یہاں تک بڑھ گئی کہ شافعیہ کے بعض کبار علماء مفتی کے پاس گئے۔ جو کہ رئیس العلماء تھے۔ اور ان سے جا کر کہا کہ ہمارے اور حنفیہ کے درمیان مساجد تقسیم کر دیں کیونکہ ان کے فقہاء میں سے فلاں فقیہ ہمیں اہل ذمہ کی طرح تصور کرتے ہیں وہ یوں کہ ان دنوں ان کا (حنفی علماء کا) حنفی آدمی کی شافعی مسلک کی عورت سے نکاح کے بارے میں اختلاف شدت اختیار کر گیا ہے ان میں سے کچھ کا کہنا یہ ہے کہ شافعی مسلک کی عورت سے نکاح درست نہیں کیونکہ اسے اپنے ایمان میں شک ہوتا ہے یعنی شافعیہ اور ان کے علاوہ دیگر اشعری علماء ”أنا مؤمن إن شاء الله“ کہنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور کچھ کا کہنا ہے کہ اسے ذمی عورت پر قیاس کرتے ہوئے اس سے نکاح درست ہے۔“

② مذکورہ چند مثالیں تو مقلدین کی آپس میں عداوت، کدورت، بغض اور عناد کی تھیں اب دیکھیے کہ ان متعصبین نے عاملین بالسنة پر کیا کیا ظلم ڈھائے۔ شیخ رشید رضا ہی لکھتے ہیں:

”لا نزال نسمع بمنكرات قبيحة منه في أخرى، من ذلك أن بعض الحنفية من الأفغانيين سمع رجلاً يقرأ بفاتحة الكتاب، وهو بجانبه في الصف فضربه بمجموع يده على صدره ضربة وقع بها على ظهره فكد يَموت۔

و بلغني أن بعضهم كسر سبابة مصل لرفعه إياها في التشهد“ (مقدمة المغني ۱/۱۸)۔
”ہم وقتاً فوقتاً بڑی قبیح قسم کی خبریں سنتے رہتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ کسی افغانی حنفی نے ایک آدمی کو (امام کے پیچھے) سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا تو اس نے اس کے سینے پر مٹکا اس زور سے مارا کہ وہ اپنی پشت کے بل گر پڑا اور مرنے کے قریب ہو گیا۔

اور مجھے ایک یہ خبر بھی ملی ہے کہ کسی نے ایک نمازی کی شہادت کی انگلی کو تشہد میں اٹھانے کی وجہ سے توڑ دیا۔“
افغانستان اور شام ہی نہیں بلکہ خود ہندوستان کی تاریخ میں وہ کون سا ظلم و ستم ہے جو غریب اہل حدیثوں پر حنفی مجاہدین نے نہیں کیا۔

① جماعت میں کھڑا ہونے سے روک دیے گئے۔

② آمین کی آواز کو کتے سور کی آواز کہا گیا۔

③ کیا ایک مسلمان یوں کہہ سکتا ہے: ”أنا مؤمن إن شاء الله“ ”إن شاء الله میں مومن ہوں۔“ حنفیہ کے نزدیک ایسے کہنا جائز نہیں جب کہ شافعیہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

- ③ بلکہ آئین کی آوازن کر جماعت سے گھسیٹ کر نکالے گئے۔
 ④ شہادت کی انگلیاں شہید میں توڑیں گئیں۔
 ⑤ سینہ پر باندھے ہوئے ہاتھ زبردستی کھینچ کر نیچے کرنے کی کوششیں کی گئیں۔
 ⑥ مساجد میں کتبے اور بورڈ لکھوا کر لگائے گئے کہ یہ احناف کی مسجد ہے کسی غیر مقلد کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔

- ⑦ رفع یدین اور آئین بالجہر کی عام اجازت کی غرض سے مقدمہ نے اس قدر طول کھینچا کہ انگریزی حکومت کی آخری عدالت پر یوی کونسل لندن نے اعلان کیا کہ ہر مسجد میں قانوناً جائز ہے۔
 ⑧ دوالین یا ضالین اور التیات میں انگشت کا اشارہ کرنے پر لٹھ چل جانا، سر پھوٹ جانا اور چاقوؤں کا نکل آنا معمولی بات ہے۔ (قول حق: صفحہ: ۱۴۳، منقول از تاریخ التقلید، صفحہ: ۱۲۹)۔

آخر میں ابھی حکومت طالبان کے دور کا ایک واقعہ بھی سنتے چلیے یہ واقعہ مجھے بلوچستان سے تعلق رکھنے والے ایک عالم نے بیان کیا کہ حکومت طالبان کے دور میں ایک سلفی عالم نے سنت کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی جس پر کچھ لوگ سخت آگ بگولہ ہو گئے اور ان کے لیے ایک دن متعین کیا گیا کہ فلاں دن فلاں مقام پر حاضر ہو کر لوگوں کے سامنے اپنے سلفی مذہب سے بیزاری کا اعلان کرنا مگر انھوں نے بجائے بیزاری کے اعلان کرنے کے یہ کہا کہ میں سلفی تھا سلفی ہوں اور سلفی ہی رہوں گا چنانچہ انھیں اس بات پر سخت سزا کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ ہیں مفتی صاحب آپ لوگوں کی تقلید کے کارنامے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو اسلام سے خارج کیا گیا اور امت کے اندر انتشار و اختلاف پیدا ہوا۔

اب بتائیے آپ کی وہ بے اصل حدیث ”اختلاف اُمتی رحمة“ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔“ جسے آپ نے اپنے مقدمے میں دو دفعہ ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۴۴، ۴۶) کہاں گئی کیونکہ آپ لوگوں کا اختلاف تو رحمت کی بجائے زحمت بن گیا۔

دراصل بات یہ ہے کہ یہ حدیث جسے ہر مقلد طوطے کی طرح یاد کیے ہوئے ہے بے سند اور بے اصل ہے جن بعض علماء نے اس کو ذکر کیا ہے بلا سند ذکر کیا ہے حتیٰ کہ سیوطی جیسے وسیع النظر والمطالعہ آدی کو بھی اس کی سند نہیں ملی چنانچہ انھوں نے یہ کہہ دیا:

”لعله خُرج فی بعض کتب الحفاظ التي لم تصل إلینا“

(الفتح الكبير (حدیث: ۲۳۰، ضعیف الصغیر و زیادہ)۔)

”شاید اس حدیث کو ان حفاظ کی بعض کتب میں تخریج کیا گیا ہو جو ہم تک نہیں پہنچیں۔“

شیخ البانی سیوطی کے اس کلام کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اور یہ ان کے کلام کا ترجمہ ہے:

”میرے نزدیک یہ بعید بات ہے کیونکہ اس سے لازم یہ آتا ہے کہ اس امت سے رسول اللہ ﷺ کی بعض

احادیث ضائع ہو گئیں، اور مسلمان کے لیے ایسا اعتقاد رکھنا درست نہیں اور مناوی نے سبکی سے نقل کیا ہے:

”یہ حدیث محدثین کے ہاں معروف نہیں ہے مجھے اس کی کوئی صحیح، ضعیف اور نہ ہی موضوع سند ملی ہے۔“

شیخ البانی نے اس کے بارے میں خود یہ کہا ہے: ”اس کی کوئی اصل نہیں محدثین نے اس کی سند معلوم کرنے کے

لیے بہت زیادہ کوشش کی مگر انھیں اس کی سند مل نہ سکی۔“

نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث محققین علماء کے ہاں معنوی اعتبار سے بھی قابل انکار ہے۔ اس کے بعد

انھوں نے ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے یہ اشارہ کرنے کے بعد کہ یہ حدیث نہیں ہے کہا ہے کہ یہ سب سے

فاسد قول ہے کیونکہ اختلاف اگر رحمت ہو تو اتفاق زحمت ہو گا اور یہ بات کوئی مسلمان بھی نہیں کہے گا، کیونکہ یا تو اتفاق

ہے یا اختلاف، یا صرف رحمت ہے یا زحمت۔“ ملاحظہ ہو ”سلسلة الأحادیث الضعیفة“ حدیث: ۵۷۔

مفتی صاحب آپ لوگوں نے اس حدیث کی رٹ بھی لگائی اور ایک دوسرے کو نفرت اور بغض کی نگاہ سے بھی دیکھا

ایک دوسرے پر کفر کے فتوے بھی لگائے۔ مسجدیں الگ کیں، بیت اللہ میں الگ الگ مصلے بنوائے آپ لوگوں کا جب

آپس میں حال یہ ہے تو متبعین کتاب و سنت کے ساتھ آپ کا سلوک قابل تعجب نہیں۔

مفتی صاحب مگر اب حالات کافی تبدیل ہو چکے ہیں اور مزید تبدیل ہو رہے ہیں لوگ حقیقت کو سمجھنے لگ گئے ہیں

وہ اندھی تقلید، تعصب مذہبی اور جمود سے بالاتر ہو کر کتاب و سنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ روز بروز لوگ

مسلم اہل حدیث اختیار کر رہے ہیں۔

عوام الناس کو چھوڑ کر کئی دیوبندی علماء بھی اہل حدیث ہو چکے ہیں چند دن ہوئے ہمارے یہاں شارجہ میں رانا

شفیق صاحب پسروری کی آمد ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ پاکستان میں اب تک تقریباً چھتیس (۳۶) جید دیوبندی علماء اہل

حدیث ہو چکے ہیں۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ انھیں ثابت قدم رکھے اور انھیں کتاب و سنت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطاء

فرمائے آمین۔ مسلک اہل حدیث اختیار کرنے والے دیوبندی علماء میں سے چند علمائے کرام کے اُسمائے گرامی یہ ہیں:

۱ مولانا عبدالسلام رستی۔

۲ مولانا عبدالعزیز نورستانی۔

۳ مولانا صبغت اللہ شیرانی۔

۴ سید عتیق الرحمن کاشمیری۔

۵ مولانا غلام اللہ میلیسی۔

۶ مولانا عصمت اللہ ثاقب چتر وڑ گڑھی۔

۷ مولانا سیف اللہ چتر وڑ گڑھی۔

۸ مولانا عامر کلیم مظفر گڑھی۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ انھیں ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے اور زیادہ سے زیادہ خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔
آپ لوگ اب مسلک اہل حدیث کے پھیلنے سے ایسے ہی خائف ہیں جیسے اہل مغرب اسلام کے دن بدن پھیلنے سے خائف ہیں اور آپ کی اس پریشانی کا سوائے اس کے اور کوئی حل نہیں کہ آپ اندھی تقلید اور مذہبی تعصب سے آزاد ہو کر صحیح معنوں میں متبع کتاب و سنت بن جائیں ورنہ وہی ہوگا جیسے کسی کہنے والے نے کہا۔

مرض بدھتا گیا جوں جوں دوا کی

مفتی صاحب آپ کا یہ کہنا کہ ”بے عقلوں، بد عقلوں، بیوقوفوں کا ایک مختصر گروہ ہے“ تو کیا بریلویوں کے مقابلے میں آپ لوگ مختصر گروہ نہیں چنانچہ جب بریلویوں سے آپ کا تقابل کیا جائے تو آپ بھی بے عقلوں، بد عقلوں، بیوقوفوں کا مختصر گروہ ٹھہرتے ہیں اِلا یہ کہ آپ اپنے مولانا حسین احمد مدنی کی طرح کہہ دیں کہ ہم اور بریلویوں میں کوئی فرق نہیں آپ خواہ مخواہ ہمیں ان سے جدا سمجھ رہے ہیں۔^①

مفتی صاحب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کتاب و سنت اور اقوالِ سلف سے کوئی واسطہ ہی نہیں ورنہ آپ ایسی جہالت کی بات نہ کرتے اب کتاب و سنت اور بعض اقوالِ سلف ملاحظہ کریں۔

۱۔ کتاب:

① اللہ عزوجل اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

② قدرے تفصیل کے لیے اس کتاب کا صفحہ (۱۰۹) ملاحظہ کریں۔

③ واضح رہے کہ جمہور علماء کے نزدیک ”إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ“ بے شک اللہ فرماتا ہے، کہنا جائز ہے جیسا کہ ”إِنَّ اللَّهَ قَالَ“ بے شک اللہ نے فرمایا، کہنا جائز ہے۔

مگر مطرف بن عبد اللہ بن شعیبہ تابعی کا قول ہے کہ ”اللہ يقول“ اللہ فرماتا ہے، نہ کہا جائے۔

امام نووی ان کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”و هذا غلط، والصواب جوازہ، وقد قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاللّٰهُ يَقُولُ

الحق و هو یهدی السبیل﴾ (الاحزاب: ۴)۔ وقد تظاهرت الأحادیث الصحيحة باستعمال ذلك و قد →

﴿وإن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله﴾ (الانعام: ۱۱۶)۔
یعنی آپ اگر اکثریت کی بات کو مانیں گے تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔
ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ (العنکبوت: ۶۳)
یعنی اکثر لوگ بے عقل ہیں۔

مفتی صاحب اس آیت کی رو سے تو آپ لوگ بے عقل، بد عقل اور بے وقوف قرار پارہے ہیں اور کہہ ہمیں رہے ہو۔
خدا ﷻ ایسی سمجھ کسی کو نہ دے
دے موت مگر یہ بلا کسی کو نہ دے

ایک اور مقام پر فرمایا:
﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ﴾ (سبأ: ۱۳)۔
”میرے شکر گزار بندے کم ہیں۔“

۲۔ سنت:

حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ میں ہے:
”لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق۔“ (الحديث) ﷺ
”میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔“

→ أشرت إلى طرف منها في كتاب الأذكار.....“ (شرح مسلم: ۸۴/۷-۸۵) كتاب الزكاة “فضل النفقة على الأقربين والزوجة والأولاد۔“

”یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ ایسا کہنا جائز ہے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ﴿اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے﴾ اور بہت ساری صحیح احادیث میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے جن میں سے چند کی طرف میں نے ”كتاب لأذکار“ میں اشارہ کیا ہے۔
﴿لفظ ”خدا“ کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے اور اس کی بجائے لفظ ”اللہ“ استعمال کرنا چاہیے کیونکہ لفظ ”اللہ“ کے جو معنی ہیں وہ لفظ ”خدا“ میں نہیں پائے جاتے اس کی تفصیل کے لیے استاذی محترم حافظ ثناء اللہ صاحب مدنی رحمہ اللہ کا فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ (صفحہ: ۱۸۳-۱۹۰) دیکھا جائے۔

اس حدیث کو مسلم نے (۶۵/۱۳) کتاب ”الإمارة“ میں روایت کیا ہے۔
اور یہ حدیث مختلف الفاظ سے بخاری و مسلم وغیرہ میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اس کی مفصل تخریج میں نے دادا جان کے رسالے ”فرقہ ناجیہ“ میں کی ہے۔

امام حاکم نے موسیٰ بن ہارون سے روایت کیا ہے کہ احمد بن حنبل (امام احمد) سے اس حدیث کے معنی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ گروہ اگر اصحاب الحدیث نہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ وہ کون لوگ ہیں۔^❶ مزید تفصیل کے لیے داد اللہ کے رسالے ”فرقہ ناجیہ“ کا مطالعہ کیا جائے۔

۳۔ اقوال سلف:

ا۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”الجماعة ما وافق الحق وإن كنت وحدك“^❷

”جماعت وہ ہے جو حق کے موافق ہو اگرچہ تو اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ جماعت وہ ہے جس کے پاس حق ہے خواہ وہ ایک آدمی ہی کیوں نہ ہو۔

ب۔ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”الزم طرق الهدى، ولا يضرك قلة السالكين، وإياك وطرق الضلالة، ولا تغتر

بكثرة الهالكين۔“ (الاذکار للنووی (صفحہ: ۱۴۵، ۲۳۸-۲۳۹)۔

”ہدایت کے راستوں کو لازم پکڑو اور ان پر چلنے والوں کی قلت تمہیں نقصان نہ دے۔ اور گمراہی کے

راستوں سے دور رہو اور ہلاک ہونے والوں کی کثرت سے دھوکے میں نہیں آ جاؤ۔“

یعنی حق شناسی کے لیے کثرت کو معیار نہیں بناؤ کہ فلاں کام کو چونکہ لوگوں کی اکثریت کر رہی ہے۔ لہذا وہ درست

اور صحیح ہے اور فلاں کام کو کرنے والے چونکہ کم لوگ ہیں لہذا وہ صحیح نہیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تعداد میں کسی گروہ یا جماعت کا زیادہ ہونا اس کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ

اہل حق ہمیشہ قلیل تعداد میں ہی رہے ہیں اور قرآن مجید کے مطالعہ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ انبیاء اور رسل پر ایمان

لانے والے قلیل تعداد ہی میں رہے ہیں۔

مفتی صاحب نے وہ حدیث جس میں کھڑے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت ہے^❸ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

امام نووی رضی اللہ عنہ اس کے حاشیہ پر نقل کرتے ہیں:

❹ اس قول کو امام حاکم نے ”معرفة علوم الحديث“ (صفحہ: ۲) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر

نے ”فتح الباری“ (۲۹۳/۱۳) میں کہا ہے۔ صفحہ (۱۸۰) میں آنے والے ائمہ کے اقوال بھی دیکھیں۔

❺ ابن مسعود کے اس قول کو ابن عساکر نے ”تاریخ دمشق“ (۴۰۹/۴۶) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند بھی صحیح ہے جیسا کہ شیخ الألبانی نے ”تخریج المشكاة“ (۶/۱) میں کہا ہے۔

❻ یہ حدیث بخاری (۲۳۹) اور مسلم (۱۸۷/۳) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور اسی طرح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

”ترجمہ۔ داؤد بن علی ظاہری سے حکایت کی گئی ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ ”نہی“ (روکا جانا) صرف انسان کے پیشاب سے مخصوص ہے اور پاخانہ پیشاب کے حکم میں نہیں ہے اور اس طرح جب کوئی شخص برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دے یا پانی کے قریب پیشاب کر کے ^(۱) اور بہہ کر پانی میں چلا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب اجماع کے خلاف ہے اور جمود علی الظاہر (ظاہر روایت پر عمل) کی بدترین مثال ہے (انسان کی منی کو پاک ماننے والے پاخانہ اور پیشاب انسانی کا بھی مزہ چکھ لیں) (شرح مسلم، نووی: ۱/۱۳۸)، صفحہ ۷۷۳۔

اس کلام کے حوالے سے ہم مفتی صاحب سے چند باتیں کرنا چاہیں گے۔

① سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ مفتی صاحب کی الزام تراشی ہے یا کہ کم عقلی اور کم علمی ہے کہ ہمیں اہل ظاہر سمجھ رہے ہیں۔ ان لوگوں کا عجیب تناقض ہے کہ یہ صاحب تو ہمیں اہل ظاہر سمجھ رہے ہیں جب کہ مولوی امین اوکاڑی صاحب ہماری نسبت شوافع کی طرف کر رہے ہیں لکھتے ہیں کہ ”مولوی عبدالرؤف صاحب نے صرف اس پر بحث کی کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی صحیح نہیں اس میں بھی اللہ، رسول سے کوئی بات ثابت نہیں کی، شوافع کے اصولوں پر مدار رکھا ہے۔“ (صفحہ: ۶)۔

آپ پہلے اپنے گھر میں بیٹھ کر یہ فیصلہ تو کر لیں کہ ہمیں کیا کہنا ہے اگرچہ آپ ہم پر جھوٹ ہی بولیں کوئی بات نہیں لیکن بات تو ایک کریں۔

مفتی صاحب کی جہالت کی انتہاء دیکھیے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اہل ظاہر میں سے شمار کر رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، صفحہ: ۳۸)۔

یہ ہے مفتی صاحب کی معلومات کا حال۔ إنا لله و إنا إليه راجعون۔

مفتی صاحب جس چیز کے بارے میں علم نہ ہو اس کے بارے میں خاموشی بہتر ہوا کرتی ہے۔

شاید اس قسم کی چیزیں ان کو اپنے بڑوں سے درس میں ملی ہیں اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔

علاء الدین محمد بن محمد انجی البخاری (متوفی: ۸۴۱ھ) جو کہ سخت متعصب حنفی فقیہ تھے۔ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن

تیمیہ کو شیخ الاسلام کہنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگایا اور جن کے رد میں انہی کے معاصر ابن ناصر الدین دمشقی (متوفی

۸۴۲ھ) نے ”الرد الوافر علی من زعم ان من سمي ابن تیمیہ“ شیخ الاسلام“ کافر“ کے نام سے رسالہ تالیف

کیا۔

② مفتی صاحب کی عبارت ایسے ہی ہے شاید یہ طاعت کی غلطی ہو درست ”کرتے“ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کے بارے میں انھوں نے یہ کہا ہے:

”لا يجوز النظر في كتبه، وأنه رجل ظاهري۔“

”نووی کی کتابوں کا مطالعہ جائز نہیں اور وہ ظاہری ہیں۔“ ملاحظہ ہو ترجمہ علاء الدین لناشر ”الرد الوافر“ (صفحہ: ۲۱)۔

جب کہ امام نووی معروف شافعی ہیں شافعی مذہب میں ان کی کتب ہیں مثال کے طور پر ”المہذب“ جو شافعی فقہ کی معتبر کتاب ہے اس کی شرح ”المجموع“ انہی کی ہے۔

آئیے اب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مذہب ملاحظہ کریں۔ شیخ الاسلام کو عام طور پر حنبلی کہا جاتا ہے مگر وہ اپنے مذہب میں متعصب نہ تھے بلکہ جس قول کی دلیل قوی ہوتی اسی کو اختیار کرتے۔ علامہ ابن رجب تلمیذ شیخ الاسلام علامہ ذہبی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”إذا أفتى لم يلتزم بمذهب، بل يقوم بما دليل عنده“ (ذیل طبقات الحنابلہ: ۳/۳۸۹)۔

”یعنی فتویٰ میں کسی خاص مذہب کا التزام نہ کرتے بلکہ جس کی دلیل قوی ہوتی اسی کو اختیار کرتے۔“

اور اہل حدیث کا بھی یہی مذہب ہے کہ جس کی دلیل قوی ہے اسی قول کو اپنایا جائے خواہ وہ قول امام ابو حنیفہ کا ہو مالک، شافعی، احمد یا ان کے علاوہ دیگر ائمہ رحمہم میں سے کسی امام کا ہو۔ ہم رسول اللہ ﷺ۔ امام الانبیاء، سید المرسلین کے علاوہ کسی اور کے بارے میں تعصب سے کام نہیں لیتے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہر امام کی بات کو قبول بھی کیا جاسکتا ہے اور رد بھی کیا جاسکتا لیکن رسول اللہ ﷺ کی بات کو رد کرنا کھلم کھلی گمراہی، عذاب الیم کو دعوت دینا اور دخول جہنم کا ذریعہ ہے۔

❖ دوسری بات مفتی صاحب آپ کی معلومات کی اصلاح کے لیے ہم آپ کو یہ بھی بتاتے جائیں کہ آپ نے اہل ظاہر کے جس مذہب کو امام نووی کے حوالے سے ذکر کیا ہے وہ ہم اہل حدیث کا مذہب نہیں اس مسئلے کے بارے میں ہمارا مذہب وہی ہے جو جمہور علماء کا ہے اب چند ایک حوالہ جات ملاحظہ کر لیں:

۱۔ مجتہد عصر حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ قیاس کی تعریف اور اس کی بعض شروط ذکر کرنے کے بعد قیاس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں: مثلاً: حدیث میں کھڑے پانی میں پیشاب سے نہی (ممانعت) آئی ہے اور علت اس کی نجاست ہے تو اس علت کی وجہ سے پاخانہ بطریق اولیٰ منع ہوا۔“ (فتاویٰ اہل حدیث: صفحہ: ۸)۔

ب۔ شارح ”مشکوٰۃ“ شیخ الحدیث عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”والتغوط في الماء كالبول فيه، بل أقبح“ (المرعاة: ۲/۱۷۰)۔

”پانی میں پاخانہ کرنا اس میں پیشاب کرنے کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قبیح ہے۔“

ج۔ محدث محمد عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ حافظ ابن حجر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ولا (فرق) بین أن یبول فی الماء، أو یبول فی إناء ثم یصبه فیہ خلافاً للظاہریة“

(تحفة الأحوذی: ۱/۲۲۳)۔

”پانی میں پیشاب کرے یا کسی برتن میں پیشاب کر کے پھر پانی میں ڈال دے ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں بخلاف اہل ظاہر کے۔“

آخر میں اس مسئلے کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مذہب بیان کرتے جائیں تاکہ مفتی صاحب کی دروغ گوئی یا جہالت واضح ہو جائے۔

شیخ الاسلام یہ بیان کرنے کے بعد کہ پانی میں نجاست کے گر جانے سے اگر اس کے اندر تبدیلی واقع ہوگئی تو وہ بالاتفاق ناپاک ہوگا، لکھتے ہیں:

”و أما مالم یتغیر، ففیہ اقوال معروفة:

أحدها: لا ینجس، و هو قول أهل المدينة، و رواية المدنیین عن مالک، و کثیر من

أهل الحدیث، و إحدى الروایات عن أحمد۔“

”اگر وہ پانی تبدیل نہیں ہوتا تو اس میں معروف اقوال ہیں:

پہلا قول: وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا، یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور مالک سے مدنیوں کی روایت ہے اور اکثر اہل

حدیث کا بھی یہی قول ہے اور ایک روایت کے مطابق احمد کا بھی۔“

اس کے بعد چار دوسرے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”السادس: قول أهل الظاهر الذین ینجسون ما بال فیہ البائل دون ما ألقى فیہ البول۔“

”چھٹا قول: اہل ظاہر کا ہے جو اس پانی کو تو ناپاک کہتے ہیں جس میں پیشاب کیا جائے مگر جس میں پیشاب

کر کے ڈالا جائے اسے وہ ناپاک نہیں کہتے۔“

اس کے بعد انھوں نے جس قول کو ترجیح دی ہے وہ پہلا قول ہے جو اہل مدینہ، امام مالک، اکثر اہل حدیث اور بعض

روایات کے مطابق امام احمد بن حنبل کا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”والصواب: هو القول الأول۔“

”درست پہلا قول ہی ہے۔“ ملاحظہ ہو: (مجموع الفتاوی: ۳۰/۲۱، ۳۱، ۳۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ بھی ظاہری نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ ظاہری ہوتے تو اہل ظاہر کے مذہب کو درست کہتے۔

یہ چند سطور اشارے کے طور پر لکھی گئی ہیں کیونکہ اس وقت موضوع گفتگو اپنے یا شیخ الاسلام کے مذہب پر بحث کرنا نہیں ہے۔

❖ مفتی صاحب نے ”شرح مسلم“ کے حوالے سے پہلے بریکنوں میں جو یہ کہا ہے (انسان کی منی کو پاک بھی مزہ چکھ لیں) اس سے عام قاری تو یہی سمجھے گا کہ یہ امام نووی کا کلام ہے جو انھوں نے اہل ظاہر پر تنقید کے طور پر کیا ہے جب کہ یہ امام صاحب کا کلام نہیں بلکہ یہ موصوف مفتی صاحب کا کلام ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ یہ مفتی صاحب کا کلام ہے تو اس سے دو چیزوں میں سے ایک چیز لازم آتی ہے۔

پہلی یہ کہ اس مقام پر مفتی صاحب نے اپنا کلام ذکر کر کے قارئین کو دھوکہ اور مغالطہ دیا ہے کہ یہ نووی کا کلام ہے جب کہ نووی اس جیسا اخلاق سے گرا ہوا کلام کیسے کر سکتے ہیں۔

مفتی صاحب، اگر یہ کہیں کہ میرا قطعاً یہ مقصود نہیں تو پھر دوسری جو چیز لازم آئے گی وہ یہ کہ موصوف اس قدر سیدھے سادھے اور بھولے بھالے ہیں کہ انھیں یہ سلیقہ بھی نہیں کہ اس کلام کو کہاں ذکر کرنا چاہیے تھا۔

❖ مفتی صاحب کے اس کلام (انسان کی منی کو پاک ماننے والے) سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف مفتی کے درجہ پر تو فائز ہیں لیکن سنجیدگی اور وقار نام کی ان کے اندر کوئی چیز نہیں۔

مفتی صاحب اس قدر اخلاق سے گری ہوئی گفتگو کرتے ہوئے آپ کو ذرا بھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں آخر میں مفتی ہوں میرے اس کلام سے لوگ کیا تاثر لیں گے۔

محسوس یوں ہوتا ہے کہ یہ کلام کرتے وقت آپ نے نہ تو لوگوں سے عار محسوس کی اور نہ ہی آپ کو ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (ق: ۱۸) کا خوف رہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ۔

مفتی صاحب آپ سے کس عقلمند نے یہ کہا ہے کہ ہر پاک چیز کو کھایا بھی جاتا ہے کتنی ایسی پاک چیزیں ہیں جن کو کھایا نہیں جاتا مثلاً مٹی پاک ہے بلکہ طاہر و مطہر (پاک ہے اور پاک کرنے والی ہے) ہے اسی لیے اس سے تیمم کیا جاتا ہے اب کوئی بیوقوف آدمی ہی یہ بات کہے گا کہ جب مٹی طاہر و مطہر ہے تو آپ لوگ اسے مزے سے پھاگتے کیوں نہیں ہو۔

مفتی صاحب آپ کے حکیم الامت تھانوی صاحب نے ”بہشتی زیور“ (نواں حصہ، فضائل حیوانیہ کا بیان: صفحہ: ۱۱۷) مسئلہ (۲۱) میں لکھا ہے: ”چمکا ڈر کے پیشاب کو پاک کہا ہے کسی نے بوجہ عموم بلوی اور کسی نے اس وجہ سے کہ چمکا ڈر کو بھی حلال مانا ہے۔“

اور فتاویٰ عالمگیری (۲۹۰/۵-عربی) میں چمکا ڈر کے بارے میں لکھا ہے:

”أَمَّا الْخُفَاشُ فَقَدْ ذَكَرَ فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ أَنَّهُ يُوْكَلُ ، وَ فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ أَنَّهُ لَا

يُوْكَلِّ لَآئِنْ لَّهٗ نَابَا۔“

یعنی بعض مقامات پر چمگاڈر کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو کھایا جاسکتا ہے۔ اور بعض مقامات پر ہے کہ اسے کھایا نہ جائے کیونکہ اس کا دانت ہوتا ہے۔

اور آگے چل کر مسئلہ (۲۵) میں لکھا ہے: ”انسان کا پسینہ اور میل اور آنسو اور سنک (ریٹ) اور لعاب پاک ہے۔“ تو کیا آپ لوگ چمگاڈر کے پیشاب کو مزے لے لے کر پیتے ہیں اور انسان کے پسینہ اور ریٹ وغیرہ کو لذتیں لے لے کر چانتے ہیں اور جب چمگاڈر کا کھانا حلال ہے تو کیا آپ لوگ بڑے شوق سے اسے فرائی کر کے کھاتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس قسم کی مزید بہت سی باتیں کہی جاسکتی ہیں مگر مفتی صاحب کی طبیعت کو درست کرنے کے لیے یہ چند باتیں ہی کافی ہیں اس قسم کی باتیں ہمارے مزاج کے خلاف ہیں مگر ان کا ذکر اس لیے ہو گیا کہ مشہور مقولہ ہے: ”لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔“

اور یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ چمگاڈر کا پیشاب تو پاک ہے مگر انسان کی منی ناپاک ہے۔ ہمارے حنفی بھائی اہلحدیث پر کچھ اچھالنے کے لیے اس مسئلے کو بہت اچھالتے ہیں لہذا اس کے بارے میں تھوڑی سی وضاحت کر دینا مناسب ہے۔

کسی چیز پر نجاست کا حکم لگانا یہ ایک شرعی حکم ہے جس کے لیے شریعت کی واضح اور ٹھوس دلیل درکار ہوتی ہے جو کہ اس مسئلے میں مفقود ہے اسی لیے علماء کی اکثریت اس کی طہارت کی طرف گئی ہے۔

صحابہ میں سے علی بن ابی طالب، سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، رضی اللہ عنہم تابعین میں سے سعید بن المسیب اور عطاء بن ابی رباح اور ائمہ میں سے امام شافعی، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، داؤد، ابن المیزان اور محدثین اور صحیح و مشہور روایت کے مطابق امام احمد، رحمہ اللہ اس کی طہارت کی طرف گئے ہیں اور امام نووی نے شرح مسلم میں اس کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔

مفتی صاحب کیا آپ ان صحابہ، تابعین اور جلیل القدر ائمہ سے بھی یہ کہیں گے کہ چونکہ آپ انسان کی منی کو پاک ماننے والے ہیں لہذا پیشاب انسانی کا مزہ بھی چکھ لیں۔

مفتی صاحب جب آپ لوگوں کے نزدیک پیشاب سے قرآن کا لکھنا جائز ہے: (جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ (۱۳۸) میں ذکر ہوا) تو پھر پیشاب کے پی لینے اور اس کا مزہ چکھ لینے میں کوئی قباحیت ہے بلکہ سابق بھارتی وزیر اعظم مراد جی ڈی سائی کے نقش قدم پر چل کر آپ بھی پیشاب پی کر صحت و شفاء حاصل کریں۔

جو علماء اس کی طہارت کے قائل ہیں ان کے درج ذیل دلائل ہیں:

① اللہ عز وجل نے آدم کو پانی اور مٹی سے پیدا کیا جو دونوں ہی پاک چیزیں ہیں اور بنی آدم کی پیدائش کی ابتداء اچھلنے والے پانی (منی) سے کی اور آدم کی دو پاک چیزوں سے پیدائش کی ابتداء میں یہ دلیل ہے کہ ان کی اولاد کی پیدائش کی ابتداء پاک چیز سے ہو، ناپاک چیز سے نہیں۔“
یہ دلیل امام شافعی نے ”الائم“ (۱۲۳/۱) میں دی ہے۔ اور امام شافعی سے اسے بیہقی نے بھی ”معرفہ“ (۲۴۱/۱) میں ذکر کیا ہے۔

② عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک مہمان ٹھہرا صبح انھوں نے اسے اپنا کپڑا دھوتے ہوئے دیکھا تو فرمانے لگیں اگر منی لگی تم دیکھ رہے تھے تو اسی جگہ کو دھو دینا کافی تھا اگر دیکھ نہیں رہے تھے تو اس کے آس پاس پانی چھڑک دینا تھا اور میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھی تو آپ اسی کپڑے میں نماز پڑھتے۔“
اور ان کی دوسری حدیث میں ہے کہ اگر منی خشک ہوتی تو میں اپنے ناخن سے اسے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے کھرچ دیا کرتی تھی۔^①

منی کو پانی سے صاف کرنے یا دھونے کی بجائے صرف کھرچ دینے پر اکتفاء کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ منی ناپاک نہیں کیونکہ اگر ناپاک ہوتی تو اس کا دھونا ضروری ہوتا۔

③ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کپڑے کو اگر منی لگ جائے تو اسے لکڑی یا گھاس سے صاف کر دیا جائے:
”وإنما هو بمنزلة البصاق أو المخاط“ (بے شک وہ (منی) تھوک یا رینٹ کی طرح ہے۔“^②
امام ابن المذر (متوفی ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں:

”المني طاهر، ولا أعلم دلالة من كتاب، ولا سنة، ولا إجماع يوجب غسله“

(الأوسط: ۲/۱۶۰)۔

④ ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو۔ صحیح مسلم (۲۸۸، ۲۹۰)۔

⑤ اس کو امام شافعی (۱۲۵/۱) اور ان سے بیہقی نے ”معرفہ“ (۲۴۳، ۲۴۴/۲) اور ”سنن“ (۴۱۸/۲) میں عطاء کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس سند سے اس کو عبد الرزاق نے بھی (۳۶۷-۳۶۸) اور ان سے ابن المذر (۱۵۹/۲) نے قدرے مختلف سیاق سے روایت کیا ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے۔

دارقطنی (۱۲۳/۱) اور بیہقی نے ”سنن“ میں اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے مگر یہ مرفوعاً ان سے ثابت نہیں جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے۔

”منی پاک ہے کتاب و سنت اور نہ ہی اجماع امت سے کسی ایسی دلیل کو میں جانتا ہوں جس سے منی کو دھونے کا وجوب ثابت ہوتا ہو۔“

آئیے اب منی کی نجاست و عدم نجاست کے بارے میں علامہ علی بن علی بن ابی العزحفی کا کلام بھی سنتے جائیے وہ رقمطراز ہیں:

”و لم یثبت فی المنی عن رسول اللہ - ﷺ - شیء یدل علی نجاسته، فهو مما سکت

منی کو دھونا تو ثابت ہے جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑے کو کبھی دھویا بھی کرتی تھیں۔ جب کہ وہ خشک نہ ہوتی۔ جیسا کہ صحیح بخاری (۲۲۹، ۲۳۰) اور صحیح مسلم (۲۸۹) میں ہے مگر صرف دھونے سے اس کے دھونے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”و غسل عائشة للمنی من ثوبه أوفر كها إياه لا يدل على وجوب ذلك، فإن الثياب تغسل من الوسخ والمخاط والبصاق، والوجوب إنما يكون بأمره لاسيما، ولم يأمر هو المسلمين بغسل ثيابهم من ذلك، بل ولا نقل عنه أنه أمر عائشة بذلك، بل أقرها على ذلك، فدل على جوازه أوحسنه واستحبابه، وأما الوجوب فلا بدله من دليل“ (حقیقۃ الصیام: صفحہ ۴۳، ۴۴)۔

”عائشہ کا آپ ﷺ کی منی کو آپ کے کپڑے سے دھونا یا اسے کھرچنا اس سے اس کے دھونے یا کھرچنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کپڑے کو میل کچیل، ریٹ اور تھوک سے بھی دھویا جاتا ہے اور وجوب تو آپ ﷺ کے حکم سے ثابت ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو اس سے کپڑے کو دھونے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی آپ سے یہ منقول ہے کہ آپ نے عائشہ کو دھونے کا حکم دیا ہو بلکہ آپ نے ان کو اس پر (دھونے پر) برقرار رکھا جو دھونے کے جواز یا اس کے اچھا ہونے یا مستحب ہونے پر دلالت کرتا ہے رہا وجوب تو اس کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

تنبیہ= (صفحہ ۱۵۸) میں مذکور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابن الجارود نے بھی ”المنتقى“ (حدیث: ۱۳۵) میں روایت کیا ہے اور اس میں ”منی منی کو کھرچ دیا کرتی تھی“ کی بجائے یہ ہے ”کان رسول اللہ ﷺ يأمرنا بحتة“ ”رسول اللہ ہمیں اس کے کھرچنے کا حکم دیتے تھے۔“

مگر یہ روایت منکر ہے کیونکہ اس کی سند میں ابو حذیفہ موسیٰ بن مسعود ایک راوی ہے جو کسی الحفظ ہے۔

نیز جس سند سے یہ حدیث ”المنتقى“ میں ہے۔ اور وہ ہام بن حارث کی سند ہے۔ اسی سند سے اس کو مسلم (۲۸۸) ابوعوانہ (۲۰۶-۲۰۵/۱) ابوداؤد (۳۷۱-۳۷۲) ترمذی (۱۱۶-۱۱۷) نسائی (۱۵۶/۱) ابن ماجہ (۵۳۸، ۵۳۷) ابن خزیمہ (۲۸۸) بیہقی (۲/۴۱۷) احمد (۱۳۵، ۱۲۵، ۴۳/۶) شافعی نے ”الام“ (۱۲۵-۱۲۴/۱) میں طحاوی نے ”شرح معانی الآثار“ (۵۰، ۴۸/۱) میں اور ابن جوزی نے بھی تحقیق (۱۰۷/۱) میں روایت کیا ہے اور ان سب کے ہاں کھرچنے کا حکم نہیں بلکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھرچنے کا ذکر ہے۔ اسی طرح اس حدیث کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو دیگر اُسانید ہیں ان میں بھی اس کے کھرچنے ہی کا ذکر ہے اور وہ اُسانید مذکورہ کتب میں موجود ہیں اور ابن خزیمہ نے ان تمام اُسانید کو جمع کر دیا ہے۔

عنه، فكان عفواً، فإنّه مما يعم به البلوى، فلو كان نجساً لكان يجب على النبي - ﷺ - الأمر بإزالته كما أمر بالاستنجاء، وكما أمر الحائض بغسل دم الحيض من ثوبها، بل إصابة المني للناس أعظم من إصابة دم الحيض لثوب الحائض، فعلم أن إزالته غير واجبة، وكون عائشة - رضي الله عنها - كانت تغسله تارة من ثوب رسول الله - ﷺ - وتفركه تارة لا يقتضي تنجيسه، فإن الثوب يغسل من المخاط، والبصاق، والوسخ -

وقد ورد فهم هذا المعنى عن ابن عباس و سعد بن أبي وقاص - رضي الله عنهما - و غيرهما حيث قالوا: ”إنما هو بمنزلة المخاط والبصاق، أمطه عنك، ولو بإذخرة“ إلى آخر كلامه - التنبيه على مشكلات الهداية: (١/٤٣٤-٤٣٥) -

→ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابن جارود والی روایت منکر ہے اور اس کی نکارت یا شدوذ کی طرف حافظ ابن حجر نے بھی اشارہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تلخیص الحیبر (١/٣٣) -

ایک حدیث اس طرح سے ذکر کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”إذا وجدت المني رطباً فاغسله، وإذا وجدته يابساً فمخّيته“ (منی کو اگر تر پاؤ تو دھو دو اور اگر خشک پاؤ تو کھرچ دو۔“ مگر یہ حدیث بے اصل ہے علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: ”ان هذا الحديث لا يعرف، وإنما المنقول: أنها هي كانت تفعل ذلك، من غير أن يكون أمرها“ (التحقيق: ١/١٠٧) -

”یہ حدیث غیر معروف ہے جو منقول ہے وہ یہ کہ وہ - عائشہ - رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بغیر ایسا کرتی تھیں۔“ یعنی تر منی کو دھو دیتیں اور خشک کو کھرچ دیتیں -

ابن جوزی کے اس کلام کو حافظ زبیلی نے ”نصب الراية“ (١/٢٠٩) میں اور حافظ ابن حجر نے بھی ”تلخیص الحیبر“ (١/٣٣) میں ذکر کیا ہے -

منی کے دھونے کے حکم کے بارے میں ایک حدیث عمار رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ پیشاب، پاخانے، منی، خون اور قے سے اپنے کپڑے کو دھویا کرو۔“ اس کو ابویعلیٰ (١٦١١) بزار (حدیث: ٢٣٨ - کشف) طبرانی نے ”أوسط“ (١/٣٩٤-٣٩٨ - مجمع البحرین) میں، ابن عدی (٢/٥٢٥) دارقطنی (١/١٢٤) بیہقی نے ”معرفہ“ (٢/٢٣٥) میں اور ابن جوزی (١/١٠٩) نے روایت کیا ہے مگر یہ حدیث سخت ضعیف ہے بلکہ امام بیہقی نے ”سنن“ (١/١٣) میں اسے باطل کہا ہے - اس حدیث کے بارے میں تفصیل کے لیے ابن عدی، دارقطنی، بیہقی، ابن جوزی، ”مجمع الزوائد“ (١/٢٨٨) میں حافظ بیہقی ”نصب الراية“ (١/٢١١) میں حافظ زبیلی اور ”تلخیص الحیبر“ (١/٣٣) میں حافظ ابن حجر کا کلام دیکھیں -

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منی کے دھونے یا کھرچنے کا حکم کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے -

”رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی چیز ثابت نہیں ہے جو منی کے ناپاک ہونے پر دلالت کرے لہذا یہ ان امور میں سے ہے جن کے بارے میں آپ نے خاموشی اختیار کی ہے۔ چنانچہ (نجاست کے حکم سے) خالی ہے اور عموم بلوی امور میں سے ہے۔“

پس اگر یہ ناپاک ہوتی تو نبی ﷺ پر واجب تھا کہ آپ اس کے ازالہ کا حکم دیتے جیسا کہ آپ نے استنجاء کے بارے میں حکم دیا ہے اور حائضہ کو اپنے کپڑے سے خون دھونے کا حکم دیا ہے بلکہ منی کا لگ جانا حائضہ عورت کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جانے سے زیادہ ہے چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ منی کا ازالہ واجب نہیں۔ رہا عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو کبھی دھونا اور کبھی کھرچنا تو یہ اس کے ناپاک ہونے کا متقاضی نہیں کیونکہ کپڑے کو ریخت، تھوک اور میل کچیل سے بھی دھویا جاتا ہے۔

اور یہی مطلب و مفہوم ابن عباس، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی آیا ہے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ یہ ریخت اور تھوک کے مانند ہے لہذا اس کو اپنے سے دور کر لو اگرچہ گھاس کے ساتھ کھرچ کر ہی۔“ اس مسئلے کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کلام بھی ”مجموع الفتاوی“ (۲۱/۵۸۷-۶۰۷) میں اور ان کے رسالے ”حقیقة الصیام“ (صفحہ: ۴۱-۴۲) میں دیکھا جائے۔

نیز علامہ ابن قیم نے اس مسئلے کے بارے میں دو آدمیوں کے درمیان جس شاندار مناظرے کا ذکر کیا ہے اسے بھی ضرور دیکھا جائے۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب: ”بدائع الفوائد“ (ج: ۲/جزء: ۳، ص: ۱۱۹-۱۲۶)۔ شیخ ابن عثیمین نے ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی کا دو عالموں کے پاس سے گزر ہوا جو آپس میں مناظرہ کر رہے تھے اس نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں کا مسئلہ کیا ہے تو ایک نے جواب دیا کہ میں کوشش یہ کر رہا ہوں کہ اس کے اصل (یعنی منی) کو ظاہر ثابت کروں جب کہ اس کی کوشش ہے کہ یہ اپنے اصل کو ناپاک ثابت کرے۔ ملاحظہ ہو: الشرح الممتع: ۱/۴۵۴)۔

تنبیہ = علامہ شوکانی نے ”نبیل الأوطار“ (۱/۵۵) میں منی کی نجاست والے قول کو ترجیح دی ہے اور علامہ مبارکپوری نے ”تحفة الأحوذی“ (۱/۳۷۵) میں ان کے قول کو سراہا ہے۔ جب کہ علامہ شوکانی ”السبیل الحرار“ (۱/۳۴) میں اور ”الدُّرر البہیة“ (۱/۲۶) وما بعدها۔ الدراری المضیة (۱/۴۰-۴۱-۴۲) میں اس کی طہارت کی طرف گئے ہیں۔ واضح رہے کہ علامہ کی مذکورہ دونوں کتب ”نبیل الأوطار“ کے بعد کی ہیں۔

عموم بلوی امور سے مراد وہ امور ہیں جن کی آدمی کو عام طور پر ضرورت پیش آتی ہو۔

واضح رہے کہ یہ حکم تو منی کا ہے رہی مذی اور ودی تو یہ دونوں ہی نجس (ناپاک) ہیں امام نووی نے ”المجموع“ (۵۵۲/۲) میں ان کی نجاست پر اجماع نقل کیا ہے۔

اور مذی اس لیس دار پانی کو کہا جاتا ہے جو شہوت یا شہوت کے خیال کے وقت خارج ہو اور پیشاب سے قبل یا بعد گاڑھے سے پانی کے جو ایک یا دو قطرے نکلتے ہیں انہیں ودی کہا جاتا ہے۔

یہ ہے اس مسئلے کے بارے میں مختصر سا کلام، طالب تفصیل درج ذیل کتب کا مراجعہ کرے: الأمام للشافعی، الأوسط لابن المنذر، المغنی لابن قدامہ (۲/۴۹۷-۴۹۸) شرح مسلم (۳/۱۹۸) المجموع کلاهما للنووی (۲/۵۵۳-۵۵۴) فتح الباری (۱/۳۳۳) اور سبل السلام (۱/۵۲-۵۳)۔

مفتی صاحب نے اپنے مذکورہ کلام کے بعد ایک حکایت کا ذکر کیا ہے جو کہ درحقیقت ان کے اپنے گھر ہی کی ہے مگر اسے ایک اہل حدیث عالم کی طرف بھتاناً و زوراً منسوب کر دیا گیا ہے وہ حکایت یہ ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حکایت ہے کہ کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی تھی پھر ساس پر دل آ گیا تو ایک غیر مقلد عالم کے پاس گیا اور کہا مولوی صاحب کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ ساس سے نکاح ہو جائے۔ کہا ہاں، بتلا کیا دے گا؟ اس نے کچھ سو دو سو روپے دینا چاہے کہا کہ اتنے میں یہ فتویٰ نہیں لکھ سکتا، کچھ تو ہو۔ واقعی ایمان فروشی بھی کرے تو دینا کچھ تو ہو۔ غرض ہزار روپے پر معاملہ طے ہوا اور فتویٰ لکھا گیا وہ فتویٰ میں نے بھی دیکھا ہے اس میں لکھا تھا کہ ساس بے شک حرام ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ساس کسے کہتے ہیں۔ ساس کہتے ہیں منکوحہ کی ماں کو اور منکوحہ وہ ہے جس سے نکاح صحیح منعقد ہوا ہو اور اس شخص کی عورت چونکہ جاہل ہے اور جاہل عورتوں کی زبان سے اکثر کلمات کفریہ نکل جاتے ہیں اس لیے ضرور ہے کہ اس کے منہ سے بھی کلمہ کفریہ نکلا ہو گا اور نکاح کے وقت اس کو کلمے پڑھائے نہیں گئے اس لیے یہ مرتدہ ہے اور مرتدہ کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوتا لہذا یہ عورت منکوحہ نہیں ہے تو اس کی ماں بھی ساس نہیں ہے پس اس کی ماں کے ساتھ نکاح درست ہے رہا یہ کہ وہ منکوحہ کی ماں نہیں؟ تو ماں تو ہے جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت مصاہرت کا مسئلہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہادی مسئلہ ہے جو ہم پر حجت نہیں۔“ (أمثال عبرت، ص: ۲۵۱ تا ۲۵۲) (غیر مقلد: ۳۷-۳۸)۔

صد ہا افسوس ہے مفتی صاحب پر اور حکیم الامت صاحب پر بھی کہ دوسروں پر اعتراض کرنے کے لیے حکایتوں کا سہارا لے رہے ہیں جب کہ یہ حکایت اپنی زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ میں تو آپ کی اپنی ہی حکایت ہوں دوسرے کی طرف منسوب کر کے مجھ پر زیادتی نہیں کرو کیونکہ جن لوگوں کی طرف آپ مجھے منسوب کر رہے ہیں ان کے ہاں تو اس قسم کے حیلے سازیاں نہیں ہیں اس قسم کے کرتب اور حیلے سازیاں تو آپ لوگوں کا ہی حصہ ہیں۔

چند متب پر ایک نظر

مفتی صاحب قبل اس کے کہ ہم آپ لوگوں کے حیلوں کی بعض مثالیں ذکر کریں جن سے یہ عیاں ہو کہ اس قسم کی حیلے سازیاں آپ لوگوں کا ہی کام ہے۔ اس حکایت کے حوالے سے چند باتیں کرنا چاہتے ہیں جو یہ ہیں:

❶ شریعت میں بے ثبوت بات کہنے کی ممانعت ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيلٌ وَقَالَ، وَإِضَاعَةُ الْمَالِ، وَكَثْرَةُ السُّؤَالِ“ ❷

”تین چیزوں کو اللہ نے تمہارے لیے ناپسند کیا ہے۔ کہا گیا، اس نے کہا۔ یعنی بے ثبوت باتیں کرنا۔ مال کو ضائع کرنا اور زیادہ سوال کرنا۔“

ایک دوسری حدیث میں ہے:

”كُفِيَ بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يَحْدِثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ“ ❸

”آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کر دے۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آدمی وہ بات کہے جس کی صحت کے بارے میں اسے علم ہو اور بغیر ثبوت بات کہنا مذموم ہے اور تھانوی صاحب کی حکایت اسی زمرے میں آتی ہے۔

❷ یہ فتویٰ واقعتاً اگر کسی اہل حدیث عالم سے صادر ہوا ہوتا تو مقلدین اس کو بہت اچھا لیتے اسے محفوظ کر کے رکھتے وہ عالم کس شہر یا بستی کے تھے ان کا نام کیا تھا اور یہ فتویٰ کس سن میں صادر ہوا ان سب چیزوں کو محفوظ کر کے رکھتے کیونکہ یہ ان کے لیے اہل حدیث کے خلاف بہت بڑا ہتھیار تھا مگر ان سب چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا بھی نہ ہونا اس حکایت کے باطل اور جھوٹ ہونے کی دلیل ہے۔

ممکن ہے کہ یہ فتویٰ یا حکایت ان کی خود ساختہ ہو اور بدنام کرنے کے لیے اسے ہماری طرف منسوب کر دیا ہو کیونکہ دوسروں کی طرف غلط فتوے منسوب کرنے سے ان کے بڑوں نے بھی گریز نہیں کیا چنانچہ نحسی نے امام بخاری کی طرف ایک بے بنیاد فتویٰ منسوب کر دیا وہ یہ کہ ان کے نزدیک بکری کا دودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے چنانچہ

❸ اس حدیث کو بخاری (۱۳۷۷) کتاب الازکاة، باب (۵۳) اور مسلم (۱۲/۱۱-۱۳) کتاب الأقضية، میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

واضح رہے کہ زیادہ سوال کرنے سے مراد لا یعنی اور بے فائدہ قسم کے سوالات ہیں جیسا کہ قوم موسیٰ علیہ السلام نے گائے کے بارے میں کیے مگر وہ سوال جو علم اور فائدے کے لیے ہو وہ اس میں داخل نہیں۔

❹ اس حدیث کو مسلم (۷/۱) وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کے مرسل اور موصول ہونے میں اختلاف ہے امام حاکم اور نووی نے موصول کو ترجیح دی ہے نیز اس کے بعض شواہد بھی ہیں ملاحظہ ہو: ”مقدمة القول المقبول“ صفحہ: ۲۶۔

انھیں ان کے اس فتوے کی وجہ سے بخارا سے نکال دیا گیا۔ چنانچہ امام سرخی لکھتے ہیں:

”ولو أَرْضَع الصبيان من بهيمة لم يكن ذلك رضاعاً، و كان بمنزلة طعام أكل من إناء واحد، و محمد بن إسماعيل صاحب ”الأخبار“ - رحمه الله تعالى - يقول: يثبت به حرمة الرضاع، فإنه دخل بخارى فى زمن الشيخ الإمام أبى حفص - رحمه الله تعالى - و جعل يفتي فقال له الشيخ - رحمه الله تعالى - لا تفعل فلست هناك، فأبى أن يقبل نصحه حتى استفتي عن هذه المسألة إذا أَرْضَع صبيان بلبن شاة فأفتى بثبوت الحرمة، فاجتمعوا، و أخرجوه من بخارى بسبب هذه الفتوى“ (المبسوط للسرخسى (۱۳۹/۵-۱۴۰)۔

اسی طرح ملاحظہ ہو: فتح القدیر و شرح العنایة: (۳/۲۵۶-۲۵۷)۔

یہ ایک ایسا بے بنیاد فتویٰ ہے جو امام بخاری کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیا امام بخاری جیسا مجتہد ایسا فتویٰ دے گا۔^{۱۵} اور امام بخاری کے مجتہد مطلق ہونے کی صراحت یا ان کے مجتہد ہونے کا اعتراف حنفی علماء نے بھی کیا ہے چنانچہ علامہ شامی، شیخ نور الحق، اور شیخ الاسلام وغیرہ نے ان کے مجتہد مطلق ہونے کی صراحت کی ہے جیسا کہ شیخ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری نے ”سیرۃ الامام البخاری“ کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ صاحب ”الفيض“، ”نور شاہ کشمیری“ نے کہا ہے کہ بخاری مجتہد تھے اس میں کوئی شک نہیں اور جو یہ مشہور ہے کہ وہ شافعی تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے مشہور مسائل میں شافعی کی موافقت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشیہ سیرۃ الامام البخاری (صفحہ ۱۲۴)۔

مؤرخین نے امام بخاری کے بخارا سے نکلنے کا جو سبب بیان کیا ہے وہ یہ کہ امیر بخارا خالد بن احمد ذہلی نے ان سے

۱۵ اسی لیے مولانا عبدالحی ککھڑی کے نزدیک اس حکایت کا صحیح ہونا بعید ہے چنانچہ وہ ”الفوائد البہیة“ (صفحہ: ۱۸-۱۹) میں رقمطراز ہیں: ”و هي حكاية مشهورة في كتب أصحابنا ذكرها أيضاً - صاحب ”العناية“ وغیره من شراح ”الهدایة“ لكنی أستبعد وقوعها بالنسبة إلى جلاله قدر البخاري، و دقة فهمه، و سعة نظره، و غور فكره مما لا يخفى على من انتفع بصحيحه، و على تقدير صحتها فالبشر يخطئ“۔

یعنی یہ حکایت ہمارے احناف کی کتابوں میں مشہور ہے، صاحب ”عنایہ“ اور ”ہدایہ“ کے دیگر شارحین نے بھی اس کو ذکر کیا ہے مگر بخاری کی قدر و منزلت، وقت فہم، وسعت نظر اور ان کی فکری گہرائی کی بناء پر میں اس حکایت کی صحت کو بعید سمجھتا ہوں اگر اس کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔“

قلت: اس کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں یہ حکایت باطل ہی ہے۔

طلب کیا کہ آپ میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ سے آپ کی صحیح بخاری اور تاریخ کبیر سنوں۔
امام بخاری نے کہا میں علم کو ذلیل کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی اسے سلاطین کے درباروں میں لے جانا چاہتا ہوں اگر آپ کو ضرورت ہے تو میرے پاس آ جایا کرے۔

یہ تھا ان کا بخارا سے نکالے جانے کا سبب نہ کہ ^① ان کی طرف جو جھوٹا فتویٰ منسوب کیا گیا ہے وہ سبب تھا۔
دور نہیں جائیے بلکہ تھانوی صاحب ہی کی مسلک اہل حدیث پر الزام تراشیاں ملاحظہ کیجیے، موصوف رقمطراز ہیں:
”ہمارا نزاع غیر مقلدوں سے فقط بوجہ اختلاف فروع و جزئیات کے نہیں ہے اگر یہ وجہ ہوتی تو حنفیہ شافعیہ کی کبھی نہ بنتی، لڑائی دنگہ رہا کرتا، حالانکہ ہمیشہ سے صلح و اتحاد رہا ہے۔“ ^② بلکہ نزاع ان لوگوں سے اصول میں ہو گیا ہے کیونکہ:

① یہ لوگ سلف صالحین خصوصاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو طعن و تشنیع کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

② چار نکاح سے زیادہ کو جائز رکھتے ہیں۔

③ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دربارہ تراویح کے بدعتی بتلاتے ہیں۔

④ مقلدوں کو مشرک سمجھ کر مقابلہ میں اپنا لقب موحد رکھتے ہیں۔

⑤ تقلید ائمہ کو مثل رسم جاہلان عرب کے کہتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے: ”وجدنا علیہ آباءنا“۔

⑥ معاذ اللہ استغفر اللہ خدا تعالیٰ کو عرش پر بیٹھا ہوا مانتے ہیں۔

⑦ فقہ کی کتابوں کو اسباب گمراہی سمجھتے ہیں۔

⑧ فقہاء کو مخالف سنت ٹھہراتے ہیں۔

⑨ ہمیشہ جو یائے فساد رہتے ہیں۔

⑩ علیٰ هذا القیاس بہت سے عقائد باطلہ رکھتے ہیں کہ تفصیل اس کی طویل ہے اور محتاج بیان نہیں بہت بندگان

خدا پر ظاہر ہے خاص کر جو صاحب ان کی تصنیفات کو ملاحظہ فرمادیں ان پر یہ امر اظہر من الشمس ہو جاوے گا۔

⑪ تفصیل واقعہ کے لیے ملاحظہ کریں۔ تاریخ بغداد (۳۳/۲-۳۴) سیر أعلام النبلا: (۴۶۴/۱۲-۴۶۵) اور ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری (صفحہ: ۴۹۳)۔

⑫ تھانوی صاحب کی یہ پہلی بات ہی تاریخی اعتبار سے غلط ہے تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ: ۱۴۴) و ما بعدھا) دیکھیں، نیز (صفحہ: ۱۸۳) میں ان لوگوں نے امام شافعی کے بارے میں جو کہا ہے وہ بھی دیکھیں۔ جب تھانوی صاحب کی یہ پہلی بات ہی غلط ہے اور تاریخ اس کی تکذیب کرتی ہے تو اس سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی بعد والی باتوں میں کس حد تک صداقت ہوگی۔ نیز (صفحہ: ۱۲۱) میں مذکور صاحب ”در مختار“ کا کلام بھی دیکھیں۔

۱۱..... پھر اس پر عادت ان کی تھی ہے۔

۱۲..... موقع پر چھپ جاتے ہیں۔

۱۳..... اکثر باتوں سے مکر جاتے ہیں اور منکر ہو جاتے ہیں۔

۱۴..... پس بوجہ مذکورہ ان سے احتیاط سب امور دینی و دنیوی میں بہتر معلوم ہوتی ہے، ”محرم الحرام ۱۳۰۱ھ امداد الفتاویٰ (۵۱۳/۱) منقول از نتائج التقلید (صفحہ: ۲۰۵)۔

یہ ہیں تھانوی صاحب کی مسلک الحمدیث پر بھتان بازیاں اور الزام تراشیاں اور ان سے مقصود اہل حدیث سے لوگوں کو متفر کرنا تھا مگر اب وہ زمانہ بیت چکا۔

تھانوی صاحب کی ان الزام تراشیوں کی کیا حقیقت ہے اس کے بارے میں تفصیل کی گنجائش نہیں صرف اتنا کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ سبحانک هذا بهتان عظیم۔ واللہ حسبیہ یوم القیامۃ إن شاء اللہ۔

جو تھانوی صاحب اس قسم کی بے بنیاد باتیں کہہ سکتے ہیں تو وہ اہل حدیث کی طرف یہ من گھڑت حکایت بھی منسوب کر سکتے ہیں یہاں تو تھانوی صاحب نے اس قدر الزام تراشیاں کیں مگر اپنے پیرومرشد گنگوہی صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ”تقلید شخصی عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً و عملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے گو کہ اس کے تمام عقائد موافق کتاب و سنت ہوں اس قدر بغض و نفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلوٰۃ، فساق و فجار سے بھی نہیں رکھتے۔ ان کا یہ کلام اس رسالے کے صفحہ (۱۲۶) میں گزر چکا ہے۔ تارک تقلید کون ہیں وہ اہل حدیث ہی ہیں لہذا تھانوی صاحب اپنی ہی بات کی زد میں آ گئے۔

۱۵ مفتی صاحب آپ نے لکھا ہے کہ ”وہ فتویٰ میں نے بھی دیکھا ہے“ مفتی صاحب وہ فتویٰ آپ نے نیند میں دیکھا ہے یا کہ حالت بیداری میں؟

اگر حالت بیداری میں دیکھا ہے تو کیا کسی اہل حدیث عالم کی کتاب میں دیکھا ہے اگر کتاب میں دیکھا ہے تو اس کتاب کا نام بتائیے۔ اگر اس کو الگ سے چھپا ہوا دیکھا ہے تو اس کی ایک کاپی ہمیں بھی بھجوادیں تاکہ ہم اس کے بارے میں جانچ پڑتال کر سکیں، مفتی صاحب بے بنیاد باتیں کرنے سے خاموشی اچھی ہے۔

”من کان یؤمن باللہ، والیوم الآخر، فلیقل خیراً أو لیصمت“

”جس کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔“

۱۶ اس کتاب کے صفحہ (۱۳۹) میں جو ذکر ہوا وہ ملاحظہ کریں۔

۱۷ اس کو بخاری (۶۰۱۸، ۶۰۱۹) اور مسلم (۴۷، ۴۸) نے ابو ہریرہ اور ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

تھانوی صاحب نے بہشتی زیور (حصہ: ۱۰/ص: ۸۰۲، مسئلہ: ۵) میں کتنی اچھی بات کہی ہے: ”سنی ہوئی بات کا اعتبار مت کر لیا کرو۔“

بات تو بہت اچھی کہی لیکن اس پر عمل نہیں کیا۔

۴ کہتے ہیں کہ جھوٹ کے اندر کوئی نہ کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جس سے اس کا جھوٹ ہونا ظاہر ہو جاتا ہے پہلی بات یہ ہے کہ اس حکایت کے انداز سے ہی پتہ چلتا ہے کہ یہ سراسر باطل ہے اور اس کے آخر میں جو یہ کہا گیا ہے ”ماں تو ہے جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت مصاہرت کا مسئلہ ابوحنیفہ کا اجتہادی مسئلہ ہے جو ہم پر حجت نہیں۔“

قارئین اس کلام میں جو تضاد ہے اسے دیکھیے پہلے یہ کہا جا رہا ہے: ”ماں تو ہے جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے“ اور بعد میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ”حرمت مصاہرت کا مسئلہ ابوحنیفہ کا اجتہادی مسئلہ ہے۔“

جب یہ امام صاحب کا اجتہادی مسئلہ ہے تو پہلے یہ کیسے کہہ دیا کہ حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کوئی اہل حدیث عالم ایسی بات کہہ سکتا ہے اور نہ ہی ایسا فتویٰ دے سکتا ہے کیونکہ حرمت مصاہرت والا مسئلہ امام صاحب کا اجتہادی نہیں۔ ۵ بلکہ قرآن کی نص سے ثابت ہے فرمایا:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ..... وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِكُمْ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ.....﴾ (النساء: ۲۳)۔

﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے حرمت مصاہرت کا ہی ذکر کیا ہے۔

چنانچہ کسی اہل حدیث عالم میں یہ جرأت نہیں کہ وہ دیدہ دانستہ کتاب وسنت کی مخالفت کرے یہ کام تو آپ لوگوں کا ہے۔ مفتی صاحب نکاح سے قبل کلمے پڑھانے پر کیا دلیل ہے کیا امام صاحب نے ایسا کہا ہے اگر آپ لوگ کلمے اس لیے پڑھاتے ہو کہ عورتوں سے کفریہ کلمات نکل جاتے ہیں تو کیا نکاح کے وقت پڑھائے گئے کلمے نکاح کے بعد صادر ہونے والے کفریہ کلمات کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں اگر کفارہ بن جاتے ہیں تو پھر آپ ایک سوال کا جواب دیں، وہ یہ کہ ایک آدمی مسلمان ہوا اس نے کلمہ پڑھا اور کچھ دنوں بعد اس نے کفریہ کلمات کہہ دیے تو کیا اس کا اسلام باقی رہا یا جاتا رہا ظاہر ہے کہ کوئی عالم یہ نہیں کہے گا کہ اس کا اسلام باقی رہا۔ اب ہم آپ سے اس آدمی اور عورت کے کفریہ کلمات میں فرق جاننا چاہتے ہیں۔

مفتی صاحب آپ کی عورتوں میں بہت ساری جاہل عورتیں ہیں لہذا اپنے نکاحوں کی فکر کریں۔

۶ ممکن ہے کہ ان لوگوں کے خیال میں یہ امام صاحب کا اجتہادی مسئلہ ہی ہو۔

آئیے اب آپ کے حیلوں کی چند مثالیں ذکر کرتے ہیں تاکہ قارئین کو پتہ چلے کہ ان حیلوں اور اس حکایت میں کس قدر مماثلت پائی جاتی ہے۔

① مولانا رشید گنگوہی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک واعظ صاحب یہاں۔ گنگوہ۔ تشریف لائے بڑے زور شور سے وعظ فرماتے رہے ان کے اہل و عیال بھی ان کے ہمراہ تھے ایک روز اپنی بیوی کو طلاق دے بیٹھے اور اس زور سے کہ دور تک آواز پہنچی لیکن اس کے بعد علیحدگی نہیں کی اور ساتھ رہتے رہے ایک دن میرے پاس بھی آئے میں نے پوچھا کہ طلاق دینے کے بعد جواز کی صورت آپ نے کیا اختیار کی۔ واعظ صاحب بولے میں نے تلاق (ت) سے دی ہے طلاق (ط) سے نہیں دی مجھے غصہ آ گیا میں نے کہا کہ اگر اخیر میں (خ) بھی ملا دی جائے تو کیا مفتی تمہارے موافق فیصلہ دے سکتا ہے یہ سن کر وہ حضرت گنگوہ ہی سے چلے گئے۔

(مذکرۃ الرشید: ۲/۲۹۱)۔

یہ ہے آپ کے واعظ صاحب کا حیلہ، شاید وہ کچھ باغیرت ہوں گے اس لیے حلالے والی صورت اختیار نہیں کی، ممکن ہے کہ ان کے گنگوہ سے جانے کی وجہ یہ ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بات زیادہ پھیل جائے تو پھر مجبوراً حلالہ کی صورت کو اختیار کرنا پڑے یا پھر بیوی سے ہاتھ صاف کرنے پڑیں۔

② اب چونکہ حلالہ کی بات چل نکلی اس لیے دوسری مثال حلالہ ہی کی لیجیے۔

تھانوی صاحب نے جو حکایت ذکر کی اگر اس کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو وہ تو ایک عالم کا اپنا ذاتی فتویٰ ہوگا مگر نکاح حلالہ والا حیلہ یہ تو آپ لوگوں کا ایک مذہبی فتویٰ ہے خصوصاً اس دور کے تو بہت سے مفتی فوراً حلالہ ہی کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں جب کہ حلالہ ایک ملعون فعل ہے۔

ہمارا اس وقت موضوع مسئلہ حلالہ پر بحث نہیں کہ اس کے ملعون و حرام ہونے پر دلائل ذکر کیے جائیں لہذا آپ کے حنفی فقہ سے تعلق رکھنے والے چند علماء کے اقوال ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

۱۔ مولانا محفوظ الرحمن قاسمی فاضل دیوبند حلالہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”اس سے متعدد ذریعیاں رونما ہوتی ہیں اگر طلاق دینے والا حنفی مسلک رکھتا ہے اور اسی پر قائم رہنا چاہتا ہے تو لا محالہ تحلیل کی شکل اختیار کرتا ہے۔ شرط باندھ کر دوسرے سے نکاح کرتا ہے کہ تم کل طلاق دے دینا اس طرح وہ شریعت کے نزدیک مجرم ٹھہرتا ہے“ آگے چل کر لکھتے ہیں:

”اب آپ غور کر کے دیکھیے کہ ہمارے معاشرہ میں کون سی شکل رائج ہے بالکل معصۃ النساء کی طرح مشروط نکاح کیا جاتا ہے اور اگلے دن نکاح کرنے والے سے طلاق لے لی جاتی ہے اس شکل میں بعض ایسے

شرمناک اور حیا سوز قصے سننے میں آتے ہیں کہ کسی طرح شریعت کا مزاج اس کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، جب ہی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا ایسے لوگوں کو میں سنگسار کر دوں گا۔ بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کرنے والا طلاق ہی نہیں دیتا تو اس طرح اس قضیے میں نزاع و فساد کا ایک دوسرا قضیہ کھڑا ہو جاتا ہے۔“ (مجموعہ مقالات علمیہ در بارہ ایک مجلس کی تین طلاق: صفحہ ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴)۔

ب۔ غالباً ۱۹۷۸ کی بات ہے سرگودھا میں معروف دیوبندی عالم مولانا عبدالستار تونسوی شیعیت کے خلاف دورہ کروا رہے تھے جب متعہ کی بحث شروع ہوئی تو ہمارے ایک ساتھی مولانا عبدالستار بھٹی نے سوال کیا مولانا: متعہ اور حلالہ میں کیا فرق ہے؟
تونسوی صاحب نے جواب ارشاد فرمایا: ”دونوں بے غیرتی ہیں“ حلالہ کی شرعی حیثیت از رانا محمد شفیق خان پروری، صفحہ ۱۴)۔

ج۔ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے پیر کرم شاہ بھیری از ہری اپنے مقالہ ”دعوت فکر و نظر“ میں رقمطراز ہیں:
ان علماء ذی شان کے بتائے ہوئے حل کو اگر کوئی بدنصیب قبول کر لیتا ہوگا تو اسلام اپنے کرم فرماؤں کی ستم ظریفی پر چیخ اٹھتا ہوگا اور دین سبز گنبد کے کمین کی دہائی دیتا ہوگا۔

اب حالات دن بدن بدتر ہو رہے ہیں جب بعض طبیعتیں اس غیر اسلامی اور غیر انسانی حل کو قبول نہیں کرتیں اور اپنے گوشہ عافیت کی ویرانی بھی ان سے دیکھی نہیں جاتی تو وہ پریشان اور سراسیمہ ہو کر ہر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اس وقت باطل اور گمراہ فرقے اپنا آہنی پنچہ ان کی طرف بڑھاتے ہیں اور انھیں اپنے دام تزویر میں بھی پھنسا لیتے ہیں۔^① اس کی بیوی تو اسے مل جاتی ہے لیکن دولت ایمان لوٹ لی جاتی ہے میرے چشم دید واقعات ہیں کہ کنبے کے کنبے مرزائی اور رافضی ہو گئے.....“ (مجموعہ مقالات علمیہ صفحہ ۲۴۳)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ حلالہ کے مفاسد بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس قسم کے حیلوں کی وجہ سے کفار اور منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی ذات پر طعن کیا اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا اور پھر ایک اسلام قبول کرنے والے کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ اس نے بیان کیا کہ اسلام کی خوبیاں اور محاسن اس کے لیے واضح تھے مگر اس قسم کے حیلوں^② حلالہ کے بارے میں یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ بعض مدارس میں اس کے لیے کمرے مخصوص ہیں اور حلالہ کے ریٹ بھی مقرر کیے جاتے ہیں اور ریٹ حلالہ کرنے والے کی عمر کے اعتبار سے طے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک ہندوستانی صاحب نے ہندوستان کے حوالے سے ایک مرتبہ مجھے بیان کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

② حلالہ کے رد میں ان کے علاوہ دیگر حنفی علماء کے فتاویٰ اور اقوال بھی ہیں جنہیں ”حلالہ کی شرعی حیثیت“ (صفحہ ۶۹)۔ وما بعدھا) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

سے دل مطمئن نہ تھا۔ ملاحظہ ہو مجموع الفتاویٰ (۳۹/۳۳)۔

یہ ہیں حلالہ والے حیلے کے بعض مفاسد و نقصانات، مگر اس کے باوجود یہ لوگ اس ملعون فعل کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ ۲ جنوری ۱۹۹۶ء میں سندھ ہائیکورٹ کراچی کے فاضل جج جناب محمد شفیع محمدی نے حلالہ کے خلاف فیصلہ دیا اور کہا کہ اس سے بے شرمی و بے حیائی پھیلے گی تو اس پر بہت سے دیوبندی اور بریلوی مولویوں نے طوفان برپا کر دیا، اور بریلویوں میں سے ایک مولوی صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حلالہ کرنے والے پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لعن الله المحلل والمحلل له۔“ ①

”حلالہ کرنے اور کروانے والے دونوں پر اللہ کی لعنت۔“

آخر میں حلالہ سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بھی سنئے جس سے اس کے جواز پر زور دینے کی وجہ بھی معلوم ہو جائے گی۔ رانا محمد شفیق پرسوری رقمطراز ہیں:

ہمارے ایک بزرگ دوست نے بتلایا کہ میں ایک معروف روزنامے کے مفتی صاحب کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک بہت بڑی تاریخی مسجد کے خطیب کا فون آ گیا، مفتی صاحب نے رسیور اٹھانے کی بجائے اس کا وہ بٹن دبا دیا جس کے دبنے سے دوسرے لوگ بھی گفتگو سن سکتے ہیں چنانچہ سلام دعا کے بعد خطیب صاحب نے مفتی صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ رات انھوں نے جو حلالہ بھیجا تھا اس سے بہت لطف اٹھایا (ہوس پرستی کی انتہاء ملاحظہ فرمائیے) بلکہ انہی دونوں بزرگوں ② کے متعلق مشہور ہے کہ ان دونوں میں ایک مجبور عورت کے باعث جھگڑا بھی ہے حلالہ کے باعث جھگڑے، اختلاف اور افسوس ناک واقعات کی اتنی بہتات ہے کہ شاید ہی کوئی محلہ، گاؤں یا شہر ان میں سے کسی نہ کسی سے خالی ہو۔“ (حلالہ کی شرعی حیثیت: صفحہ ۱۳)۔

③ ایک خندق ہے جس کا طول دس ہاتھ سے زیادہ ہے اور اس میں پانی ہے مگر اس کی چوڑائی دس ہاتھ سے کم ہے یعنی وہ درہ نہیں۔ تو بعض حنفی مشائخ کے قول کے مطابق اس پانی سے وضوء کرنا درست نہیں لیکن اگر کسی کو وضوء کرنے کی ضرورت ہو تو پھر وہ کیا کرے آئیے اب حیلہ سنئے۔

④ اس حدیث کو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابوداؤد: (حدیث: ۲۰۷۶) ترمذی (حدیث: ۱۱۲۰-۱۱۱۹) نسائی (ج: ۶، ص: ۱۳۹) اور ابن ماجہ (حدیث: ۱۹۳۴-۱۹۳۶)۔

اور یہ صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے: إرواء الغلیل (۶/۳۰۷-۱۸۹۷) ملاحظہ کریں۔

⑤ رانا صاحب سے ان بزرگوں کے نام بھی معلوم ہوئے تھے خطیب صاحب تو وفات پا چکے ہیں مفتی صاحب کے بارے میں علم نہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں یا کہ وفات پا گئے۔

وہ اس خندق کے قریب ایک چھوٹا سا گڑھا کھودے اس کے بعد خندق سے اس گڑھے تک ایک چھوٹی سی نال کھودے اور خندق کا پانی اس میں چھوڑ دے چنانچہ پانی خندق سے گڑھے کی طرف آنا شروع ہو جائے گا اور خندق کا پانی چلنے لگے گا اب اس کی مرضی ہے چاہے تو خندق سے وضوء کر لے اور اگر چاہے تو اس گڑھے سے۔ ملاحظہ ہو: فتاویٰ عالمگیری (۳۹۰/۶-عربی)۔

قلت: حیلہ اور پھر اس قدر تکلف بھی کہ وہ ایک گڑھا کھودے اور خندق اور گڑھے کے درمیان نالی بھی اور صرف وضوء کے لیے اتنا تکلف کرے۔

کیا ایسے بہتر نہیں تھا کہ یہ کہا جاتا کہ ایک آدمی بالٹی، لوٹے یا کسی اور برتن میں خندق سے پانی لے کر کھڑا ہو جائے اور وضوء کرنے والا نیچے بیٹھ جائے اور پانی والا آہستہ آہستہ پانی اٹھیلنا شروع کرے اور یہ نیچے بیٹھا وضوء کرتا جائے کیونکہ اب یہ پانی بھی جاری ہی ہے۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون**۔

دوسری بات یہ کہ اس قدر تکلف کی کیا ضرورت تھی اگر ان لوگوں کے ہاں یہ پانی ناپاک یا اس کے پاک یا ناپاک ہونے میں شبہ تھا تو سیدھا کہہ دیتے کہ وہ ایسے پانی سے وضوء نہ کرے بلکہ تیمم کرے۔ مگر ایسا سیدھا سادہ فتویٰ دینے سے نقاہت کیسے ظاہر ہوتی۔

قارئین آپ غور کریں کہ اس حیلہ میں اور یہود کے اس حیلہ میں جو انھوں نے ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑنے کے لیے اختیار کیا تھا کیا فرق ہے۔ **رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا:**
”لتتبعن سنن من كان قبلکم“ الحدیث **❶**

”یقیناً تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کو اپنائو گے۔“ الحدیث (یعنی یہود و نصاریٰ کے طریقوں کو۔)
❷ ایک آدمی فجر کی نماز کے لیے مسجد میں آتا ہے اور جماعت کھڑی ہے اب اگر وہ فجر کی سنت ادا کرے تو اسے جماعت کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہے اگر جماعت میں شامل ہو تو پھر حنفی فقہ کے مطابق سورج طلوع ہونے کے بعد سنت پڑھنا ہوں گی اور یہ بھی اس کے لیے مشکل ہے تو آخراً وہ کرے تو کیا کرے، اب حیلہ اختیار کرے جو یہ ہے:

وہ سنت شروع کر کے تھوڑی دیر بعد سنت توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے اور جماعت سے فراغت کے بعد سنت

❸ اس حیلہ کی تفصیل کے لیے سورہ اعراف آیات (۱۶۳-۱۶۶) دیکھیں۔

❹ اس حدیث کو متعدد صحابہ نے روایت کیا ہے جن میں ایک صحابی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور ان کی حدیث کو بخاری (۳۴۵۶) کتاب ”أحادیث الأنبياء“ اور مسلم (۲۱۹/۱۶-۲۲۰) کتاب ”العلم“ نے روایت کیا ہے۔
اس حدیث کی مفصل تخریج ہم نے دادا جان رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے ”فرقہ ناجیہ“ کی تخریج میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ.....)۔

پڑھ لے اور اب اس کے لیے جماعت کے بعد اور سورج کے طلوع ہونے سے قبل سنتوں کا پڑھنا جائز ہوگا کیونکہ اب وہ ان کو قضا کے طور پر پڑھے گا اور اس وقت فوت شدہ نماز کی قضا جائز ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۶/۳۹۰)۔

قارئین آپ نے ملاحظہ کیا کہ کیسے حیلہ اختیار کیا گیا، ان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ ایسے معذور کو حدیث پر عمل کرتے ہوئے نماز فجر کے بعد سنتوں کی ادائیگی کی اجازت دے دیتے۔

⑤ ایک آدمی کے پاس دو سو درہم ہیں اور وہ ان کی زکوٰۃ نہیں دینا چاہتا تو کیا کرے وہ یہ کرے کہ ان پر ایک سال مکمل ہونے سے ایک دن قبل ان میں سے ایک درہم کا صدقہ کر دے یا وہ ایک درہم یا تمام درہموں کو ان پر ایک سال مکمل ہونے سے ایک دن پہلے اپنے چھوٹے بیٹے کو ہبہ کر دے۔“ (حوالہ مذکور: ۶/۳۹۱)۔

وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو اس لیے ہبہ کرے گا کہ وہ اس کا ولی ہے لہذا حقیقت میں پیسہ اسی کے پاس ہی رہے گا اور اس طرح وہ زکوٰۃ سے بھی بچ جائے گا۔

صرف ایک درہم صدقہ کرنے یا اپنے چھوٹے بیٹے کو دینے کے ساتھ زکوٰۃ سے اس لیے بچ جائے گا کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا نصاب دو سو درہم ہے لہذا جب ایک درہم صدقہ یا ہبہ کر دیا جائے گا تو نصاب سے ایک درہم کم ہو جانے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

لوگوں کو اسلام کے فرائض کی ادائیگی سے آزاد کرنے کے لیے دیکھیں کیسے کیسے حیلے ایجاد کیے گئے ہیں اب کچھ لوگ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے خود کو شیعہ ظاہر کرتے ہیں تو شاید وہ بھی اس قسم کے حیلوں کا ہی سہارا لیتے ہوں۔

⑥ ایک آدمی اپنے والد کے روزوں یا نماز کا فدیہ ادا کرنا چاہتا ہے مگر وہ ہے فقیر اس کے پاس اتنی گنجائش نہیں ہے تو وہ کیا کرے وہ یہ کرے کہ دو کو گندم کسی فقیر کو دے دے پھر وہی گندم اس سے ہبہ کے طور پر لے لے پھر اس کو صدقہ کے طور پر دے دے پھر اس سے ہبہ کے طور پر لے لے، ایسے کرتا رہے حتیٰ کہ فدیہ کی مقدار کو پہنچ جائے۔ حوالہ مذکور: ۶/۳۹۲)۔

اگر کوئی مالدار آدمی زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کسی مسکین یا فقیر سے کہتا ہے کہ دیکھو میں تمہیں اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں مگر بات یہ ہے کہ اس زکوٰۃ کے پیسے میں سے اتنے فیصد میری بیوی اور بچوں کو ہبہ یا تحفہ کے طور پر دے دینا تو وہ فوراً تیار ہو جائے گا کیونکہ اسے کچھ نہ ملنے سے کچھ مل جانا بہتر ہے تو کیا یہ مولوی اس مالدار کو ایسا کرنے سے روک سکتے ہیں قطعاً نہیں۔

صفحہ (۱۳۸) میں مذکورہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام میں ایک نئے اسلام قبول کرنے والے کا کلام گزر چکا ہے کہ اسلام کی خوبیاں اور محاسن اس پر واضح تھے مگر اس قسم کے حیلوں سے اس کا دل مطمئن نہ تھا۔

چند متب پر ایک نظر

صوفی و مفتی صاحب یہ ہیں آپ کے حیلوں کی چند مثالیں جن کی وجہ سے کفار اور منافقین کو رسول اللہ ﷺ اور اسلام پر طعن و تشنیع کرنے کا موقع ملا اور اس قسم کے حیلے بعض لوگوں کے اسلام قبول کرنے میں آڑے آئے۔ یہاں جو مثالیں ذکر کی گئی ہیں وہ ذرا سنجیدہ قسم کے حیلوں کی ہیں ورنہ ان لوگوں کے ہاں بڑے عجیب و غریب قسم کے حیلے بھی موجود ہیں۔

صوفی بشیر صاحب آپ لوگوں کی حقیقت یہ ہے۔ اس کے باوجود بھی جھوٹی حکایتیں اور کہاوٹیں اہل حدیث کی طرف منسوب کر کے ان کو بدنام کرنے اور ان سے لوگوں کو متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہو مگر اب لوگوں کو بیوقوف بنانے کا زمانہ بیت چکا ہے اللہ عز و جل کے فضل و کرم سے لوگ حق کے متلاشی ہیں اور حقیقت کو سمجھنے لگے ہیں یہی وجہ ہے کہ دن بدن لوگ مسلک اہل حدیث کو اختیار کرتے جا رہے ہیں اور یہی چیز آپ لوگوں کے لیے پریشانی کا سبب بنی ہوئی ہے۔ صرف عوام الناس ہی نہیں بلکہ آپ کے علماء بھی اس مسلک کو اختیار کر رہے ہیں جیسا کہ (صفحہ: ۱۴۹) میں ذکر کیا جا چکا ہے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ صوفی بشیر اور ان کے ساتھیوں کو بھی کتاب و سنت کا قبیح بنائے۔ آمین۔

قبل اس کے کہ ہم صوفی و مفتی صاحب کی دیگر الزام تراشیوں اور کذب بیانیوں کا جائزہ لیں یہاں ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کے کلام کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ موصوف جیلن کی بعض مثالوں کا ذکر۔ جو کہ مذکورہ مثالوں کے علاوہ ہیں۔ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”حیل کے ان مسائل پر جن میں مبینہ طور پر یہودی نقالی کی گئی ہے آپ اپنے لیے کون سا لقب پسند فرمائیں گے، آپ نے علماء اہل حدیث کے علمی ذخائر کو چھان مارا۔ کہیں آپ کو اپنے حیل کے مذکورہ مسائل کی نظیر، یا ان سے قریب ترین کوئی مثال ان ذخائر میں نظر آئی؟ جب کہ آپ نے مکرو فریب اور خیانت کے تمام وسائل کو استعمال کرنے میں پس و پیش نہیں کیا۔ پہلے آپ اپنے آئینہ میں اپنی شکل ملاحظہ کیجیے اس کے بعد اہل حدیثوں کو آئینہ دکھلانے کی زحمت اٹھائیے۔ اگر آپ دینی احکام سے فرار اختیار کرنے کے لیے شرعی جیل کے نام سے ان تمام گروں کی تعلیم و تعلم کو جائز سمجھتے ہیں، بلکہ اپنی خداداد فقہی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان میں مزید اضافہ بھی کرتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے جانبداری سے دست بردار ہو کر یہ بتلایئے کہ اس کے بعد پھر ابلیس کا کیا کام باقی رہ جاتا ہے۔“

(سلفیت کا تعارف: ۳۰۴، ۳۰۵)۔

غالباً اسی لیے یہ بیچارے اہل حدیث کی طرف جھوٹی ومن گھڑت حکایت منسوب کرنے پر مجبور ہوئے۔

ابلیس کا باقی کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ لوگوں سے ان حیلوں پر عمل کروائے۔

صوفی مفتی صاحب نے (صفحہ: ۳۹) میں علامہ شاطبی کی کتاب ”الاعتصام“ (۸۹/۲) سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: ”ترکِ رائے کا نظریہ بدعت ہے جو دوسری صدی کے بعد شریعت میں ظاہر ہوئی۔“

یہ ہے صوفی مفتی کا کلام، صوفی صاحب ہم آپ کو آپ کے ملا علی قاری صاحب کا کلام سناتے ہیں وہ لکھتے ہیں: ”أَنَّ القول بالرأي، والعقل المجرد في الفقه، والشريعة بدعة، و ضلالة۔“ (شرح الفقه الأكبر (صفحہ: ۱۲)۔

”فقہ اور شریعت میں محض رائے اور عقل سے بات کہنا بدعت اور گمراہی ہے۔“ آپ کے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”نحن لا نأخذ بالرأي ما دام الأثر، وإذا جاء الأثر تركنا الرأي“ (الفوائد البهية: ۷۶)۔
 ”جب اثر (حدیث) موجود ہو تو ہم رائے کو نہیں لیتے اور جب حدیث آجائے تو ہم رائے کو ترک کر دیتے ہیں۔“

صوفی مفتی صاحب کا ش کہ آپ لوگ بھی اپنے امام کے نقش قدم پر چل کر ایسے ہی کریں تو کیا ہی اچھا ہو۔
 امام زفر کے قول کے بعد مشہور و معروف تابعی امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ملاحظہ کیجیے کہتے ہیں:
 ”أول من قاس إبليس، وما عبدت الشمس، والقمر إلا بالمقاييس“

”سب سے پہلے ابلیس نے رائے سے کام لیا سورج اور چاند کی پوجا بھی رائے اور قیاس ہی کی بناء پر کی گئی۔“
 امام ابن سیرین کے قول کے بعد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول بھی ملاحظہ کر لیں فرماتے ہیں:
 ”إياكم، وأصحاب الرأي، فإنهم أعداء السنن أعييتهم الأحاديث أن يحفظوها، فقالوا بالرأي، فضلوا وأضلوا۔“

”لوگوں اہل رائے سے بچو کیونکہ وہ احادیث کے دشمن ہیں، احادیث کا حفظ کرنا ان پر بھاری گزرا تو انھوں نے رائے سے کام لیا جس کی وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔“

رائے کی مذمت کے بارے میں دیگر سلف کے اقوال بھی ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر انہی چند اقوال پر اکتفا کرتے ہیں۔
 اس کو داری (۶۵/۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

اسے دارقطنی (۱۳۶/۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ اثر اپنی مختلف سندوں کی بناء پر حسن درجے کا ہے۔
 اس اثر اور اس سے پہلے اثر کی مفصل تخریج میں نے ”روضة الناظر“ لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے جو کہ بیروت میں زیر طبع ہے۔

کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ سلف اور ائمہ نے جس رائے کی مذمت کی ہے تو اس سے وہ رائے مراد ہے جو کہ نص یا حدیث کے مقابلے میں اختیار کی جائے مگر وہ رائے جو کسی نص کے خلاف نہ ہو بلکہ صحیح قیاس پر مبنی ہو تو وہ مذموم نہیں تفصیل کے لیے: ”روضة الناظر“ لابن قدامة (صفحہ: ۱۴۹) اور ”إعلام الموقعین“ لابن القيم (۵۳/۱۔ وما بعدھا) دیکھی جائے۔ مفتی صاحب آپ نے علامہ شاطبی کا قول تو ذکر کر دیا تو کیا آپ یہ بتائیں گے کہ آپ کی تقلید کس صدی کی پیداوار ہے دوسری صدی سے پہلے کی یا کہ اس سے بعد کی۔

اگر ترک رائے کا نظریہ دوسری صدی میں ظاہر ہونے کی وجہ سے بدعت ہے تو آپ کی تقلید شخصی چوتھی صدی ہجری میں بلکہ اس کے بعد ظاہر ہونے کی وجہ سے بدعت کیوں نہیں کیونکہ تقلید کی ابتداء چوتھی صدی ہجری کے بعد ہوئی جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے ”حجة الله البالغة“ اور الإنصاف فی بیان أسباب الاختلاف میں ذکر کیا ہے۔

اس قسم کی صراحت آپ کے تھانوی صاحب نے بھی اپنے ایک طویل فتویٰ میں کی ہے۔ تقلید کی ابتداء کی تفصیل کے لیے دادا جان رحمہ اللہ کی کتاب ”تاریخ التقلید“ (صفحہ: ۱۱۳ وما بعدھا) دیکھی جائے اسی طرح اس کتاب کے صفحہ (۱۱۱) میں مذکور عز الدین بن عبد السلام کا کلام بھی دیکھیں جو شاہ ولی اللہ کے حوالے سے ذکر ہوا ہے۔

مفتی صاحب نے آگے چل کر ایک مقام پر لکھا ہے:

”ان غیر مقلدین میں ضد اور ہٹ دھرمی ایسی سخت ہے کہ اول تو یہ حضرات حنفیہ کی نماز کو خلاف سنت سمجھتے ہیں۔ دوسرے حضرت سیدنا امام الأعظم رحمہ اللہ ہی کی نماز کو بھی معاذ اللہ سنت کے مطابق نہیں مانتے۔“ (صفحہ: ۵۴)۔

مفتی صاحب کے اس کلام سے ایک بڑی نئی بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ ہم سمجھتے تھے کہ حنفیہ کی نماز وہی ہے جو نماز ان کے امام صاحب پڑھتے تھے مگر مفتی صاحب کے اس کلام سے پتہ چلا کہ حنفیہ اور امام صاحب کی نماز میں فرق ہے۔ مفتی صاحب آپ لوگ قرآن مجید کی آیات اور احادیث کے اندر تحریف کریں ان کی بے جا تاویل کریں، امام صاحب کی تقلید کی خاطر صحیح احادیث کو رد کریں۔ امام صاحب کے قول کو رد کرنے والے پر ریت کے ذرات کے برابر لعنت بھیجیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کو امام صاحب کا مقلد بنائیں اپنے مذہب کی خاطر بڑے بڑے ائمہ بلکہ صحابہ تک پر طعن کریں۔ اپنے مذہب کو حق اور دوسرے مذاہب کو باطل قرار دیں۔

طالب تفصیل ”إعلام الموقعین“ (۵۳/۱ وما بعدھا) دیکھے۔

چند متب پر ایک نظر

بیت اللہ میں چار الگ الگ مصلے مقرر کریں، عالین بالنہ پر ظلم و ستم کریں ﴿۱﴾ مگر ضدی اور ہٹ دھرم ہم۔ ”النا چور کو تو ال کو ڈانٹے۔“

صفحہ (۱۲۶) میں تھانوی صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب کے کلام سے آپ لوگوں کی ہٹ دھرمی اور ضد بیان ہو چکی آئیے اب امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے بارے میں سن لیجیے۔
امام بخاری نے اپنے استاد زکریا بن عدی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ عبد اللہ بن مبارک کوفہ آئے تو محدثین اور کوئی علماء کی ان کے سامنے کئی مسائل پر گفتگو ہوئی حتیٰ کہ شراب کا مسئلہ زیر بحث آیا تو ابن مبارک نے (شراب کی حرمت پر) رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور اصحاب رسول ﷺ میں سے مہاجرین اور انصار کے اقوال بطور حجت ذکر کیے تو کوئی علماء نے کہا کہ نہیں یہ احادیث اور اقوال نہیں بلکہ ہمیں ہمارے ائمہ کے اقوال پیش کریں تو ابن مبارک نے اپنی سند سے ابراہیم نخعی کا یہ قول پیش کیا:

”کانوا یقولون إذا سکر من شراب لم یحل له أن یعود فیہ أبدا۔“
”اصحاب عبد اللہ بن مسعود کا کہنا ہے ﴿۲﴾ کہ جس چیز کے پینے سے آدمی کو نشہ آ جائے تو اس کے لیے اس کا کبھی بھی استعمال جائز نہیں۔“

یہ سن کر انھوں نے اپنے سر نیچے کر لیے ابن مبارک نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا کہ ان لوگوں سے

﴿۱﴾ مذکورہ باتوں میں سے اکثر کا ذکر باحوالہ گزر چکا ہے ملاحظہ ہو اس کتاب کے صفحات (۱۳۱ و مابعدھا، ۱۴۲ و مابعدھا) کبار ائمہ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کی مثالیں عنقریب آرہی ہیں۔ اور قرآنی آیات و احادیث کے اندر تحریف کے بارے میں بعض مثالیں (صفحہ: ۱۹۴ و مابعدھا) میں آرہی ہیں۔

﴿۲﴾ مولانا عبدالحی لکھنوی نے ”الفوائد البہیة فی تراجم الحنفیة“ (صفحہ: ۱۰۳) میں لکھا ہے: ”صاحب أبا حنیفة وأخذ عنه“ یعنی ابن مبارک نے ابو حنیفہ سے علم اخذ کیا ہے مگر یہ بات محل نظر ہے اس کے بارے میں ”تذکیر“ (۲۸۳-۲۸۴) میں معلومی صاحب کا کلام دیکھیں۔

﴿۳﴾ امام ابراہیم نخعی جب ”کانوا یکرہون“، ”کانوا یقولون“ وغیرہ کہیں تو اس سے ان کی مراد اصحاب عبد اللہ بن مسعود، علقمہ، أسود، أبو وائل وغیرہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حفاظ حدیث عراقی وغیرہ نے صراحت کی ہے ملاحظہ ہو ”تیسیر العزیز الحمید فی شرح کتاب التوحید“ (صفحہ: ۱۴۳)۔

تنبیہ = حافظ ابن حجر اور شیخ البانی، ابراہیم نخعی کے اس جیسے قول سے یہ سمجھے ہیں کہ ان کی مراد صحابہ اور تابعین ہوتی ہے جب کہ ایسے نہیں اور ان کی اس بات پر ”روضۃ الناظر“ لابن قدامہ کی تعلیق میں بھی میں نے تنبیہ کی ہے اور یہ کتاب لبنان میں زیر طبع ہے۔

بڑھ کر بھی کوئی عجیب آدمی دیکھا ہے میں نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث، آپ کے صحابہ اور تابعین کے اقوال پیش کیے مگر انھوں نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی مگر جب ابراہیم کا قول پیش کیا تو انھوں نے اپنے سر نیچے کر لیے۔“ اس قصہ کو امام بیہقی نے (۲۹۸-۲۹۹) نے روایت کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر بھی دنیا کے اندر ہٹ دھرمی کی کوئی مثال مل سکتی ہے مفتی صاحب ہمارا آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ بات کرنے سے پہلے ذرا اپنے گریبان میں جھانک لیا کریں تو بہتر ہے۔

اپنی ہٹ دھرمی کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے: مولانا عبدالرحمن فاضل دیوبند (فیصل آبادی)۔ جو کہ پہلے دیوبندی تھے بعد میں اہل حدیث ہو گئے۔ نے ذکر کیا ہے کہ میں نے مولانا سر فراز گکھرو دی سے بیس رکعت تراویح والی حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا اس کے راوی ابوشیبہ کو امام بخاری نے ضعیف قرار نہیں دیا اور دلیل یہ دی کہ علامہ ذہبی نے ”میزان“ میں کہا ہے ”سکت عنہ البخاری“ اس سے مراد یہ ہے بخاری نے اس کو ضعیف قرار نہیں دیا۔ مولانا کہتے ہیں کہ مجھے جب یہ علم ہوا کہ یہ کہہ کر امام بخاری نے اس پر بہت سخت جرح کی ہے تو میں نے اس کے بارے میں ان کو خط لکھا جس کا انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ عرصہ بعد ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ ان کلمات سے امام بخاری کی مراد وہ نہیں جو آپ نے بیان کی تھی بلکہ یہ تو ان کی طرف سے اس پر سخت جرح ہے تو وہ کہنے لگے: ”مولوی صاحب ایسے اختلافی مسائل میں حقیقت یہ ہے کہ احادیث خفیفوں کے خلاف ہیں اور ایسے ضعیف سہاروں سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔“ ملاحظہ ہو ”ہم اہل حدیث کیوں ہوئے۔“ (صفحہ: ۲۳۸)۔

اور یہ کس قدر ہٹ دھرمی ہے کہ اپنے مذہب کے خلاف احادیث پر عمل نہ کیا جائے بلکہ ان کو کسی نہ کسی طریقے سے رد کیا جائے۔

ہٹ دھرمی کی ایک اور مثال بھی ملاحظہ کریں آپ کی کتابوں کے اندر یہ بات موجود ہے کہ ”حنفی شافعی ہو جائے تو تعزیر دی جائے گی۔“ (اردو ترجمہ در مختار جلد ۲/۴ ص: ۴۲۳) نیز عالمگیری اردو ترجمہ جلد ۲/۴ ص: ۷۰۲، مطبوعہ نوکلشور طبع دوم ۱۸۹۹ء۔ منقول از تاریخ التقلید (ص: ۱۳۳)۔

اسی مناسبت سے ایک واقعہ بھی سنئے غالباً ۱۹۸۲ء یا ۱۹۸۳ء کی بات ہے کہ حج سے چند دن پہلے حرم کی میں چند ساتھی بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ فاصلے پر سرحد سے تعلق رکھنے والے ایک عالم تقلید کے موضوع پر کچھ گفتگو کر رہے تھے جب میں نے ان کی گفتگو سنی تو ان کے پاس جا کر سوال کیا کہ مذہب تو چار ہیں تو کس مذہب کی تقلید کی جائے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولے کہ دیکھیں ہمارا حنفی مذہب ہندوستان میں ایک ہزار سال پرانا ہے۔ لہذا حنفی مذہب اختیار کرنا چاہیے میں نے کہا کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ حنفی مذہب کے علاوہ دوسرا کوئی مذہب کیوں اختیار نہیں کرنا چاہیے

چند قتب پر ایک نظر

کہنے لگے کہ دیکھیں مالکی، شافعی اور حنبلی، حنفی تو بن سکتا ہے لیکن حنفی، مالکی، شافعی، یا حنبلی نہیں بن سکتا۔ اس پر میں نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ امام صاحب کی تقلید کا پٹہ جو آپ کے گلے میں ہے اسے نہیں نکال سکتے کہنے لگے کہ بالکل نہیں۔ میں نے کہا اگر چہ گلاب جائے یہ سن کر وہ کچھ شرمندہ سا ہو گئے اور مسکراتے ہوئے بولے کہ اس سے گلاب نہیں دیتا۔

اس کے بعد علامہ عبید اللہ صاحب سندھی کا کلام بھی سنتے جائیے۔ موصوف کے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ ”ہندوستان کے سنی مسلمان چونکہ حنفی مذہب کے مقلد و پابند چلے آ رہے ہیں اس لیے اس وسیع تر اور قدیم برادری کے خلاف عمل کرنے والے کو کوئی حق نہیں کہ ہندوستان میں رہ سکے۔“ (مقول از تاریخ التقلید، صفحہ ۱۵۲)۔

مفتی صاحب یہ ہیں آپ لوگوں کی ہٹ دھرمی کی چند مثالیں اور انہیں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ مفتی صاحب (صفحہ ۴۰) میں لکھتے ہیں:

”حنفی فقہ کی مخالفت کی آڑ میں (عبارت ایسے ہی ہے) کروڑ ہا اولیائے کاملین۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ کتاب میں ایسے ہی ہے جب کہ ”علیہم“ ہونا چاہیے۔ سے عداوت و دشمنی مول لینا اپنے ایمان کی خیر منانا ہے حدیثِ قدسی ہے اس کے بعد اس حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ جو میرے ولی سے عداوت رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔^① مفتی صاحب آپ نے یہ حدیث تو ذکر کر دی لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اللہ عزوجل۔ کا ولی کون ہے حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”المراد بولي الله العالم بالله المواظب على طاعته المخلص في عبادته۔“

(فتح الباری ۱۱۰/۳۴۲)۔

”اللہ کے ولی سے مراد ہے اللہ کی ذات کے بارے میں علم رکھنے والا اس کی اطاعت پر ہمیشگی کرنے والا اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرنے والا۔“

سب سے پہلی بات یہ ہے آپ میں سے اکثریت کا اللہ عزوجل کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں جو عقیدہ ہے وہ کتاب و سنت سے ہٹ کر اور صحابہ، تابعین بلکہ امام ابوحنیفہ، ابو یوسف اور امام محمد کے عقیدے کے بھی خلاف ہے کیونکہ یہ ائمہ سلف کے عقیدہ پر ہی تھے جیسا کہ (صفحہ ۱۲۲) میں ذکر ہوا چنانچہ آپ لوگوں نے صحیح معنوں میں اللہ عزوجل کو پہچانا ہی نہیں۔

① اس حدیث کو بخاری (۶۵۰۲) نے ”کتاب الرقاق“ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کیا ہے۔

چند قتب پر ایک نظر

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مسئلہ ہے تو وہ بھی آپ لوگوں میں مفقود ہی نظر آتی ہے کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰)۔
”جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث کے آخر میں ہے:

”فمن أطاع محمداً فقد أطاع الله، ومن عصى محمداً فقد عصى الله۔“ ﴿

”سو جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی یقیناً اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔“

اور آپ لوگوں کے اندر کس قدر اطاعت رسول ﷺ کا جذبہ ہے اس کا ذکر ہم آپ کے کبار علماء کے حوالے سے کر چکے ہیں لہذا پچھلے صفحات پر نظر ڈال لیجیے۔

اور اب عبادت کے اندر اخلاص کی بات سن لیجیے عبادت یا نیک عمل کی قبولیت کے لیے تین شرطیں ہیں جو یہ ہیں:

۱ ایمان ﴿

۲ اس عمل کا سنت کے مطابق ہونا۔ ﴿

۳ اس کا دکھلاوے اور ریاکاری سے پاک ہونا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر: ۲۶۰/۵۔ تفسیر سورة الکہف: ۱۱۰، اضاء البیان للشنقیطی: ۱۸۹/۲، تفسیر سورة النحل: ۹۷)۔

اور اسلام کے اندر سب سے اہم عبادت نماز ہے اور آپ لوگوں کی نماز کی ابتداء ہی ایک ایسے عمل سے ہوتی ہے جو کہ بدعت ہے اور وہ ہے زبان کے ساتھ نماز کی نیت کرنا۔ ﴿ جب نماز کی ابتداء ہی غلط طریقے سے ہوئی تو آگے چل کر کیا ہوگا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا خود کو اولیاء کا ملین سمجھنا محض خوش فہمی میں مبتلا ہونے اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی بات ہے۔

﴿ اس کو بخاری (۷۸۱) نے کتاب ”الاعتصام بالکتاب والسنة“ میں روایت کیا ہے۔

﴿ زبان سے نیت کرنا اس کا کتاب و سنت، صحابہ، تابعین اور نہ ہی ائمہ سے کوئی ثبوت ملتا ہے جیسا کہ محققین علماء نے اس کی صراحت کی ہے جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، امام ابن ہمام، جلال الدین سیوطی، مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ عبدالحق لکھنوی بھی ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ”مجموع الفتاویٰ“ (۲۲/۲۱۷-۲۵۷)، زاد المعاد (۲۰۱/۱)، فتح القدیر (۲۶۶/۱-۲۶۷)، الامر بالاتباع والنہی عن الابتداع (صفحہ: ۱۹۸) مجدد الف ثانی، محدث دہلوی اور لکھنوی کے اقوال کے لیے فتاویٰ علماء حدیث (۳/۸۶-۸۷، ۸۹-۹۰) دیکھیں۔ اسی طرح اس کتاب کا (صفحہ: ۳۷۳ وما بعدها) بھی ملاحظہ کریں۔

آپ لوگ اگر صحیح معنوں میں ولی اللہ بننا چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ اندھی تقلید اور تعصب مذہبی سے آزاد ہو کر صحیح معنوں میں متبع کتاب و سنت بن جائیے۔

امام خلیل بن احمد ازدی صاحب علم العروض (متوفی: ۷۵ھ) کا قول ہے:
 ”إن لم یکن أهل القرآن، والحديث أولیاء الله، فلیس فی الأرض ولیّ“
 ”عالمین کتاب و سنت اگر اللہ کے ولی نہیں تو پھر دنیا کے اندر کوئی ولی نہیں۔“
 امام سفیان ثوری کا قول ہے:

”إذا لم یکن أصحاب الحديث هم الأبدال، فلا أدری من الأبدال.....“
 ”اصحاب الحديث اگر ولی نہیں تو میں نہیں جانتا کہ ولی کون سے ہیں۔“

اسی طرح امام احمد بن حنبل کا قول ہے:

”إن لم یکن أصحاب الحديث هم الأبدال فمن یكون؟“

اس کے معنی بھی وہی ہیں جو سفیان ثوری کے قول کے ہیں اور ان تمام اقوال کو خطیب بغدادی نے ”شرف اصحاب الحديث“ (صفحہ: ۵۰) میں روایت کیا ہے۔

اسی طرح صفحہ: ۱۵۲ میں بھی مذکور امام احمد بن حنبل کے قول کو دیکھیے۔

مفتی صاحب نے (صفحہ: ۴۰، ۴۱) میں دو واقعات ذکر کیے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ ایک طالب علم نے کہا کہ امام ابو حنیفہ کو پندرہ حدیثیں یاد تھیں مجھے ان سے زیادہ احادیث یاد ہیں اور ایک مسجد کے امام نے کہا کہ انھیں صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں مجھے ان سے کہیں زیادہ یاد ہیں اور ایک ہفتہ نہ گزرا کہ یہ دونوں مرتد ہو گئے اور آگے چل کر (صفحہ: ۵۸) میں لکھا ہے کہ:

حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ مولوی عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاگرد رشید حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جس کا جی چاہے قبر کھول کر دیکھ لے مولوی..... کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا ہوگا، اس پر مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا کہ میں نے یہ بات حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خود سنی ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہ لفظ تھے جو کوئی ائمہ پر طعن کرتا ہے اس کا منہ قبر میں قبلہ سے پھر جاتا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ منہ قبلہ سے پھر گیا یہ اس وقت فرمایا تھا جس وقت کہ مولوی..... صاحب کے انتقال کی خبر آئی۔ (قصص الأکابر حصہ اول، ص: ۱۲۸)۔

بہتر تھا کہ یہاں بھی ”تھانوی صاحب“ کی بجائے ”حضرت تھانوی صاحب“ ہی لکھا جاتا۔

گنگوہی صاحب کا یہ کلام ”تذکرۃ الرشید“ (۲/۲۸۲) میں بھی ہے۔

ان لوگوں کی باتوں کو سنیے کہ خود کو کیسے اولیاء اللہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں پر الزام تراشیاں کرتے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے ”سن لو حق وہی ہے جو میری زبان سے نکلتا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میری اتباع پر“ ﴿۱﴾ اس کا قبر میں کیا حشر ہوا ہوگا اس کا صرف منہ ہی نہیں پھرا ہوگا بلکہ کچھ آگے بھی ہوا ہوگا جس کا جی چاہے قبر کھول کر دیکھ لے۔

جو دوسروں پر جھوٹ اور افتراء باندھے کہ ان کے نزدیک چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو بدعتی بتلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو عرش پر بیٹھا ہوا مانتے ہیں وغیرہ وغیرہ ﴿۲﴾ تو اس کا قبر میں کیا حشر ہوا ہوگا۔ جو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرے اس کا تو قبر میں منہ قبلہ سے پھر جائے مگر جو کبار علماء و ائمہ، امام شافعی وغیرہ کی توہین کرے کیا اس کا منہ نہیں پھرتا۔

جو صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرے کیا اس کا منہ نہیں پھرتا اور جو رسول اللہ ﷺ اور قرآن کی توہین کرے، قرآن اور حدیث میں تحریف کرے صحیح احادیث کو رد کرے اور اپنے مذہب کی خاطر رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولے کیا اس کا منہ نہیں پھرتا یا کہ یہ تمام جرائم تم لوگوں کو معاف ہیں جیسے چاہیں کریں کیونکہ تم اللہ عز و جل کے بڑے محبوب ہو۔ مذکورہ بالا سطور میں جو ذکر ہوا اس کی مختصر مثالیں ملاحظہ کریں۔

۱۔ کبار علماء و ائمہ کی توہین:

۱۔ امام ابن حزم، داؤد، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، اور شوکانی کی توہین۔
مولانا محمد حسن سنہلی دیوبندی شارح مسند امام ابو حنیفہ دمشقی ہدایہ ”حاشیہ شرح عقائد نسفی“ میں رقمطراز ہیں:
”و خلفاء هذه الملة أربعة: ابن تیمیة، و ابن قیم، والشوکانی، یقولون: ﴿ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾، و إذا انضم إليهم ابن حزم، و داؤد الظاهريان صاروا ستة، و یقولون: ﴿خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ﴾، و خاتم المکلبين ﴿مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلَ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ﴾۔“

(نظم الفوائد حاشیہ شرح عقائد نسفی، منقول از تاریخ التقليد (صفحہ: ۲۶۰)۔

”امت غیر مقلدین کے چار خلیفہ ہیں: ابن تیمیہ، ابن قیم اور شوکانی جو آیت شریف ﴿سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ

﴿۱﴾ ملاحظہ اس کتاب کا صفحہ (۱۱۷)

﴿۲﴾ ملاحظہ ہو اس کتاب کا صفحہ (۱۶۵)۔

رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ﴿۱﴾ کا مصداق اور عملی تفسیر ہیں اور اگر ان کے ساتھ ابن حزم اور داؤد ظاہری کو ملا دیا جائے تو پھر یہ چھ ہو گئے اور آیت شریفہ ﴿وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ﴾ کا صحیح مصداق و تفسیر ہو گئے اور خاتم المکملین آیت شریفہ ﴿مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ﴾ ﴿۲﴾ کا مصداق و تفسیر ہوئے۔ ملاحظہ ہو: نتائج التقلید۔ (صفحہ: ۲۶۰)۔

مولانا قاسم نانوتوی صاحب کے خلیفہ اکبر اور مدرسہ دیوبند کے مہتمم مولوی حبیب الرحمان صاحب نے ”تفسیر جلالین“ کے حاشیے میں طلاق کے مسئلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو ضال (گمراہ) اور مضل (گمراہ کرنے والا) لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشیہ جلالین (صفحہ: ۳۳، مطبوعہ مجتہائی۔ دہلی)۔ منقول از نتائج التقلید (صفحہ: ۲۵۹)۔

ب۔ ائمہ ثلاثہ مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کی توہین:

﴿۱﴾ امام مالک رحمہم اللہ کی توہین:

محمد زاہد کوثری اس دور کے بہت بڑے متعصب حنفی عالم ہوئے ہیں جنہیں وکیل احناف کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور حنفیہ کے ہاں ان کا بہت بڑا مقام ہے ان کے بارے میں ”أنوار الباری شرح صحيح البخاری“ کے مؤلف نے جو کہا ہے وہ ملاحظہ کریں:

”قریبی دور میں مصر میں علامہ کوثریہ رحمہم اللہ کی جلیل القدر شخصیت گزری ہے جنہوں نے اس سلسلے میں گرانقدر تألیفات کیں اور مصری رسائل میں لاتعداد تحقیقی مضامین شائع کیے جن سے اہل علم کبھی مستغنی نہیں ہو سکتے۔ ان کی کتابوں سے معاندین کے حوصلے پست ہو گئے ہیں اور جب تک ان کی اشاعت ہوتی رہے گی، ان کے مطالعہ و استفادہ کی وجہ سے علمائے حق معاندین مذہب حنفی پر غالب رہیں گے۔“

(مقدمہ أنوار (۱۲۳-۱۲۲) منقول از: ”اللمحات إلى مافي أنوار الباری من الظلمات.“ (۲۱/۱)۔

انہوں نے امام مالک کے بارے میں کہا ہے کہ ان کے پاس سوائے اس میزہ (امتیاز) کے وہ مدینہ کے رہنے والے تھے اور کیا ہے۔ المقابلة بين الهدى والضلال حول ترحيب الكوثرى بنقد تأنيبه للعلامة عبد الرزاق حمزة۔ (صفحہ: ۱۲۲۔ التکلیل)۔

اسی طرح انہوں نے امام مالک کو عرب خاندان کی بجائے موالی رحمہم اللہ سے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک

﴿۱﴾ یہ آیت سورۃ اعراف کی آیت (۱۷۶) اور اس سے پہلے والی آیت سورہ کہف کی آیت (۲۲) ہے۔

﴿۲﴾ یہ اصلاً ترکیب سے تھے۔

﴿۳﴾ موالی۔ موالی کی جمع ہے اور لفظ موالی کے مختلف معنی ہیں مگر یہاں مراد جو عرب نہ ہوں۔

بے ثبوت حکایت کی بناء پر امام مالک کی فصاحت پر کلام بھی کیا ہے۔
اور یہ بھی کہا ہے کہ انھوں نے ستر سے زیادہ احادیث جن کو صحیح ترین اُسانید سے مؤطائیں روایت کیا ہے اور ان پر عمل نہیں کیا بلکہ انھیں محض اپنی رائے سے رد کر دیا ہے جب کہ یہ بھی بے بنیاد بات ہے تفصیل کے لیے: ”التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الأباطیل“ (صفحہ: ۶۰۷ و بعدھا) دیکھیں۔

❖ امام شافعی رحمہ اللہ کی توہین:

ان لوگوں نے امام شافعی کی مذمت کے بارے میں بعض احادیث بھی وضع کی ہیں مثلاً:
”یکون فی أمتی رجل یقال له: محمد بن إدريس الشافعي، وهو أضرّ علی أمتی من إبليس، و یکون فی أمتی رجل یقال له- النعمان بن ثابت أبو حنیفة هو سراج أمتی-“
”میری امت میں ایک ایسا آدمی ہوگا جسے محمد بن إدريس شافعی کہا جائے گا اور وہ میری امت کے لیے شیطان سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوگا اور میری امت میں ایک ایسا آدمی ہوگا جس کو نعمان بن ثابت أبو حنیفة کہا جائے گا وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔“

اس کو موثق نے ”مناقب ابی حنیفہ (صفحہ: ۲۰ تا ۱۰)“، خوارزمی نے ”جامع المسانید“ (۱/۱۲-۲۰) میں اور دیگر حنفی علماء نے ذکر کیا ہے اور یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے تفصیل کے لیے ”اللمحات إلی ما فی أنوار الباری من الظلمات“ (صفحہ: ۹۱-۹۳)، ”التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الأباطیل“ (صفحہ: ۲۰۰-۲۰۱) دیکھی جائے۔ نیز اس کے بارے میں حاشیہ ابن عابدین (۱/۵۳) بھی دیکھیں۔

یہ ہے امام شافعی کی توہین و تنقیص کی مثال اور ائمہ کے گستاخ ہونے کا طعنہ دوسروں کو دیتے ہیں اس سے بڑھ کر امام شافعی کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ انھیں شیطان سے بھی زیادہ خطرناک ثابت کیا جائے۔ اِنَّا لِلّٰہ و اِنَّا اِلَیْہ راجعون۔

امام شافعی کی اس حد تک توہین جب کہ امام أبو حنیفہ کی فضیلت کے بارے میں کئی روایات ان لوگوں نے وضع کی ہیں جن کی تفصیل کے لیے ”اللمحات“ (صفحہ: ۹۳-۹۹) دیکھیے۔

کوثری صاحب جن کا کچھ دیر پہلے ذکر ہوا انھوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں کئی طرح سے کلام کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

① شافعی قریش خاندان سے نہیں جب کہ امام شافعی قریشی ہیں۔

② ان کی فصاحت میں کلام، جب کہ امام شافعی لغت میں امام اور حجت ہیں۔

③ ان کی ثقاہت پر کلام۔

④ ان کی فقاہت پر کلام۔

⑤ امام شافعی کا جو علم ہے وہ انھوں نے امام محمد بن حسن شیبانی سے لیا ہے۔

ان تمام اتہامات کی تفصیل اور رد کے لیے ”التنکیل“ (صفحہ: ۶۱۸-۶۵۶) ملاحظہ کریں۔

❖ امام احمد بن حنبل۔ رحمہ اللہ کی توہین:

ان کے بارے میں بھی کوثری صاحب نے تین چار طرح سے طعن کیا ہے۔

❶ ”ان کے پاس احادیث تو بہت زیادہ تھیں لیکن جب حدیث کے بارے میں چھان بین اور تحقیق سے کام نہ لیا جائے تو ان سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔“

جب کہ امام صاحب اور امام إسحاق بن راہویہ ان دونوں کا قول ہے:

”إن العالم إذا لم يعرف الصحيح من السقيم، والناسخ من المنسوخ من الحديث لا يسمي عالمًا“ (معرفة علوم الحديث للحاكم (صفحہ: ۶۰)۔

”جس عالم کو ضعیف حدیث سے صحیح حدیث اور منسوخ سے ناسخ حدیث کا علم نہ ہو اسے عالم نہیں کہا جاسکتا۔“

❷ ان کے فقیہ ہونے پر بھی طعن کیا ہے کہ وہ فقیہ نہ تھے جب کہ امام شافعی جو ان کے استاد ہیں فرماتے ہیں:

”خرجت من بغداد، و ما خلفت بها أفقه، و لا أزهد، و لا أروع، و لا أعلم من أحمد بن حنبل۔“

”جب میں بغداد سے نکلا ہوں تو میں نے بغداد میں احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہ، زاہد اور ان سے بڑا عالم کوئی نہیں چھوڑا۔“

اسی طرح ان کے استاد امام عبدالرزاق فرماتے ہیں:

”ما رأيت أفقه منه و لا أروع۔“

”میں نے ان سے بڑھ کر فقیہ اور زاہد نہیں دیکھا۔“

❸ کوثری صاحب نے دوسرے ائمہ۔ مالک اور شافعی۔ کی طرح امام احمد کی فصاحت میں بھی طعن کیا ہے۔

ان الزامات اور ان کے رد کے لیے ملاحظہ ہو: ”التنکیل“ (صفحہ: ۳۶۶-۳۷۲)۔

ان ائمہ کے علاوہ کتنے ایسے کبار ائمہ اور رواۃ حدیث ہیں جن کو کوثری صاحب نے محض تعصب مذہبی کی بناء پر

مطعون کیا ہے اور ان کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے تفصیل کے لیے ”التنکیل“ (صفحہ: ۲۷۷ و مابعدھا) دیکھیں۔

۲۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین:

① مؤذن رسول ﷺ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی توہین:

اذان میں ترجیع جسے عرف میں دوہری اذان کہا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ پہلے دو دفعہ ”أشهد أن لا إله إلا الله“ اور ”أشهد أن محمداً رسول الله“ کو ذرا پست آواز سے کہا جائے پھر دوبارہ شہادتین کو اونچی آواز سے کہا جائے اور اس اذان کا ذکر ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ فرماتے ہیں:

”أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - عَلَّمَهُ هَذَا الْأَذَانَ -“

”نبی ﷺ نے ان کو یہ اذان سکھائی۔“

اور ایک روایت میں ہے:

”أَلْقَى عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - التَّأْذِينَ بِنَفْسِهِ -“

”رسول اللہ ﷺ نے خود ان کو اذان سکھائی۔“

اور تیسری روایت میں ہے:

”أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَقْعَدَهُ فَأَلْقَى عَلَيْهِ الْأَذَانَ حَرْفًا حَرْفًا.....“

”نبی ﷺ نے انھیں بٹھایا اور حرف حرف کر کے اذان سکھائی۔“

حنفیہ کے ہاں چونکہ دوہری اذان نہیں چنانچہ انھوں نے اس حدیث کا جواب یہ دیا ہے:

”وكان ما رواه تعليماً فظنه ترجيعاً -“

(الهداية: ۱/۲۴۱، فتح القدیر) أيضاً شرح معانی الآثار (۱/۱۳۲)۔

یعنی یہ اذان تعلیم کی بناء پر تھی جسے ابو محذورہ نے دوہری اذان سمجھ لیا۔

ان لوگوں کے ہاں ابن تیمیہ، ابن قیم اور محمد بن عبد الوہاب ہی ناقص العقل نہیں ہیں بلکہ صحابہ بھی ایسے تھے۔ نعوذ باللہ۔

امام ابن ابی العز نے صاحب ”ہدایہ“ کے اس کلام پر یوں تعلیق لگائی ہے:

”و لا يظنّ بأبي محذورة الغلط، و لو كان على وجه الغلط لبين له، و لما كان

الصحابه - رضی اللہ عنہم - يسمعونه، و يقررونه على الغلط، بل ذلك يؤدى إلى

تغليط كل من سمعه من الصحابة“ (التنبيه على مشكلات الهداية (۱/۴۸۹)۔

”ابو محذورہ کے بارے میں غلطی کا گمان نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ اذان اگر غلطی کی بناء پر ہوتی تو نبی ﷺ ان

② اس حدیث کو مسلم (۴/۸۰-۸۱) ابوداؤد (۵۰۳-۵۰۵) اور نسائی (۲/۶-۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

کے لیے بیان کر دیتے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو اذان دیتے سنتے اور انھیں غلطی پر برقرار رکھتے بلکہ اس تاویل سے ان تمام صحابہ کی بھی تغلیط ہوتی ہے۔ جنھوں نے اس اذان کو سنا۔“

اس کے بعد انھوں نے اس حدیث کے وہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں جن سے اس تاویل کی تردید ہوتی ہے جو یہ ہیں:

”تقول: اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر: ترفع بها صوتك، ثم تقول: أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله، أشهد أن محمدا رسول الله، ثم ترفع صوتك بالشهادة: أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله، أشهد أن محمدا رسول الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله، أشهد أن محمدا رسول الله“

اور یہ ابوداؤد کی ایک روایت کے الفاظ ہیں۔

اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے ابومحذورہ سے فرمایا کہ چار دفعہ ”اللہ اکبر“ اونچی آواز سے کہو پھر شہادتین کا ذکر کیا اور فرمایا کہ کچھ پست آواز سے کہو، اس کے بعد فرمایا کہ پھر تم شہادت کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرو، یعنی اونچی آواز سے شہادتین کہو۔“

یہ روایت ذکر کرنے کے بعد ابن ابی العز لکھتے ہیں:

”فهذا يدل على أنه فعله بأمر رسول الله ﷺ له به، فانتفى أن يكون فعله ذلك بظنه۔“

”پس یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ ابومحذورہ نے اس طرح سے اذان رسول اللہ ﷺ کے حکم سے دی

چنانچہ اس سے اس تاویل کی نفی ہوگئی کہ انھوں نے اپنے خیال سے اس طرح اذان دی تھی۔“

مذکورہ روایت سے امام طحاوی کی تاویل بھی رد ہوگئی کہ ابومحذورہ نے آواز کو اس طرح سے نہیں کھینچا تھا جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے اس لیے آپ نے اس سے فرمایا کہ واپس لوٹ اور آواز کو کھینچ۔ ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار (۱۳۲/۱)۔

② امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی توہین:

صاحب ”ہدایہ“ رقمطراز ہیں:

”و عن عثمان -رضی اللہ عنہ- أنه قال: ”الحمد لله فارتج عليه فنزل و صلى۔“

(۶۰۵۹/۲ فتح القدیر)۔

”عثمان رضی اللہ عنہ نے ”الحمد لله“ کہا ان پر کچھ طاری ہوگئی چنانچہ منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھادی۔“

اور ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے: ”وقع في الاختلاط.....“ (۱۴۹/۱)۔

”یعنی ان پر ایسا اختلاط غالب ہوا کہ سوائے ”الحمد للہ“ کے کچھ اور کہہ ہی نہ سکے عیاذاً باللہ۔“ منقول از نتائج التقليد (ص: ۱۴۰)۔

یہ اشارہ ہے اس بے بنیاد قصہ کی طرف جسے بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو پہلے خطبہ کے لیے منبر پر چڑھے تو ”الحمد للہ“ کہنے کے بعد ان پر کچکی طاری ہو گئی تو فرمانے لگے کہ ابو بکر اور عمر تو خطبہ کی تیاری کر کے آتے تھے اور تم کو فعال امام کی قوال (زیادہ بولنے والا) امام کی نسبت زیادہ ضرورت ہے اور آئندہ تمہیں خطبہ دیے جائیں گے اس کے بعد ”استغفر اللہ لی و لکم“ کہہ کر منبر سے نیچے اتر آئے اور نماز پڑھادی۔ مگر یہ بے بنیاد قصہ ہے اسی لیے امام ابن ہمام اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

”فإنها لم تعرف في كتب الحديث ، بل في كتب الفقه“۔ (فتح القدیر: ۲/۶۰)۔

یعنی یہ قصہ کتب الحدیث میں نہیں بلکہ کتب الفقہ میں پایا جاتا ہے۔

علامہ ابن العربی نے ”عارضۃ الأحوذی“ (۲/۲۹۶) میں کہا ہے:

”حکى المؤرخون عن عثمان كذبة عظيمة“۔

”مؤرخین نے عثمان کے بارے میں بہت بڑا جھوٹ ذکر کیا ہے“ اس کے بعد انھوں نے اس قصہ کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن ابی العزّ کہتے ہیں:

”أنكره ابن العربي، وغيره من أهل الأثر“ (التنبیه علی مشكلات الهدایہ) (۲/۴۶۷)۔

”اس قصہ کا ابن العربی اور دیگر اہل اثر نے انکار کیا ہے۔“

اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”لم أجده مسنداً، وذكره قاسم بن ثابت في الدلائل بغير إسناد“ (الدراية: ۱/۲۱۵)۔

”یہ قصہ سند کے ساتھ مجھے نہیں ملا اس کو قاسم بن ثابت نے ”دلائل“ میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔“

یعنی لکھتے ہیں:

”هذا غريب، ولكن قد اشتهر في كتب الفقه أن عثمان.....“ (البنایۃ: ۳/۷۱)۔

”یہ غریب ہے مگر فقہ کی کتب میں مشہور ہے۔“

صاحب ”ہدایہ“ نے اس قصہ کو امام ابو حنیفہ کے اس قول کہ ”صرف ذکر اللہ کر لینے سے خطبہ ہو جائے گا“ کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے لیکن یہ خیال نہیں کیا کہ ایک تو یہ قصہ بے بنیاد ہے نیز اس میں عثمان رضی اللہ عنہ کی احانت بھی ہے کہ وہ خلیفہ تو بن گئے مگر خطبہ نہیں دے سکے یا بغیر کسی تیاری کے وہ منبر پر چڑھ گئے بس اپنی بات کی دلیل چاہیے، چاہے کسی

صحابی پر حرف آئے تو کوئی بات نہیں۔

⑤ خادم رسول ﷺ انس رضی اللہ عنہ کی توہین:

بعض حنفیہ نے انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کلام تو کیا ہی ہے کہ وہ فقیہ نہ تھے۔ ملاحظہ ہو: اصول البزدوی (۷۰۲/۲۔ کشف الأسرار) اور اصول الشاشی (صفحہ: ۲۷۵)۔

مگر کوثری صاحب نے ایک دوسرے ناچے سے ان میں کلام کیا ہے جس کی وجہ ان کی روایت کردہ بعض وہ احادیث ہیں جو حنفی مذہب کے خلاف ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی یہ حدیث کہ ایک یہودی نے ایک بچی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا وہ یہودی پکڑا گیا اور اس نے اعتراف کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے سر کو بھی دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے۔

یہ حدیث حنفی مذہب کے اس لیے خلاف ہے کہ ان کے نزدیک قصاص صرف تلوار سے ہے یعنی قاتل نے مقتول کو جس طرح بھی قتل کیا ہو لیکن قاتل کو صرف تلوار سے قتل کیا جائے۔

اور کوثری نے اس حدیث کو اس لیے بھی رد کیا ہے کہ اس میں قاتل کو مقتول کے قول کی بناء پر قتل کرنا ہے کیونکہ اس حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ وہ بچی ابھی زندہ تھی تو یہودی کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ یہ تمہارا قاتل ہے اس نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔

اور اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کا بڑھاپے کی وجہ سے حافظہ خراب ہو گیا تھا اس لیے انھوں نے غلطی سے اس حدیث کو بیان کر دیا ہے لہذا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ نعوذ باللہ۔

جب کہ یہ کوثری صاحب کا انس رضی اللہ عنہ پر اتہام ہے کیونکہ انس رضی اللہ عنہ کی تاحیات صحت بھی اچھی تھی اور ان کا حافظہ بھی ٹھیک رہا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”التنکیل“ (۶۰-۶۲) وایضاً (۳۱۸-۳۲۰)۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کی دوسری روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ یہودی نے قتل کا اعتراف کر لیا تھا لہذا اسے اس کے اعتراف کی بناء پر قتل کیا گیا تھا نہ کہ صرف اس بچی کے قول کی بناء پر۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ قاتل کو صرف مجروح (زخمی) کے قول کی بناء پر قتل کیا جاسکتا ہے اور ان کا استدلال اس حدیث کی ایک روایت سے ہے امام نووی ان کے استدلال کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و هذا تعلق باطل، لأن اليهودی اعترف كما صرح به مسلم في أحد رواياته التي

⑥ اس حدیث کو بخاری (۲۳۱۳، ۲۴۶۶، ۶۸۸۴، ۶۸۷۶) اور مسلم (۱۱/۱۵۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی مفصل تخریج میں نے ”روضۃ الناظر“ لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے جو کہ زیر طبع ہے۔

ذکر ناھا، فإنما قتل باعترافه، اللہ أعلم“ (شرح مسلم) (۱۵۹/۱۱)۔

”اس حدیث سے دلیل لینا باطل ہے کیونکہ یہودی نے اعتراف کر لیا تھا جیسا کہ مسلم نے اپنی روایات میں سے جن کو ہم نے ذکر کیا ہے ایک روایت میں صراحت کی ہے کہ اسے اس کے اعتراف کی بناء پر قتل کیا گیا۔ واللہ اعلم“

قلت: یہ صراحت ”صحیح بخاری“ میں بھی ہے یہ جواب اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ”تکلیل“ میں یہ جواب نہیں شاید

کہ ان پر اعتراف والی روایت مخفی رہی ہو۔

⑤ مفسر قرآن ابن عمر رسول اللہ ﷺ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی توہین:

حنفیہ کے نزدیک چونکہ ایک وتر نہیں ہے جب کہ صحیح احادیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ایک وتر پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے جن میں معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک وتر پڑھا تو اس کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

”دعہ، فإنہ قد صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“ ⑥

”ان پر اعتراض نہیں کرو۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ہیں“ مقصد یہ ہے کہ انھوں نے ایسا بغیر دلیل کے نہیں کیا۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں: ”إنہ فقیہ“ ⑦ ”وہ فقیہ ہیں۔“

یہ واقعہ عطاء بن ابی رباح بھی بیان کرتے ہیں اور ان کی روایت کے الفاظ ہیں: ”أصاب السنّة.....“ انھوں نے سنت پر عمل کیا ہے۔“ ⑧

اور کرب مولیٰ ابن عباس کی روایت میں ”أصاب“ کے بعد یہ اضافہ بھی ہے کہ ہم میں معاویہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہے وتر ایک، پانچ، سات اور اس سے بھی زیادہ ہیں آدمی جتنے چاہے وتر پڑھے۔“ ⑨

آئیے اب سنیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کا کوثری صاحب نے کیا جواب دیا ہے انھوں نے اپنی کتاب ”النکت“ (صفحہ: ۱۹۷) میں لکھا ہے:

”فلو صح عن ابن عباس هذا لحمل علی التقیہ ، لأنہ کان حاربه تحت رایۃ علی۔“

⑩ بخاری (۳۷۶۳) کتاب فضائل الصحابة باب ”ذکر معاویہ“ اور سنن کبریٰ بیہقی (۲۷/۳)۔

⑪ بخاری (۳۷۶۵)، سنن کبریٰ (۲۷/۳)۔

⑫ مصنف ابن ابی شیبہ (۸۸/۲)۔ دار التاج۔

⑬ مسند الشافعی (۸۶)، سنن کبریٰ (۲۶/۳) اور معرفہ السنن للبیہقی (۳۱۵/۲)۔

کرم اللہ وجہہ۔ فلا مانع من أن يحسب حسابه في مجالسه العامة دون مجلسه الخاص۔“
 ”اگر یہ ابن عباس سے صحیح ثابت ہو تو اسے تقیہ پر محمول کیا جائے گا کیونکہ انھوں نے علی کرم اللہ وجہہ۔“
 کے ساتھ مل کر معاویہ سے جنگ کی تھی لہذا اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ (معاویہ کو خوش کرنے کے لیے)
 اپنی عام مجلسوں میں ایسی بات کہیں۔“

شیخ احمد بن محمد بن صدیق عُماری مغربی (مراکشی) متوفی (۱۳۸۰ھ) جنھیں کوثری صاحب کے اکثر معتقدین عزت
 کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، انھوں نے کوثری صاحب کا مذکورہ کلام نقل کرنے کے بعد درج ذیل الفاظ سے رد کیا ہے:
 ”أي فيكذب علي رسول الله - صلى الله عليه وسلم - و علي شريعته و دينه، و يقول:
 إن معاوية أصاب السنة، و هو لا يعتقد ذلك، بل يعتقد أن السنة خلاف ذلك، و
 هي ما رآه أبو حنيفة من الإيتار بثلاث، فيرشد الناس إلى خلاف ما يعلم، و يروي
 عن رسول الله - ﷺ - و ينسب إليه ما لم يفعل!

فانظر إلى هذا المجرم القليل الدين، كيف يستهين بصاحب رسول الله - ﷺ - و ابن
 عمه، و ينسب إليه ما لا يرضاه لنفسه مسلم غيور على دينه، و لم يراع فيه حرمة
 الصحبة، و لا حرمة القرابة، و لا جلالته في العلم، و لا مكانته في الورع و التقوى
 الخ“ (بيان تلبیس المفتری محمد زاهد الکوثری“ (صفحہ: ۶۲-۶۳)۔

”یعنی ابن عباس نے رسول اللہ ﷺ پر اور آپ کی شریعت و دین پر جھوٹ بولتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ
 معاویہ نے سنت پر عمل کیا جب کہ وہ اس عمل کو خود سنت نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کے خلاف عمل کو سنت سمجھتے
 تھے اور وہ ہے تین وتر جیسا کہ ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور جس چیز کو وہ جانتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے
 روایت کرتے تھے اس کے خلاف لوگوں کی رہنمائی کریں۔ اور آپ کی طرف ایسا کام منسوب کریں جو

بلاشبہ یہ ان سے صحیح بات ہے۔

بعض علماء بلکہ کتب کے اکثر نسخہ جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے کہا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دیگر صحابہ کے علاوہ ”کرم اللہ
 وجہہ“ یا ”علیہ السلام“ استعمال کرتے ہیں حافظ ابن کثیر قطراز ہیں: ”و هذا وإن كان معناه صحيحاً، لكن ينبغي أن
 يسوّى بين الصحابة في ذلك، فإن هذا من باب التعظيم، والتكريم، فالشيخان، و أمير المؤمنين عثمان أولى
 بذلك منه۔ رضی اللہ عنہم أجمعین۔ (تفسیر ابن کثیر ۶/۶۳۳-۶۳۴) (الأحزاب: ۵۶) ”اس کے معنی اگرچہ صحیح ہیں
 لیکن بہتر یہ ہے کہ تمام صحابہ میں برابری کی جائے کیونکہ یہ تعظیم اور تکریم کے باب میں سے ہے چنانچہ شیخین (ابوبکر و عمر) اور
 عثمان رضی اللہ عنہ تعظیم اور تکریم میں ان سے اولیٰ ہیں۔“

آپ نے نہیں کیا۔

اس کمزور دین والے مجرم کو دیکھو کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور آپ کے چچا زاد بھائی کی کس طرح اہانت کی ہے اور ان کی طرف ایک ایسی چیز منسوب کی ہے جو ایک غیور مسلمان اپنے بارے میں بھی پسند نہیں کرتا۔

اس آدمی نے نہ تو صحبت اور قرابت کی حرمت کا، اور نہ ہی علم میں ان کے مقام کا اور زہد و تقویٰ میں ان کے مرتبہ کا خیال رکھا۔ ﴿۵﴾

قلت: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تقیہ سے کام لیا یہ بات صرف کوثری صاحب ہی کی نہیں بلکہ اس میں ان کے قدوہ پیشوا۔ ہیں امام طحاوی، ملاحظہ ہو ان کی کتاب ”شرح معانی الآثار“ (۲۸۹/۱) اور امام طحاوی کا امام بیہقی نے بڑے اچھے انداز میں رد کیا ہے ملاحظہ ہو: ”معرفۃ السنن والآثار“ (۳۱۵-۳۱۶)۔

تنبیہ = عکرمہ سے ایک روایت یوں آئی ہے کہ میں معاویہ کے پاس بیٹھا ابن عباس سے گفتگو کر رہا تھا حتیٰ کہ رات کا تہائی یا چوتھائی حصہ بیت گیا تو معاویہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے ایک رکعت ادا کی تو ابن عباس نے کہا کہ دیکھو اس گدھے نے یہ ایک رکعت کہاں سے لی ہے اس کو طحاوی نے ”شرح معانی الآثار“ (۲۸۹/۱) میں روایت کیا ہے اور یہ روایت باطل و مردود ہے کیونکہ اس کی سند میں عبد الوہاب بن مجاہد ہے جو متروک ہے بلکہ ثوری نے اسے کذاب کہا ہے۔ نیز ابن عباس سے جو صحیح روایات ہیں یہ ان کے خلاف بھی ہیں۔

﴿۵﴾ حافظ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تو ہیں:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ

”لا یمنع جار جارہ أن یغرز خشبہ فی جدارہ“ ﴿۶﴾

”کوئی پڑوسی اپنے پڑسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے نہ روکے۔“ ﴿۷﴾

اب علماء میں اختلاف ہے کہ پڑوسی کے لیے یہ جو حکم ہے یہ واجب ہے یعنی اسے لازماً لکڑی گاڑنے دینا ہوگی یا کہ مستحب ہے یعنی اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۔

جن علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم مستحب ہے ان میں سے حنفی فقہاء بھی ہیں جب کہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد

﴿۸﴾ اس کے بعد ان کا جو کلام ہے وہ انتہائی سخت ہے جو یہ ہے: ”کل ذلك من أجل أبي حنيفة حتى لا يسقط له قول، ولا

يرد له رأي، ولهذا قلنا: إنه على استعداد تام لأن يكفر بالنبي - صلى الله عليه وسلم - إذا شافهه بخطأ أبي حنيفة۔“

﴿۹﴾ بخاری (۲۴۶۳)، مسلم (۱۶۰۹)۔

﴿۱۰﴾ مثال کے طور پر اسے مکان کی چھت کے گاڑو وغیرہ رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو انداز اختیار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

”مالی أراکم عنہا معرضین، واللہ لأرمین بها بین أکشافکم“

کوثری صاحب نے اپنی کتاب ”النکت“ (صفحہ: ۱۵۰) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس کلام کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ وہ مدینہ پر مروان کی طرف سے نائب تھے اس لیے انھوں نے مروان کی خاطر یہ کہا تھا۔

اس پر بھی غماری صاحب نے کوثری صاحب کا بڑے سخت انداز سے رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک ایسی بات منسوب کی جو آپ نے نہیں کہی اور آپ پر جھوٹ بولا جب کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے: ”من کذب علیّ.....“ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہیے۔“ ملاحظہ ہو: ”بیان تلبیس المفتري“ (صفحہ ۶۳-۶۴)۔

یہ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس دور میں توہین کی مثال تھی آئیے اب پہلے دور میں ان کی توہین کی مثال ملاحظہ کیجیے۔

وہ یہ ہے کئی حنفی علماء نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ فقیہ نہ تھے مثال کے طور پر دیکھیں: أصول السرخسی (۳۴۱/۱) اسی طرح ”نور الأنوار“ (صفحہ: ۱۷۹، مطبوعہ مجتہدائی دہلی)۔ جیسا کہ ”نتائج التقلید“ (صفحہ: ۲۲۳-۲۲۴) میں ہے۔ وغیرہ میں بھی ان کو غیر فقیہ کہا گیا ہے۔

اور سب سے پہلے یہ بات ابراہیم غنخی نے کہی جب کہ ان کو غیر فقیہ کہنا ان کی اہانت ہے کیونکہ وہ فقیہ تھے اسی لیے علماء احناف کی ایک جماعت نے ان کے فقیہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ جن میں امام ابن ہمام، علاء الدین بخاری، امیر بادشاہ اور عبدالعلی انصاری بھی ہیں بلکہ علاء الدین بخاری نے کہا ہے:

”علی أنّا لا نسلّم أنّ أبا هريرة۔ رضی اللہ عنہ۔ لم یکن فقیہاً، بل کان فقیہاً۔“

”ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہ تھے بلکہ وہ فقیہ تھے۔“

ان سب کے اقوال کو تفصیل سے میں نے ”روضۃ الناظر“ لابن قدامہ کی تعلیق میں ذکر کیا ہے جو بیروت میں زیر طبع ہے۔

ایک عبرت ناک واقعہ:

قاضی ابوطیب بیان کرتے ہیں کہ ہم جامع منصور میں ایک علمی مجلس میں تھے کہ ایک خراسانی نوجوان آیا اور مصر ^۱ کے مسئلے کے بارے میں سوال کیا اور دلیل طلب کی اور دلیل میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی گئی۔

^۲ مُصْرَاة اس جانور کو کہتے ہیں جس کے دودھ کو فروخت کرنے کی غرض سے دو، تین روز کے لیے نکالا نہ جائے تاکہ خریدنے والا زیادہ دودھ دیکھ کر زیادہ قیمت دے اور حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے اور جو شخص ایسا جانور خرید لیتا ہے تو اسے →

چند مقب پر ایک نظر

وہ حنفی تھا اس نے کہا کہ ابو ہریرہ کی حدیث قابل قبول نہیں اس کا یہ کہنا ہی تھا کہ مسجد کی چھت سے ایک بڑا سانپ گرا اور اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا وہ آگے آگے دوڑا جا رہا ہے اور سانپ اس کے پیچھے پیچھے تو لوگوں نے اس سے کہا کہ توبہ کر جب اس نے توبہ کی تو سانپ غائب ہو گیا۔

اس واقعہ کو علامہ ذہبی نے ”سیر اعلام النبلاء“ (۲/۶۱۸-۶۱۹) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند کے راوی بڑے بڑے امام ہیں۔ اس کو مولانا انور شاہ کشمیری نے بھی ”العرف الشددی“ (۱/۱۳۸) میں ذکر کیا ہے۔

مفتی صاحب کو نصیحت:

مفتی صاحب آپ کا تعلق اگر آپ کے اس گروہ سے ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فقیہ نہیں مانتا اور ان کی روایات کو رد کرتا ہے تو ”الدين النصيحة“ کے پیش نظر ہم آپ سے کہیں گے کہ آپ اس عقیدے سے فوراً توبہ کر لیں جیسا کہ اس نوجوان نے کی اگر بغیر توبہ کیے مر گئے تو قبر میں اگر سانپ نکل آیا تو پھر بہت مشکل پیش آئے گی۔

مذکورہ صحابہ کے علاوہ کچھ دیگر صحابہ بھی ایسے ہیں جن پر بعض حنفی علماء نے طعن کیا ہے تفصیل کے لیے ”نتائج التقليد“ (صفحہ: ۲۲۶-۲۲۸) ملاحظہ کریں۔

اسی طرح بعض تابعین اور تبع تابعین کی بھی توہین کی گئی ہے تفصیل کے لیے مذکورہ کتاب دیکھیں۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کی توہین:

رسول اللہ ﷺ کی توہین ناقابل معافی جرم ہے اور اس کی سزا قتل ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ہے جس کا نام ہے: ”الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ“ یہ کتاب علمی تحقیق کے ساتھ پہلی مرتبہ ۱۹۹۷ء میں دار ابن حزم بیروت سے تین جلدوں میں شائع ہوئی اس سے پہلے یہ ۱۳۲۲ھ میں ہندوستان سے اور ۱۳۷۹ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔

اب رسول اللہ ﷺ کی توہین کی مثال سینے صاحب ”ہدایہ“ لکھتے ہیں:

”و من امتنع من الجزية، أو قتل مسلماً، أو سب النبي - عليه الصلاة والسلام -

أوزني بمسلمة لم ينتقض عهده“ (بداية المبتدي: ۶/۶۲، فتح القدیر)۔

→ تین دن کے اندر اسے واپس کرنے کا اختیار ہے اگر وہ واپس کرے تو ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے اور یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے حنفیہ کا اس حدیث پر عمل نہیں اس لیے کہ ان کے خیال میں یہ خلاف قیاس ہے کیونکہ اگر جانور واپس کرنا ہے تو دودھ جو نکالا گیا اس کی قیمت واپس کی جائے نہ کہ ایک صاع کھجور۔

”جو (ذمی) ﴿۱﴾ جزیہ دینے سے انکار کرے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا نبی ﷺ کو گالی دے یا مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹتا۔“

جب کہ دوسرے ائمہ اور فقہائے حدیث کے ہاں اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل بھی کیا جائے گا۔ ابن نجیم ان کے مذہب کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ”نعم نفس المؤمن تمیل الی قول المخالف فی مسئلة السب، لكن اتباعنا للمذهب واجب“ (البحر الرائق: ۱۹۵/۵) ”ہاں مؤمن کا دل سب کے مسئلے میں مخالف کے قول کی طرف ہی مائل ہوتا ہے لیکن ہمارے لیے اپنے مذہب کی اتباع کرنا واجب ہے۔“ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کے عہد ٹوٹ جانے اور اس کے قتل پر کتاب و سنت کے کئی دلائل دیے ہیں اور اسی طرح اس مسئلہ پر صحابہ اور تابعین کا اجماع بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (۳۲/۲)۔ وما بعدھا۔

ذمارک وغیرہ کے لوگوں کو اس حنفی مذہب کا شاید علم نہ ہوگا ورنہ وہ اس سے حجت پکڑتے کہ آپ خواہ مخواہ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں کیونکہ ہم تو اپنے ملکوں میں ہیں جب کہ آپ کے ہاں آپ کے ملک میں رہ کر بھی ہمارے ذمی کا عہد نہیں ٹوٹتا لہذا آپ ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟

یہ تو رسول اللہ ﷺ کی ذات کی بات ہے لیکن اگر امام صاحب کی ذات کی بات ہو تو شاید ایسے آدمی کو یہ ایک لمحہ برابر بھی برداشت نہ کریں۔ صرف رسول اللہ ﷺ کی توہین پر ہی اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی توہین کی گئی۔ چنانچہ بانی دیوبند قاسم نانوتوی صاحب لکھتے ہیں: ”انبیاء اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بہت وقتوں میں بظاہر امتی مساوی و برابر ہو جاتے ہیں بلکہ امتی نبیوں سے عمل میں بڑھ جاتے ہیں۔“ (تحذیر الناس، ص: ۵۲، مطبوعہ دیوبند منقول از وہابی مذہب (۱/۶۶۰)۔

۴۔ قرآن کریم کی توہین:

اس کتاب کے (صفحہ: ۱۳۸) میں فتاویٰ قاضیوں وغیرہ کے حوالے سے یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ شفاء کی خاطر قرآن کو پیشاب سے لکھنا جائز ہے۔ اب آپ خود ہی بتائیے کہ اس میں قرآن مجید کا ادب و احترام ہے یا کہ توہین۔

۵۔ قرآن و حدیث میں تحریف:

۱۔ قرآن مجید میں تحریف:

﴿۱﴾ شیخ الہند صاحب نے تقلید کو ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی سورہ نساء کی آیت (نمبر: ۵۹) میں ﴿فَرُدُّوهُ﴾ ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے دارالاسلام میں جزیہ ادا کر کے رہتا ہو جزیہ ایک مخصوص رقم ہے جو اسے سالانہ ادا کرنی ہوتی ہے اور اس کے عوض میں مسلمان حکومت پر اس کی جان اور مال کی حفاظت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

چند قتب پر ایک نظر

إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ﴿۱﴾ کے بعد ﴿۲﴾ وَأُولَى الْأَمْرِ ﴿۳﴾ کا اضافہ کر دیا۔ ملاحظہ ہو: إيضاح الأدلہ (صفحہ: ۹۷، مطبع قاسمی مدرسہ اسلامیہ دیوبند باہتمام مولانا حبیب الرحمن) اور (صفحہ: ۱۰۳، مطبوعہ جمال پرنٹنگ ورکس دہلی، مطبوعہ مراو آبادی یو پی، ہند)، منقول از نتائج التقليد (صفحہ: ۱۸۵) و الطوام المرعشہ (صفحہ: ۵۴)۔

اس تحریف کا علماء اہل حدیث کی طرف سے تعاقب کیا گیا جن میں سے مولانا محمد جونا گڑھی بھی ہیں انھوں نے اپنے اخبار محمدی میں اس پر تعاقب کیا لیکن اس کے باوجود اس کی اصلاح نہیں کی گئی۔

اس کتاب کے دسیوں ایڈیشن اس کتاب میں اسی اضافے کے ساتھ چھپتے رہے مگر چند سال قبل پاکستان میں اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا جس میں اس تحریف کی اصلاح کر دی گئی اور حاشیے میں لکھ دیا گیا کہ طباعت کی غلطی سے ایسا ہوا۔ اگر طباعت کی غلطی سے ایسا ہوا تھا تو علماء اہل حدیث کے تعاقب کرنے پر موصوف نے اس کی وضاحت کیوں نہیں کی تھی کہ یہ طباعت کی غلطی سے ایسا ہو گیا ہے لہذا معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے گی۔ وہ یہ بات کیسے کہہ سکتے تھے کیونکہ انھوں نے دیدہ دانستہ طور پر یہ اضافہ کیا تھا تا کہ اس سے تقلید کا اثبات کیا جاسکے اور سید محمد آحسن امروہی صاحب کی کتاب ”مصباح الأدلہ“ کی دلیل: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُكِنُّمُ.....﴾ الایۃ۔ کا جواب دیا جاسکے چنانچہ انھوں نے ان کو جواب دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ آپ نے آیت ﴿فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ تو دیکھ لی اور آپ کو یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے۔ منقول از نتائج التقليد: (صفحہ: ۱۸۵)۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

مؤلف تو اس صراحت اور وثوق سے یہ اضافہ کریں اور یہ ان کی طرف سے دفاع کریں کہ کتابت کی غلطی سے ایسا ہوا۔ ایک مشہور مقولہ ہے: عذر گناہ بدتر از گناہ۔“

اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے تقریباً تیس سال بعد سید اصغر حسین دیوبندی کی کوشش سے ربیع الثانی (۱۳۳۰ھ) میں اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا اور اس میں بھی مذکورہ اضافہ (صفحہ: ۲۷) میں موجود ہے اور کسی دیوبندی عالم نے اس پر انکار نہیں کیا جیسا کہ شاہ بدیع الدین رحمہ اللہ نے ”الطوام المرعشہ“ (صفحہ: ۵۵) میں ذکر کیا ہے۔

دادا رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ایضاح الأدلہ“ اور ”سیرۃ النعمان“ بارہا چھپ چکی ہیں۔[❦] اور نئے نئے حواشی صحت

❦ ”سیرۃ النعمان“ میں جو تحریف ہے عنقریب اس کا ذکر آ رہا ہے۔

اور ترجمے سے چھپ چکی ہیں مگر سبھی ”بڑوں نے کی چھوٹوں نے نبھائی“ کا مصداق ہو رہے ہیں۔ ”نتائج التقلید (صفحہ: ۱۸۶)۔

❖ شبلی نعمانی صاحب نے سورہ تغابن کی آیت نمبر: ﴿وَمَنْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا﴾ میں ﴿ويعمل﴾ کی بجائے ”فیعمل“ کر دیا تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو، سیرۃ النعمان (صفحہ: ۷۴، مطبوعہ کرمی لاہور)۔

چند سال قبل اس کتاب کو کراچی سے شائع کیا گیا تو اس تحریف شدہ آیت کو نکال دیا گیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ نتائج التقلید (صفحہ: ۱۸۴)، الطوام المرعشة فی بیان تحریفات اهل الرأي المدهشة لبديع الدين الراشدي (صفحہ: ۵۴-۵۹) اور ”تحریف النصوص“ للدكتور بكر أبو زيد (صفحہ: ۱۶۲-۱۶۵)۔

❖ قرآن مجید کی معنوی تحریف:

مذکورہ دو مثالیں تھیں لفظی تحریف کی اور اب ایک معنوی تحریف کی مثال بھی ملاحظہ کر لیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے ”التعلیق الممجد“ (۴۰۰/۱) میں فائدہ کے عنوان کے تحت صاحب ”الکنز المدفون، و الفلک المشحون“ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حنفی مشائخ میں سے کسی شیخ کی کتاب دیکھی جس میں انھوں نے اختلافی مسائل کو ذکر کیا ہے اور اس میں عجیب باتوں میں سے ایک عجیب بات یہ بھی کہ رفع یدین کے ترک پر اللہ تعالیٰ کے قول ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ (النساء: ۷۷) سے بھی استدلال کیا ہے اور یہ بات میں اپنے اصحاب سے تعجب کے طور پر ذکر کرتا تھا حتیٰ کہ میں نے ”تفسیر ثعلبی“ میں اس سے بھی تعجب خیز بات دیکھی وہ یہ کہ انھوں نے (ثعلبی نے) سورہ اعراف کی تفسیر میں تنوخی قاضی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف: ۳۱) سے مراد نماز میں رفع یدین کرنا ہے۔ یہ صاحب ایک طرف اور وہ صاحب دوسری طرف۔

❖ قرآن مجید میں کمی اور اضافہ:

مذکورہ مثالیں تو قرآن مجید کے اندر لفظی اور معنوی تحریف کی تھیں اب قرآن مجید میں ایک نقص اور ایک نئی آیت کے اضافے کی مثال بھی ملاحظہ کریں۔

نقص کی مثال:

شاہ بدیع الدین رحمہ اللہ نے تاریخ دمشق (مخطوط، ص: ۱۷۶-۱۷۷) کے حوالے سے ابو بکر بن حرب۔ جو اپنے

❖ ملاحظہ ہو: تاریخ دمشق (۳۶/۲۵۷-۲۵۸) مطبوعہ۔

علاقے میں اہل رأی (أحناف) کے شیخ تھے۔ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں عام طور پر اپنے شہر میں اپنے اصحاب (حنفیہ) کو دیکھتا ہوں کہ وہ اہل حدیث پر ظلم کرتے ہیں ایک دفعہ میں حاتم عفلکی کے پاس تھا کہ ان کے پاس ہمارے اصحاب میں سے ایک شیخ آئے اور کہنے لگے کہ تم وہی ہو جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہو کہ آپ نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے انھوں نے کہا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے ان کا یہ قول صحیح ثابت ہے: ”لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب“ تو اس شیخ نے ان سے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ فاتحہ الكتاب تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھی نہیں بلکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ نازل ہوئی۔ ملاحظہ ہو: الطوام المرعشة (صفحہ: ۵۳)۔

یہ اچھی بات ہے کہ قرآن مجید سے فاتحہ کو نکال ہی دیا جائے تاکہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے والا مسئلہ ہی ختم ہو جائے نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

نئی آیت کے اضافے کی مثال:

ڈاکٹر ضیاء الحسن انصاری گنگوہی اپنے فاتحہ کے مسئلے میں تالیف شدہ رسالے کے صفحہ اول میں لکھتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ”من یرد اللہ بہ خیراً یفقهہ فی الدین۔“

”جس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کے اندر فقہات عطا فرمادیتا ہے۔“

جب کہ یہ قرآن مجید کی آیت نہیں بلکہ حدیث ہے۔ شاہ صاحب اس کو قرآن مجید کی آیت کہنے کا سبب لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”وإنما حملة على ذلك لأن الخبر الواحد عندهم ظني، و لهذا جعله من القرآن، فيكون دليلاً قطعياً على فضيلة الفقه المروّج الذي عليه التعويل عندهم۔“

(الطوام المرعشة، ص: ۶۰)۔

”اس کو آیت کہنے کا سبب یہ ہے کہ خبر واحد ان کے ہاں ظنی ہے لہذا اس کو قرآن مجید کی آیت بنا دیا تاکہ مروّج فقہ جس پر ان کا اعتماد ہے اس کی فضیلت پر قطعی دلیل بن سکے۔“

قلت: اگر یہ سبب نہ بھی ہو بلکہ غلطی سے ایسے ہوا ہو تب بھی یہ چیز قابل مؤاخذہ ہے کہ ایک ڈاکٹر ہو کر قرآن اور

اس حدیث کو بخاری نے (۷۱) کتاب العلم اور مسلم نے (۱۰۳۷) کتاب الزکاة، باب ”النهی عن المسألة“ میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ترمذی نے (۲۶۳۵) ”کتاب العلم“ میں اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن ماجہ نے (۲۲۰)، المقدمة میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

حدیث میں تمیز نہ کر پائے ^① اور بغیر تحقیق کیے کسی چیز کو لکھ دے۔

ب: حدیث میں تحریف:

حدیث میں تحریف کی کئی مثالیں ہیں مگر ہم اختصار کے طور پر صرف تین مثالوں پر اکتفاء کریں گے۔

① أبوداؤد (۱۴۲۹) کتاب الصلوة ، باب ”القنوت فی الوتر“ میں حسن بصری سے روایت ہے۔ ”أَنَّ عَمْرَ

بْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي بَنٍ كَعْبٍ فَكَانَ يَصْلِي لَهُمْ عَشْرِينَ لَيْلَةً.....“۔

”عمر بن خطاب نے اُبی بن کعب کو لوگوں کے لیے (تراویح کا) امام مقرر کیا تو وہ ان کو بیس رات تک تراویح پڑھاتے.....“

حدیث میں ”عشرین لیلۃ“ ہے مگر جب سنن ابی داؤد مطبوعہ مجتہائی سے شیخ الہند محمود الحسن صاحب کی تصحیح کے ساتھ چھپی تو انھوں نے حاشیے میں یہ لکھ دیا: ”رکعة کذا فی نسخة مقروءة علی الشیخ المولانا محمد إسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ۔“

مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب نے أبوداؤد کی شرح لکھتے وقت اسی نسخہ کو اختیار کیا اور شیخ الہند صاحب نے جو کہا اس کو برقرار رکھا۔

ان کے بعد مولوی فخر الحسن گنگوہی اور فیض الحسن گنگوہی دونوں باپ بیٹے نے ابوداؤد مطبوعہ مجیدی کانپور ۱۳۴۵ھ کی تصحیح و حواشی کرتے ہوئے ”رکعة“ کو متن حدیث میں لکھ کر اس پر ”نسخہ“ کا نشان دیتے ہوئے حاشیہ میں ”لیلۃ“ کو نسخہ قرار دے دیا۔

ان کے بعد ایک تیسرے دیوبندی مولوی نے ابوداؤد مطبوعہ نولکشور کی تصحیح کرتے ہوئے متن میں لیلۃ اور رکعة کو ایک ساتھ ذکر کر دیا یعنی یوں لکھ دیا ”عشرین لیلۃ رکعة“ ملاحظہ ہو۔ نتائج التقلید (۱۸۹-۱۹۰)۔

اس حدیث میں ”لیلۃ“ کی بجائے ”رکعة“ کا ذکر باطل ہے اور اس کے بطلان پر مزید دلائل کے لیے مولانا سلطان محمود رحمہ اللہ کا رسالہ ”نعم الشہود علی تحریف الغالین فی سنن أبوداؤد“ اور ”الطوام المرعشہ“ (صفحہ: ۸۹-۹۲) دیکھیں۔

② ابن ماجہ کی ایک حدیث کی سند میں اضافہ۔

جابر بن عبد اللہ رحمہ اللہ کی حدیث ہے:

① حدیث کے بارے میں ان لوگوں کا یہی حال ہے کہ کہیں حدیث کو قرآن بنا دیں اور کہیں ایک چیز کے بارے میں حدیث موجود ہے اور اس کے بارے میں صرف عربی مقولہ ہی ذکر کر دیں جیسا کہ مفتی صاحب نے کیا ہے ملاحظہ ہو اس رسالے کا صفحہ (۱۳۵)۔

”من كان له إمام فقراء الإمام له قراءه“۔

”جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لیے کافی ہے“ اس کو ابن ماجہ (۷۵۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند اس طرح ہے:

”عن جابر عن أبي الزبير عن جابر۔“

اس کو ابو زبیر سے روایت کرنے والا جابر بن یزید جعفی ہے جو ضعیف ہے بلکہ متہم ہے لہذا اس کی سند سخت ضعیف ہے چونکہ یہ حدیث حنفی مذہب کی دلیل ہے اس لیے اس کو صحیح بنانے کی کوشش کی گئی وہ اس طرح کہ ”جابر عن أبي الزبير“ کی بجائے ”جابر و أبي الزبير“ کر دیا گیا اس کے معنی یہ ہو گئے کہ اس حدیث کو جابر جعفی بیان کرنے میں متفرد نہیں بلکہ ابو الزبیر نے اس کی متابعت کی ہے جب کہ جابر جعفی نے اس حدیث کو ابو الزبیر سے بیان کیا ہے۔

اور یہ عظیم الشان کارنامہ۔ یعنی ”عن“ کی بجائے ”و“ کا ذکر۔ مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی نے ابن ماجہ مطبوعہ فاروقی دہلی کی تصحیح کرتے ہوئے سرانجام دیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”نتائج التقلید (صفحہ: ۱۹۵-۱۹۶) اور الطوام المرعشہ (صفحہ: ۹۳-۹۴)۔

③ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تحریف:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے:

”كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث لا يقعد إلا في آخرهن“۔

”رسول اللہ ﷺ تین وتر پڑھتے اور صرف آخری رکعت میں قعدہ کرتے۔“

اس حدیث کو حاکم نے (۳۰۴/۱) اور ان سے بیہقی (۲۸/۳) نے روایت کیا ہے اس کو حافظ ابن حجر نے بھی ”فتح

الباری (۲/۲۸۱) اور ”تلخیص الحبیر“ (۲/۱۵) میں حاکم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی طرح بعض دیگر علماء نے بھی، مگر مستدرک حاکم کے مطبوعہ نسخے میں یہ حدیث مذکورہ الفاظ کی بجائے ان الفاظ سے ہے:

”لا يسلم في الركعتين الأوليين من الوتر“۔

”آپ ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔“

یعنی ایک سلام سے ہی تین وتر پڑھتے۔ اور اس حدیث میں یہ الفاظ ”مستدرک حاکم“ میں تحریف کا نتیجہ ہیں کیونکہ

یہی حدیث مستدرک کی ”تلخیص ذہبی“ میں ”لا يقعد إلا في آخرهن“ کے الفاظ سے ہے اور انہی الفاظ

سے اس کو امام بیہقی نے حاکم کی سند سے روایت کیا ہے اور ”مستدرک“ کے مطبوعہ نسخے میں یہ تحریف ایک حنفی عالم

کی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ”التعليق المغنى على سنن الدارقطني“ (۲/۲۶-۲۷) وأيضاً ”الطوام

انہی تین مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں مزید مثالوں کے لیے ”نتائج التقلید“ اور ”الطوام المرعشة“ دیکھیں۔

۶۔ صحیح احادیث کو رد کرنا:

یہاں اس کی مثالیں دے کر ہم تفصیل میں نہیں جانا چاہتے چنانچہ اختصار کے پیش نظر اس کتاب میں بعض جو مثالیں اور اس سلسلے میں بعض علماء کے جو اقوال ذکر ہو چکے ان کی طرف احالہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے لہذا اس کتاب کے درج ذیل صفحات میں امام ابو الحسن کرخی، شیخ الہند محمود الحسن، مولانا تقی عثمانی، مفتی محمد شفیع، شیخ عبد الوہاب شعرانی، مولانا لکھنوی، مولانا تھانوی، اور ابن مبارک کے اقوال ملاحظہ کر لیں۔ (صفحہ: ۱۱۱-۱۱۳، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰)۔

۷۔ مذہب کی خاطر رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ:

اس کی بعض مثالیں اس کے بعد آنے والی فصل دوم میں آرہی ہیں اور اس کی ایک مثال اس کتاب کے (صفحہ: ۱۸۳) میں بھی گزر چکی ہے اسے بھی ملاحظہ کیجیے۔

اب ہم مفتی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ مفتی صاحب رسول اللہ ﷺ کی توہین، آپ پر جھوٹ بولنا، قرآن مجید کی توہین، احادیث کے اندر تحریف، صحیح احادیث کو رد کر دینا، صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع، ائمہ ثلاثہ مالک، شافعی و احمد اور دیگر کبار ائمہ و علماء پر طعن یہ زیادہ بڑے جرم ہیں یا کہ امام ابوحنیفہ پر طعن بڑا جرم ہے اگر آپ یہ کہیں کہ امام ابوحنیفہ پر طعن زیادہ بڑا جرم ہے تو پھر آپ سے بات کرنا ہی فضول ہے اگر آپ یہ کہیں کہ نہیں رسول اللہ ﷺ کی توہین قرآن مجید کی توہین وغیرہ یہ بڑے جرم ہیں تو ہم آپ سے پوچھیں گے کہ جن لوگوں نے ان جرائم کا ارتکاب کیا ہے ان کا قبر میں کیا حشر ہوا ہوگا آپ خود ہی بتائیں

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

مفتی صاحب سے ہم ایک بات یہ بھی پوچھنا چاہیں گے کہ مفتی صاحب یہ جو جرائم ہیں ان سے اللہ تعالیٰ، خوش ہوا یا کہ ناراض، یقیناً ناراض ہوا تو پھر مٹ تو آپ لوگوں کی ماری گئی لہذا (صفحہ: ۳۹) میں آپ نے پنجابی کی جو یہ کہاوٹ ”رب رستے تے مت کھتے“ ذکر کی ہے یہ تو آپ لوگوں پر صادق آرہی ہے۔

مفتی صاحب! آپ نے اپنی مذکورہ بات کے بعد لکھا ہے کہ ”باتیں تو بہت ہیں ذہن و قلب میں گھوم رہی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ جناب مولوی محمد یوسف صاحب رحمانی کی دوسری کتاب کے شروع میں مقدمہ کی صورت میں تحریر کروں گا جو عنقریب شائع ہوگی جس کا نام ہے۔“ (صفحہ: ۵۸)۔

جس کتاب کی طرف مفتی صاحب نے اشارہ کیا ہے اس کے بارے میں تاحال ہمیں علم نہیں کہ وہ چھپ چکی ہے یا کہ نہیں اگر نہیں چھپی تو مفتی صاحب سے اتنا ضرور کہیں گے کہ مفتی صاحب ہوش کے ناخن لے کر اور تہذیب و اخلاق کے دائرے کے اندر رہ کر بات کرنا ورنہ آپ کے ذہن و قلب میں گھومنے والی باتوں کو ایسا نکالیں گے کہ وہ تا زندگی آپ کو یاد نہیں آئیں گی۔ ان شاء اللہ

مفتی صاحب نے (صفحہ: ۵۷) میں لکھا ہے کہ ”حسد اور ضد ہی کے کرشمے ہیں کہ آج تک یہ لوگ حضرت امام الاعظمؒ کے مقابلے میں نہ کوئی دین کا کوئی معیاری کام کر سکے اور نہ ہی کوئی مستند کتاب شرعی مسائل کی متفقہ ان سے ظہور میں آئی ہے۔ یہ خدا کی طرف سے ان لوگوں کے لیے کھلا چیلنج ہے اگر دیدہ بصیرت و بصارت ہو: ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾۔

مفتی صاحب سب سے پہلی بات یہ ہے کہ امام صاحب نے دین کا جو معیاری کام کیا اس کا دین کو فائدہ کیا ہوا کیونکہ آپ نے (صفحہ: ۳۶) میں لکھا ہے کہ عیسائی فاتحین نے اندلس کے دریائی پانی کو سیاہ اور فضاء کو کتب کے جلانے سے دھواں دار اور مکدر کر دیا تھا ان میں اکثر کتب حضرت امام اعظمؒ کی اور فقہ حنفی کی بھی ہوں گی جیسا کہ بعض علماء کا قیاس کہتا ہے۔ واللہ اعلم۔ لہذا امام صاحب نے دین کا جو معیاری کام کیا تھا وہ بقول آپ کے ضائع ہو گیا۔

مفتی صاحب دوسری بات یہ ہے کہ وہ کونسی کتب ہیں جو امام صاحب نے تالیف کی ہیں ذرا ان کی فہرست پیش کریں گے امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ جسے آپ لوگ بہت فخر سے بیان کرتے ہیں اور شبلی نعمانی صاحب نے بھی اس کو بڑے زور و شور سے ذکر کیا ہے ہم آپ کو اس کی حقیقت بیان کر دیتے ہیں۔

اس مجلس کی جو لمبی چوڑی کہانی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب نے ۱۲۰ھ میں ایک مجلس تدوین فقہ قائم کی اس مجلس تدوین فقہ میں امام صاحب کے تقریباً چالیس تلامذہ نے شرکت کی جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- | | | | | | |
|---|--------------------|---|--------------|---|-------------|
| ۱ | یحییٰ بن ابی زائدہ | ۲ | قاضی ابویوسف | ۳ | حفص بن غیاث |
| ۴ | امام زفر | ۵ | امام محمد | ۶ | ابو عاصم |
| ۷ | امام عبدالرزاق | | | | |

مفتی صاحب اس مجلس نے جو مجموعہ تیار کیا تھا وہ کہاں گیا شاید اندلس کے فاتحین نے دوسری کتب کے ساتھ اس کو بھی جلا دیا یا دیر یا برد کر دیا ہوگا۔

جب کہ مجلس تدوین فقہ والی یہ کہانی سراسر بے بنیاد اور سفید جھوٹ ہے اور اس کے بے بنیاد اور بے اصل ہونے پر جو دلائل ہیں ان میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس مجلس تدوین فقہ کو ۱۲۰ھ یا ۱۲۱ھ میں قائم کیا گیا اور امام صاحب کے

جن شاگردوں نے اس مجلس میں شرکت کی ان میں سے بعض کے اُسماء گرامی ذکر ہوئے اب ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں سینے اور پھر اس تاریخ کا مجلس تدوین فقہ کی تاریخ سے تقابل کیجیے تو حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی۔

❖ یحییٰ ابن ابی زائدہ پیدائش ۱۲۰ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)

❖ قاضی ابویوسف پیدائش: ۱۲۲ یا ۱۱۷ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)

❖ حفص بن غیاث پیدائش: ۱۱۷ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)

❖ امام زفر بن ہذیل پیدائش: ۱۱۰ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)

❖ ابو عاصم ضحاک بن مخلد پیدائش ۱۲۲ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)

❖ امام عبدالرزاق بن ہمام پیدائش: ۱۲۶ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)

❖ امام محمد بن حسن شیبانی پیدائش: ۱۳۲ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)

ابھی آپ خود ہی اندازہ لگائیے کہ اس مجلس تدوین فقہ کی حقیقت کیا ہے اس مجلس کے اراکین میں سے کسی کی پیدائش اسی سال ہے جس سال اس مجلس کا قیام عمل میں لایا گیا کسی کی پیدائش اس کے قیام کے دو سال بعد، کسی کی چھ سال کے بعد اور کسی کی بارہ سال کے بعد پیدائش ہے۔

اور اس کے اراکین میں سے کسی کی عمر اس وقت سات یا تین سال اور کسی کی عمر دس سال تھی۔

دوسری دلیل:

اس مجلس کے بطلان پر یہ ہے کہ چالیس کے قریب کبار علماء نے اس میں شرکت کی اور تیس سال کی انتھک محنت سے فقہ کا ایک عالیشان مجموعہ تیار کیا گیا اور اس مجموعے نے امام صاحب کی زندگی ہی میں وہ حسن قبول حاصل کیا کہ جس قدر اس کے اجزاء تیار ہوتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اس کی اشاعت ہوتی جاتی تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس مجموعے کے اجزاء میں سے کوئی جزء بھی محفوظ نہ رہا یہ مجموعہ دریا میں غرق ہونے یا آگ میں جلنے کے لیے اندلس تو پہنچ گیا مگر کوفہ میں اس کا کوئی نسخہ بھی باقی نہ بچا۔

تیسری دلیل:

اس مجموعے کی ترتیب والی حکایت کے بطلان پر یہ ہے کہ اس دور کی دوسری تصنیف شدہ کتب تو محفوظ ہیں اور وہ مجموعہ جس کا اسی زمانہ میں بہت زیادہ چرچا ہو گیا تھا وہ غیر محفوظ ہو گیا دادا جان رحمہ اللہ اس مجموعے پر کلام کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”مذکورہ حقائق سے قطع نظر ”تدوین فقہ“ کے زمانہ کو دیکھا جائے کہ اس عہد نے تصنیفات امام مالک رحمہ اللہ

کو عزت و احترام کے ساتھ محفوظ رکھا۔ قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کی تصنیفات کو بھی باقی رکھا۔ امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیفات بھی موجود ہیں مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تیس سالہ محنت اور چالیس دیگر ارکان کی دماغ سوزی کو ضائع کرنے کا الزام اس زمانہ پر عائد کرنا مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔“ (تاریخ التقلید صفحہ ۶۰)۔

مفتی صاحب کیا ان سب باتوں میں آپ لوگوں کے لیے اللہ عزوجل کی طرف سے کھلا چیلنج نہیں ہے کہ مجلس تدوین فقہ والی حکایت باطل ہے اگر سچے ہو تو اس پر دلیل پیش کرو ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَى﴾ مفتی صاحب آپ نے یہ آیت تو فوراً لکھ دی

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبَ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾

جب کہ یہ آیت تو آپ پر صادق آرہی ہے وہ یوں کہ آپ لوگ جب اپنی بصارت سے اس حکایت کو کتب میں لکھی ہوئی دیکھتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں اور پھولے نہیں ساتے کاش کہ اگر تھوڑی بہت ہی بصیرت ہوتی تو کم از کم یہ تو سوچتے کہ اتنا اہم مجموعہ غائب کیسے ہو گیا اور اس کا دنیا کے اندر نام و نشان بھی نہ رہا جب کہ اس دور کے دوسرے ائمہ کی کتب بالکل محفوظ ہیں۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ تقلید اور بصیرت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں اسی لیے عربی کے ایک شاعر نے کہا ہے:

إِنْ كَانَ لِلضَّلَالِ أُمَّ فَالتَّقْلِيدُ أُمُّهُ
فَلَا جَرَمَ إِنَّ الْجَاهِلَ يَوْمَهُ

”مگر ابھی کی اگر کوئی اصل ہو سکتی ہے تو وہ تقلید ہے اور یقیناً جاہل ہی تقلید کو اختیار کرتا ہے۔“

مفتی صاحب اگر بالفرض ہمارے پاس شرعی مسائل کی کوئی مستند کتاب نہیں تو آپ کے پاس کوئی مستند کتاب ہے آپ کے مجموعہ کا حال تو ہم نے بیان کر دیا۔

رہیں آپ کی فقہ کی موجودہ کتب تو وہ امام صاحب رحمہ اللہ سے صدیوں بعد تصنیف کی گئی ہیں اور ان میں بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن کی امام صاحب تک آپ کے پاس کوئی سند نہیں اور آپ لوگ مقلد ہیں امام صاحب کے، ان مسائل والے فقہاء کے مقلد نہیں ہیں۔ لہذا کوئی ایسی کتاب پیش کرو جو امام صاحب سے مستند ذرائع سے ثابت ہو۔ اب ان کتب کے بارے میں بعض حنفی علماء کے ہی اقوال ملاحظہ کریں۔

۱۔ مولانا ولایت علی نے اپنے رسالے ”عمل بالحدیث“ (صفحہ ۱۹) میں جو لکھا ہے، اس میں سے بعض اقوال ملاحظہ کیجیے۔

① احادیث مستندہ مستند، وأقوال مجتہدین غیر مستند۔“

”احادیث تو مستند ہیں (ان کی سندیں ہیں) اور اقوال مجتہدین غیر مستند ہیں یعنی ان کی سندیں نہیں ہیں۔“

② برواقفا کتب (فقہ) پوشیدہ نیست کہ از امام اعظم کتابے منقول نیست کہ براد بنائے مذہب شان نمودہ آید۔“

”جو لوگ کتب فقہ حنفی سے واقفیت رکھتے ہیں ان پر ظاہر ہے کہ امام اعظم سے کوئی ایک کتاب بھی منقول

نہیں کہ جس پر ان کے مذہب کی بنیاد رکھی جائے۔ (ماخوذ از تاریخ التقلید: صفحہ: ۶۵)۔

شیخ الہمد محمود الحسن صاحب لکھتے ہیں:

”..... بلکہ خود فقہ حنفی کو دیکھ لیجیے کہ نقل مذہب امام وصاحبین میں مواقع متعددہ میں اختلاف ہوگا اور بعض

مواضع میں ناقلین کی غلطی محقق ہو چکی ہے۔“

إيضاح الأدلہ (صفحہ: ۱۰۲، مطبوعہ جمال پرنٹنگ ورکس دہلی) ماخوذ از تاریخ التقلید (صفحہ: ۶۳)۔

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

”یہ فقہ اگرچہ عام طور پر فقہ حنفی (امام صاحب کی) کہلاتی ہے لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں یعنی امام

ابوحنیفہ، زفر، قاضی ابو یوسف، امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہے قاضی ابو یوسف و امام محمد نے بہت سے مسائل

میں امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔“

سیرۃ النعمان (۲/۶۵، ۶۶) ماخوذ از نتائج التقلید (صفحہ: ۶۱)۔

یہ بات تو تھی کتب فقہ سے متعلق اب کتب اصول فقہ کے بارے میں بھی سینہ نعمانی صاحب ہی لکھتے ہیں:

”لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اصول فقہ کی کتابوں میں بہت سے اصول مذکور ہیں ان سب کی نسبت یہ دعویٰ

نہیں کیا جاسکتا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے اقوال ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ”حجتہ اللہ البالغہ“ میں اس پر

نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے لیکن شاہ صاحب نے بعض ان اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیح امام

صاحب سے ثابت ہیں۔“ حاشیہ سیرۃ النعمان (۲/۷۶) از تاریخ التقلید (۶۱، ۶۲)۔

آخر لے دے کر آپ کے پاس امام صاحب کی تصنیف، ”فقہ اکبر“ ہی رہ جاتی ہے مگر اس کے بارے میں بھی

آپ لوگوں کا اتفاق نہیں کہ وہ واقعتاً امام صاحب ہی کی تصنیف ہے۔

فخر اسلام بزدوی اور ملا علی قاری نے اس کو امام صاحب کی تصنیف سمجھ کر اس کی شرحیں لکھیں۔ ❶ جب کہ شبلی

❶ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کے ہاں بھی یہ امام صاحب کی کتاب ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ”إن كتب الإمام أبي حنيفة

لـ”الفقه الأكبر“ و”كتاب الوصية“، تنادی بأعلى النداء.....“ (الرفع والتنكيل (صفحة: ۳۷۶)۔

صاحب اور کاشمیری صاحب اس کو امام صاحب کی تصنیف تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ملاحظہ ہو: سیرۃ النعمان (۵-۴/۲) فیض الباری شرح صحیح البخاری (۵۹/۱) از تاریخ التقليد (صفحہ: ۶۰-۶۱)۔

ان کے انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کتاب میں جو عقائد بیان ہوئے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر عقائد ایسے ہیں جو سلف کے عقائد کے عین مطابق ہیں جب کہ حنفیہ کی اکثریت سلف کے عقائد پر نہیں بلکہ ان میں ماتریدی اور معتزلی وغیرہ ہیں اس لیے مولانا عبدالحی لکھنوی نے حنفیہ کی دو قسمیں ذکر کی ہیں:

❖ حنفیہ کاملہ: یعنی وہ حنفیہ جو اصول اور فروع میں امام صاحب کی پیروی کرتے ہیں۔

❖ عقیدے کی نسبت کے اعتبار سے حنفی۔ یعنی اگر عقیدے میں معتزلی ہے تو اسے حنفی معتزلی کہا جائے گا یا زیدی ہے تو اسے حنفی زیدی کہا جائے گا اگر مرجئی ہے تو اسے حنفی مرجئی کہا جائے گا یا دوسرے لفظوں میں ان کو حنفیہ ناقصہ کہا جاسکتا ہے۔

اب لکھنوی صاحب کی عبارت ملاحظہ کر لیں:

”إِنَّ الحنفية عبارة عن فرقة تقلد الإمام أبا حنيفة في المسائل الفرعية، و تسلك مسلكه في الأعمال الشرعية سواء وافقته في أصول العقائد أم خالفته، فإن وافقته يقال لها: ”الحنفية الكاملة“ وإن لم توافقه يقال لها: ”الحنفية“ مع قيد يوضح مسلكه في العقائد الكلامية، فكم من حنفي حنفي في الفروع معتزلي عقيدة كالزمخشري جار الله مؤلف ”الكشاف“ وغيره.....“

و کم من حنفي حنفي فرعاً مرجئاً أو زیدی أصلاً، و بالجملة فالحنفية لها فروع باعتبار اختلاف العقيدة فمنهم: الشيعة، ومنهم: المعتزلة، ومنهم: المرجئة۔“

(الرفع والتكميل: (۳۸۵، ۳۸۶)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ لوگ اگر بالاتفاق، ”فقہ اکبر“ کو امام صاحب کی کتاب تسلیم کر بھی لیں تب بھی یہ ان کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں جو عقائد بیان ہوئے ہیں ان میں سے اکثر عقائد کو یہ لوگ تسلیم نہیں کرتے۔ اور یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ہم اگر فروعی مسائل میں امام صاحب کی باتوں کو نہ لیں تو ہم امام صاحب کے گستاخ اور منکر، اور اگر یہ اصول میں امام صاحب کی باتوں کو ٹھکرا دیں تو پھر بھی امام صاحب کے باادب اور مقلد ہی رہیں۔ یہاں ان کے پاس صاحب ”در مختار“ کے اس قول کا کیا جواب ہے کہ جو امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرتا ہے اس پر

ریت کے ذرات برابر لعنت۔ ﴿۱﴾

یہ لوگ اس بات کو بہت اچھا لیتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس مسائل کی کوئی کتاب نہیں ہے اگر یہ بات واقعاً قابل اعتراض و طعن ہے تو پھر یہ لوگ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہیں گے جو ان کی اور ان کی کتب کی پیدائش سے پہلے گزر چکے ہیں کیا وہ صحیح دین پر کاربند اور عمل کرنے والے نہ تھے؟

اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے ہمارے پاس وہ کتب ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا: ”یا ایہا الناس إني قد ترکت فیکم ما اعتصم بہ، فلن تضلوا أبداً کتاب اللہ و سُنَّة نبیہ۔“ ﴿۲﴾
”اے لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے، کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت۔“

اور ان کے ساتھ ساتھ ہمارے پاس صحابہ رضی اللہ عنہم کے مستند آثار بھی موجود ہیں۔ حدیث ”افتراق الامم“ کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے فرقہ ناجیہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”ما أنا علیہ وأصحابی“ ﴿۳﴾

”جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ تابعین اور اتباع تابعین کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم“ ﴿۴﴾

”لوگوں میں سے بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان کے بعد آنے والوں۔ تابعین۔ کا پھر ان کے بعد آنے والوں۔ اتباع تابعین۔ کا۔“

ہمارے پاس صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور تابعی تابعین رضی اللہ عنہم کے آثار کی مستند کتب موجود ہیں جیسا کہ مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ ہیں۔

﴿۱﴾ یہ قول (صفحہ ۱۱۲) میں گزر چکا ہے۔

﴿۲﴾ اس حدیث کو مروزی نے ”السنة“ میں اور امام حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”مقالات عبد الروف“ (صفحہ.....)۔

تنبیہ = عام طور پر اس حدیث کو ”موطأ“ کے حوالے سے ذکر کیا جاتا ہے جو درست نہیں کیونکہ اس میں یہ حدیث بلا سند ہے۔

﴿۳﴾ یہ بھی صحیح حدیث ہے اس کی مفصل تخریج دادا جان رحمہ اللہ کے رسالہ ”فرقہ ناجیہ“ میں کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ.....)۔

﴿۴﴾ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ سے مروی ہے حدیث ابن مسعود کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی اور دیگر احادیث کی مفصل تخریج ہم نے ”روضۃ الناظر“ لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو: حدیث نمبر: ۶۱۔

اگر کوئی مسئلہ کتاب و سنت میں، صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین کے ہاں نہ ملے تو پھر اجتہاد بھی ہے جس پر یہاں دلائل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

مفتی صاحب نے کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ میں جو بعض اوہام ہیں ان کی بناء پر کہا ہے کہ ”بہر حال اب ان متعصب غیر مقلدین کو چاہیے کہ وہ مولانا محمد صادق سیالکوٹی کی کتاب ”صلوٰۃ الرسول“ کو دفن درگور کر دیں۔“ (صفحہ: ۵۸)۔

مفتی صاحب آپ کی اس بات کا جواب اس کے بعد آنے والی فصل میں آرہا ہے ہم وہاں یہ بتائیں گے کہ کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ دفن درگور کے لائق ہے یا کہ آپ کی معتبر کتب اس لائق ہیں کہ ان کو دفن درگور کر دیا جائے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۷۳)۔

کیا امام صاحب متفق علیہ تابعی ہیں؟

”صوفی مفتی صاحب نے یہ ذکر کرنے کے بعد کہ امام بخاری اور دوسرے محدثین نہ تو صحابہ، تابعین اور نہ ہی خیر القرون کے زمانوں میں ہوئے ہیں امام ابوحنیفہ کو تابعی ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے کہ ”دیکھیے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو حنفیہ کے نہایت مخالفین میں سے ہیں نقل فرماتے ہیں کہ خلیفہ منصور سے عیسیٰ بن موسیٰ نے کہا کہ یہ (امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آج دنیا کے عالم ہیں (منصور نے) پوچھا نعمان علم کس سے حاصل کیا (حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) جواب دیا اصحاب عمر سے عمر کا اصحاب علی سے علی کا اصحاب عبد اللہ سے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان سے بڑھ کر عالم روئے زمین پر نہ تھا (تاریخ بغداد، ص:) جب حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ تابعی متفق علیہ ہیں تو جب اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے انھوں نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا علم حاصل کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے علم حضور ﷺ سے حاصل کیا تو علم کی سند پختہ ہو گئی۔“ (صفحہ: ۵۴)۔

قارئین کرام یہ مفتی صاحب کی عبارت ہے جسے من وعن نقل کیا گیا ہے جس سے پتہ یہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اصحاب عمر سے علم حاصل کیا اور عمر نے اصحاب علی سے اور علی نے اصحاب عبد اللہ سے علم سیکھا۔

یہ ہے مفتی صاحب کی علمی قابلیت کا حال یہ موصوف خود کو اگر صوفی کی حد تک ہی رہنے دیتے تو پھر ہمیں افسوس نہ ہوتا مگر افسوس اس لیے ہے کہ موصوف خود کو مفتی سمجھتے ہیں اور اس قابل بھی کہ وہ محدثین کے علم کو غیر پختہ اور امام صاحب کے علم کو پختہ ثابت کریں۔

اس وقت ہمارا مقصود اس موضوع پر بحث کرنا نہیں کہ علم کن کا پختہ اور کن کا علم غیر پختہ ہے کیونکہ یہ ایک دوسرا

① اس سے قبل (رحمۃ اللہ علیہ) تو مکمل لکھا ہوا ہے جب کہ یہاں ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کی بجائے (م) ہی لکھا ہوا ہے۔

موضوع ہے ﴿ یہاں صرف مفتی صاحب کی غلط بیانی یا جہالت بیان کرنا مقصود ہے:

سب سے پہلی بات یہ ہے مفتی صاحب نے امام صاحب کا جو قول نقل کیا ہے وہ اس طرح ہے:

”عن أصحاب عمر عن عمر، وعن أصحاب علي عن علي، وعن أصحاب عبد الله عن عبد الله، وما كان في وقت ابن عباس على وجه الأرض أعلم منه“

﴿ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۳۳ ﴾

”أصحاب عمر سے انھوں نے عمر سے، أصحاب علی سے انھوں نے علی سے اور أصحاب عبد اللہ (عبد اللہ بن مسعود)

سے انھوں نے عبد اللہ سے، اور ابن عباس کے زمانہ میں روئے زمین پر عبد اللہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔“

یہ ہے امام صاحب کا اصل قول جسے مفتی صاحب نے کس طرح سے ادھور سا نقل کیا ہے۔ قارئین اب آپ مفتی صاحب کی غفلت یا جہالت ملاحظہ کریں وہ یہ کہ انھوں نے اس قول کو ذکر کرنے کے بعد یہ کہا ہے:

”جب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تابعی متفق علیہ ہیں۔“

جن لوگوں نے عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا وہ کون ہوئے وہ تابعین ہوئے اور تابعین سے علم

حاصل کرنے والا تابعی ہوگا یا کہ تابعی متفق علیہ ہوگا اور یہ فیصلہ قارئین خود ہی کر لیں۔

مفتی صاحب کی غفلت یا جہالت کو ملاحظہ کر لینے کے بعد اب امام صاحب کے مذکورہ قول کی جسے مفتی صاحب نے بڑے فخر سے ذکر کیا ہے حقیقت بھی سننے جائے۔

﴿ قارئین کے لیے ہم یہاں شاہ ولی اللہ کا ایک قول ذکر کر دیتے ہیں جس سے اس مسئلے کی قدرے وضاحت ہو جائے گی شاہ

صاحب لکھتے ہیں: ”آں۔ ابو حنیفہ۔ یک شخصے است کہ روس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی

و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ و دارمی یک حدیث از وے در کتابھائے خود روایت نہ کردہ اند۔“ (مصطفیٰ مع

مسوی شرح موطا، صفحہ: ۶) ”امام ابو حنیفہ ہی ایسے امام ہیں کہ محدثین مثل امام احمد، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی،

ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی تصنیفات میں ایک روایت بھی ان سے ذکر نہیں کی۔“ منقول از نتائج التقلید (صفحہ: ۶۵-۶۶)۔

﴿ مفتی صاحب کے ہاں تاریخ بغداد کے بعد صرف ”ص“ لکھا ہوا ہے کونسا صفحہ ہے اس کا ذکر نہیں اسی طرح جلد نمبر کا ذکر بھی

نہیں کیونکہ تاریخ بغداد صرف ایک جلد کی کتاب نہیں بلکہ یہ ۱۴ جلدوں میں ہے اور اپنی ذیل یعنی ذیل تاریخ بغداد اور تاریخ

وذیل کی فہرستوں کے ساتھ بیس جلدوں میں ہے۔

اسی طرح مفتی صاحب کے ہاں امام صاحب کا جو قول ہے وہ بھی ادھور سا نقل ہوا ہے ان مسکینوں کی اس چھوٹی سی کتاب میں

غفلت کا عالم یہ ہے اور یہ بیٹھ گئے ہیں کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ پر اعتراضات کرنے کے لیے ان کی اس قسم کی دیگر

غفلتوں کے لیے اس کتاب۔ جو قارئین کے سامنے ہے۔ کے صفحات (۱۳۶، ۳۰۰، ۳۰۳) بھی دیکھیں۔

یہ من گھڑت حکایت ہے اس میں ایک راوی احمد بن عطیہ ہے اور احمد سے اس کو کرم بن احمد قاضی نے روایت کیا ہے اس احمد بن عطیہ کو ”احمد بن ابی الصلت بن المغلس“ بھی کہا جاتا ہے خطیب بغداد نے اس کو غیر ثقہ کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: (۲۲۰/۱۳)۔

اور خطیب نے ایک مقام پر ملاحظہ ہو (۲۰۹/۴)، ترجمہ احمد بن الصلت۔ امام دارقطنی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان سے ان روایات کے بارے میں جو کرم بن احمد نے فضائل ابو حنیفہ کے بارے میں جمع کی ہیں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا:

”موضوع کله کذب وضعه أحمد بن المغلس الحماني“۔
 ”یہ تمام روایات من گھڑت ہیں ان کو احمد بن مغلس نے گھڑ لیا ہے۔“

اس احمد کو ابن ابی الفوارس اور ذہبی وغیرہ نے کذاب، حاکک اور وضاع کہا ہے ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال (۱۰۵/۱) لسان المیزان (۲۰۰/۱، ۲۹۵) اور دیوان الضعفاء للذهبی (۲۸/۱)۔

دوسری بات یہ ہے کہ مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ امام صاحب متفق علیہ تابعی ہیں یہ کہہ کر انھوں نے یا تو غلط بیانی سے کام لیا ہے یا پھر اپنی جہالت کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ امام صاحب کے تابعی ہونے پر اتفاق نہیں بلکہ اختلاف ہے اس اختلاف کی طرف مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے بھی اشارہ کیا ہے چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

”و أما طبقته، فقيل: إنه من أتباع التابعين، وأنه أدرك زمان الصحابة لكنه لم يلق أحدا منهم۔“ (مقدمة النافع الكبير (صفحة: ۴۱)۔

”رہی یہ بات کہ آپ کا کس طبقے سے تعلق ہے تو کہا گیا ہے کہ وہ اتباع تابعین میں سے ہیں اور انھوں نے صحابہ کا زمانہ پایا ہے لیکن کسی ایک سے بھی ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔“

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں: ”در عصر تابعین نہ بودند مگر ابو حنیفہ و مالک“ (شرح موطا امام مالک)۔

”مشہور ائمہ مذاہب سے صرف ابو حنیفہ اور مالک ہی ایسے دو امام ہیں کہ جن کو بالاتفاق اتباع تابعین کے زمانہ میں ہونے کا شرف و سعادت میسر ہے۔“ (منقول از تاریخ التقلید (صفحہ: ۵۵)۔

شاہ صاحب کے اس قول سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک کی طرح اتباع تابعین میں سے ہیں: مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے:

”فظهر من كلام هؤلاء العلماء المحققين المعتبرين أن الإمام أبو حنيفة لم يلق أحداً من الصحابة، ولا أخذ عن أحد منهم“ (مقدمة تحفة الأحوذی (۱۷۱/۱)۔

”محققین اور معتبر علماء کے کلام سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے ملاقات کی ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے روایت لی ہے۔“

اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث مولانا محمد رئیس صاحب ندوی نے کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ امام صاحب کی کسی صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”اللمحات إلی مافی أنوار الباری من الظلمات“ (ج: ۱/ص: ۴۲-۴۳، ج: ۲/۲۴۳، وما بعدھا)۔

اسی طرح اس کے بارے میں ”التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الأباطیل“ (صفحہ ۳۷۹ وما بعدھا) بھی دیکھی جائے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام صاحب بالاتفاق تابعی نہیں ہیں بلکہ ان کے تابعی ہونے میں اختلاف ہے چنانچہ مفتی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ ”تابعی متفق علیہ ہیں“ غلط بیانی ہے یا پھر ان کا یہ کہنا جہالت پر مبنی ہے اور مفتی صاحب کے بارے میں ہم اپنی گفتگو کا اختتام اسی پر کرتے ہیں۔



دوسری فصل

جیسا کہ اس باب کے شروع میں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۰۷)۔ ذکر ہوا کہ اس فصل میں مقلدین کی ان باتوں کا جواب دیا گیا ہے جن کی بناء پر انھوں نے کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ پر کچھ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی کتاب کے علاوہ کسی کتاب کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے اندر کوئی غلطی یا وہم نہیں ہے کیونکہ انسان غلطی سے مبرا نہیں ہے اسی لیے کسی نے کہا ہے: ”أبى الله إلا أن يصح كتابه“ ^① یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے علاوہ، کوئی دوسری کتاب صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں:

”لقد ألفت هذه الكتب، ولم آل جهداً فيها، ولا بد أن يوجد فيها الخطأ لأن الله تعالى۔ يقول ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾“

(ملاحظہ ہو: المقاصد الحسنة (ص: ۱۵) اور كشف الخفاء (حدیث: ۵۹)۔

”میں نے ان کتب کو تالیف کیا ہے اور ان کی تالیف میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی لیکن اس کے باوجود ان کے اندر غلطی کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے بعد انھوں نے مذکورہ آیت ذکر کی جو بمعہ ترجمہ حاشیے میں بھی مذکور ہے۔“

اور حافظ منذری ”الترغیب والترہیب“ (۵۶۵/۳-۵۶۶) کے آخر میں لکھتے ہیں:

”و نستغفر الله۔ سبحانه۔ مما زلّ به اللسان، أو داخله ذھول، أو غلب عليه نسيان،

① بعض لوگ اس کو حدیث سمجھتے ہیں مگر یہ حدیث نہیں ہے اسی لیے حافظ سخاوی نے اس کے بارے میں ”المقاصد الحسنة“ (صفحہ: ۱۵) میں کہا ہے: ”لا أعرفه“ (میں اس کو نہیں جانتا) یعنی حدیث ہونے کی حیثیت سے۔

حافظ سخاوی کی اس بات کو ملا علی قاری نے بھی ”الموضوعات“ (حدیث: ۵، الأسرار المرفوعة) میں اور شوکانی نے ”الفوائد المجموعة“ (حدیث: ۹۵۷) میں نقل کیا ہے۔ حافظ سخاوی نے اپنے مذکورہ کلام کے بعد یہ بھی کہا ہے: ”ولكن قد قال الله تعالى ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾“ (النساء: ۸۲) لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور اگر ہوتا (یعنی قرآن) اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے تو لوگ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔“

فإن كل مصنف مع التؤدة والتأني، وإمعان النظر، وطول الفكر قل أن ينفك عن شيء من ذلك۔

”ہم زبان کی لغزش اور بھول چوک سے اللہ سبحانہ سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ ہر مصنف اچھی طرح غور و فکر کرنے کے باوجود ان چیزوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔“
اور کسی شاعر نے کہا ہے:

کم من کتاب قد تصفحته
و قلت في نفسي أصلحته
حتى إذا طالعه ثانياً
وجدت تصحيحاً فصحته

کتنی ایسی کتب ہیں جن کو تامل اور غور سے دیکھا اور اپنے جی میں کہا کہ میں نے ان کی اصلاح کر دی ہے مگر جب دوبارہ ان کو پڑھا تو غلطی پائی اور اس کی تصحیح کی۔“
آپ کے علاء الدین صکلی لکھتے ہیں:

”ولا غرو فإن النسيان من خصائص الإنسانية، والخطأ، والزلل من شعائر آدمية۔“
”تعب کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نسیان انسانیت کے خصائص میں سے، خطا اور لغزش آدمیت کی علامات میں سے ہے۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں:

”و يأبى الله العصمة لكتاب غير كتابه، والمنصف من اغتفر قليل خطأ المرء في كثير من صوابه۔“

”اللہ صرف اپنی کتاب کے لیے عصمت چاہتا ہے اور منصف وہ ہے جو آدمی کی کثرتِ صواب کے مقابلے میں اس کی تھوڑی اغلاط سے صرف نظر کرے۔“ ملاحظہ ہو: دُرِّ مختار (۱/۲۱، ۲۷-۲۸- حاشیہ ابن عابدین)۔

شیخ محمد عوامہ حنفی ”نصب الراية“ پر اپنے استدراکات یا دوسرے لفظوں میں حافظ زلیحی کے ادھام ذکر کرنے سے قبل لکھتے ہیں:

”و أحب أن أقول قبل الدخول في البحث: إن الجهد البشري مهما تسامى لا يخلو

من ضعف، ولا یسلم إحکام الناس لعملهم مهما أتقن من خلل..... و لم یتکفل الله- تعالیٰ- بعصمة أحد من الخطأ، و الزلل إلا ما سبق منه - تعالیٰ- لأنبیائه، و رسله علیهم الصلاة والسلام“ دراسة حدیثیة مقارنة لنصب الراية و فتح القدیر و منیة الألمعی (صفحه: ۲۰۰)۔

”بحث میں داخل ہونے سے پہلے ایک بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ انسانی کوشش جس قدر بھی بلند ہو وہ کمزوری سے خالی نہیں ہوتی اور لوگ اپنے کام کو جس قدر بھی خوبصورتی سے انجام دیں وہ خلل سے محفوظ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل ﷺ کے علاوہ کسی کے لیے بھی خطا اور لغزش سے عصمت کی ضمانت نہیں لی۔“

اور ”فتح القدیر“ پر اپنے استدراکات ذکر کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:

”قلت في مطلع حدیثي عن ما يُستَدْرَك على ”نصب الراية“ إن الجهد البشري لا یخلو من ضعف، و خلل مهما أتقن و أحکم، و إن هذه الاستدراکات علی هؤلاء الأئمة إنما هي علامة علی بشریتهم، و علی عمومية فضل الله تعالیٰ و عدم انحصاره فی أزمان و أشخاص.....“ (صفحه: ۲۷۷)۔

”میں نے ”نصب الراية“ پر استدراکات کے بارے میں اپنے کلام کے شروع میں کہا تھا کہ انسانی عمل کو جس قدر بھی خوبصورت اور عمدہ انداز سے انجام دیا جائے وہ کمزوری اور خلل سے پاک نہیں ہوتا۔

ان ائمہ پر یہ استدراکات ان کی بشریت پر اور اس بات پر علامت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل مخصوص زمانوں اور مخصوص افراد پر منحصر نہیں ہے۔“

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ انسان سے غلطی اور وہم کا ہو جانا اس کا فطری تقاضا ہے جس سے کوئی بشر بھی محفوظ نہیں رہ سکتا خواہ وہ کس قدر بھی بڑا عالم و فاضل ہی کیوں نہ ہو۔ لہذا کسی عالم کی اغلاط اور ادہام کو لے کر اچھا ناس کا سبب یا تو نادانی یا پھر عناد، بغض، حسد اور عداوت ہی ہو سکتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ ازراہ نصیحت کسی عالم کے ادہام یا اغلاط کو بیان کرنا بعض دفعہ نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ دین کی خاطر واجب بھی ہوتا ہے جب کہ مقصد نصیحت ہو اس پر کچھ اچھا ناس مقصود نہ ہو۔

مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے چند مولویوں نے کتاب ”صلوة الرسول ﷺ“ میں مؤلف رحمہ اللہ سے جو ادہام ہوئے ہیں ان کو لے کر بڑا عجیب رنگ دیا اور ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“

چند کتب پر ایک نظر

کتاب لکھ ماری اور ایک دوسرے مولوی نے ”حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول کے بارے میں“ کے عنوان سے ایک رسالہ لکھ کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا۔

اور صوفی مفتی بشیر احمد عطار نے ”غیر مقلد کے مقدمہ میں لکھ دیا کہ ”الدین النصیحة“ (الحدیث) کے پیش نظر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ (صفحہ: ۸)۔

صوفی مفتی صاحب کیا نصیحت کے لیے جھوٹ اور افتراء بھی کیا جاتا ہے اور بدزبانی سے بھی کام لیا جاتا ہے اور جسے نصیحت کی جارہی ہو اسے بدعتل بیوقوف اور جانوروں سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے شاید آپ لوگوں کی لغت میں نصیحت کے یہی معنی ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کی تخریج اور تعلیق میں جب ان ادھام کی نشاندہی کر دی گئی تو پھر آپ لوگوں کو اس نصیحت کی کیا ضرورت پیش آئی تھی دراصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں جو بغض، تعصب اور کدورت تھی اسے اگلا گیا ہے ﴿يُخْفُونَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُوْنَ﴾^① ان لوگوں نے کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ میں واقع جن ادھام کو لے کر اس کتاب پر کچڑا اچھالنے کی کوشش کی ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

① موصول روایت کو مرسل اور مرسل کو موصول بیان کیا گیا ہے۔ (غیر مقلد (صفحہ: ۷، ۱۳، ۵۳)۔

② احادیث کی نسبت میں ادھام یعنی حدیث کسی کتاب کے اندر ہے اور اسے منسوب کسی دوسری کتاب کی طرف کیا گیا ہے۔ (صفحہ: ۷۰، ۵۳)۔

③ دو مختلف حدیثوں کو ایک حدیث اور ایک کو دو مختلف حدیثیں ظاہر کیا گیا ہے۔ (صفحہ: ۷، ۵۳، ۹۰)۔

④ حدیث کے ترجمے اور اختصار میں تساہل۔ (صفحہ: ۷)۔

⑤ تابعی کا نام ذکر کر کے صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کا مغالطہ دینا۔ (صفحہ: ۱۳)۔

⑥ بعض احادیث کی تخریج میں کوتاہی۔ (صفحہ: ۷)۔

⑦ ضعیف احادیث کے نقل کرنے کے بعد ان کا ضعف بیان نہیں کیا گیا۔ (صفحہ: ۷)۔

یہ وہ ادھام ہیں جن کی بناء پر ان لوگوں نے کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ پر کچڑا اچھالنے کی کوشش کی ہے جب کہ یہ کوئی ایسی قابل اعتراض بات نہ تھی۔ جیسا کہ ہم نے تمہید میں ذکر کیا ہاں اس قسم کے ادھام قابل اعتراض تب ہوتے ہیں جب کہ وہ کثرت سے پائے جائیں کیونکہ اس صورت میں مؤلف کتاب ناقابل اعتماد ٹھہرتا ہے اسی لیے وہ راوی

① ﴿وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اُكْبَرُ﴾

چند کتب پر ایک نظر

جس سے کثرت سے اغلاط سرزد ہوں محدثین اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے مگر وہ راوی جس سے کبھی کبھار غلطی ہو وہ قابل حجت ہوتا ہے اور کتاب ”صلوة الرسول ﷺ“ کے اوہام اتنے زیادہ نہیں ہیں کہ مؤلف کو طعن کا نشانہ بنایا جائے۔

آئیے اب ہم یہی اوہام جن کا ذکر ہوا ان کی بڑی معتبر کتب سے ان کے سامنے رکھتے ہیں:

”ہدایہ“ جسے ”کالقرآن“ کہا گیا اور جو فقہ حنفی کی چوٹی کی کتب میں سے ہے، اس کی طرف آتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بعض دیگر معتبر حنفی کتب کے اوہام پر بھی تنبیہ ہوگی اور یہ واضح رہے کہ ان اوہام کے ذکر کرنے سے ان کی کتب پر طعن مقصود نہیں بلکہ ان نادانوں کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ علماء سے اس قسم کے اوہام ہو ہی جاتے ہیں لیکن ان اوہام کے ذکر کے بعد چند ان چیزوں کا ذکر بھی کیا جائے گا جو ان کی کتب میں حدیث کے حوالے سے قابل اعتراض ہیں جس کی محض وجہ ان لوگوں کی نازیبا باتیں اور خیانتیں ہیں:

۱۔ موصول روایت کو مرسل اور مرسل کو موصول ذکر کرنا:

۲۔ موصول کو مرسل:

صاحب ”ہدایہ“ نے کتاب الأذان (۲۵۴/۱-فتح القدیر) میں کہا ہے: ”لقوله عليه الصلاة والسلام لا بني أبي مليكة رضي الله عنهما“ - ”إذا سافرتما فأذنا وأقيما“^①

”صاحب ”ہدایہ“ کو یہاں دو وہم ہوئے ہیں:

① اس حدیث کے راوی ابنا ابی ملیکہ نہیں ہیں بلکہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہما ہیں۔“

② ابنا ابی ملیکہ یہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں اسی لیے علامہ ابن ابی العز الحنفی لکھتے ہیں:

”وقد اشتبه على المصنف اسم من قال له النبي - ﷺ -: أذنا فأقيما..... الحديث“

فنسبه إلى ابني أبي مليكة، و ابنا أبي مليكة تابعيان: أحدهما: عبد الله بن عبيد الله بن أبي مليكة القرشي، مشهور..... وأخوه أبو بكر“ (التنبيه على مشكلات الهداية: ۵۰۳-۵۰۴).

”مصنف کو اس صحابی کے نام کے بارے میں جس سے رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ”أذنا وأقيما“ اشتباہ ہو گیا ہے چنانچہ انھوں نے اس حدیث کو ابی ابی ملیکہ (ابو ملیکہ کے دو بیٹوں) کی طرف منسوب کر دیا ہے اور ابو ملیکہ کے دونوں بیٹے تابعی ہیں:

ان دونوں میں سے ایک عبد اللہ بن عبيد اللہ بن ابی ملیکہ قرشی ہے جو مشہور ہے اور دوسرا ان کا بھائی أبو بکر ہے۔“

③ اس حدیث کو بخاری (۶۲۸، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۵۸، ۶۸۵، ۸۱۹) کتاب الأذان، اور مسلم (۶۷۴) نے کتاب المساجد میں مالک بن حویرث رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور اس سے پہلے صاحب ”ہدایہ“ نے یہ کہا ہے:

”إِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - ذَلِكَ لِمَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ وَ لَا بِنِ عَمِّ لَهُ، أَوْ صَاحِبِ لَهُ -“ (۵۰۲/۱)۔

”رسول اللہ ﷺ نے یہ مالک بن حویرث اور ان کے چچازاد بھائی یا ان کے ساتھی سے یہ فرمایا تھا۔“

حافظ زیلعی نے بڑے سخت الفاظ سے صاحب ”ہدایہ“ کا اس پر تعاقب کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

”و قول المصنف فيه: لابني أبي مليكة“ غلط، و صوابه: مالك بن الحويرث، و صاحب له، أو وابن عم له، أو وابن عمر على الروايات الثلاث“۔

(نصب الراية (۱/۲۹۰)۔

”اس حدیث میں مصنف کا ”ابنا ابی ملیکہ“ کہنا غلط ہے درست مالک بن حویرث اور ان کے ساتھی یا ان کے چچازاد بھائی یا ابن عمر ہے جیسا کہ تین مختلف روایات میں ہے۔“

اسی طرح امام ابن ہمام نے بھی صاحب ”ہدایہ“ کا تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے:

”قوله: لابني أبي مليكة“ الصواب مالك بن الحويرث، و ابن عم له“۔ (فتح القدير: ۱/۲۵۴)۔

”ان کا ابنا ابی ملیکہ کہنا (غلط ہے)، جب کہ درست مالک بن حویرث اور ان کے چچازاد بھائی ہے۔“

اور بابر ترقی نے ”الغنية شرح الهداية“ (۱/۳۵۳) حاشیہ فتح القدير میں لکھا ہے:

”قال في النهاية: ذكر هذا الحديث في المبسوط بخطاب غيرهما، وقال: روي عن النبي - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أنه قال لمالك بن الحويرث وابن عمه له.....“۔

”صاحب ”نہایہ“ نے کہا ہے کہ صاحب ”مبسوط“ نے اس حدیث کو (ابنا ابی ملیکہ سے خطاب کی بجائے)

دوسروں کے خطاب سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے مالک بن حویرث اور

ان کے چچازاد بھائی سے کہا۔“ یعنی یہ بات آپ ﷺ نے مالک بن حویرث اور ان کے چچازاد بھائی سے

کہی نہ کہ ابو ملیکہ کے دو بیٹوں سے۔“

تنبیہ = علامہ مرغینانی صاحب ”ہدایہ“ کے ادہام ملاحظہ کرنے کے بعد اسی حدیث سے متعلق حافظ زیلعی کے

ادہام بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔

① زیلعی کا یہ کہنا: ”و صاحب له، أو وابن عم، أو وابن عمر على الروايات الثلاث“ محل نظر ہے

کیونکہ اس حدیث کی دو ہی روایتیں ہیں۔

ایک روایت میں ”وصاحب لی“ ہے اور دوسری روایت میں ”وصاحب لی“ کی بجائے ”وابن عم لی“ ہے۔^① اور تیسری روایت ”وابن عمر“ والی جس کی طرف حافظ زیلعی نے اشارہ کیا ہے انھوں نے اس کونسا کی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

”عن مالك بن الحويرث قال: أتيت النبي - صلى الله عليه وسلم - أنا، وصاحب لي،

وفي رواية: وابن عم لي وفي رواية للنسائي: وابن عمر“ (نصب الراية: ۱/۲۹۰)۔

”جب کہ نسا کی کسی روایت میں ”وابن عمر“ نہیں امام نسا کی نے اس حدیث کو ”سنن صغریٰ“ میں دو جگہ اور

”سنن کبریٰ“ میں تین جگہ روایت کیا ہے۔

سنن صغریٰ (۲/۲۱) ”الأذان“ اور کبریٰ (۱/۵۰۸/۱۶۳۳) میں ”وصاحب لی“ ہے اور صغریٰ (۲/۷۷)

”الإمامة“ میں: ”وابن عم لي“ ہے اور کبریٰ میں دو مقامات پر یوں ہے: ”انا وابن عم لي“ وقال مرة:

”أنا وصاحب لي“ ہے۔ ملاحظہ ہو (۱/۲۸۹، ۲۸۰/۴۸۹ حدیث: ۸۵۶، ۱۵۹۸)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نسا کی ہاں دوسری کتب کی طرح دو ہی روایتیں ہیں تیسری روایت نہیں ہے شاید جلدی کی

وجہ سے حافظ زیلعی نے ”وابن عم“ کو ”وابن عمر“ پڑھ لیا ہو۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ (۲/۱۲) میں لکھا ہے:

”و لم أر في شيء من طرقه تسمية صاحبه“

”مجھے اس حدیث کے کسی طریق میں بھی مالک بن حویرث کے ساتھ کا نام نہیں ملا۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نسا کی ہاں ”وابن عمر“ نہیں کیونکہ ان کے ہاں اگر ایسے ہوتا تو حافظ ابن حجر پر غالباً یہ

مخفی نہ رہتا۔

اور ”درایہ“ (۱/۱۲۱/۱۲۵) میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے:

”قال ذلك لمالك بن الحويرث، وابن عمه“

”آپ ﷺ نے یہ مالک بن حویرث اور ان کے چچا زاد بھائی سے کہا۔“

① پہلی روایت ”وصاحب لی“ بخاری (۲۸۴۸) کتاب الجہاد، مسلم (۲۹۳/۶۷۴)، ابوداؤد (۵۸۹) اور ابن ماجہ (۹۷۹)

میں ہے اور دوسری روایت ”وابن عم لي“ ترمذی (۲۰۵) میں ہے اور نسا کی کے ہاں یہ دونوں روایتیں ہی ہیں جیسا کہ

عنقریب آ رہا ہے۔

”درایہ“ کا اصل ”نصب الراية“ ہے لیکن حافظ ابن حجر نے ”وابن عمر“ کا ذکر نہیں کیا جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ زبلی کی ذکر کردہ اس تیسری روایت کے موافق نہیں۔

نصب الراية کے محشی مولانا عبدالعزیز دیوبندی پنجابی نے لکھا ہے:

”لم أقف عليه في النسائي - والله أعلم.....“

”یہ روایت مجھے نسائی میں نہیں ملی۔“ واللہ اعلم

② حافظ زبلی نے مرغینانی کے وہم پر تنبیہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

”و ذكره في ”كتاب الصرف“ على الصواب، فقال في ”مسألة السيف المحلي“

لأن الاثنين قد يراد بهما الواحد، قال الله تعالى ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللَّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾

(الرحمن: ٢٢) والمراد أحدهما، و قال - عليه السلام - لمالك بن الحويرث وابن

عمر: ”إذا سافرتما فأذنا وأقيما“ والمراد أحدهما، انتهى لفظه“ (نصب الراية: ٢٩٠/١).

”مصنف نے ”كتاب الصرف“ میں اس حدیث کو صحیح طور پر ذکر کیا ہے چنانچہ انھوں نے ”سيف محلي“ (وہ

تکوار جسے سونے یا چاندی سے مزین کیا گیا ہو) کے مسئلے میں کہا ہے کیونکہ دو سے مراد ایک بھی لیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللَّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ اور مراد دونوں میں سے ایک سمندر ہے اور رسول

اللہ ﷺ نے مالک بن حویرث اور ابن عمر سے فرمایا: ”جب تم دونوں سفر میں ہو تو اذان دو اور اقامت کہو، اور

مراد دونوں میں سے ایک ہیں۔“

اس کے بعد علامہ زبلی نے ”كتاب الصرف“ میں جا کر اس میں مذکورہ احادیث کی تخریج کرتے ہوئے آخری

حدیث کو اس طرح ذکر کیا ہے:

” الحديث الرابع: قال - عليه السلام - لمالك بن الحويرث، وابن عمر: ”إذا

سافرتما فأذنا وأقيما۔“

قلت: أخرجه الأئمة الستة في كتبهم مطولاً، ومختصراً عن مالك بن الحويرث قال:

أتيت النبي - صلى الله عليه وسلم - أنا وصاحب لي، وفي رواية: ”وابن عم لي“، و

في رواية للنسائي: وابن عمر..... والمصنف ذكر الحديث على الصواب، ووهم فيه

في ”باب الأذان“ فقال لقوله - عليه السلام - لابني أبي مليكة: ”إذا سافرتما“ الحديث،

وقد بيناه هناك“ (نصب الراية: ٥٤/٣).

”یہاں بھی حافظ زیلعی نے صاحب ”ہدایہ“ کے حوالے سے حدیث کو ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مالک بن حویرث اور ابن عمر سے کہا اس کے بعد حدیث کو ذکر کیا اور اس کی تخریج کی اور کہا کہ مصنف نے حدیث کو صحیح طور پر ذکر کیا ہے اور ”باب الأذان“ میں اس کے بارے میں ان کو وہم ہوا ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ابی ملیکہ سے کہا اور اس وہم کو ہم نے وہاں بیان کیا ہے۔“

تنبیہ = حافظ زیلعی نے یہاں بھی صاحب ”ہدایہ“ کے حوالے سے اور نسائی کی روایت کے حوالے سے ”ابن عمر“ ہی ذکر کیا ہے جب کہ یہ ان کا وہم ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔

حافظ زیلعی کی طرح امام ابن ہمام نے بھی ”کتاب الأذان“ میں کہا ہے:

”وقد ذكره المصنف في الصرف على الصواب“ (فتح القدیر: ۱/۲۵۴).

”مصنف نے ”کتاب الصرف“ میں اس حدیث کو صحیح طور پر ذکر کیا ہے۔“

اور ”کتاب الصرف“ میں امام ابن ہمام نے ”ہدایہ“ سے نقل کرتے ہوئے اس حدیث کو یوں ذکر کیا ہے:

”(وقال ﷺ في) قصة (مالك بن الحويرث و ابن عمر له: "إذا سافر تما فأذنا فأقيما" وإنما أراد أن يؤذن أحدهما) (فتح القدیر: ۱/۱۴۲).

جب کہ ”ہدایہ“ کتاب الصرف میں یہ حدیث نہیں ہے اسی لیے محقق ”نصب الراية“ نے کتاب ”الأذان“ میں کہا ہے:

”فإن الحديث ليس له في "كتاب الصرف" أثر، ولا أثارة" واللہ أعلم۔

”اس حدیث کا کتاب الصرف میں نام و نشان بھی نہیں۔ واللہ أعلم۔“

اور ”نصب الراية“ کے دوسرے محشی مولانا محمد یوسف کیمل پوری نے ”کتاب الصرف“ میں یہ کہنے پر اکتفاء کیا ہے:

”قد مرّ تخریجه في "أحاديث الأذان"۔

”أحاديث الأذان“ میں اس کی تخریج گزر چکی ہے۔“

مذکورہ بالا سطور لکھنے کے ایک سال سے زائد عرصہ بعد مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ کی ”درايت محمدی“ دیکھنے کا اتفاق ہوا اس میں مولانا، زیلعی اور ابن ہمام نے اس حدیث کو ”کتاب الصرف“ کی طرف جو منسوب کیا ہے اس کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”لیکن جو نسخہ ”ہدایہ“ کا میرے ہاتھوں میں ہے۔ مطبوعہ فاروقی۔ اس میں ”کتاب الصرف“ میں یہ عبارت نہیں اگر دراصل نہ ہو“ ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۲-۲۳)۔

خلاصہ کلام:

مذکورہ کلام کا خلاصہ یہ ہے حدیث مالک بن حویرث کے بارے میں دو وہم صاحب ”ہدایہ“ اور دو ہی وہم حافظ

زیلعی کو ہوئے ہیں اور ایک وہم ابن ہمام کو ہوا ہے، صاحب ”ہدایہ“ کے وہم یہ ہیں:

① انھوں نے اس حدیث کو اپنا ابی ملیکہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے جب کہ یہ حدیث مالک بن حویرث اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہے۔

② اپنا ابی ملیکہ تابعی ہیں چنانچہ یہ حدیث موصول کی بجائے مرسل ہو گئی۔

ان کا ایک تیسرا وہم بھی ہے وہ یہ کہ انھوں نے اپنا ملیکہ کو صحابی سمجھا ہے جب کہ یہ دونوں تابعی ہیں۔ اور حافظ زیلعی کے وہم یہ ہیں:

① انھوں نے ذکر کیا ہے کہ نسائی کی روایت میں مالک بن حویرث کے ساتھ ”ابن عمر“ کا ذکر ہے جب کہ ان کا ذکر نہ تو نسائی کی روایت میں اور نہ ہی کسی دوسری کتاب کی روایت میں ہے۔

② ان کا یہ کہنا کہ مصنف نے اس حدیث کو ”کتاب الصرف“ میں صحیح طور پر ذکر کیا ہے درست نہیں کیونکہ ”کتاب الصرف“ میں اس کا ذکر تک نہیں۔

اور امام ابن ہمام کا وہم یہ ہے کہ انھوں نے بھی حافظ زیلعی کی طرح کہا ہے کہ مصنف نے اس حدیث کو ”کتاب الصرف“ میں صحیح طور پر ذکر کیا ہے غالباً انھوں نے یہ بات علامہ زیلعی کی اتباع میں کہی ہے۔
ب۔ مرسل روایت کو موصول ذکر کرنا۔

امام ابن ہمام نے فتح القدیر“ (۴/۲۷۶) میں ایک حدیث یوں ذکر کی ہے:

”وفي موطأ مالك عن طلحة بن عبيد الله أن رسول الله -ﷺ- قال: ما رُئي الشيطان يوماً أصغر، ولا أدهر، ولا أغبط منه في يوم عرفة“ إلى آخر الحديث۔
ابن سنیہ اس حدیث کے بارے میں شیخ محمد عوامہ خفی کیا لکھتے ہیں:

”والذي يسبق إلى الذهن من قوله: ”طلحه بن عبيد الله ، أنه الصحابي المشهور المشهود له بالجنة رضي الله عنه۔

مع أنه هنا: طلحة بن عبيد الله بن كرز أحد التابعين ، فحديثه مرسل لا مسند۔
ولعل هذا ”إيهام“ ناشئ من قصور العبارة لا ”وهم“ والله أعلم۔

(دراسة حديثية مقارنة) (صفحة: ۲۷۹)۔

”ابن ہمام کے قول ”طلحه بن عبيد الله“ سے جو متبادر الی الذہن چیز آتی ہے وہ یہ کہ یہ طلحہ بن عبيد الله مشہور صحابی جنہیں جنت کی بشارت دی گئی وہ ہیں جب کہ یہاں طلحہ بن عبيد الله بن كرز (جو تابعین میں

سے ہیں) وہ ہیں چنانچہ ان کی یہ حدیث مرسل ہے موصول نہیں۔“
 شاید یہاں جو وہم ہو رہا ہے اس کا سبب عبارت میں قصور ہونہ کہ حقیقت میں وہم، واللہ اعلم۔
قلت: موطاً (۲۵۴/۴۲۲/۱۰) میں اسی طرح ”تمہید“ (۱۱۵/۱) اور ”تجرید التمهید“ (ص: ۱۱۲) میں بھی ”طلحہ بن عبید اللہ بن کریم“ ہے ابن ہمام اگر پورا نام ذکر کر دیتے تو پھر یہ وہم نہ ہوتا۔
 اس کے بعد اب علامہ مرغینانی کا بھی ایک صحابی راوی کے بارے میں اسی قسم کا وہم ملاحظہ کر لیجیے۔
 مرغینانی نے کتاب ”الحج“ باب ”الإحرام“ میں کہا ہے:

”حتى روي في حديث ابن عباس - رضي الله عنهما - فاستجيب له دعاؤه لأتمته حتى الدماء والمظالم“ (۲/۴۸۲، فتح القدیر)۔

ان کے ”فی“ حدیث ابن عباس“ کہنے سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جب کہ یہ ان کی حدیث میں نہیں بلکہ یہ کنانہ کی اپنے بیٹے عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے اسی لیے علامہ زیلعی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے:

”هذا وهم، وإنما روي هذا في حديث ابن عباس بن مرداس۔“

”یہ وہم ہے کیونکہ یہ ابن عباس بن مرداس کی حدیث میں ہے۔“

اسی طرح حافظ عبد القادر قرشی نے ”الجواهر المضیة“ میں ان کا تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے:

”إذا أطلق ابن عباس لا يراد به إلا عبد الله بن عباس الصحابي۔“

”جب مطلق طور پر ابن عباس کہا جائے تو اس سے مراد صحابی عبد اللہ بن عباس ہی ہوتے ہیں۔“

اس کے بعد مرغینانی کا قول ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

”فهذا الإطلاق ليس بجيد، فإنه ليس بابن عباس الصحابي، وإنما هو كنانة بن عباس بن

مرداس.....“ (دراسة حدیثیه مقارنہ صفحہ ۱۹۸)۔

”یعنی اس طرح سے مطلق طور پر ابن عباس کہہ دینا اچھا نہیں کیونکہ یہ ابن عباس صحابی نہیں بلکہ یہ کنانہ بن

یہ ایک طویل حدیث ہے جسے ابن ماجہ (۳۰۱۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف حدیث ہے تفصیل کے لیے نصب

الرایہ (۶۵-۶۴/۳) اور ”درایہ“ (۲۱/۲) دیکھیں۔

نصب الرایہ کے مطبوع نسخے میں ایسے ہی ہے اصل میں شاید ”ابن عباس“ کی بجائے صرف ”عباس“ ہو، عنقریب آنے والے حافظ زیلعی کے کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

عباس بن مرداس ہیں“ اور یہ کنانہ تابعی ہیں۔

بعض علماء نے صاحب ”ہدایہ“ کی طرف سے معذرت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کی ”ابن عباس“ سے مراد ”کنانہ بن عباس بن مرداس“ ہے۔

حافظ زیلعی نے یہ معذرت کرنے والے کو جاہل کے نام سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دو وجوہ کی بناء پر خطاً ہے۔

”أحدھما: أن ابن عباس إذا أطلق، فلا يراد به إلا عبد الله بن عباس، فلو أراد كنانة لقيده۔

الثانی: أن المصنف ليس من عادته أن يذكر التابعي دون الصحابي عند ذكر

الحديث، ولا يليق به ذلك۔ واللہ أعلم۔“

”پہلی وجہ یہ ہے کہ جب مطلق طور پر ابن عباس کہا جائے تو اس سے مراد عبد اللہ بن عباس ہوتے ہیں پس

مصنف کی مراد اگر کنانہ بن عباس ہوتے تو وہ اسے مقید ذکر کرتے یعنی کنانہ بن عباس کہتے۔“

دوسری وجہ یہ ہے کہ مصنف کی عادت نہیں کہ وہ حدیث کو ذکر کرتے وقت صحابی کو چھوڑ کر تابعی کا ذکر

کریں۔^① اور نہ ہی یہ ان کے لائق ہے۔ واللہ اعلم“

اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”و أما ما أشار إليه من حديث ابن عباس فوهم، وإنما هو في حديث عباس بن

مرداس المذكور قريبا، واعتذر بعضهم بأن المصنف أراد بقوله ابن عباس: كنانه

بن عباس، وهو خطأ من أوجه“ (الدراية: ۲۳/۲)۔

”مصنف نے جس حدیث ابن عباس کی طرف اشارہ کیا ہے وہ وہم ہے کیونکہ یہ عباس بن مرداس کی

عنقریب گزرنے والی حدیث میں ہے، اور بعض نے مصنف کی طرف سے یہ عذر پیش کرنے کی کوشش کی

ہے کہ ان کی مراد ”ابن عباس“ سے ”کنانہ بن عباس“ ہے اور یہ کئی اعتبار سے غلط ہے۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ حدیث، عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر مرغینانی نے وہم کی بناء پر اس کو ابن

عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

اس قسم کے مرغینانی کے دیگر اوہام بھی ہیں چنانچہ ایک مثال اور ملاحظہ کیجیے۔

انھوں نے ایک حدیث، ابو ذر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کی ہے اور لکھا ہے:

① یہ حدیث عباس بن مرداس سے مروی ہے اور ان سے اس کو ان کے بیٹے، کنانہ بن عباس نے روایت کیا ہے اسی لیے حافظ

زیلعی یہ بات کہہ رہے ہیں۔

”لقول أبی ذر - رضی اللہ عنہ - نہانی خلیلی عن ثلاث: أن أنقر نقر الديك“
الحديث - (۶۱۰/۱، فتح القدیر)۔

اس حدیث کے بارے میں حافظ زیلعی نے کہا ہے:

”قلت: غریب من حدیث أبی ذر، و أخرجه أحمد فی مسنده عن أبی هريرة“
آخرہ - (نصب الراية ۹۲/۲)۔

”میں کہتا ہوں کہ ابو ذر کے حوالے سے یہ حدیث غریب ہے، احمد نے اس کو اپنی ”مسند“ میں ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔“

اور حافظ زیلعی لفظ ”غریب“ اس حدیث کے بارے میں بولتے ہیں جو انہیں نہ ملے یا جس طرح سے مؤلف نے اس کو ذکر کیا ہو اس طرح سے نہ ملے ﴿جیسا کہ یہ حدیث ہے کہ صاحب ”ہدایہ“ نے اس کو ابو ذر کے حوالے سے ذکر کیا ہے مگر زیلعی کو ان کے حوالے سے یہ حدیث نہیں ملی چنانچہ انھوں نے یہ کہہ دیا کہ ابو ذر کے حوالے سے یہ حدیث غریب ہے۔

امام ابن ہمام نے بھی اس حدیث کے بارے میں وہی کہا ہے جو حافظ زیلعی نے کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: ”فتح القدیر“ ۴۱۰/۱۰۔

اور ان کی بھی اس لفظ سے مراد وہی ہوتی ہے جو حافظ زیلعی کی ہوتی ہے۔ ﴿اور حافظ ابن حجر نے ”درایہ“ (۱۸۴/۱) میں کہا ہے:

”لم أجد من حدیث أبی ذر، وإنما عند أحمد عن أبی هريرة.....“

”مجھے یہ حدیث ابو ذر کے حوالے سے نہیں ملی، اور احمد کے ہاں یہ ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔“

محقق ”نصب الراية“ مولوی عبدالعزیز دیوبندی پنجابی نے حاشیہ میں حافظ ابن حجر کے کلام کو ہی نقل کیا ہے۔

﴿ملاحظہ ہو: دراسة حدیثية مقارنة لمحمد عوامہ (صفحہ: ۱۶۰) و منیة الألعی لل حافظ قاسم بن قطلوبغا (صفحہ: ۳۵۹-۳۶۰)۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علامہ زیلعی نے حدیث: ”الامن أكل فلا يأكل بقية يومه.....“ کے بارے میں کہا ہے: ”قلت: حدیث غریب، و ذكره ابن الجوزی فی ”التحقیق“ و قال: إن هذا حدیث لا يعرف“ (نصب الراية: ۴۳۵/۲) ”میں کہتا ہوں یہ حدیث غریب ہے اسے ابن جوزی نے ”تحقیق“ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غیر معروف ہے۔“

﴿ملاحظہ ہو: ”دراسة حدیثية مقارنة“ (صفحہ: ۱۶۰، ۲۴۵)۔

اس کے علاوہ اور احادیث بھی اس قسم کی ہیں جن کی تعداد بارہ ہے جیسا شیخ محمد عوامہ حنفی نے کہا ہے ملاحظہ ہو: حاشیہ دراسة حدیثیة مقارنة: صفحہ: ۱۶۱)۔

مگر تنبیہ کیا جائے تو اس قسم کی اور احادیث بھی مل سکتی ہیں۔

۲۔ احادیث کی نسبت کرنے میں اوہام

یعنی حدیث کسی کتاب کی ہے مگر اسے کسی اور کتاب کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ یہ اوہام صرف کتاب ”صلوٰۃ الرسول“ ہی کے نہیں بلکہ آپ کے بڑے بڑے علماء سے بھی یہی اوہام ہوئے ہیں مثال کے طور پر یہاں چند اوہام کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہ مثالیں آپ ہی کے علماء کی زبان سے ہیں:

۱۔ علاء الدین علی بن عثمان مار دینی معروف ”ابن ترکمانی“ (متوفی: ۷۵۷ھ) صاحب ”الجوہر النقی“ یہ حافظ زیلعی حنفی صاحب ”نصب الراية“ کے استاد ہیں انھوں نے بھی ”ہدایہ“ کی تخریج کی ہے جس کا نام ہے: ”الكفاية في معرفة أحاديث الهداية“ اور ان کی اس تخریج میں کئی اوہام واقع ہوئے ہیں جن کا ذکر حافظ زیلعی نے ”نصب الراية“ میں مختلف مقامات پر کیا ہے اب چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

① حدیثِ حدیفہ رضی اللہ عنہ۔ ”أتى النبي ﷺ سباطة قوم فبال قائماً ، ثم دعا بماء فحثته بماء فتوضأ“ بخاری (۲۲۴) کتاب الوضوء۔

”نبی ﷺ ایک قوم کے کوڑا خانہ کے پاس آئے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔“ پھر پانی طلب کیا میں آپ کے پاس پانی لے کر آیا تو آپ نے وضوء کیا۔“

صحیح مسلم میں اس حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے: ”فمسح علی خفيه“ ”آپ نے اپنے موزوں پر مسح کیا۔“ (مسلم بحديث: ۲۷۳)۔

اور ابن ترکمانی نے اس طرح سے پوری حدیث کو بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا ہے حافظ زیلعی ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وقع لشيخنا العلامة علاء الدين في هذا الحديث وهم من وجهين: أحدهما: أنه قال في حديث حذيفة بعد أن حكاه بلفظ البخاري، و زيادة مسلم: أخرجاه، وقد بينا أن مسلماً انفرد فيه بالمسح على الخفين.....“ (نصب الراية: ۲/۱)۔

”ہمارے شیخ علامہ علاء الدین کو اس حدیث میں دو طرح سے وہم ہوا ہے ایک اس طرح سے کہ انھوں نے

② اس حدیث کے بارے میں مرغینانی اور سروجی کو بھی وہم ہوا ہے جیسا کہ (صفحہ: ۲۳۳-۲۳۵) میں تفصیل آرہی ہے۔

اس حدیث کو بخاری کے لفظ اور مسلم کے اضافے کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اور ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ مسح کا ذکر کرنے میں مسلم متفرد ہیں۔^❶

❷ نبیذ سے وضوء کرنے والی حدیث ابن مسعود کو ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے جب کہ ابن ترکمانی نے اس کو ”سنن اربعہ“ کی طرف منسوب کیا ہے حافظ زیلعی ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وہم شیخنا علاء الدین فعزاه للأربعۃ، والنسائی لم یروہ أصلاً، واللہ أعلم“

(نصب الراية: ۱/۱۳۸)۔

”ہمارے شیخ علاء الدین کو وہم ہوا ہے کہ انھوں نے اس کو ”سنن اربعہ“ کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ نسائی نے اس کو سرے سے روایت ہی نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔“

❸ استحاضہ^❶ والی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں ہے کہ آپ نے فاطمہ بنت ابی حمیش سے فرمایا تھا:

”ثم اغتسلی، ثم توضئی لكل صلاة وصلی“

ان الفاظ سے اس کو ابوداؤد (۲۹۸) نے روایت کیا ہے اور یہ دوسرے سیاق والفاظ سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں بھی ہے اس کی مفصل تخریج میں نے ”روضۃ الناظر“ لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ابن ماجہ (۲۲۳) کے ہاں یہ اضافہ بھی ہے: ”وإن قطر الدم على الحصير“ یعنی جب حیض سے پاک ہو جاؤ غسل کرو، ہر نماز کے لیے وضوء کرو اور نماز پڑھو اگرچہ خون چٹائی پر ہی کیوں نہ گر رہا ہو یعنی استحاضہ کا خون جس قدر بھی زیادہ ہو نماز پڑھنا ہوگی۔

ابن ترکمانی نے اس اضافے کے ساتھ اس حدیث کو ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے اس پر زیلعی ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وہم شیخنا علاء الدین فی عزوہ هذا الحدیث لأبی داؤد مقلداً لغيره فی ذلك، و ابوداؤد۔ و إن كان أخرجه - ولكن لم يقل فيه: ”وإن قطر الدم على الحصير“ فلیس هو حدیث الكتاب۔“

”ہمارے شیخ علاء الدین سے دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے اس حدیث کو ابوداؤد کی طرف منسوب کرنے میں وہم ہوا ہے اس کو اگرچہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے لیکن اس میں انھوں نے ”اگرچہ خون چٹائی پر گر رہا“

❶ دوسرے وہم کا ذکر اس کتاب کے (صفحہ: ۲۳۶) میں آ رہا ہے۔

❷ استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو حیض کے خون کے علاوہ کسی بیماری کی وجہ سے آئے اور اس خون میں عورت کو نماز پڑھنا ہوگی۔

چند قتب پر ایک نظر

ہو“ ذکر نہیں کیا لہذا یہ حدیث کتاب (ہدایہ) کی حدیث نہیں۔“

④ عبد اللہ بن معقل روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے سہل بن حنیف کی نماز جنازہ پڑھائی اور چھ تکبیریں کہیں پھر ہماری طرح متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ یہ بدری صحابی ہیں۔

اس اثر کو عبد الرزاق (۴۸۱/۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی تفصیلی تخریج کے لیے ”القول المقبول“ (صفحہ: ۷۱۱) دیکھی جائے۔

ابن ترکمانی نے اس اثر کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ ترمذی بلکہ دوسری سنن۔ سنن ثلاثہ۔ میں بھی نہیں ہے۔ اسی لیے حافظ زلیعی نے ابن ترکمانی کا ان الفاظ سے تعاقب کیا ہے۔

”وہم شیخنا علاء الدین مقلداً لغيره، فعزاه للترمذي“

”ہمارے شیخ علاء الدین کو وہم ہوا ہے کہ انھوں نے دوسروں کی تقلید میں اس کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔“

⑤ عائشہ۔ رضی اللہ عنہا کی تلبیہ سے متعلق حدیث کو بخاری (۱۵۵۰) نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح مسلم میں نہیں جب کہ ابن ترکمانی نے اس کو دونوں۔ بخاری و مسلم۔ کی طرف منسوب کیا اسی لیے حافظ زلیعی رقمطراز ہیں:

”وہم شیخنا علاء الدین فی عزوہ للشیخین، فإن مسلماً لم یخرج حدیث عائشہ أصلاً۔“ (نصب الراية: ۲۴/۳)۔

”ہمارے شیخ علاء الدین کو اسے بخاری و مسلم کی طرف منسوب کرنے میں وہم ہوا ہے کیونکہ مسلم نے عائشہ کی حدیث کو سرے سے روایت ہی نہیں کیا۔“

⑥ حدیث ”لا ضرر ولا ضرار.....“ نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ ہی نقصان پہنچاؤ۔“

یہ حدیث متعدد صحابہ۔ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ جن میں ابو سعید خدری۔ رضی اللہ عنہ بھی ہیں ان کی حدیث کو دارقطنی (۸۵/۲۲۸/۴) اور حاکم (۵۸-۵۷/۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اور ابن ماجہ (۲۳۴۱، ۲۳۴۰) میں یہ حدیث عبادہ بن صامت اور عبد اللہ بن عباس۔ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے مگر حدیث ابو سعید خدری ابن ماجہ میں نہیں جب کہ ابن ترکمانی نے اس کو ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے اسی لیے زلیعی (۳۸۵/۴) نے لکھا ہے:

”وہم شیخ علاء الدین مقلداً لغيره فعزاه لابن ماجہ من حدیث الخدری۔“

⑦ اور ان مختلف حدیثوں کو ایک دوسرے سے ملا لینے سے یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے تفصیل کے لیے ”سلسلة الأحادیث الصحيحة“ (حدیث: ۲۵۰) دیکھیں۔

”ہمارے شیخ علاء الدین کو وہم ہوا ہے کہ انھوں نے دوسروں کی تقلید میں خدری کی حدیث کو ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے۔“

ان کے علاوہ اور بھی کئی ایسی احادیث ہیں جن میں ابن ترکمانی کو اس قسم کے اوہام ہوئے ہیں اور علامہ زیلعی نے ان پر ان کا تعاقب کیا ہے بلکہ شیخ محمد عوامہ حنفی نے ذکر کیا ہے کہ زیلعی نے اپنے شیخ علاء الدین کا اپنی کتاب میں ساٹھ مرتبہ سے زیادہ ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو: ”دراسة حدیثیة مقارنة“ (صفحہ: ۱۹۵)۔

ابن ترکمانی کے اوہام کی ایک دو مثالیں آگے بھی آرہی ہیں۔

ب: حافظ زیلعی کے اوہام:

ابن ترکمانی کے اوہام اور ان پر زیلعی کا تعاقب ملاحظہ کر لینے کے بعد اب حافظ زیلعی کے اپنے بعض اوہام بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔

① عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتروں کی پہلی رکعت میں سورہ ”الاعلیٰ“ دوسری میں سورہ ”الاکفرون“ اور تیسری رکعت میں سورہ ”اخلاص“ اور ”معوذتین“ پڑھتے۔

اس حدیث کو ابوداؤد (۱۴۲۴) ترمذی (۴۶۳) اور ابن ماجہ (۱۱۷۳) نے روایت کیا ہے۔ حافظ زیلعی نے اس کی تخریج یوں کی ہے:

”رواہ أصحاب السنن الأربعة“ نصب الراية (۱۱۹/۲)۔

جب کہ یہ حدیث نسائی میں نہیں ہے اسی لیے علامہ عبدالعزیز پنجابی نے ”نصب الراية“ کے حاشیے میں یہ کہا ہے:

”لم أجد في “النسائي” وعزاه المنذري إلى الثلاثة فقط والله أعلم۔“

”یہ حدیث مجھے نسائی میں نہیں ملی، اور منذری نے اس کو صرف ”سنن ثلاثہ“ کی طرف منسوب کیا ہے۔ واللہ اعلم۔“

منذری کی طرح حافظ مزی نے بھی اس کو سنن ثلاثہ۔ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔ کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: ”مختصر سنن أبي داؤد“ للمنذري (۱۲۵/۲) اور ”تحفة الأشراف“ للمزی (۲۷۸/۱۱)۔

② صلح حدیبیہ کے قصے والی طویل حدیث جسے مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم نے بیان کیا ہے اور اس حدیث

کو بخاری نے (۱۶۹۳، ۱۶۹۵، ۲۷۳۱، ۲۷۳۲) کتاب الحج، باب ”من أشعر و قلّد بذی الحلیفة، ثم

أحرم“ کتاب الشروط باب ”الشروط فی الجہاد“ میں روایت کیا ہے اور اس کا ابتدائی ایک چھوٹا سا ٹکڑا

ابوداؤد نے بھی (۱۷۵۴) کتاب الحج باب ”فی الإشعار“ میں اور نسائی نے بھی سنن کبریٰ (۵) حدیث: ۸۵۸۱،

۸۵۸۲، ۸۸۴۰) میں اس کے کچھ حصے کو روایت کیا ہے۔

اور حافظ زیلعی نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

”قلت: أخرجه البخاری و مسلم.....“ (نصب الراية: ۳/۱۲۹)۔

جب کہ یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے اسی لیے حافظ قاسم بن قطلوبغا نے حافظ زیلعی کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے۔

”قلت: لم يخرجه مسلم، وإنما رواه البخاری، و أبو داؤد والنسائي“

(منية الألمعي، صفحہ: ۳۹۰)۔

”میں کہتا ہوں کہ مسلم نے اس حدیث کی تخریج نہیں کی، بلکہ اس کو بخاری، أبو داؤد اور نسائی نے

روایت کیا ہے۔“

عجیب بات ہے کہ حافظ زیلعی نے چند صفحات پہلے اس حدیث کو صرف بخاری کی طرف منسوب کیا ہے فسبحان

من لا یسہو۔ ملاحظہ ہو۔ (۱۱۷/۳)۔

تنبیہ = مولوی عبدالعزیز دیوبندی پنجابی نے ”نصب الراية“ (۳/۱۲۹) کے حاشیے میں اس حدیث کی تخریج

یوں کی ہے:

”عند البخاری فی ”باب الشروط فی الجہاد و المصالحة مع أهل الحرب۔“ (۳۷۸/۱)۔

”ان کی اس تخریج پر دو ملاحظات ہیں:

۱۔ انھوں نے باب کا تو ذکر کیا ہے مگر کتاب کا ذکر نہیں کیا اور باب سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث

کو ”کتاب الجہاد“ میں روایت کیا ہوگا جب کہ انھوں نے اسے ”کتاب الشروط“ میں روایت کیا ہے۔

۲۔ حافظ زیلعی نے اس کا جو پہلا ٹکڑا ذکر کیا ہے وہ ”کتاب الشروط“ میں نہیں بلکہ ”کتاب الحج“ میں ہے لہذا

اس کی کتاب الحج سے بھی تخریج ہونی چاہیے تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الحج میں اس کا ہونا ان پہ مخفی رہا اسی لیے

چند صفحات پہلے حافظ زیلعی نے جب اس ٹکڑے کو ذکر کیا تو وہاں انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔

❖ اس تیسری مثال میں حافظ زیلعی کے وہم کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کا دفاع بھی ہے اور یہ مثال ہے حدیث امّ

ہانی رضی اللہ عنہا کی جو ان الفاظ سے ہے:

”الصائم المتطوع أمير نفسه، إن شاء صام، وإن شاء أفطر“ ❖

”نفل روزے والا خود مختار ہے چاہے تو وہ روزہ مکمل کر لے اگر چاہے تو افطار کر دے“

❖ اس کو ترمذی (۷۳۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ ملاحظہ ہو: تحقیق المشكاة، للآلبانی (۱/۶۴۲)۔

حافظ زیلعی نے اس کی تخریج یوں کی ہے:

”رواہ أبو داؤد و الترمذی و النسائی“ (نصب الراية: ۲/۴۶۹)۔

مولوی عبدالعزیز نے ”نصب الراية“ کے حاشیے میں لکھا ہے:

”و لم أجد الحديث في أبي داؤد، ولا في النسائی، والله أعلم۔“

”یہ حدیث مجھے ابوداؤد اور نہ ہی نسائی میں ملی ہے۔“

محمد عوامہ نے ان کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

”قلت: و كذلك لم أجد الحديث فيهما وقد رجعت إلى ”ذخائر المواريث“ فلم

يعزه لغير الترمذی ثم رجعت إلى ”المعجم المفهرس“ فلم يعزه لغير الترمذی

والمسند ”دراسة حدیثية مقارنة“ (۲۱۰)۔

”میں کہتا ہوں کہ مجھے بھی یہ حدیث ان دونوں کتب میں نہیں ملی، میں نے ”ذخائر المواريث“ دیکھی اس

میں مؤلف نے اس کو ترمذی ہی کی طرف منسوب کیا ہے پھر ”المعجم المفهرس“ دیکھی اس میں بھی

مؤلف نے اس کو ترمذی اور احمد کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔“

قلت: حافظ زیلعی نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد یہ کہا ہے:

”و فی سندہ اختلاف ، و فی لفظہ اختلاف ، رواہ أبو داؤد“

”اس کی سند اور اس کے لفظ میں بھی اختلاف ہے۔“

اور ابوداؤد نے اس حدیث کو دوسرے لفظ سے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو: حدیث (۲۴۵۶) کتاب

الصیام باب ”الرخصة فی ذلك“، بعد باب ”النیتة فی الصیام“ اسی طرح ترمذی (حدیث ۷۲۱)۔

رہی ”سنن نسائی“ تو اس میں یہ حدیث نہیں ہے ہاں اس کو نسائی نے ”سنن کبریٰ“ (۲/۲۴۹، ۲۵۱) میں روایت

کیا ہے لیکن جب مطلق طور پر نسائی بولا جائے تو اس سے ”سنن صغریٰ“ مراد ہوتی ہے۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر حافظ زیلعی سے بھی آگے چلے گئے وہ ”درایہ“ (۱/۲۸۴) میں کہتے ہیں: ”و فی السنن

عن أم هانئ مرفوعاً“، ”سنن میں أم هانئ سے مرفوع روایت ہے۔“ انھوں نے اس کے بارے میں ”و فی السنن“

اس طرح سے مطلق کہہ کہ اس کو ”سنن اربعہ“ کی طرف منسوب کر دیا۔

انہی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

ج: امام ابن ہمام کے اوہام:

❑ صفحہ (۲۲۵) میں گزرنے والی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابن ہمام، ابن ماجہ کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں؟

”و أخرجه أبو داؤد، وفي سندهما حبيب بن أبي ثابت..... و هو في البخاري من حديث أبي معاوية عن هشام بن عروة عن أبيه، وليس فيه زيادة: وإن قطر الدم على الحصى.“ (فتح القدیر (۱/۷۷۱)۔

”اس کو ابوداؤد نے بھی۔ روایت کیا ہے اور ان دونوں (ابن ماجہ و ابوداؤد) کی سند میں حبيب بن ابي ثابت ہیں اور یہ حدیث ”ابو معاویہ عن هشام بن عروہ عن ابيہ“ کی سند سے بخاری میں بھی ہے لیکن اس میں ”خون اگر چہ چٹائی پر ہی کیوں نہ گر رہا ہو“ کا اضافہ نہیں ہے۔“

قلم: یہ اضافہ تو ابوداؤد میں بھی نہیں ہے لہذا اس اضافے کے ساتھ اس کو ابوداؤد کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔
تلبیہ اونچی آواز سے کہا جائے اس سے متعلق احادیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و في الكتب الستة أنه - عليه الصلاة والسلام - قال: ”أتاني جبريل - عليه السلام - فأمرني أن آمر أصحابي، ومن معي أن يرفعوا أصواتهم بالإلهال، أو قال: بالتلبية“ (فتح القدیر (۲/۴۴۶)۔

”کتب ستہ میں ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ”میرے پاس جبریل آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے صحابہ کو بآواز بلند تلبیہ کہنے کا حکم دوں۔“

انھوں نے اس حدیث کو کتب ستہ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم میں نہیں ہے بلکہ ”سنن اربعہ“ ہی میں ہے اور نہ ہی منذری نے ”مختصر السنن“ (۲/۳۴۱) میں اور مزنی نے ”تختہ الأشراف“ (۳/۲۵۵) میں اسے بخاری و مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔^①

۴ حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: ”إذا نكح العبد بغير إذن مولاه فنكاحه باطل“ أخرجه أبو داؤد (۲۰۷۹) ”جب غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے۔“

اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے جب کہ ابن ہمام اس حدیث کو ذکر کرنے سے پہلے کہتے ہیں:

”و في الحديث - أيضًا - في ”السنن“ عن ابن عمر عنه - رضي الله عنه - قال

اس کے بعد انھوں نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ”فتح القدیر“ (۳/۳۹۰)۔

① اس حدیث کو ابوداؤد (۱۸۱۳) ترمذی، (۸۲۹) نسائی (۱۶۲/۵) اور ابن ماجہ (۲۹۲۲) نے سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے اس کی مفصل تخریج میں نے فاضل دوست مولانا محمد منیر سیالکوٹی کی کتاب ”سوئے حرم“ کی تخریج میں کی ہے ملاحظہ ہو: صفحہ ۱۶۱-۱۶۲ (دوسرا ایڈیشن)۔

چند منتخب پر ایک نظر

جب کہ ان الفاظ سے یہ حدیث صرف ابوداؤد میں ہے دیگر ”سنن“ میں نہیں، حافظ مزی نے بھی ”تحفة الأشراف“ (۱۰۷/۶-۱۰۸) میں اس کو صرف ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے۔

اس حدیث کو کچھ لفظی فرق سے ابن ماجہ (۱۹۵۹، ۱۹۶۰) نے بھی روایت کیا ہے مگر اس میں ”فنکاحہ باطل“ کی بجائے ایک روایت میں ”کان عاهراً“ اور دوسری میں ”فہو زان“ ہے دونوں روایتوں کے معنی یہ ہیں کہ وہ زانی ہوگا۔ محمد عوامہ نے امام ابن ہمام کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے:

”و معلوم أن ”السنن“ إذا أطلقت انصرفت إلى ”السنن الأربعة“ المعروفة مع أن هذا الحديث لم يرو إلا في أبي داؤد وابن ماجه كما تقدم“۔

(دراسة حدیثیة مقارنة صفحہ ۷۸/۲)۔

”یہ معلوم ہے کہ جب مطلق طور پر ”سنن“ کہا جائے تو اس سے معروف جو ”سنن اربعہ“ ہیں وہ مراد ہوتی ہیں جب کہ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ ہی میں مروی ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔“
واضح رہے کہ ”ابن ماجہ“ میں اس طرح سے یہ پوری حدیث نہیں ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔

۹۔ امام ابن ابی العزّ (متوفی ۹۲ھ) کے اوہام:

امام ابن ابی العزّ حنفی نے ”التنبیہ علی مشکلات الهدایہ“ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے جو مکتبہ الرشیدیہ سے پہلی بار ۲۰۰۳ء میں پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے جس میں انھوں نے ”ہدایہ“ کے کئی مسائل اور اس کی احادیث پر بھی تعاقب کیا ہے۔

اس مختصر سے تعارف کے بعد امام ابن ابی العزّ سے اس کتاب میں ادحایث کی نسبت کے اعتبار سے جو اوہام ہوئے ہیں ان کی چند مثالیں بھی ملاحظہ کریں۔

❖ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا۔

”قالت: کان رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة،

یوتر من ذلك بخمس، لا یجلس فی شیء إلا فی آخرها“ (أخرجه مسلم: ۷۳/۱۲۳)۔

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے جب کہ ابن ابی العزّ نے اس کو ”التنبیہ“ (۶۵۰/۲-۶۵۱) میں بخاری

اور مسلم کی طرف منسوب کیا ہے مگر یہ بخاری میں نہیں اور نہ ہی حافظ مزی نے ”تحفة الأشراف“ (۱۶۳/۱۲-۱۶۹۸/۱) میں اس کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے بلکہ مسلم اور ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔

❖ حدیث۔ ”إذا أقيمت الصلاة، فلا صلوة إلا المكتوبة، أخرجه مسلم (۷۱۰)۔

اس حدیث کو مسلم اور ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے ابن ابی العزّ نے اس کو بھی بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ اس کو ذکر کرنے سے پہلے لکھتے ہیں: ”و فی ”الصحيحين“ عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال.....“ (التنبیه: ۶۹۱/۲)۔

جب کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے امام بخاری نے ان الفاظ سے صرف باب قائم کیا ہے:

باب ”إذا أقيمت الصلاة، فلا صلاة إلا المكتوبة“

حافظ ابن حجر ”فتح الباری“ (۱۴۹/۲) میں لکھتے ہیں:

”هذه الترجمة لفظ حديث أخرجه مسلم، وأصحاب السنن.....“

”یہ باب اس حدیث کا لفظ ہے جسے مسلم اور اصحاب ”سنن“ نے روایت کیا ہے۔“

❖ صاحب ”ہدایہ“ نے ”باب الاحرام“ میں درج ذیل حدیث ذکر کی ہے:

”لاترموا جمرۃ العقبة إلا مصبحین“ ویروی ”حتى تطلع الشمس“ (۵۰۰/۲۔ فتح القدیر)۔

ابن ابی العزّ لکھتے ہیں:

”وقد ثبت فی ”الصحيح“ قوله: ”حتى تطلع الشمس“ واللفظ الآخر لم يثبت، بل

فيه كلام۔“ (۱۰۵۱/۳-۱۰۵۲)۔

”یعنی لفظ ”حتى تطلع الشمس“ صحیح میں ثابت ہے اور دوسرا لفظ ”إلا مصبحین“ ثابت نہیں بلکہ اس

میں کلام ہے۔

صحیح سے مراد بخاری یا مسلم ہوتی ہے جب کہ یہ لفظ بلکہ مکمل حدیث ”حتى تطلع الشمس“ کے الفاظ سے نہ تو

بخاری اور نہ ہی مسلم میں ہے بلکہ اس کو ابوداؤد (۱۹۴۰) ترمذی (۸۹۳) نسائی (۲۷۱-۲۷۲) اور ابن ماجہ (۳۰۲۵)

وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حافظ زیلعی نے ”نصب الراية“ (۸۶/۳) حدیث: (۴۳۶۰) میں اور امام ابن ہمام نے ”فتح القدیر“ (۵۰۰/۲) میں

اس کو ”سنن أربعة“ کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے طرق کی بناء پر اس حدیث کو حسن کہا ہے اور امام ترمذی اور حافظ ابن حبان سے اس کی صحت نقل

کی ہے اور اسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی، طحاوی اور ابن حبان کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری (۵۲۸/۳)۔

اور لفظ ”إلا مصبحین“ سے اس کو طحاوی نے ”شرح معانی الآثار“ (۲۱۶/۲) میں روایت کیا ہے اور ان کے

ہاں ایک روایت میں: ”حتى تصبحوا“ بھی ہے۔

تنبیہ = یہ حدیث عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کے شروع میں ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل خانہ کے جن کمزوروں کو۔ مزدلفہ سے رات کے آخری حصے میں منی بھیج دیا تھا۔ ان میں میں بھی تھا۔ اور اس حدیث کا یہ ٹکڑا بخاری (۱۶۷۸) اور مسلم (۱۲۹۲) میں بھی ہے مگر اس کے بعد ”لا ترموا“ کا جو اضافہ ہے یہ ان دونوں کے ہاں نہیں بلکہ ”سنن اربعہ“ میں ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا مگر محمد فواد عبد الباقی نے اس طرح سے پوری حدیث کو بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ انھوں نے تخریج میں یہ وضاحت نہیں کی کہ ”لا ترموا.....“ یہ ان کتب میں نہیں ملاحظہ ہو ان کی ترمذی کی تخریج (۳/۲۴۰، حدیث: ۸۹۳)۔

۵۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کے اوہام:
لکھنوی صاحب لکھتے ہیں:

”..... لما أخرجه البخاری و مسلم من حدیث أنس ، و مسلم من حدیث أبي هريرة مرفوعاً: ”من رغب عن سنتي فليس مني“ (التعليق الممجد ۱/۱۹۲)۔

انھوں نے اپنے اس کلام میں حدیث ”من رغب.....“ جو میری سنت سے اعراض کرنے وہ مجھ سے نہیں“ کے بارے میں کہا ہے کہ اس کو بخاری اور مسلم نے انس سے اور مسلم نے ابو ہریرہ سے بھی روایت کیا ہے جب کہ مسلم میں ابو ہریرہ کی حدیث نہیں ہے بلکہ مجھے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ کسی دوسری کتاب میں بھی نہیں ملی ہے اس کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے مگر ان میں ابو ہریرہ نہیں ہیں اب ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی اور ساتھ ہی ان کی حدیث کن کتب میں ہے کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

- ۱۔ انس رضی اللہ عنہ، ان کی حدیث کو بخاری (۵۰۶۳) مسلم (۱۷۵/۹-۱۷۶) نسائی (۶/۶۰) سب نے ”کتاب النکاح“ میں احمد (۳/۲۴۱، ۲۵۹، ۲۸۵) اور ابن ابی عاصم نے ”سنن“ (حدیث: ۶۱) میں روایت کیا ہے۔
 - ۲۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، ان کی حدیث کو احمد (۲/۱۵۸) ابن خزیمہ (۱۹۷) اور ابن ابی عاصم (۶۲) نے روایت کیا ہے۔
 - ۳۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ان کی حدیث کو دارمی (۲/۱۳۳) نے روایت کیا ہے۔
 - ۴۔ ایک نامعلوم انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث۔ جسے احمد (۵/۴۰۹) نے روایت کیا ہے۔
 - ۵۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، ان کی حدیث کو ابو شیخ نے ”أخلاق النبی ﷺ“ (صفحہ: ۱۰۶) میں اور سہمی نے ”تاریخ جرجان“ (صفحہ: ۳۵۸) میں روایت کیا ہے۔
- نیز یہ حدیث حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی مرسل مروی ہے ان کی اس مرسل حدیث کو ابن سعد نے ”طبقات“ (۳۷۲/۱) میں روایت کیا ہے۔

پہلی مذکورہ چار احادیث میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا عبادت کے سلسلے میں حد سے تجاوز کر جانے کا واقعہ مذکور ہے جب کہ ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا گدھے پر سواری کرنے اور بعض دیگر چیزوں کا ذکر ہے۔

۳۔ دو مختلف حدیثوں کو ایک اور ایک حدیث کو دو مختلف حدیثیں ظاہر کرنا:

کتاب ”صلوة الرسول ﷺ“ پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان میں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ مؤلف نے بعض مقامات پر دو حدیثوں کو ایک اور ایک حدیث کو دو مختلف حدیثیں بنادیا ہے یا ظاہر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ صوفی بشیر احمد غیر مقلد (صفحہ: ۷، ۵۳)۔

آئیے اب یہی وہم ”الهدایة كالقرآن“ میں دیکھیے۔

① علامہ مرغینانی نے ”ہدایہ“ میں سب سے پہلی جو حدیث ذکر کی ہے وہ یہ ہے:

”روی المغيرة بن شعبة أن النبي ﷺ أتى شُباطة قوم، فبال، وتوضاً، ومسح على ناصيته وخُفَّيه“ (۱/۱۷۰ فتح القدیر)۔

”مغیرہ بن شعبہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک قوم کے کوڑا خانے پر آئے پس پیشاب کیا، وضوء کیا اور اپنی پیشانی اور موزوں پر مسح کیا۔“
حافظ زیلیعی اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قلت: هذا حديث مركب من حديثين رواهما المغيرة بن شعبة، جعلهما المصنف حديثاً واحداً، فحديث المسح على الناصية، والخفين أخرجه مسلم عن عروة بن المغيرة عن أبيه المغيرة بن شعبة: ”أن النبي - صلى الله عليه وسلم- توضاً، ومسح بناصريته، وعلى العمامة، وعلى الخفين-“ ②

و حديث السباطة، والبول قائماً رواه ابن ماجه في ”سننه“ حدثنا إسحاق بن منصور ثنا أبو داود ثنا شعبة عن عاصم عن أبي وائل عن المغيرة بن شعبة أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم- أتى شُباطة قوم فبال قائماً“ ③ (نصب الراية: ۱/۱)
”میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث دو حدیثوں سے مرکب ہے جن کو مغیرہ بن شعبہ نے روایت کیا ہے مؤلف نے

② مسلم (۸۳/۲۷۴) کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الناصیۃ و العمامۃ۔

③ ابن ماجہ (۳۰۶) کتاب الطہارۃ باب ما جاء فی البول قائماً۔

ان کو ایک حدیث بنا دیا ہے پیشانی اور موزوں پر مسح کرنے والی حدیث کو مسلم نے عروہ بن مغیرہ کی سند سے مغیرہ سے روایت کیا ہے۔

اور کوڑا خانہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والی حدیث کو ابن ماجہ نے ابو اہل شقیق بن سلمہ کی سند سے ان سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی ”درایۃ“ (۱۱/۱) میں یہ کہا ہے: ”و هذا منتزع من حدیثین.....“ یہ دو حدیثوں سے کشید کی گئی ہے۔“

اسی طرح ابن ابی العزّ نے بھی صاحب ”ہدایہ“ کا تعاقب کیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

”والحدیث روی کله عن المغیرة لکن من طریقین ، وظاهر کلام المصنف أنّه من طریق واحدة“ (التنبیہ علی مشکلات الهدایة) (۲۴۶/۱)۔

”یہ پوری حدیث مغیرہ سے مروی ہے لیکن دو سندوں کے ساتھ اور مصنف کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی سند سے ہے۔“

اور یہ وہم دراصل قدوری کا ہے ﴿ اسی لیے سروجی نے ”ہدایہ“ کی شرح میں لکھا ہے:

”فهذا الذی ذکر القدوری مرکب من حدیثین، فقد جعلهما حدیثاً واحداً و نسبہ إلى المغیرة“ (حوالہ مذکور)۔

”قدوری نے جو حدیث ذکر کی ہے وہ دو حدیثوں سے مرکب ہے اور انھوں نے ان کو ایک ہی حدیث بنا دیا ہے اور مغیرہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔“

اور اس حدیث کے بارے میں سروجی کو بھی وہم ہوا ہے کیونکہ انھوں نے یہ کہا ہے:

”وفي أكثر طرقه: المسح علی الخفین دون الناصیة، و لیس فیہ ”سباطة قوم“ (حوالہ مذکور)۔

یعنی حدیث مغیرہ کے اکثر طرق میں پیشانی کی بجائے موزوں پر مسح کرنے کا ذکر ہے اور اس میں ایک قوم کے کوڑے خانے کا ذکر نہیں۔ جب کہ اس حدیث کے ایک طریق میں اس کا ذکر بھی ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔

اس حدیث کے بارے میں علاء الدین ابن ترکمانی کو صاحب ”ہدایہ“ سے بھی بڑھ کر وہم ہوا ہے۔

حافظ زیلعی اس حدیث کے بارے میں ان کے دو وہم میں سے ایک وہم کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ﴿

﴿ ملاحظہ ہو: ”مختصر القدوری“ (صفحہ: ۳۹-۴۰)۔

﴿ پہلے وہم کا ذکر اس کتاب کے (صفحہ: ۲۲۴) میں گزر چکا ہے۔

”الوہم الثانی: أنه جعل حديث الكتاب مركباً من حديث المغيرة أنه- عليه السلام- مسح بناصيته وخفيه، و من حديث حذيفة في السبابة، والبول قائماً، وهذا عجب منه، لأن المصنف جعلهما من رواية المغيرة.....“ (نصب الراية: ۲/۱)۔

”دوسرا وہم یہ کہ انھوں نے کتاب کی حدیث کو حدیثِ مغیرہؓ آپ ﷺ نے پیشانی اور موزوں پر مسح کیا۔“ اور کوڑا خانہ پر کھڑا ہو کر پیشاب کرنے والی حدیثِ حذیفہؓ سے مرکب بنالیا ہے اور ان سے ایسا ہونا بڑے تعجب کی بات ہے کیونکہ مصنف (صاحب ہدایہ) نے تو ان دونوں حدیثوں کو ایک حدیثِ مغیرہ ہی کی دو مختلف حدیثوں سے بنایا ہے۔

② صاحب ”ہدایہ“ لکھتے ہیں:

”أن النبي- عليه الصلاة والسلام- توضأ مرة مرة، وقال: هذا وضوء لا يقبل الله- تعالى- الصلاة إلا به، وتوضأ مرتين مرتين وقال: ”هذا وضوء من يضاعف الله له الأجر مرتين، وتوضأ ثلاثاً ثلاثاً، وقال: ”هذا وضوئي، ووضوء الأنبياء من قبلي فمن زاد على هذا، أو نقص فقد تعدى وظلم“ (الهداية: ۱/۳۱، فتح القدیر)۔

”نبی ﷺ نے ایک ایک مرتبہ وضوء کیا (یعنی اعضاء کو صرف ایک ایک دفعہ دھویا) اور فرمایا کہ ”اس وضوء کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتا۔ اور دو دو مرتبہ وضوء کیا اور فرمایا ”یہ اس شخص کا وضوء ہے جس کے لیے اللہ اجر کو دو گنا کرتا ہے۔“ اور تین تین مرتبہ وضوء کیا اور فرمایا: ”یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضوء ہے پس جو شخص اس پر زیادہ یا اس سے کم کرے (تین دفعہ سے زیادہ یا کم اعضاء کو دھوئے) تو یقیناً وہ حد سے تجاوز کر گیا اور اس نے ظلم کیا۔“

یہ دو مختلف حدیثیں ہیں جن کو صاحب ”ہدایہ“ نے ایک حدیث ظاہر کیا ہے پہلی حدیث ”ایک ایک مرتبہ وضوء کیا“ سے لے کر ”اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضوء ہے“ تک ہے اور اس کے بعد ”پس جو شخص“ آخر تک یہ دوسری حدیث ہے۔ حافظ زلیعی صاحب ”ہدایہ“ کی مذکورہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”غریب بجمع هذا اللفظ“ اس پورے لفظ کے ساتھ یہ حدیث غریب ہے۔ ③ اس کے بعد پہلی حدیث کو جن صحابہ نے روایت کیا ہے ان کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

④ حدیث حذیفہ کو بخاری (۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۶) اور مسلم (۲۷۳) نے روایت کیا ہے۔

⑤ لفظ ”غریب“ سے حافظ زلیعی کی مراد کیا ہوتی ہے اس کے بارے میں صفحہ: (۲۲۳) میں وضاحت کی جا چکی ہے لہذا وہاں دیکھ لیں۔

”ولیس فیہ:“ فمن زاد علی هذا، أو نقص فقد تعدی و ظلم“ ولکنہ مذکور فی حدیث آخر سند کرہ بعد ذکر هذه الأحادیث۔

یعنی ان کی حدیث میں ”فمن زاد علی هذا.....“ نہیں ہے بلکہ یہ دوسری حدیث میں مذکور ہے جس کو ہم ان احادیث کے بعد ذکر کریں گے۔ ملاحظہ ہو۔ (نصب الراية (۲۷/۱)۔

حافظ ابن حجر نے ”الدراية“ (۲۵/۱) میں اور شمس الدین سروجی شارح ”ہدایہ“ نے۔ ملاحظہ ہو ”التنبیہ علی

مشکلات الهدایہ“ (۲۶۵-۲۶۷)۔ کہا ہے: ”هو مرکب من حدیثین.....“ یہ دو حدیثوں سے مرکب ہے۔“

اور امام ابن ہمام نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان مجموعی الفاظ کے ساتھ غیر معروف ہے بلکہ اس کا پہلا حصہ (پہلی

حدیث) متعدد صحابہ سے مروی ہے اور اس کا دوسرا حصہ عبد اللہ بن عمرو کی حدیث میں ہے۔ (فتح القدیر (۱/۳۱-۳۲)

③ صاحب ”ہدایہ“ لکھتے ہیں:

”روي أن النبي - عليه الصلاة والسلام - نهى النساء عن الحلق وأمرهنّ بالتقصير۔“

(۵۱۳/۲۔ فتح القدیر)۔

”نبی ﷺ نے عورتوں کو بال منڈوانے سے منع کیا ہے اور انھیں بال کٹوانے کا حکم دیا ہے۔“

حافظ زلیعی اس کی تخریج میں لکھتے ہیں:

”قلت: غریب بهذا اللفظ، و كأنه حدیث مرکب، فنهی النساء عن الحلق فیہ

أحادیث: منها:

وأما أمرهنّ بالتقصير فأخرجه أبو داؤد.....“ (نصب الراية (۳/۹۵، ۹۶)۔

”میں کہتا ہوں کہ اس لفظ سے یہ حدیث غریب ہے گویا کہ یہ مرکب حدیث ہے عورتوں کو بال کٹانے کی ممانعت

کے بارے میں کئی احادیث ہیں“ اس کے بعد انھوں نے تین احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں پہلی حدیث، علی رضی اللہ

کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو اپنا سر منڈوانے سے منع کیا ہے۔

④ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دیہاتی کو تین تین مرتبہ اعضاء دھو کر وضوء کر کے دکھایا اور اس کے بعد فرمایا

”وضوء اس طرح سے ہے پس جو اس پر زیادہ کرے.....“ اس کو ابو داؤد (۱۳۵) نسائی (۸۸/۱) اور ابن ماجہ (۴۲۲) وغیرہ

نے روایت کیا ہے یہ صحیح حدیث ہے مگر اس میں ”أو نقص.....“ یا کم کرے“ کا اضافہ صحیح نہیں ہے اور یہ اضافہ ابو داؤد کے

ہاں ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری (۲۳۳/۱) اور ”القول المقبول“ (صفحہ: ۱۸۱، حدیث: ۹۴)۔

⑤ اس حدیث کو ترمذی (۹۱۴) ”الحج“ اور نسائی (۱۳۰/۸) ”الزینة“ نے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف حدیث ہے تفصیل کے لیے

”نصب الراية“ اور ”سلسلة الأحادیث الضعیفة“ (حدیث: ۶۷۸) دیکھیں۔

اور ان احادیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ رہا ان کو بال کٹوانے کا حکم تو اس حدیث کو ابوداؤد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

”قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم- ليس على النساء حلق ، إنما على النساء التقصير۔“

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں پر بال منڈوانا نہیں بلکہ ان پر بال کٹوانا ہے۔“

یعنی حج یا عمرہ میں مردوں کی طرح وہ اپنے بالوں کو منڈوائیں نہیں بلکہ کٹوائیں۔

اسی طرح اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر نے بھی یہی کہا ہے: ”كأنه مركب“ (درایہ: ۳۲/۲) ”معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرکب ہے۔“ یعنی دو مختلف حدیثوں سے ایک حدیث بنائی گئی ہے۔

۴۔ حدیث کے ترجمے اور اختصار میں تساہل:

کتاب ”صلوة الرسول ﷺ“ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ مؤلف سے حدیث کے ترجمے اور اختصار میں بھی تساہل ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو ”مقدمہ غیر مقلد“ (ص: ۷)۔

انسان جس قدر بھی کمال کو پہنچا ہو اس سے غلطی اور وہم ہو ہی جاتا ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں آپ لوگوں کے نزدیک اگر یہ چیزیں قابل اعتراض ہیں تو پھر آئیے اپنے چند بڑوں کی مثالیں ملاحظہ کر لیجیے کہ ان سے حدیث کے مفہوم سمجھنے اور عبارت کے سمجھنے یا تعبیر کرنے میں کیسے غلطیاں ہوئیں ہیں۔

۱۔ امام طحاوی مشہور و معروف حنفی امام ہیں۔ ”شرح معانی الآثار، مشکل الآثار“ اور ”عقیدہ طحاویہ“ ان کی مشہور و معروف کتب ہیں اور بعض اوقات یہ حنفی مذہب کی تائید کی خاطر احادیث کی تاویلات بلکہ دعویٰ نسخ تک سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں جیسا کہ ان کی کتاب ”شرح معانی الآثار“ کے مطالعہ کرنے والے پر یہ بات مخفی نہ ہوگی۔

۲۔ اس حدیث کو ابوداؤد (۱۹۸۳، ۱۹۸۵) اور دارمی (۶۳/۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اسے بخاری اور ابوحاتم نے قوی اور ابن حجر نے حسن کہا ہے اور اس کی مفصل تخریج میں نے ”سوائے حرم“ تالیف مولانا محمد منیر قمر کی تخریج میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۲۸)۔

۳۔ ان کے بارے میں ”مقدمة معرفة السنن والآثار“ (۱۲۹/۱-۱۳۰) میں امام بیہقی ”منہاج السنۃ“ (۱۹۵/۸) میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ”شرح علل الترمذی“ (صفحہ: ۴۱- تحقیق صفحی) میں حافظ ابن رجب اور ”فتح الباری“ (۲۸۷/۹) میں حافظ ابن حجر کا کلام ملاحظہ کریں۔

چند کتب پر ایک نظر

اب ان کی غلط فہمی کی ایک عجیب مثال ملاحظہ کریں۔ طحاوی تعویذ لٹکانے کے مسئلے پر کلام کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”وقد جاءت عن رسول الله ﷺ آثار تنهى عن التمايم“

”یقیناً رسول اللہ ﷺ سے ایسی احادیث آئی ہیں جو تعویذوں سے منع کرتی ہیں۔“

اس کے بعد انھوں نے سب سے پہلے ام قیس بنت محسن رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے جس میں وہ بیان کرتی ہیں:

”دخلت على رسول الله -ﷺ- باين لي، وقد عقلت عليه من العذرة“

”وقد أعلقت عليه“ کے معنی بیان کرتے ہوئے امام نووی نے لکھا ہے:

”معناه عالجت وجع لهاته بأصبعي“ (شرح مسلم ۴/۵۸۸)۔

”اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے انگی سے اپنے بچے کے کٹے کو ٹھیک کیا تھا۔“

ان کے مذکور کلام کے معنی یہ ہوئے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اس حال میں کہ میں نے اپنے بچے کے

کٹے کو انگی سے ٹھیک کیا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا:

”على ما تدعرن أولادكن بهذا العلاق؟ عليكن بهذا العود الهندي، فإن فيه سبعة

أشقية، منها ذات الجنب.....“

یعنی تم عورتیں اس طرح سے اپنے بچوں کے کٹے کا علاج کیوں کرتی ہو تم عود ہندی سے اس کا علاج کیا

کرو کیونکہ اس میں سات بیماریوں سے شفا ہے جن میں ایک ذات الجنب (پہلو کا درد) بھی ہے۔

یہ ہے اس حدیث کی تفسیر مگر امام طحاوی اس حدیث سے تعویذ لٹکانے کی ممانعت سمجھ بیٹھے چنانچہ اس حدیث کا ذکر

کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”فقد يحتمل أن يكون ذلك العلاق كان مكروهاً في نفسه، لأنه كتب فيه ما لا

يحل كتابته، فكرهه رسول الله -ﷺ- لذلك لا لغيره“ (شرح معانی الآثار: ۴/۳۲۵)۔

”یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لٹکانی ہوئی چیز فی نفسہ مکروہ ہو کہ اس میں کوئی ایسی چیز لکھی گئی ہو جس کا لکھنا

جائز نہ ہو تو اس بناء پر رسول اللہ ﷺ نے اسے مکروہ سمجھا ہو۔“

① شرح المعانی میں ”علقت“ ہے جب کہ دوسری کتب۔ جن کا عنقریب ذکر آ رہا ہے۔ میں ”أعلقت“ ہے۔

② مزید تفصیل کے لیے: ”شرح مسلم“ کے ساتھ ساتھ ”النهاية“ لابن الأثير (۲/۱۳۳، ۳/۱۹۸، ۲۸۸) اور ”فتح

الباری“ (۱۰/۱۶۸) بھی دیکھیں۔

③ اس حدیث کو طحاوی کی طرح بخاری (۵۷۱۳، ۵۷۱۵) کتاب الطب، مسلم (۲۲۱۳) کتاب السلام، ابوداؤد (۳۸۷۷)

کتاب الطب اور ابن ماجہ (۳۳۶۲) کتاب الطب نے بھی روایت کیا ہے۔

انہوں نے اس حدیث کی تفسیر یہ کی ہے جب کہ یہ تفسیر بالکل غلط ہے اس سے معلوم ہوا کہ آدمی خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔

ج: ابوالحسین احمد بن محمد قدوری (متوفی: ۴۲۸ھ)۔

انہوں نے اپنی کتاب ”مختصر القدوری“ (۱۴۷) میں کہا ہے:

”فإذا طلعت الشمس أفاض الإمام، والناس معه حتى يأتوا منى“

یعنی جب سورج طلوع ہو جائے تو امام اور اس کے ساتھ لوگ بھی مزدلفہ سے منی کے لیے روانہ ہو جائیں۔

ان کا یہ کہنا ہے جب کہ مسنون طریقہ یہ ہے نماز فجر کے بعد اچھی طرح روشنی پھیل جانے اور سورج کے طلوع ہو جانے سے قبل مزدلفہ سے منی کے لیے نکلنا ہے اسی لیے علامہ مرغینانی قدوری کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”هكذا وقع في نسخ المختصر، وهذا غلط، والصحيح أنه إذا أسفر أفاض الإمام،

والناس، لأن النبي - عليه الصلاة والسلام - دفع قبل طلوع الشمس“۔

”مختصر کے نسخوں۔ مختصر قدوری کے نسخوں۔ میں ایسے ہی ہے اور یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ جب اچھی طرح روشنی ہو

جائے تو امام اور لوگ مزدلفہ سے نکل پڑیں کیونکہ نبی ﷺ سورج کے طلوع ہونے سے قبل نکلے تھے۔“

امام ابن ہمام صاحب ”ہدایہ“ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”(قوله : وهذا غلط) هو كما قال: وقد تقدم في غير حديث ”أنه - عليه الصلاة

والسلام - أفاض حين أسفر قبل طلوع الشمس، كحديث جابر الطويل وغيره۔“

فتح القدير شرح الهداية (۲/۴۸۴)۔

”ان کا یہ قول: اور یہ غلط ہے“ بالکل درست ہے کیونکہ کئی ایک احادیث میں یہ گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ اچھی

طرح روشنی پھیل جانے اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے نکلے، جیسا کہ جابر کی طویل حدیث اور

دیگر صحابہ کی احادیث میں ہے۔“

مرغینانی اور ابن ہمام نے تو اس قدر سختی سے قدوری کے مذکورہ قول کو رد کیا ہے جب کہ بابرقتی نے ”شرح

العناية على الهداية“ میں قدوری کے قول کی توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ لکھا ہے:

جس حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی طرف امام ابن ہمام نے اشارہ کیا ہے یہ بہت لمبی حدیث ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ

کے حجۃ الوداع کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کو مسلم (۸/۱۷۰-۱۹۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس کی مفصل تخریج میں نے ”سوئے حرم“ کی تخریج میں کی ہے اور شیخ رحمہ اللہ کا اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ

ہے جس کا نام ہے ”حجة النبي ﷺ كما رواها عنه جابر۔“

”و أقول: معنى قوله: ”وإذا طلعت الشمس، إذا قربت إلى الطلوع، وفعل ذلك اعتمادًا على ظهور المسألة“ (العناية: ۲/۳۸۳. هامش فتح القدیر).

”اور میں کہتا ہوں کہ ان کے اس قول ”اور جب سورج طلوع ہو جائے“ سے مراد یہ ہے کہ جب سورج طلوع ہونے کے قریب ہو اور انھوں نے ایسا اسلوب مسئلے کے واضح ہونے کی بناء پر اختیار کیا۔“ فواجبا۔ مرغینانی اور ابن ہمام کی بات کو لیا جائے تو اس کے معنی یا تو یہ ہوں گے کہ قدوری کو حدیث کے معنی سمجھنے میں مغالطہ ہو گیا یا یہ کہ اس مسئلے میں ان کو سنت کا علم نہ تھا۔

اور اگر برہاتی کی بات کو لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کی تعبیر صحیح نہیں آگے اس کی جو توجیہ بھی کر دی جائے۔ ج: حافظ جمال الدین زلیعی صاحب ”نصب الراية“۔

صاحب ”ہدایہ“ نے باب العدة میں کہا ہے:

”وقد صحَّ أن النبي -عليه الصلاة والسلام- لم يأذن للمعتدة في الاكتمال، والدَّهن لا يعرى عن نوع طيب وفيه زينة الشعر.....“ (۳/۳۳۹. فتح القدیر).

”نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے عدت گزارنے والی عورت کو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی۔ اور تیل بھی ایک قسم کی خوشبو ہے اس میں بالوں کے لیے زینت ہے۔“ حافظ زلیعی ”والدھن“ کا ماقبل سے تعلق سمجھ بیٹھے چنانچہ وہ سرمہ کی ممانعت والی حدیث کی اس طرح سے تخریج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”أما الاكتمال، فأخرجه الأئمة الستة في كتبهم“

إلى أن قال: ”وأما الدهن فغريب“ (نصب الراية ۳/۲۶۲).

اکتمال۔ سرمے کی ممانعت۔ کی حدیث کو ائمہ ستہ نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے حدیث کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”رہا تیل کا ذکر تو یہ غریب ہے۔“

یہاں لفظ ”غریب“ سے ان کی مراد یہ ہے کہ انھیں تیل کی ممانعت والی حدیث نہیں ملی اور ان کی اس مراد کے بارے میں (صفحہ: ۲۲۳) میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ جب کہ ”وَأَمَّا الدَّهْنُ“ کا تعلق ماقبل سے نہیں بلکہ یہ صاحب ”ہدایہ“ کا اپنا کلام ہے انھوں نے اس کو حدیث کے طور پر ذکر نہیں کیا، اسی لیے امام ابن ہمام زلیعی کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وقد وقع للزيلعي مخرج الأحاديث هنا وهم، وذاك أنه جعل لفظة ”الدَّهن“ عطفًا

على الاكتمال، فقال عن المصنف أنه -صلى الله عليه وسلم- لم يأذن للمعتدة في

الاكتحال والدهن“ فخرج حديث منعه الاكتحال، ثم قال: ”وأما الدهن فغريب“ وهو سهو، فإن الدهن مبتدأ، خبره قوله ”لا يعرى عن نوع طيب فألحقه إلحاقاً“

(فتح القدیر (۳/۳۳۹)۔)

”زیلعی مخرج احادیث کو یہاں وہم ہوا ہے وہ یہ کہ انھوں نے لفظ ”دھن“ کا اکتحال پر عطف کر دیا ہے اور مؤلف سے عبارت کو یوں ذکر کیا ہے: أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَأْذَنْ لِلْمُعْتَدَةِ فِي الْاِكْتِحَالِ وَالْاِكْتِحَالِ وَالْاِكْتِحَالِ چنانچہ انھوں نے سرمہ کی ممانعت کی حدیث کی تخریج کرنے کے بعد کہا ہے ”رہا تیل تو یہ غریب ہے“ اور یہ سہو ہے کیونکہ ”الدھن“ مبتداء ہے اس کی خبر صاحب ”ہدایہ“ کا قول ”لا يعرى عن نوع طيب“ ہے مگر انھوں نے اس کو پہلی عبارت کے ساتھ ملا دیا۔“

دیکھیں حافظ زیلعی صاحب ”ہدایہ“ کی عبارت کو سمجھنے میں کس طرح غلطی کر گئے۔

ایک دوسری قسم کی مثال بھی ملاحظہ کیجیے: صاحب ”ہدایہ“ باب المهر“ میں لکھتے ہیں:

”..... لقول ابن مسعود: ”لها مهر مثل نسائه لا وكس فيه ولا شطط“ (۳/۳۶۷)۔

صاحب ”ہدایہ“ نے تو ابن مسعود کا قول ذکر کیا ہے جب کہ زیلعی اس کو مرفوع حدیث سمجھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ”قال۔ عليه السلام: لها مهر مثل نسائها“۔ قلت: أخرجه الأئمة الأربعة في سننهم.....“ (نصب الراية ۳/۲۰۱)۔

۹: امام ابن ہمام۔

امام ابن ہمام کے زیلعی کے تعاقب کو ملاحظہ کر لینے کے بعد اب ان کا اپنا عجیب وہم ملاحظہ کیجیے۔ بیت اللہ کے طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا مسنون ہے مگر سعی کے بعد ان دو رکعتوں کا کوئی ثبوت نہیں مگر بعض علماء نے طواف پر قیاس کرتے ہوئے سعی کے بعد بھی دو رکعت پڑھنے کو مستحب کہا ہے جب کہ ان کا یہ قول بے دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔^①

مگر امام ابن ہمام بڑے فخر سے لکھتے ہیں:

”ولا حاجة إلى هذا القياس إذ فيه نص، وهو ما روى المطلب بن أبي وداعة قال:

”رأيت رسول الله ﷺ حين فرغ من سعيه جاء حتى إذا حاذى الركن فصلى

① اس کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے مجموع النووی (۸/۷۲) اور ”القواعد النورانية“ للشيخ الاسلام ابن تيمية پر ہماری تعلیق (صفحہ: ۱۶۰-۱۶۱) دیکھی جائے۔

چند منتخب پر ایک نظر

ر کعتین فی حاشیۃ المطاف، و لیس بینہ، و بین الطائفین أحد“

(رواہ احمد وابن ماجہ و ابن حبان ① فتح القدیر (۲/۴۶۰)۔

”اس قیاس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے بارے میں نص موجود ہے اور وہ ہے مطلب بن ابی وداعہ کی روایت، فرماتے ہیں کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب اپنی سعی سے فارغ ہوئے حجر اسود کے پاس آئے اور حاشیۃ المطاف (طواف کی جگہ کے کنارے) میں دو رکعتیں پڑھیں، آپ اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی نہ تھا، اس کو احمد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔“

یہ ہے امام ابن ہمام کی دلیل اور یہ دلیل اس طرح بنی کہ انھوں نے ”سُبُعہ“ کو ”سعیہ“ پڑھ لیا لہذا بات کہاں سے کہاں چلی گئی کسی نے سچ کہا ہے۔

ہم دعا لکھتے رہے وہ دعا پڑھتے رہے
ایک نقطے نے فقط محرم سے مجرم کر دیا

یہاں بھی یہی بات ہے ”سُبُعہ“ میں ایک نقطے کے اضافے سے ”سعیہ“ بن گیا۔

اس حدیث میں ”سُبُعہ“ سین اور باء کے پیش کے ساتھ ہے اور اس سے مراد ”سبع الطواف“ طواف کے سات چکر ہیں جیسا کہ ابوالحسن سندھی نے حاشیۃ النسائی (۲۳۵/۵) میں کہا ہے۔

اور یہ لفظ ”سبعہ“ نسائی اور ابن ماجہ کے ہاں ہے۔

اور اس حدیث میں طواف کے سات چکر ہی مراد ہیں چنانچہ نسائی (۲/۶۷) کی ایک روایت میں یہ ہے:

”طاف بالبيت سبعاً ثم صلّ رکعتین۔“

”آپ نے بیت اللہ کے سات چکر لگائے پھر دو رکعت نماز پڑھی۔“

اور مسند احمد میں ”سبعہ“ کی بجائے ”أسبوعہ“ ہے مراد طواف کے سات چکر ہی ہیں اور ابن خزیمہ اور ابن حبان

کے ہاں ”سبعہ“ کی بجائے ”طوافہ“ ہے یعنی جب رسول اللہ ﷺ اپنے طواف سے فارغ ہوئے تو دو رکعت نماز ادا کی۔

نیز اس حدیث کا سیاق و سباق بھی یہ بتلا رہا ہے کہ یہ دو رکعت طواف ہی کی تھیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ”سبعہ“ با کے ساتھ ہے ”سعیہ“ یا کے ساتھ نہیں جیسا کہ ابن

ہمام سمجھے ہیں۔

① اس کو احمد (۱/۳۹۹) ابن ماجہ (۲۹۵۸) ابن حبان (۳/۴۵) اسی طرح نسائی (۲/۶۷، ۲۳۵/۵) کتاب القبلة و کتاب الحج“ اور طبرانی (۲۰/۲۸۹) حدیث: (۶۸۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

تنبیہ = اس حدیث میں طبرانی کے طبع شدہ نسخے میں ”سبعہ“ ہے اور یہ کتابت وغیرہ کی غلطی ہے عین ممکن ہے کہ ابن ماجہ کا ابن ہمام کا ہاں جو نسخہ ہو اس میں بھی کتابت کی غلطی کی وجہ سے ”سبعہ“ بن گیا ہو کیونکہ انھوں نے اس کے لیے جن کتب کا حوالہ دیا ہے ان میں سے صرف ابن ماجہ کے ہاں ”سبعہ“ ہے جب کہ مسند احمد میں ”أسبوعه“ اور ابن حبان کے یہاں ”طوافہ“ ہے۔

اگر واقعاً ایسی بات تھی کہ ان کے نسخے میں ”سبعہ“ تھا تو ان کو دوسری کتب کے الفاظ کو بھی تو سامنے رکھنا چاہیے تھا نیز اس حدیث کے سیاق و سباق پر بھی تو غور کرنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ایک نئی دلیل پیش کر رہے تھے جس کا کسی اور نے ذکر نہیں کیا تو انھیں ہر طرح سے سوچنا چاہیے تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ جب غلطی کی وجہ سے انھوں نے ”سبعہ“ کو ”سبعہ“ پڑھ لیا یا کتابت کی غلطی کی وجہ سے جب ان کو ”سبعہ“ کی بجائے ”سبعہ“ نظر آیا تو وہ فرط مسرت سے پھولے نہیں سمائے چنانچہ ان کا ذہن کچھ اور سوچنے کی طرف گیا ہی نہیں۔

۶۔ مولوی زکریا صاحب کا ندھلوی۔

امام ابن ہمام کا حج سے متعلق ایک مسئلے کے بارے میں وہم ملاحظہ کر لینے کے بعد کا ندھلوی صاحب کا بھی حج سے متعلق مسئلے کے بارے میں وہم ملاحظہ کیجیے۔

وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طواف افاضہ سے قبل سعی کر لیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے اکثر علماء کے نزدیک اس کی سعی نہ ہوگی بلکہ اسے طواف افاضہ کے بعد دوبارہ سعی کرنا ہوگی جب کہ اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے حج کے موقع پر یہ سوال کیا: ”یا رسول اللہ سعیت قبل أن أطوف“ میں نے طواف سے قبل سعی کر لی ہے اور کسی نے کہا کہ میں نے فلاں کام کو پہلے کر لیا ہے اور کسی نے کہا کہ میں نے فلاں کام کو بعد میں کیا ہے تو آپ ﷺ نے سب کو یہی جواب دیا: ”لا حرج لا حرج“ کوئی حرج نہیں کوئی حرج نہیں۔“

اکثر علماء کے نزدیک چونکہ طواف سے قبل سعی جائز نہیں لہذا انھوں نے اس حدیث کی تاویل کی ہے۔

کا ندھلوی صاحب نے ”بذل المجہود“ (۳۵۱/۹) کے حاشیہ میں اس مسئلہ پر یوں تعلیق لگائی ہے یا اس حدیث کا جواب اس طرح سے ذکر کیا ہے۔

”و استدلل بذلك في ”المستصفی“، علی أن هذا الترخیص منه۔ ﷺ۔ كان في أول

- ① اس حدیث کو ابوداؤد (۲۰۱۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور صحیح حدیث ہے۔
- ② درست یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے طواف سے قبل سعی کرے تو اس حدیث کی بناء پر اس کی سعی درست ہوگی اور یہاں اس مسئلے کے بارے میں تفصیل کی گنجائش بھی نہیں اور نہ ہی ضرورت ہے۔

الإسلام إذ لم يستقر شرائع الحج أما اليوم فلا يفتى بتقديم السعي قبل الطواف إلى آخر ما في النهاية۔

صاحب ”مصفیٰ“ نے اس سے اس پر دلیل لی ہے کہ یہ رخصت شروع اسلام میں تھی جب کہ حج کے مسائل میں استقرار نہیں تھا۔ (یعنی تبدیلیوں کا امکان تھا) مگر آج طواف سے قبل سعی کرنے کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔

یہ بات ذکر کرنا کس قدر غفلت کی دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے حج کے موقع پر یہ مسائل پوچھے گئے اور آپ نے ۱۰ھ میں حج کیا اور حج کے تین ماہ بعد وفات پا گئے۔

مفتی بشیر احمد صاحب یہ ہیں آپ کے کبار ائمہ کہ جن سے احادیث کے معنی و مفہوم سمجھنے میں کس قدر غلطیاں ہوئیں۔ ﴿۱﴾ تو مولانا صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ سے اگر کہیں ترجمے یا اختصار میں تساہل ہو گیا تو کوئی قیامت برپا ہو گئی کہ آپ لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ بھدکیم اللہ۔

یہاں پھر یہ وضاحت کر دینا مناسب ہے کہ ان ائمہ کی جن اغلاط کو یہاں ذکر کیا گیا ہے ان سے ان پر طعن و تشنیع کرنا مقصود نہیں بلکہ ان نادانوں کو یہ بات سمجھانے کے لیے کہ بتقاضائے بشریت علماء سے اس قسم کی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ ﴿۲﴾

۵۔ تابعی کا نام ذکر کر کے صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کا مغالطہ دینا۔

یہ بات مؤلف کتاب ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ مولانا محمد یوسف صاحب کی ہے۔

مولانا صاحب وہم کو اگر آپ مغالطہ سے تعبیر کرتے ہیں تو پھر یہ مغالطات آپ کے علامہ مرغینانی اور امام ابن ہمام نے بھی دیے ہیں جن کی تفصیل نمبر ۱ میں ملاحظہ کر لیں، صرف نمبر ۱ ایک ہی نہیں بلکہ نمبر ۱ کے بعد اب تک جو تحریر کیا جا چکا ہے اس کو بھی دیکھیں تو ان شاء اللہ آپ کی طبیعت درست ہو جائے گی اور اگر پھر بھی کوئی کمی رہ گئی تو وہ اس وقت پوری ہو جائے گی جب ہم آپ کے سامنے آپ کی خیانتوں کا ذکر کریں گے۔

۶۔ بعض احادیث کی تخریج میں کوتاہی:

یہ بات بھی قابل اعتراض نہیں کیونکہ بڑے بڑے علماء سے اس قسم کی تقصیر و کوتاہی ہو ہی جاتی ہے اب اپنے ہی کبار کی چند مثالیں ملاحظہ کر لیں۔

﴿۱﴾ اس کتاب کی چوتھی فصل جو کہ آخری فصل ہے اس میں آپ لوگوں کے مقلد مولوی ابوبکر غازی پوری کی جو غلط فہمیاں ذکر ہوئی ہیں ذرا ان پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے ملاحظہ ہو درج ذیل صفحات (۳۱۹ و ما بعدھا) ﴿۲﴾ اس سے قبل ہم یہ وضاحت اس کتاب کے (صفحہ ۲۱۱ و ما بعدھا) میں بھی کر چکے ہیں۔

۱۔ انھوں نے حدیث: ”تھا دو و احابوا“ ایک دوسرے کو ہدیہ دو تمہاری آپس میں محبت پیدا ہوگی۔“ اس حدیث کو ابن ترکمانی نے ”الفردوس“ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ حدیث بخاری کی ”ادب مفرد“ (۵۹۴) اور مسند ابویعلیٰ (۶۱۳۸) وغیرہ میں بھی ہے۔ اسی لیے حافظ زیلعی ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”قلت: تکلف شیخنا علاء الدین مقلداً لغيره فعزاه للفردوس دون غيره، وهذا عجز، فقد أخرجه أصحاب الكتب المشهورة من حديث أبي هريرة، و من حديث ابن عمرو، و من حديث ابن عمر، و من حديث عائشة۔“ (نصب الراية: ۱۲۰/۴)۔

”میں کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ علاء الدین نے دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے تکلف سے کام لیا ہے چنانچہ انھوں نے اس حدیث کو دوسروں کی بجائے ”فردوس“ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ عجز (تقصیر) ہے کیونکہ اس حدیث کو مشہور کتب کے مصنفین نے ابو ہریرہ، ابن عمر، ابن عمر اور عائشہ سے روایت کیا ہے۔“

ب۔ حدیث: ”من وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا.....“ یعنی جو شخص استطاعت کے باوجود قربانی نہیں کرتا وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

اس حدیث کو احمد (۳۲۱/۲) ابن ماجہ (۳۱۲۳) اور دارقطنی (۲۸۵/۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ جب کہ ابن ترکمانی نے اس کو صرف دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی لیے زیلعی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے:

”و ذهل شيخنا علاء الدين مقلداً لغيره فعزاه لهذا الحديث للدارقطني فقط“ (نصب الراية: ۲۰۷/۴)۔

”ہمارے شیخ علاء الدین نے دوسروں کی تقلید میں غفلت کا شکار ہو گئے چنانچہ انھوں نے اس حدیث کو صرف دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے۔“

جب ایک حدیث ”کتب ستہ“ یا ”سنن أربعة“ میں ہو تو پھر ان کتب کو چھوڑ کر دوسری کتب سے حدیث کی تخریج کرنا بہت بڑا عیب ہے اسی لیے حافظ زیلعی ایک مُخَرَّج۔ جس نے دوائی کی خاطر مینڈک کو مارنے کی ممانعت والی

① ملاحظہ ہو ”الفردوس“ (۲۰۸۷/۶۷/۲)۔

② یہ حسن درجے کی حدیث ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ”إرواء الغلیل“ (۴۴/۶) حدیث: (۱۶۰۱)۔

③ ہمارے نزدیک اس حدیث کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے ان سے مرفوعاً ثابت نہیں۔

حدیث کو ابوداؤد اور نسائی کی بجائے بیہقی کی طرف منسوب کیا۔ کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و جهل من عزا هذا الحديث للبيهقي، وترك سنن أبي داود والنسائي“

(نصب الراية: ۳/۲۰۱)

”اس شخص نے جھل سے کام لیا ہے جس نے اس حدیث کو بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور سنن ابوداؤد، و سنن نسائی کو چھوڑ دیا ہے۔“

بس انھیں دو مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں اور اب ایک حدیث کے بارے میں حافظ زیلعی کا ابن ترکمانی کے تعاقب پر تعاقب بھی ملاحظہ کرتے جائیں:

صاحب ”ہدایہ“ نے انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ذکر کی ہے جو یہ ہے:

”أَنَّ أَنَسًا- رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ- تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، وَ مَسَحَ رَأْسَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً، وَقَالَ: هَذَا وَضُوءٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-“ (۳۳/۱ فتح القدیر)

”انس رضی اللہ عنہ نے تین تین مرتبہ وضوء کیا یعنی اعضاء کو تین تین دفعہ دھویا اور ایک مرتبہ سر کا مسح کیا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا وضوء ہے۔“

حافظ زیلعی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

”غريب من حديث أنس..... و عزا شيخنا علاء الدين مقلداً لغيره إلى كتاب ”الإمام“ للشيخ تقي الدين بن دقيق العيد أنه قال: رواه الطبراني في ”معجمه الوسيط“ من حديث أنس..... وهذا لم أجده لا في ”الإمام“ ولا في ”معجم الطبراني الوسيط“۔ (نصب الراية: ۱/۳۰)

”انس کی حدیث کے حوالے سے یہ غریب ہے ہمارے شیخ علاء الدین نے دوسروں کی تقلید میں ابن دقیق العید کی کتاب ”الامام“ کی طرف منسوب کیا ہے کہ انھوں نے اس میں کہا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے اپنی ”معجم اوسط“ میں روایت کیا ہے مگر یہ حدیث مجھے ”الامام“ میں اور نہ ہی ”معجم طبرانی اوسط“ میں ملی ہے۔“

امام ابن ہمام حافظ زیلعی کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

❶ اس کو ابوداؤد (۵۲۶۹، ۳۸۷۱) کتاب الطب والأدب، اور نسائی نے (۲۱۰/۷) کتاب ”الصمد والذہابح“ میں عبد الرحمن بن عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور الکبانی نے ”صحیح ابوداؤد“ (حدیث: ۳۲۷۹) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

❷ غریب سے حافظ زیلعی کی مراد کیا ہوتی ہے اس کی (صفحہ: ۲۲۳) میں وضاحت کی جا چکی ہے۔

”و قول الزيلعي في المعزو إلى ”معجم الطبرانی“ لم أجده فيه سهو عنه، أو كان ساقطاً في نسخته، وإلا فقد وجد في ”الأوسط“ من مسند إبراهيم البغوی“
(فتح القدیر: ۳۴/۱)

”زیلعی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث مجھے ”معجم طبرانی“ میں نہیں ملی ان کی طرف سے سہو ہے یا کہ ان کے نسخے میں یہ حدیث ساقط ہوگی کیونکہ یہ حدیث ”أوسط“ میں لإبراهيم بغوی کی مسند میں موجود ہے۔“

قلت: جیسے یہ حدیث ”أوسط طبرانی“ میں ہے اسی طرح یہ کتاب ”الإمام“ میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو: أوسط

طبرانی (حدیث: ۲۹۰۵)، (۳۳۲/۱) حدیث: ۴۰۹۔ مجمع البحرین) اور ”الإمام“ (۴۴۲-۴۴۳)۔

۲ حافظ زیلعی۔

ابن ترکمانی پر حافظ زیلعی کا تعاقب اور ایک حدیث میں ان کے تعاقب پر تعاقب ملاحظہ کر لینے کے بعد اب حافظ زیلعی کی بعض احادیث کی تخریج میں تقصیر (کو تا ہی) ملاحظہ کرتے جائیے۔

۱۔ صاحب ”ہدایہ“ نے ”كتاب الطهارة، فصل في الغسل“ میں درج ذیل حدیث ذکر کی ہے:

”إذا التقى الختانان، و توارت الحشفة وجب الغسل أنزل، أولم ينزل“

(۶۳/۱۔ فتح القدیر)۔

یعنی جب مرد اور عورت کی شرمگاہیں مل جائیں اور حشفہ (آدی کے عضو تناسل کی سپاری) چھپ جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔“

یہ حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حافظ زیلعی نے اس کی تخریج ابن وہب کی ”مسند“ اور طبرانی کی

”معجم أوسط“ سے کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ”نصب الراية“ (۸۴/۱)۔

جب کہ یہی حدیث ان کتب سے اعلیٰ درجے کی کتب میں ہے جیسا کہ کتب ستہ میں سے ابن ماجہ (۶۱۱) میں ہے

اسی طرح یہ مصنف ابن ابی شیبہ (۸۶/۱) اور مسند أحمد (۱۷۸/۲) میں بھی ہے مگر ان میں ”أنزل أو لم ينزل“ کے الفاظ نہیں۔

حافظ زیلعی نے اگر ان الفاظ کی بناء پر ان کتب سے اس کی تخریج کی ہے اور انھیں یہ علم تھا کہ یہ ان الفاظ کے بغیر

ابن ماجہ وغیرہ میں بھی ہے تو اس کی وضاحت ضروری تھی۔

بہر حال اس حدیث کی تخریج میں ان سے واضح تقصیر ہوئی ہے اسی لیے مولانا عبد العزیز پنجابی دیوبندی نے

یہ حدیث اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے لیکن اس حدیث میں جو مسئلہ بیان ہوا اس کی تائید صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔

”نصب الراية“ کے حاشیے میں لکھا ہے:

”قلت: و رواه ابن ماجه.....“ میں کہتا ہوں کہ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح اس حدیث کی تخریج میں امام ابن ہمام سے بھی تقصیر ہوئی ہے جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

ب۔ اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے جوتوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

اس حدیث کو حافظ زیلعی نے ”صحیح ابن حبان“ کی طرف منسوب کیا ہے۔^① ملاحظہ ہو: نصب الراية (۱۸۹/۱)۔

جب کہ یہ حدیث کتب ستہ میں سے ”سنن أبوداؤد“ (۱۶۰) میں بھی ہے۔

واضح رہے کہ جوتوں پر مسح کرنے کی جو احادیث ہیں ان کے علماء نے تین جواب دیے ہیں:

① یہ مسح نفلی وضوء میں تھا فرض وضوء میں نہیں۔

② مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے پاؤں کو جوتوں کے اندر ہی دھویا اور ہوائی چپل کی قسم کے جوتے میں ایسا

ممکن ہے۔

③ آپ نے جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا تو جوتوں پر مسح کرنا ایک اضافی کام تھا وضوء کے لیے شرط نہ تھا۔ ان جوابات

کی تفصیل کے لیے ”نصب الراية“ (۱۸۸-۱۸۹) دیکھیں۔

ج۔ حدیث علی رضی اللہ عنہ: ”کان رسول اللہ ﷺ یصلی رکعتین دبر کل صلوٰۃ إلا الفجر والعصر“۔

رسول اللہ ﷺ فجر اور عصر کے علاوہ ہر نماز کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے۔

اس حدیث کو حافظ زیلعی نے ”نصب الراية“ (۲۵۰/۱) میں ذکر کیا ہے۔

اور اسحاق بن راہویہ کی ”مسند“ اور بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ حدیث ”سنن أبوداؤد“ (۱۲۷۵) میں

بھی ہے اسی لیے مولانا عبدالعزیز نے ”نصب الراية“ کے حاشیے میں لکھا ہے: ”و أبوداؤد فی السنن.....“

شیخ محمد عوامہ حنفی لکھتے ہیں:

” قال فضيلة الشيخ الفنجابي عاطفًا على قوله: ”روى إسحاق“ : و أبوداؤد،

والطحاوي، و أحمد، و لاشك أن العزو إلى ”المسند“ و ”أبي داؤد“ أقرب، و أولى

من العزو إلى ”سنن البيهقي“ و ”مسند ابن راهويه“ (دراسة حديثية، صفحہ: ۲۰۹-۲۱۰)

یعنی شیخ پنجابی۔ عبدالعزیز۔ نے زیلعی کے اس قول پر کہ اسے اسحاق بن راہویہ نے روایت کیا ہے حاشیہ

① ملاحظہ ہو: صحیح ابن حبان (۲/۳۱۲) حدیث: (۱۳۳۶)۔

لگاتے ہوئے کہا ہے ”اس کو ابوداؤد، طحاوی اور احمد نے بھی روایت کیا ہے۔“ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسند احمد اور ابوداؤد کی طرف منسوب کرنا، سنن بیہقی اور مسند ابن راہویہ کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

۹۔ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک دیہاتی آدمی آیا اور اس نے مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنا شروع کر دیا، لوگوں نے اس کو ڈانٹا تو آپ نے فرمایا ”اسے ڈانٹو نہیں“ جب وہ پیشاب کر چکا تو آپ نے پانی کا ایک ڈول منگوا لیا اور اس جگہ پر جہاں اس نے پیشاب کیا تھا گرا دینے کا حکم دیا۔“

اس حدیث کو زیلعی نے مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: نصب الراية (۲۱۲/۱)۔ جب کہ یہ حدیث بخاری میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو: کتاب الوضوء حدیث (۲۱۹، ۲۲۱) اور مسلم کتاب الطہارۃ، حدیث (۲۸۳-۲۸۵)۔

صحیح بخاری کو چھوڑ کر صحیح مسلم سے حدیث کی تخریج کرنے میں واضح تقصیر ہے اسی لیے مولانا عبدالعزیز دیوبندی نے ”نصب الراية“ کے حاشیے میں کہا ہے: ”والبخاری أيضاً“ اس کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز یہی حدیث بخاری (۲۲۰) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

۱۰۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: ”أسرعوا بالجنائزۃ“۔ جنازے کو لے جانے میں جلدی کرو۔“ اس حدیث کے بارے میں شیخ محمد عوامہ نے حافظ زیلعی کی جس تقصیر کا ذکر کیا ہے وہ ملاحظہ کیجیے۔ لکھتے ہیں: ”وقال الزيلعي۔ أيضاً۔“ أخرج الأربعة عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ ”أسرعوا بالجنائزۃ.....“

وخرجه الشيخ الفنجاني عن ”السنن الأربعة“ ثم قال: ”هذا الحديث أخرجه الشيخان أيضاً..... ولا أدري لم أغفلهما الحافظ المخرج۔ رحمه الله تعالى۔“ و هذا التقصير في عزو الأحاديث إلى ما اشتهر و تدوّل من كتب السنّة، أو إلى ما هو أولى، و أقرب: يُعَدَّ عيباً عند علماء الصناعة“ (دراسة حداثيّة: ۲۱۰)۔

”زیلعی نے یہ بھی کہا ہے کہ چاروں نے (اصحاب السنن الأربعة نے) ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول

① ابوداؤد (۱۲۷۵) شرح معانی الآثار (۳۰۳/۱) اور مسند احمد (۱۳۴، ۱۳۳/۱) اور یہ حدیث ضعیف ہے ملاحظہ ہو: ضعیف أبي داود (حدیث: ۲۳۶)۔ اصل ضعیف أبي داود)۔

اللہ ﷻ نے فرمایا: ”جنازے کو جلدی لے کر جاؤ۔“

شیخ پنجابی نے اس کی ”سنن اربعہ“ سے تخریج کرنے کے بعد کہا ہے: ”اس حدیث کو شیخین (بخاری و مسلم) نے بھی روایت کیا ہے..... میں نہیں جانتا کہ حافظ مخرج (زیلعی رحمہ اللہ) نے ان کے (شیخین کے) ذکر کو کیسے چھوڑ دیا ہے۔“
احادیث کو ان کتب کی طرف جو کہ حدیث کی مشہور اور متداول کتب ہیں یا ان کتب کی طرف جو اعلیٰ ہیں منسوب نہ کرنا اہل فن کے ہاں عیب تصور کیا جاتا ہے۔“

یعنی ایک حدیث اگر بخاری و مسلم میں ہے یا بخاری و مسلم کے ساتھ ساتھ ”سنن اربعہ“ میں بھی ہے تو اسے صرف مسلم کی طرف منسوب کر دیا جائے یا بخاری اور مسلم دونوں کو چھوڑ کر ”سنن اربعہ“ کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ یا ایک حدیث ”سنن اربعہ“ یا ان میں سے بعض ”سنن“ میں ہو تو اسے طبرانی یا بیہقی کی طرف منسوب کر دیا جائے تو یہ اہل فن کے ہاں عیب ہے۔

تنبیہ = شیخ محمد عوامہ نے مذکورہ حدیث کے بارے میں حافظ زیلعی کی جس تفصیر کا ذکر کیا ہے اس کے لیے انھوں نے حاشیے میں اس طرح حوالہ دیا ہے: نصب الراية (۲/۲۸۹)۔

لیکن آپ جب ”نصب الراية“ کا وہ نسخہ دیکھیں گے جو ”دارالقبلہ“ اور ”مؤسسۃ الریان“ سے چھ جلدوں میں چھپا ہے آخری جلد ”نصب الراية“ کی مختلف فہارس پر مشتمل ہے اور پہلی ایک مقدمہ کے طور پر ہے جو درج ذیل مقالات یا کتب پر مشتمل ہے۔

❶ فقہ اهل العراق، و حدیثہم لمحمد زاهد الکوثری۔

❷ دراسة حدیثیة مقارنة لنصب الراية وفتح القدير ومنية الألمعی لمحمد عوامہ۔

❸ منیة الألمعی لابن قطلوبغا۔

تو اس نسخہ میں ”نصب الراية“ کے مذکورہ مقام پر آپ حافظ زیلعی کی تخریج اس طرح پائیں گے: ”أخرج الأئمة الستة.....“ یعنی اس میں ”أخرج الأربعة“ کی بجائے ”أخرج الأئمة الستة“ ہے۔

اور حاشیے میں شیخ پنجابی کی تخریج اس طرح پائیں گے:

”البخاری۔ أبو داؤد۔ والترمذی۔ والنسائی۔ وابن ماجہ۔ والطحاوی۔“

مگر جب آپ پرانے نسخہ کا مراجعہ کریں گے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے تو اس میں ”أخرج الأربعة“ ہی پائیں گے اور حاشیہ میں شیخ پنجابی کا وہ کلام بھی ملے گا جس کا محمد عوامہ نے ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیں دارالاحیاء التراث والا نسخہ (۲/۲۸۹)۔

معلوم یہ ہوا کہ اس نئے نسخے میں تبدیلی کی گئی ہے متن اور حاشیہ کے خط سے بھی یہ تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔
تبدیلی کے باوجود اس میں ایک کمی ابھی بھی رہ گئی ہے وہ یہ کہ حاشیہ میں صحیح مسلم سے اس حدیث کی تخریج نہیں کی گئی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث کی تخریج میں حافظ زیلیعی سے تفصیر یہ ہوئی کہ یہ حدیث چونکہ بخاری و مسلم میں بھی ہے لیکن انھوں نے اس کی تخریج صرف ”سنن اربعہ“ سے کی ہے۔
[۴] امام ابن ہمام۔

ابن ترکمانی اور زیلیعی کے بعد ابن ہمام کی بھی احادیث کی تخریج میں تفصیر کی بعض مثالیں ملاحظہ کر لیں۔
۱۔ صفحہ (۲۴۸) میں ذکر ہوا کہ علامہ مرغینانی نے ”ہدایہ“ میں یہ حدیث ذکر کی ہے: ”إذا التقى الختانان و توارت الحشفة.....“۔

ابن ہمام اس حدیث کی ”ہدایہ“ کے لفظ کے ساتھ تخریج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
”وفي مصنف ابن أبي شيبة إذا التقى الختانان، وتوارت الحشفة فقد وجب الغسل“ (فتح القدیر ۱/۶۴)۔

انھوں نے اس حدیث کو ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ کتب ستہ میں سے ”سنن ابن ماجہ“ میں اور اسی طرح مسند احمد میں بھی ہے جیسا کہ (صفحہ: ۲۴۸) میں ذکر ہوا۔
۲۔ صف بندی کی احادیث کا ذکر کرتے ہوئے ابن ہمام لکھتے ہیں:

”ففي صحيح ابن خزيمة عن البراء: كان ﷺ يأتي ناحية الصف فيسوي بين صدور القوم و مناكبهم.....“ (فتح القدیر: ۱/۳۵۹)۔

انھوں نے اس حدیث کو ”صحیح ابن خزیمہ“ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ حدیث ”کتب ستہ“ میں سے ابوداؤد (۶۶۴) اور نسائی (۹۰/۲) میں بھی ہے اور یہ صحیح حدیث ہے اس کی مفصل تخریج کے لیے ”القول المقبول“ (صفحہ: ۵۳۰، حدیث: ۴۷۱) دیکھی جائے۔

[۴] مولانا عبدالحی لکھنوی:

انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: ”سنة لعنتهم: الزائد في كتاب الله.....“ کو ذکر کرنے سے قبل لکھا ہے:
”و أخرج الطبرانی في ”المعجم الكبير“ وابن حبان، والحاكم عن عائشة قالت:
قال رسول الله ﷺ“ (التعليق الممجّد ۱/۱۹۲)۔

چند قتب پر ایک نظر

انھوں نے اپنے اس کلام میں اس حدیث کو طبرانی، ابن حبان اور حاکم کی طرف منسوب کیا ہے۔^① جب کہ اصول ستہ (معروف صحاح ستہ) میں سے یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ جامع ترمذی (حدیث: ۲۱۵۴) کتاب القدر باب (۱۷)۔

اور یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ ضعیف الجامع (۳۲۴۸) میں ہے۔ جب ایک حدیث ”اصول ستہ“ میں یا ان میں سے بعض کتب میں یا کسی ایک کتاب میں ہو تو پھر اس حدیث کو ”اصول ستہ“ کی طرف یا ان میں سے جس کتاب میں وہ حدیث ہو اس کی طرف منسوب کرنے کی بجائے دوسری کتب کی طرف منسوب کرنا اہل فن کے نزدیک عیب کہلاتا ہے۔^②

بس انہی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں اور عقلمندوں کو یہ بات سمجھانے کے لیے کہ علماء سے اس قسم کی تقصیر ہو جاتی ہے یہ مثالیں کافی ہیں ﴿إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَا اٰیٰتٍ لِّاُولٰٓئِی النُّہٰی﴾ (ظہ: ۱۲۸)۔ بعض احادیث کا ضعف بیان نہ کرنا:

بعض ضعیف احادیث کو نقل کرنے کے بعد ان کے ضعف کو بیان نہیں کیا اور بعض وہ احادیث ہیں کہ جن کتب سے ملاحظہ ہو المعجم الکبیر (۲۸۸۳/۱۳۶/۳) صحیح ابن حبان (۷/حدیث: ۵۷۱۹) اور مستدرک حاکم (۱/۲، ۳۶/۱)۔ (۹۰/۴، ۵۲۵)۔

طبرانی نے اس کو اوسط (۵/حدیث: ۳۲۷۵۔ مجمع البحرین) میں بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی نسبت یا تخریج میں صاحب ”مشکوٰۃ“ سے بھی تقصیر ہوئی ہے چنانچہ انھوں نے اس کو ”المدخل“ للبیہقی اور رزین کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (۱/۳۸-۳۹) کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر فصل ثانی۔ ترمذی کو چھوڑ کر اس کو مدخل اور رزین کی طرف منسوب کرنا اس میں واضح تقصیر ہے۔

لکھنوی اور خطیب تبریزی کی اسے ترمذی کی طرف منسوب نہ کرنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں یہ حدیث نہیں ہے مثال کے طور پر ترمذی کے جس نسخے پر شرح تحفۃ الأوحی ہے اس میں یہ حدیث نہیں ہے لہذا ممکن ہے لکھنوی اور تبریزی کے پاس ترمذی کا جو نسخہ ہو اس میں یہ حدیث نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

اور حافظ بیہقی کی اس کو مجمع الزوائد (۱/۱۸۱-۲۰۸) اور ”مجمع البحرین“ (۵/۳۹۸) میں ذکر کرنے کی بھی وجہ ہو۔

تنبیہ = واضح رہے کہ رزین کی کتاب کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ جس میں انھوں نے احادیث کو اسانید کے ساتھ روایت کیا ہو بلکہ انھوں نے ”اصول ستہ“ کی احادیث کو ایک مستقل کتاب میں جمع کرنے کی کوشش کی تھی اور ان کی اس کتاب میں بعض ایسی احادیث بھی درج ہو گئی ہیں جو کہ اصول ستہ میں نہیں ہیں بلکہ بعض احادیث ایسی بھی ہیں جو کہ حدیث کی کسی کتاب میں بھی نہیں پائی جاتیں اسی لیے علامہ شوکانی نے ”السیل الجرار“ (۱/۷۷-۷۸) میں ان پر بڑے سخت الفاظ سے تنقید کی ہے۔

چند مقب پر ایک نظر

ان کو نقل کیا گیا ان میں ان کے ضعف کی صراحت موجود ہے لیکن ان کو نقل کرتے وقت ان کے ضعف کو نقل نہیں کیا گیا۔
 ۱۔ جہاں تک ضعیف احادیث کے ضعف کو بیان نہ کرنے والا مسئلہ ہے تو دراصل اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مؤلف جس ماحول میں تھے اس میں اس طرف کوئی زیادہ توجہ نہ دی جاتی تھی اور دوسری وجہ جو پہلی سے اہم ہے وہ یہ کہ اس وقت علماء کے پاس کتابوں کا ذخیرہ بہت کم تھا اکثر علماء کے پاس مشکوٰۃ، بلوغ المرام، اور ترمذی و تہذیب وغیرہ ہی ہوتی تھیں اور وہ انھیں کتب پر اعتماد کرتے تھے اس لیے احادیث کی تحقیق ان کے بس کی بات نہ تھی۔
 اب حافظ زبیلی کی سنیہ کہ جو حدیث کے بارے میں وسیع معلومات رکھتے تھے اور ان کے پاس کتب کا ذخیرہ بھی تھا اس کے باوجود انھوں نے بہت سی احادیث کا درجہ بیان نہیں کیا چنانچہ شیخ محمد عوامہ حنفی ”نصب الراية“ میں حافظ زبیلی پر اپنے مواخذات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۶۔ وآخر ما يذكر مأخذاً على الحافظ الزبيلي: عدم التزامه ببيان رتبة جميع الأحاديث التي يخرجهاء، وقد بين - رحمه الله - حكم كثير من الأحاديث التي فيه، ولكن بقي عليه كثير أيضاً، وكان بإمكانه أن يكفيها هذه المؤونة، ويفيدنا هذه الفائدة، لسعة اطلاعه، ووفرة مصادره ولكن هذا ما حصل له۔“

(دراسة حدیثیہ صفحہ ۲۱۳)۔

”حافظ زبیلی پر سب سے آخری مواخذہ یہ ہے کہ انھوں نے جن احادیث کی تخریج کی ہے ان تمام کے درجے کو بیان کرنے کا التزام نہیں کیا۔

ہاں انھوں نے بہت سی احادیث کا حکم بیان کیا ہے لیکن بہت سی احادیث ایسی بھی ہیں کہ جن کا حکم بیان نہیں کیا، حالانکہ ان کے لیے ایسا کرنا ممکن تھا کہ ہم سے یہ بوجھ اٹھا لیتے اور ہمیں مستفید کرتے کیونکہ ان کی نظر بہت وسیع تھی اور ان کے پاس کتب کا ذخیرہ بھی تھا مگر ان سے ایسا ہو نہیں سکا۔“

جب حافظ زبیلی جیسی شخصیت سے ایسا ہو سکتا ہے کہ انھوں نے بہت سی احادیث کا درجہ بیان نہیں کیا جب کہ تخریج سے اصل مقصد حدیث کا درجہ بیان کرنا ہی ہوتا ہے۔ تو مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسا ہو جانا مذکورہ بالا وجہ کی بنا پر قابل مواخذہ و قابل اعتراض نہیں، ہاں ان کا یہ عمل قابل اصلاح ضرور تھا چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر اس کتاب کی احادیث کی تخریج کی گئی۔

ب۔ بعض احادیث ایسی ہیں کہ جن کتب سے ان کو نقل کیا گیا ہے ان میں ان کے ضعف ہونے کی صراحت موجود ہے مگر مؤلف نے ان کے ضعف کو ذکر نہیں کیا۔

چند مقب پر ایک نظر

یہ چیز واقعتاً قابل مواخذہ ہے لیکن یہ خیال رہے کہ ایسی احادیث بہت کم ہیں کتاب کی تمام احادیث میں سے جن کی تعداد تقریباً ۷۴۳ ہے ایسی احادیث صرف نو یا دس ہیں۔

اور یہ واضح رہے کہ ایسا صرف ہمارے مولانا صادق صاحب رحمہ اللہ سے ہی نہیں ہوا بلکہ آپ کے علماء سے بھی ایسا ہوا ہے اب اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔

آپ کے حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے رسالے ”الاقتصاد“ میں۔ جیسا کہ فتاویٰ اہل حدیث (۴۶۱/۱) میں ہے۔ لکھا ہے:

”قیام میں ہاتھ زیر ناف باندھے، ابوداؤد نسخہ الاعرابی جلد اول (صفحہ: ۱۱۷) میں ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت طریقت یہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھا جائے اور ابوداؤد سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ کا پکڑنا ہاتھ سے نماز کے اندر ناف کے نیچے ہے (روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو ابوداؤد نے)۔

ان دونوں حدیثوں کو تھانوی صاحب نے ابوداؤد کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد خاموشی اختیار کی ہے جب کہ ان دونوں ہی حدیثوں کی سند میں ایک راوی عبد الرحمن بن اسحاق کوئی ہیں جن کے بارے میں امام ابوداؤد نے حدیث ابو ہریرہ کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے:

”سمعت أحمد بن حنبل يضعف عبد الرحمن بن اسحاق الكوفي“ ملاحظہ ہو سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، حدیث: (۷۵۸)۔
”میں نے احمد بن حنبل (امام احمد) کو عبد الرحمن بن اسحاق کوئی کی تضعیف کرتے ہوئے سنا ہے“ یعنی انھوں نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

عبد الرحمن بن اسحاق کوئی جنھیں واسطی بھی کہا جاتا ہے یہ صرف امام احمد کے نزدیک ہی ضعیف نہیں ہیں بلکہ ان کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے چنانچہ امام ابن ہمام اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قال النووي: اتفقوا علی تضعیفه، لأنه من رواية عبد الرحمن بن إسحاق الواسطي مجمع علی ضعفه“ (فتح القدیر ۲۸۷/۱)۔

”نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی تضعیف پر علماء کا اتفاق ہے کیونکہ یہ عبد الرحمن بن اسحاق واسطی کی روایت سے ہے جس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔“

اور حافظ زیلیعی لکھتے ہیں:

”وقال النووي فی ”الخلاصة“ وفي شرح مسلم: هو حديث متفق علی تضعیفه، فإن

عبد الرحمن بن إسحاق ضعيف بالاتفاق“ (نصب الراية ۱۰/۳۱۴)۔

”نووی نے ”خلاصہ“ اور ”شرح مسلم“[❧] میں کہا ہے کہ اس حدیث کی تضعیف پر اتفاق ہے کیونکہ عبد الرحمن بن اسحاق بالاتفاق ضعیف ہے۔“

قارئین آپ نے دیکھا کہ تھانوی صاحب نے ان دونوں حدیثوں کو ابوداؤد سے نقل کیا ہے مگر ان کے بارے میں ان کی تضعیف سے متعلق جو کلام تھا اسے نقل نہیں کیا اور نہ ہی انھوں نے اس بات کی کوئی پرواہ کی کہ جب ہمارے کبار علماء نے ان حدیثوں پر کلام کیا ہے تو کم از کم میں ان کے ضعف کی طرف اشارہ تو کر دوں مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ایسا کرنے سے مقصد حاصل نہیں ہوتا تھا۔

دوسری بات یہ کہ مولانا صادق صاحب سے اس کے بارے میں جو تسائل ہوا سو ہوا لیکن آپ کے مولانا زکریا صاحب کاندھلوی جو شیخ الحدیث کے لقب سے ملقب کیے جاتے ہیں انھوں نے کیا کیا انھوں نے یہ کیا کہ اپنی کتاب ”تبلیغی نصاب“ اور ”فضائل الصدقات والحق“ میں حدیث کے متن کے آخر میں عربی میں تو یہ لکھ دیا کہ ”ضعیف“، یا ”ضعیف جداً“، لیکن اردو میں حدیث کے ترجمے کے ساتھ ان الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا، یہ کیوں، یہ کتابیں تو اردو دان طبقہ کے لیے لکھی گئی ہیں عربی دانوں کے لیے تو نہیں۔

اس قسم کی احادیث کی مثالیں بیان کر کے ہم زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتے اگر ہماری بات میں کچھ شک ہو تو ان کتب کا مطالعہ کر لیجیے۔

یہاں صرف ایک مثال بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ شیخ الحدیث صاحب نے ترک نماز پر وعید کے بارے میں ایک حدیث ذکر کی ہے جو یہ ہے:

”من ترك الصلاة حتى مضى وقتها ثم قضى عَذَبَ في النار حقباً، والحقب ثمانون

سنة، والسنة ثلاث مائة وستون يوماً كل يوم مقدار ألف سنة۔“

”جس شخص نے نماز کو ترک کر دیا حتیٰ کہ اس کا وقت ختم ہو گیا پھر اس کی قضا کی تو اسے جہنم میں کئی ہفت تک

عذاب دیا جائے گا اور ایک ہفت اتنی سال کا ہوگا اور سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کے

برابر ہوگا۔“

شیخ الحدیث صاحب اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

❧ ملاحظہ ہو ”خلاصۃ الأحكام (۱/۳۵۸) اور ”شرح مسلم“ (۴/۱۱۵) امام نووی نے یہ بات اپنی کتاب ”مجموع شرح

مہذب“ (۳/۳۱۳) میں بھی کہی ہے۔

”کذا فی ”مجالس الأبرار“ قلت: لم أجدہ فیما عندي من كتب الحديث إلا أن ”مجالس الأبرار“ مدحه شيخ مشائخنا الشاہ عبد العزيز الدهلوی ”ملاحظہ ہو“ تبلیغی نصاب“ (ص: ۲۳۱۔ فضائل نماز)۔

شیخ الحدیث صاحب نے اس عربی عبارت کا ترجمہ نہیں کیا اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔

”یہ حدیث ”مجالس الأبرار“ میں ہے، میں کہتا ہوں کہ میرے پاس حدیث کی جو کتابیں ہیں ان میں مجھے یہ حدیث نہیں ملی مگر ”مجالس الأبرار“ کی ہمارے اساتذہ کے استاذ شاہ عبد العزیز دہلوی نے تعریف کی ہے۔“

یہ ہے ان کی اس عربی عبارت کا ترجمہ جس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ بے اصل حدیث ہے مگر اردو دان طبقے کو کس قدر دھوکا میں رکھا گیا۔

جب کتاب اردو میں تھی تو عربی میں یہ بات کیوں کہی گئی یہ کسی محدث کی بات نہیں کہ جو عربی میں تھی اور اسے نقل کر دیا گیا بلکہ یہ کاندھلوی صاحب کی اپنی بات ہے جسے انھوں نے بجائے اردو میں کہنے کے عربی میں کہہ دیا اس سے مقصود اگر عوام الناس کو دھوکے میں رکھنا نہیں تو اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

اس سے بڑھ کر سنئے کہ شیخ الحدیث صاحب ہی کی جماعت کے کسی آدمی نے ان سے کہا کہ بعض علماء نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے لہذا مناسب نہیں کہ اس حدیث کو اس کتاب میں ذکر کیا جائے بلکہ اس کا حذف کر دینا ہی بہتر ہے اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

موصوف نے جواب دیا کہ اس عاجز نے اگر اس حدیث کو اپنی طرف سے ذکر کیا ہوتا تو اس کا حذف کر دینا ممکن تھا مگر چونکہ یہ حدیث معتبر کتاب ”مجالس الأبرار“ سے نقل کی گئی ہے اس لیے لوگوں کی تحذیر (ڈرانے) کے لیے اس کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ یہ ضعیف ہے۔

اس واقعہ کو ڈاکٹر طالب الرحمن صاحب نے اپنی کتاب ”جماعة التبلیغ“ (صفحہ: ۳۶۱-۳۶۲) میں ذکر کیا ہے۔^①

عجیب منطق ہے کہ لوگوں کی تحذیر کے لیے بے اصل ومن گھڑت روایات ذکر کی جائیں اور لوگوں کے لیے تو من گھڑت احادیث تحذیر کا سبب بن جائیں لیکن ایک شیخ الحدیث کے لیے رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل صحیح احادیث بھی تحذیر کے لیے کافی نہ ہوں۔

① ”کفی بالمرء کذباً أن يحدث بكل ما سمع۔“

② اس حدیث کا ذکر (صفحہ: ۳۹۸) میں بھی آ رہا ہے اور وہاں تبلیغی نصاب کی کچھ خرافات کا ذکر بھی آئے گا۔

”هذا الحديث بهذا اللفظ غريب لم يرد هكذا.....“

”یہ حدیث اس لفظ سے غریب ہے اس طرح سے نہیں آئی۔“

تیسری حدیث: صاحب ”ہدایہ“ لکھتے ہیں:

”و قال - عليه الصلاة والسلام - لا تزال أمتي بخير ما عجلوا المغرب و أخروا

العشاء-“ (۲۲۸/۱)۔

”نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ”میری امت خیر پر رہے گی جب تک وہ مغرب کو جلد اور عشاء کو

تاخیر سے ادا کرتی رہے گی۔“

حافظ زیلعی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ”قلت: غریب“ (۲۳۶/۱)۔

اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے: ”لم أجد هكذا“ (۱۰۶/۱) ”یہ حدیث مجھے اس طرح سے نہیں ملی۔“

اور علامہ ابن ابی العزحقی لکھتے ہیں:

”هذا الحديث منكر ، لا يعرف في كتب الحديث“

التنبیه علی مشکلات الهدایہ“ (۳۶۸/۱۰)۔

”یہ حدیث منکر ہے کتب حدیث میں پہچانی نہیں جاتی۔“

اس حدیث کے بے اصل ہونے کا علامہ عینی کو بھی اعتراف ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”هذا الحديث له أصل ولكن بغير هذه العبارة“ (البنایۃ: ۲/۴۹)۔

”اس حدیث کی اصل ہے لیکن دوسرے الفاظ سے۔“

اس کے بعد انھوں نے ابوداؤد کے حوالے سے ابویوب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ ”میری

امت بھلائی یا فطرت پر (شک راوی کو ہے) رہے گی جب تک کہ مغرب کو ستاروں کے اچھی طرح طلوع ہو جانے تک

لیٹ نہیں کرے گی۔“ (ملاحظہ ہو ابوداؤد (حدیث ۴۱۸)۔

حدیث کا معنی آپ کے سامنے ہے ابھی آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ اس حدیث سے صاحب ”ہدایہ“ کی ذکر کردہ

حدیث کی کس حد تک تائید ہوتی ہے۔

چوتھی حدیث: صاحب ”ہدایہ“ (۳۰۷/۱) لکھتے ہیں:

”قوله - عليه الصلاة والسلام - : ”إذا سجد المؤمن سجد كل عضو منه، فليوجه من

أعضائه القبلة ما استطاع.....“۔

”مومن جب سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر عضو سجدہ کرتا ہے پس اسے چاہیے کہ جس قدر ہو سکے وہ اپنے اعضاء کو قبلہ رو رکھے۔“

حافظ زیلعی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ”قلت: غریب۔“ (۳۸۷/۱)۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ”لم أجده“ (۱۳۷/۱)۔

علامہ ابن ابی العزّ لکھتے ہیں:

”هذا الحديث منكر لا أصل له“ (التنبيه: ۵۶۵/۲)۔

”یہ منکر حدیث ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔“

اور علامہ عینی نے ”البنایۃ“ (۲۸۶/۲) میں لکھا ہے:

”هذا الحديث غریب.....“ ”یہ غریب حدیث ہے۔“ یعنی بے اصل ہے۔

اور امام ابن ہمام نے ”فتح القدیر“ (۳۰۷/۱) میں کہا ہے: ”المحفوظ رواية ذلك من فعله“۔ یعنی محفوظ یہ ہے

کہ اعضاء کا قبلہ کی طرف ہونا رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے یعنی آپ اعضاء کو سجدے میں قبلہ کی طرف رکھتے۔

پانچویں حدیث: صاحب ”ہدایۃ“ لکھتے ہیں:

”قوله - عليه الصلاة والسلام - ”من صلى خلف عالم تقى فكأنما صلى خلف نبي“ (۳۴۹/۱)۔

”جس نے متقی پر ہیزگار عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا کہ اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔“

حافظ زیلعی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے: ”قلت: غریب“ (۲۶/۲) حافظ ابن حجر نے کہا ہے: ”لم

أجده“ (۱۶۸/۱)۔

علامہ ابن ابی العزّ نے کہا ہے:

”قال السروجي: لم أقف عليه في كتب الحديث“۔ (۲۰۷/۲)۔

”سروجی ؒ نے کہا ہے کہ کتب حدیث میں مجھے یہ حدیث نہیں ملی۔“

محقق ”التنبيه“ نے حاشیے میں کہا ہے:

”وقال الملا على القاري في المصنوع“ (۱۸۶): ”لا أصل له“۔

”ملا علی قاری نے مصنوع۔ المصنوع فی معرفة الحديث الموضوع۔ میں کہا ہے کہ اس کی کوئی

اصل نہیں۔“

ؒ یہ احمد بن ابراہیم (متوفی: ۷۱۰ھ) ہیں انھوں نے ”الغایۃ“ کے نام سے ”ہدایۃ“ کی شرح لکھی ہے۔

”قاری کی ”طبقات“ میں ہے کہ ”ہدایہ“ میں بہت سے اوہام واقع ہوئے ہیں جن کو علامہ فہامہ شیخ عبدالقادر قرشی حنفی نے اپنی کتاب ”العناية في تخريج أحاديث الهداية“ میں نقل کیا ہے۔“
صرف اسی پر ہی بس نہیں بلکہ انھوں نے ”کتاب اوہام الهدایہ“ کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی تالیف کی ہے اس کتاب کا ذکر بھی لکھنوی صاحب نے کیا ہے۔

اور ”التنبیه علی مشکلات الهدایہ“ کے محقق عبدالکحیم شاکر اپنے ”مقدمة التحقيق“ (۱/۷۷) میں لکھتے ہیں:
”وقد وقعت في ”الهداية“ أوہام كثيرة ذكرها العلامة الشيخ عبد القادر القرشي في كتابه المسمى ”العناية في تخريج أحاديث الهداية“، وفي كتاب سماه ”أوہام الهداية“
”ہدایہ میں بہت سے اوہام واقع ہوئے ہیں جن کا ذکر علامہ شیخ عبدالقادر قرشی نے اپنی کتاب ”العناية في تخريج أحاديث الهداية“ میں اور اس کتاب میں جس کا نام انھوں نے ”أوہام الهداية“ رکھا ہے کیا ہے۔“

ہدایہ میں احادیث کے ذکر کرنے میں اور اقوال ائمہ نقل کرنے میں کس قدر بے احتیاطی پائی جاتی ہے نیز اس میں دیگر کس قسم کے اوہام اور عیوب پائے جاتے ہیں ان کی تفصیل کے لیے مولانا محمد جونا گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ”درایت محمدی“ دیکھا جائے۔

ہدایہ کی شروح میں اوہام:

ہدایہ کی طرح اس کی شروح میں بھی اوہام پائے جاتے ہیں مولانا عبدالحی لکھنوی محمد بن ایاتلوغ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

”وله شرح مجمع البحرين، وهو تصنيف عظيم فيه مؤاخذات على شروح الهداية“
(الفوائد البهية صفحہ: ۱۶۱)۔

”ان کی ایک کتاب ”شرح مجمع البحرين“ ہے یہ بہت عظیم تصنیف ہے اس میں ”ہدایہ“ کی شروح پر

قاری سے مراد ملا علی قاری اور طبقات سے مراد ان کی کتاب ”الأنوار الجنية في الأسماء الحنفية“ ہے اس کے لیے اس کے بعد آنے والا حاشیہ نیز ”طرب الأمائل بتراجم الأفاضل“ لمحمد عبدالحی اللکھنوی (ص: ۲۸۶) بھی دیکھیں۔

اس کے لیے حاشیہ میں انھوں نے ملا علی قاری ہی کتاب کا حوالہ دیا ہے چنانچہ لکھا ہے: ”انظر ”الأنوار الجنية في الأسماء

الحنفية“ ل: ۱۰۸ ب من نسخة مكتبة عارف حکمت رقم (۳۷۴۹/۳/۹۰۰)۔

موأخذات ہیں۔“

اسی مناسبت سے آپ اپنے حاجی خلیفہ حنفی کے ادہام کے بارے میں بھی سنتے جایے لکھنوی ہی لکھتے ہیں:

”ولا يخفى على من ولع بمطالعة ”كشف الظنون“ أن فيه أوهامًا كثيرة، ومناقضات كبيرة في تواريخ مواليد العلماء، ووفيات الفضلاء“ (حوالہ مذکور، صفحہ: ۱۲۴، حاشیہ).

”كشف الظنون“ کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ اس میں علماء وفضلاء کی پیدائش اور وفات کی تاریخوں کے بارے میں بہت زیادہ ادہام اور بڑے بڑے تناقضات پائے جاتے ہیں۔“

ہدایہ کی چند بے اصل احادیث ملاحظہ کر لینے، اس میں اور اس کی شروح میں ادہام کے بارے میں معلوم کر لینے کے بعد اب دیگر کتب فقہ میں جو بے اصل ومن گھڑت روایات پائی جاتی ہیں ان کی مثالیں بھی ملاحظہ کریں۔

۲۔ فتح القدیر شرح الہدایہ:

- ا۔ امام ابن ہمام اس مسئلہ کی کہ ہاتھ سے استمنا جائز نہیں۔ دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:
- ”ذكر المشايخ فيه أنه - عليه الصلاة والسلام - قال: ناكح اليد ملعون۔“
- (فتح القدیر: ۲/۳۳۰).
- ”مشائخ نے اس کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاتھ سے نکاح (مشت زنی) کرنے والا ملعون ہے۔“
- شیخ محمد عوامہ حنفی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”و هو لا أصل له“ (دراسة حدیثیہ مقارنہ: صفحہ: ۲۸۰) ”اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔“
- ب۔ امام ابن ہمام نے ایک حدیث اس طرح سے ذکر کی ہے:
- ”من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقفن مواقف التهم“ (فتح القدیر: ۲/۳۳۵).
- ”جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اسے تہمت والے کاموں سے بچ جانا چاہیے۔“
- شیخ محمد عوامہ لکھتے ہیں:
- ”لا يعرف بهذا اللفظ“ (ہامش دراسة حدیثیہ: ۲۸۰)۔

① ایک حدیث ان الفاظ سے بھی ہے: ”سبعة لا ينظر الله إليهم“ سات شخص ایسے ہیں جن کی طرف اللہ دیکھے گا نہیں۔ اور ان سات میں ایک استمنا بالید کرنے والے شخص کا ذکر بھی ہے اور یہ ان الفاظ سے غیر صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوتا تلخیص الحبر، (۳/۱۸۸)۔

”یہ ان الفاظ سے غیر معروف ہے۔“^①

بس انہی دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:

یہ علامہ کاسانی حنفی (متوفی ۵۸۷ھ)۔ جن کو ملک العلماء کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے۔ کی کتاب ہے اور فقہ حنفی کی چوٹی کی کتب میں سے ہے۔

کاسانی رفیع الیدین کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و روي أنه - صلى الله عليه وسلم - رأى بعض أصحابه يرفعون أيديهم عند الركوع وعند رفع الرأس من الركوع فقال: ما لي أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب خيل شمس اسكنوا في الصلاة۔“ وفي رواية ”قاروا في الصلاة“ بدائع الصنائع (۲۰۷/۱)۔
”مردی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”مجھے کیا ہے کہ میں شریک گھوڑوں کی دموں کی طرح تمہیں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھ رہا ہوں، نماز میں سکون اختیار کرو۔“

یہ کاسانی صاحب کی پیش کردہ حدیث ہے جب کہ حدیث کی کسی کتاب میں بھی رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز سے سلام پھیرتے وقت دائیں اور بائیں طرف ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے جس سے رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا اس حدیث کے الفاظ ملاحظہ کیجیے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

”صليت مع رسول الله - ﷺ - فكنا إذا سلمنا قلنا بأيدينا: السلام عليكم، السلام عليكم، فنظر إلينا رسول الله - ﷺ - فقال: ”ما شأنكم؟ تشيرون بأيديكم كأنها أذناب خيل شمس؟ إذا سلم أحدكم فليلتفت إلى صاحبه ولا يؤمىء يده۔“^②

① ایک حدیث ان الفاظ سے بھی مشہور ہے: ”اتقوا مواضع التهم“ تہمت والی جگہوں سے بچو۔“ مگر یہ ان الفاظ سے بھی بے اصل ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”سلسلة الأحاديث الضعيفة“ (حدیث: ۱۱۳) اسی طرح ملا علی قاری کی ”موضوعات کبیر“ (حدیث: ۱۰) بھی دیکھیں۔

② اسی حدیث کو مسلم (حدیث: ۴۳۱) کتاب الصلاة، باب ”الأمر بالسكون في الصلاة“ أبو عوانہ (۲۳۹-۲۳۸/۲) اکوداد: (۹۹۸-۹۹۹) اور نسائی (۶۳۰۶۲-۶۱، ۵-۴/۳) نے روایت کیا ہے۔

”میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھیں سو جب ہم ”السلام علیکم“ کہتے تو ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ہمیں ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: تمہیں کیا ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو گویا کہ وہ (ہاتھ) شریر گھوڑوں کی دیں ہیں، جب تم میں سے کوئی سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف التفات کرے لیکن ہاتھ سے اشارہ نہیں کرے۔“

یہ ہے اصل حدیث، مگر اپنے مقصد کی خاطر اس کو دوسرے انداز سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ اصل حدیث سے مقصد پورا نہیں ہوتا تھا اس لیے اپنے مقصد کے لیے اس میں تحریف سے کام لیا گیا۔

۴۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق

یہ بھی فقہ حنفی کی معتبر کتب میں سے ہے اور یہ شیخ فخر الدین عثمان بن علی زلیعی حنفی کی کتاب ہے۔^① فخر الدین زلیعی اس کتاب میں ایک حدیث اس طرح لائے ہیں:

”و عن عبادة بن الصامت-رضی اللہ عنہ- أنه- عليه الصلاة والسلام- قال: ”لا يقرأن أحد منكم شيئاً من القرآن إذا جهرت بالقرآن-“ (ملاحظہ ہو: ۱/۳۳۸)۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب میں قرآن کو جہراً پڑھوں تو تم میں سے کوئی بھی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھے۔“

اور اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”قال الدارقطني: رجاله ثقات.....“ دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔“

مطلب یہ ہوا کہ یہ حدیث دارقطنی میں ہے جب کہ یہ حدیث دارقطنی میں اس طرح سے نہیں بلکہ یوں ہے:

”فلا يقرأن أحد منكم شيئاً من القرآن إذا جهرت بالقراءة إلا بأَمّ القرآن-“ (سنن دارقطنی: ۱/۳۲۰/۱۲)۔

”پس جب میں جہری قراءت کروں تو تم میں سے کوئی بھی اُمّ القرآن۔ فاتحہ۔ کے علاوہ قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔“

امام دارقطنی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”هذا إسناد حسن، و رجاله كلهم“

① زلیعی ”زلیع“ کی طرف نسبت ہے جو حبشہ کے ساحلی شہروں میں سے ایک شہر ہے ان کا نام عثمان بن علی اور لقب فخر الدین ہے ان کی وفات (۷۴۳ھ) میں ہوئی۔

یہ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زلیعی صاحب ”نصب الراية“ کے استاد ہیں جن کی وفات (۷۶۲ھ) میں ہوئی۔

ثقات“ یہ سند حسن ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔“
یہ ہے اصل حدیث جو حنفی مذہب کے صراحۃً خلاف دلیل ہے مگر اس میں تحریف کر کے اس کو حنفی مذہب کے موافق بنا لیا گیا۔

۵۔ مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح لملا علی القاری المتوفی (۱۰۱۳ھ):

ملا علی قاری اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے کہ اگر کوئی آدمی ایک مرتبہ نماز پڑھ لے اور پھر جماعت کو پائے تو اسے نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یا کہ نہیں، حنفیہ کے نزدیک فجر، عصر اور مغرب کی نماز کا اعادہ درست نہیں ہے ملا علی قاری اپنے مذہب کی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و فیہ حدیث صریح أخرجه الدارقطني عن ابن عمر أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: إذا صليت في أهلک ثم أدركت فصلها إلا الفجر، والمغرب۔“
(المروقة: ۳/۲۳۲)

”اس کے بارے میں صریح حدیث موجود ہے جسے دارقطنی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تم اپنے گھر میں نماز پڑھ لو پھر جماعت کو پالو تو سوائے فجر اور مغرب کی نماز کے دوبارہ نماز پڑھ لیا کرو۔“

ملا علی قاری نے اس حدیث کو دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ دارقطنی میں یہ حدیث نہیں ہے بلکہ حدیث کی کسی دوسری کتاب میں بھی نہیں ہے۔

دادا جان حکیم محمد اشرف سندھو رحمہ اللہ۔ ملا علی قاری کے حوالے سے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”حقیقت واقعہ یہ ہے کہ دارقطنی میں یہ روایت قطعاً اور بالکل موجود نہیں بلکہ اس کے برخلاف دارقطنی مطبوعہ دہلی کے (صفحہ: ۱۵۹) پر یہی مشکوٰۃ شریف والی یزید بن اسود کی حدیث موجود ہے جس میں صبح کی نماز منفرد پڑھنے والے کو دوبارہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے۔“ (نتائج التقلید ۱۳۹)۔

اسی طرح شاہ بدیع الدین رحمہ اللہ نے بھی یہ ذکر کیا ہے کہ ”إلا الفجر والمغرب“ کے اضافے کے ساتھ دارقطنی یزید بن اسود رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا فجر کی نماز میں نے آپ کے ساتھ مسجد خیف میں ادا کی نماز کے بعد آپ نے دو آدمیوں کو دیکھا کہ انھوں نے آپ کے ساتھ نماز ادا نہ کی آپ نے ان کو بلایا اور وجہ دریافت کی تو انھوں نے جواباً کہا کہ ہم نے اپنے خیمے میں نماز ادا کر لی تھی آپ نے فرمایا کہ ”ایسے نہیں کرو اگر تم اپنے خیمے میں نماز ادا کر لو پھر مسجد میں آؤ اور جماعت کھڑی ہو تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لو وہ تمہاری نفل نماز ہو جائے گی۔“

(دارقطنی: ۱/۴۱۳-۴۱۴۔ التعلیق المغنی)۔

چند منتخب پر ایک نظر

میں کوئی حدیث نہیں اس کے بعد انھوں نے کہا ہے کہ بلکہ دارقطنی میں تو اسود بن یزید کی حدیث ہے اسے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ اضافہ ”إلا الفجر والمغرب“ سنن دارقطنی پر جھوٹ ہے۔ ملاحظہ ہو: الطوام المرعشة (صفحہ: ۷۸)۔ جبکہ مولانا عبید اللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے قاری صاحب کے اس عمل کو وہم سے تعبیر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”إني لم أجد هذا الحديث في سنن الدارقطني لا مرفوعاً، ولا موقوفاً، والظاهر أنه وهم من القاري.“ (المرعشة: ۱۲۶/۴)۔

”مجھے دارقطنی میں یہ حدیث مرفوعاً اور نہ ہی موقوفاً ملی ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قاری کو یہ وہم ہوا ہے۔“

۶۔ در مختار:

صفحہ (۱۸۳) میں ”جامع المسانید“ وغیرہ کے حوالے سے امام ابو حنیفہ کی فضیلت سے متعلق ایک موضوع حدیث گزر چکی ہے ملا علی قاری اس حدیث کا ایک ٹکڑا ”أبو حنيفة سراج أمتي“ ابو حنیفہ میری امت کے چراغ ہیں۔“ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”موضوع باتفاق المحدثين۔“ (موضوعات کبیر، حدیث: ۴)۔

”یہ باتفاق محدثین موضوع حدیث ہے۔“

امام صاحب کی فضیلت سے متعلق مزید من گھڑت احادیث کے لیے ”تدريب الراوي“ (۲۳۵/۱) اور كشف الخفاء للعجلوني (۵۳/۳۳/۱) دیکھیں۔

۷۔ فتاویٰ قاضی خان:

کتب فقہ کے بعد اب حنفی فتاویٰ کے اندر بعض بے اصل و موضوع روایات کی مثال ملاحظہ کریں۔ قاضی صاحب اپنے فتاویٰ میں ذکر کرتے ہیں:

”روي أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أكل متكأً“

فتاویٰ قاضی خان (۷۸۱/۴، مطبوع نور لکھنؤ دہلی) منقول از الطوام المرعشة“ لبديع الدين الراشدي (صفحہ: ۸۳)۔

”مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیک لگا کر کھانا کھایا۔“

اور یہ بے اصل و من گھڑت روایت ہے جب کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إني لا أكل متكأً“

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ”لا أكل، وأنا متكئ“۔ میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔“

بخاری (حدیث: ۵۳۹۸، ۵۳۹۹) کتاب الأطعمة۔

فتاویٰ قاضی خان کی احناف کے ہاں بہت اہمیت ہے اس کے مؤلف حسین بن منصور بن محمد فخر الدین قاضی خان ہیں۔ علامہ عبدالحی لکھنوی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”کان إماماً كبيراً وبحراً عميقاً و مات في ليلة النصف من رمضان، سنة ٥٩٢ هـ“ (الفوائد البهية: ٢٣، ٢٥) منقول از ”الطوام المرعشة“ (ص: ٨٣) ”بہت بڑے امام اور علم کے بہت بڑے سمندر تھے ان کی وفات ١٥ رمضان ٥٩٢ھ میں ہوئی۔“

٨۔ کتب فقہ حنفی، حنفی فتاویٰ کے بعد اب اصول فقہ حنفی کی من گھڑت روایات:

کتب فقہ حنفی اور حنفی فتاویٰ کے بعد اب اصول فقہ حنفی کی بعض من گھڑت روایات ملاحظہ کریں۔
 ① ایک من گھڑت حدیث ہے: ”یکثر لکم الأحادیث من بعدی، فإذا روي لکم حدیث فاعرضوه علی کتاب الله“ (المحدث)۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد لوگ بہت سی من گھڑت حدیثیں بیان کریں گے پس جب تمہارے پاس کوئی حدیث بیان کی جائے تو تم اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو۔ یعنی اگر کتاب اللہ کے موافق ہو تو ٹھیک ورنہ اس کو رد کر دو۔

اس من گھڑت حدیث کو اصول فقہ حنفی کی کتاب ”التوضیح والتلویح“ (صفحہ: ٢٢٩، مطبوعہ نول کشور تقطیع خورد) میں بخاری کی طرف منسوب کیا گیا اور اس کے بعد یہ بھی کہا گیا ہے: ”ذکر یحییٰ بن معین أنه حدیث وضعته الزنادقة“، یحییٰ بن معین نے ذکر کیا ہے کہ اس کو زنادقہ نے گھڑا ہے۔
 اس کے بعد اس حدیث پر جو کلام کیا گیا ہے اس کو اس طرح سے رد کیا گیا ہے کہ چونکہ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے لہذا وہ کلام اس کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

② مذکورہ حدیث کے بارے میں ”فصول الجواشی شرح أصول الشاشی“ (صفحہ: ٢٨٨۔ مطبوعہ مجتبائی) میں یہ کہا گیا ہے:

”إن الإمام محمد بن إسماعيل البخاري أورد هذا الحديث في كتابه، و هو إمام هذه الصنعة، فكفى به دليلاً على صحته، ولم يلتفت إلى طعن غيره بعده۔“
 ”امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور وہ اس فن کے امام ہیں چنانچہ اس کی صحت پر یہی دلیل کافی ہے۔ اور امام صاحب کے بعد جنہوں نے اس حدیث پر جو طعن کیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ منقول از نتائج التقليد بتصرف (صفحہ: ١٣٥-١٣٦)۔“

❖ ملا جیون نے ایک حدیث اس طرح سے ذکر کی ہے:

”إذا انسلخ شعبان فلا صوم إلا عن رمضان۔“

(نور الأنوار صفحہ: ۲۱۱، تحقیق حافظ ثناء اللہ زاہدی)

”جب شعبان ختم ہو جائے تو پھر رمضان ہی کا روزہ رکھو۔“

جب کہ ایسی کوئی حدیث نہیں ہے ہاں ان الفاظ سے ایک حدیث ضرور ہے:

❖ ”إذا انتصف شعبان فلا تصوموا۔“

”جب نصف شعبان گزر جائے تو روزہ نہیں رکھو۔“

اس حدیث کے بعض علماء نے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ نصف شعبان کے بعد رمضان کے استقبال کی خاطر روزہ نہیں رکھو اور بعض نے کہا ہے کہ نصف شعبان کے بعد نفلی روزہ کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے کمزوری ہو جانے کی وجہ سے رمضان کے روزے رکھنے میں پریشانی ہوگی۔

اس تفصیل کے بعد اب ہم صوفی مفتی بشیر احمد صاحب عطار کی طرف لوٹتے ہیں:

مفتی صاحب آپ نے اپنی بڑی بڑی معتبر کتب بلکہ وہ کتب جن پر حنفی مذہب کا دارومدار ہے ان کا حال معلوم کر لیا کہ ان میں بے اصل، من گھڑت اور محرف (تحریف شدہ) روایات ہیں خصوصاً آپ کی کتاب ”ہدایہ“ شریف جس کے بارے میں آپ کے کبار نے جو کچھ کہا ان میں سے بعض اقوال درج ذیل ہیں:

❶ علامہ مرغینانی مؤلف ”ہدایہ“ کے بیٹے نے اپنے باپ کی کتاب کے بارے میں یہ کہا ہے:

الهدی	یہدی	الهدایہ	کتاب
إلى	حافظیہ	و	یجلو
فلازمہ	واحفظہ	یا	ذا
فمن	نالہ	نال	أقصى
			المنی

ان آیات کو ”التنبیہ علی مشکلات الہدایہ“ کے محقق نے ”مقدمہ تحقیق“ کے حاشیے میں درج ذیل کتب کی طرف منسوب کیا ہے۔ مفتاح السعادة: (۲/۲۳۸-۲۳۹) ومقدمة الہدایہ مع الہدایہ: (۱/۹۵) ملاحظہ ہو: مقدمة التحقيق. (۱/۵۵)۔

اور دادا اللہ ان آیات کو نقل کرنے سے قبل لکھتے ہیں: ”شامی وغیرہ نے ”ہدایہ“ کی مدح و شان میں جو کچھ نقل کیا

❖ اس حدیث کو ابوداؤد (۲۳۳۷) ترمذی (۷۳۸) اور ابن ماجہ (۱۶۵۱) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ہے وہ ”ہدایہ“ مطبوعہ فاروقی جلد سوم کے ”مقدمہ“ اور ”غایت الأوطار“ ترجمہ اردو ”در مختار“ میں من وعین یوں نقل کیا گیا ہے:

اس کے بعد انھوں نے ان آیات کو ترجمے کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: نتائج التقليد: (صفحہ: ۱۳۱-۱۳۲)۔
اور مذکورہ آیات کا ترجمہ یہ ہے:

”کتاب ”ہدایہ“ اپنے حفظ کرنے والوں کو ہدایت دیتی ہے اور اندھی آنکھوں کے لیے نور ہے۔
اے عقلمندان! کو لازم پکڑ اور حفظ کرو جس نے اس کو پالیا اس نے اپنی تمام امیدیں حاصل کر لیں۔“
(۲) کسی صاحب نے اس کے بارے میں یہ بھی کہا ہے:

إن الهدایہ كالقرآن قد نسخت
ما صنفوا قبلها فی الشرع من کتب
فاحفظ قواعدھا واسلك مسالكھا
یسلم مقالک من زیغ و من کذب

ہدایہ قرآن کی مانند ہے یقیناً اس نے اپنے سے پہلے لوگوں کی تصنیف شدہ کتب کو منسوخ کر دیا ہے۔
اس کے قواعد کو یاد کرنے اور اس کے مسائل پر عمل کرنے سے تمہاری بات ٹیڑھے پن اور جھوٹ سے محفوظ رہے گی۔

ان آیات کو محقق ”التنبیہ“ نے درج ذیل کتب کی طرف منسوب کیا ہے۔

مفتاح السعادة (۲/۲۳۹) و كشف الظنون (۳/۲۰۳۲) و مقدمة الهدایة مع الهدایة (۵/۱)۔

(۳) انور کشمیری اس کتاب کے بارے میں کہتے ہیں:

”لیس فی أسفار المذاهب الأربعة کتاب بمثابة کتاب ”الهدایة“ فی تلخیص کلام القوم.....“۔

”مذاهب اربعہ کی کتب میں سے ”ہدایہ“ جیسی کوئی کتاب نہیں۔“

اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعض افاضل شیعہ نے سچ کہا ہے کہ مسلمانوں کے پاس عربی ادب کی تین کتابیں ہیں۔ قرآن مجید، صحیح بخاری اور کتاب ”ہدایہ“ ملاحظہ ہو: مقدمة نصب الراية للبنوری (۱۳/۱)۔

(۴) محمد عوامہ لکھتے ہیں:

”فکتاب ”الهدایة“ منقطع النظر فی قبوله بین کتب المذهب الحنفی خاصة، و کتب

المذاهب الأخرى عامة۔“ (دراسة حداثیة مقارنه (صفحه: ۱۴۱)۔

”کتاب ہدایہ حنفی مذہب کی کتب میں خصوصاً اور دوسرے مذاہب کی کتب میں عموماً بے نظیر کتاب ہے۔“

یہ ہے آپ لوگوں کے نزدیک ”ہدایہ“ کی عظمت اور اہمیت۔

اس کتاب کے بارے میں اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے ہم نے آپ ہی کے گھر والوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ

اس کے اندر من گھڑت بے اصل روایات اور بہت سے ادہام پائے جاتے ہیں۔ ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم نے کتاب ”ہدایہ“ اس کی شروع اور آپ کی دیگر معتبر کتب میں بھی ان ادہام و اغلاط کو

ثابت کیا ہے جن کی بناء پر آپ لوگوں نے کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ پر اعتراضات کیے ہیں۔

مفتی بشیر صاحب اگر ان ادہام کی بناء پر ہماری کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ درگور کر دینے کے لائق ہے ﴿تو

پھر آپ کی کتاب ”ہدایہ“ وغیرہ درگور ہونے کے زیادہ لائق ہیں اس لیے کہ ہماری کتاب تو برصغیر میں صرف اردو دان

طبقہ کی کتاب ہے نہ کہ یہ ایسی کتاب ہے کہ جس پر مسلک اہل حدیث کی بنیاد ہو یا کہ پوری دنیا کے سلفی اور اہل حدیث

اس پر انحصار کرتے ہوں جب کہ آپ کی کتاب ”ہدایہ“ اور اس کے ساتھ دیگر مذکورہ کتب وہ کتب ہیں جو حنفی مذہب کی

بنیادی کتب میں سے ہیں اور سینکڑوں سالوں سے حنفی دنیا کا ان پر انحصار ہے لہذا یہ کتب درگور ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔

اگر آپ اپنی اس بات میں واقعتاً سنجیدہ ہیں کہ جس کتاب میں ادہام پائے جائیں اسے درگور کر دینا چاہیے تو پھر

آپ ایسا کریں کہ اپنی ان کتب کو بھی درگور کریں اور اس کے بعد آپ خود بھی زندہ درگور ہو جائیں کیونکہ جب آپ کے

مذہب کی کتب باقی نہ رہیں گی تو پھر بے مذہب زندگی گزارنے کا کوئی مزہ نہیں۔

زندہ درگور ہونا شاید مشکل ہو بلکہ یقیناً مشکل ہوگا اس لیے ہم آپ کو اس سے قدرے آسان کام کا مشورہ دے

دیتے ہیں وہ یہ کہ اندلس کے جس دریا میں عیسائی فاتحین نے کتب کو دریا برد کیا تھا اور آپ کے کہنے کے مطابق ان کتب

میں اکثر کتب امام ابو حنیفہ اور فقہ حنفی کی بھی ہوں گی۔ ﴿چنانچہ آپ ان کتب کو وہاں لے جا کر دریا برد کر دیں اور اس

کے بعد آپ خود بھی ”إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ پڑھتے ہوئے دریا برد ہو جائیں۔



﴿ملاحظہ ہو: ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ مقدمہ صوفی بشیر احمد (صفحہ: ۵۸) یا اس کتاب کا صفحہ (۲۰۷)۔

﴿ملاحظہ ہو: مقدمہ صوفی بشیر احمد (صفحہ: ۳۶) یا اس کتاب کا صفحہ (۱۳۵-۱۳۶)۔

تیسری فصل

مرتب ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ کی خیانتوں کے بیان میں:

جیسا کہ اس ”تیسرے باب“ کے شروع میں ذکر ہوا کہ اس تیسری فصل میں مقلد مولوی محمد یوسف صاحب کی خیانتوں، دھوکے بازیوں کا ذکر کیا جائے گا جن کا ارتکاب انھوں نے کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ پر اعتراضات بڑھانے کی خاطر کیا ہے۔

ان کی خیانتوں کو ہم دو قسموں میں تقسیم کریں گے۔

پہلی قسم: یہ ان خیانتوں پر مشتمل ہے جن کا تعلق پہلے ایڈیشن سے ہے۔

اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کی تخریج والے پہلے ایڈیشن میں بعض احادیث کی آسانید پر کلام کرنے کے بعد ان کو ان کی دیگر آسانید یا شواہد کی بناء پر حسن یا صحیح قرار دیا گیا ہے مگر مولوی محمد یوسف مقلد نے تضعیف والے کلام کے حصے کو ذکر کر دیا لیکن وہ کلام جس سے اس حدیث کی تحسین یا تصحیح ہوتی تھی اس کو حذف کر دیا۔ اور یہ صراحۃً علمی خیانت ہے جس کا ارتکاب مولوی محمد یوسف مقلد نے کیا ہے۔

دوسری قسم: یہ ان خیانتوں پر مشتمل ہے جن کا تعلق اس کتاب کے تخریج والے دوسرے ایڈیشن سے ہے۔

یعنی بعض ایسی احادیث ہیں کہ جن کو پہلے ایڈیشن میں ضعیف قرار دیا گیا تھا مگر دوسرے ایڈیشن میں ان کو حسن یا صحیح قرار دیا گیا مگر اس کی طرف موصوف نے اشارہ تک نہیں کیا، اور اس کے بارے میں تفصیل اس قسم کی خیانتیں ذکر کرنے سے قبل آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

اب ہم پہلی قسم کی خیانتوں کی تفصیل کی طرف آتے ہیں:

پہلی قسم.....!!

جیسا کہ ذکر ہوا کہ اس قسم کی خیانتوں کا تعلق کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کے تخریج والے پہلے ایڈیشن سے ہے

چنانچہ اب ان کی تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

محمد یوسف مقلد کی پہلی خیانت:

موصوف لکھتے ہیں:

✦ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: بچے کی پیدائش پر جو خون آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں اس کی اکثر مدت ”بلوغ المرام“ میں چالیس روز ہے.....“

✦ عبدالرؤف غیر مقلد: اس حدیث کو حاکم نے صحیح اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے مگر اس حدیث میں ”مُسَّہ اُزدیہ“۔ جو ائمہ سلمہ (رحمہم اللہ) سے اس حدیث کی راویہ ہیں۔ کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔ ابن حزم نے اسی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور ”مُسَّہ“ کے بارے میں کہا ہے کہ یہ مجہولہ ہے۔ (محلی: ۳۰۴/۲)۔

ذہبی نے امام دارقطنی سے نقل کیا ہے کہ: ”لایحتج بہا“ اور خود کہا ہے کہ اس کی صرف یہی ایک حدیث معلوم ہے۔ میزان الاعتدال (۶۱۰/۳)۔

حافظ ابن حجر نے بھی اسے مجہولہ کہا ہے: التلخیص (۱/۱۷۱)۔ غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۷۲-۷۳)۔

محمد یوسف مقلد نے یہاں خیانت یہ کی ہے کہ یہاں تک تو کلام نقل کر دیا مگر اس کے بعد وہ کلام جس سے اس حدیث کی تحسین ہوتی تھی اسے نقل نہیں کیا اور وہ کلام یہ ہے:

”خطابی نے کہا ہے کہ محمد بن اسماعیل (امام بخاری) نے اس حدیث کو سراہا ہے۔“ معالم السنن (۱: ۱۹۶)۔

اس حدیث کے دارقطنی اور مستدرک میں بعض شواہد بھی ہیں نووی نے ”المجموع“ (۲/۵۲۸) میں اور البانی نے ”إرواء الغلیل“ (رقم: ۲۰۱) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۰۰، حدیث: ۷۰)۔

اور اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اس حدیث کی تخریج سے پہلے صراحتاً یہ لکھا گیا ہے: ”حسن درجے کی حدیث ہے“ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۵۱-۱۵۲، حدیث: ۷۰)۔

یہ ہے محمد یوسف مقلد کی خیانت کی پہلی مثال۔

محمد یوسف مقلد کی دوسری خیانت:

لکھا ہے:

✦ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب بھی میرے پاس جبریل آئے تو مجھے مساوا کرنے کا سخت حکم فرماتے تھے البتہ ڈرامیں اس چیز سے کہ چھیل ڈالوں میں اگلی جانب اپنے منہ کی“ (رواہ احمد)۔

✦ عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه أحمد (۵/۲۶۳) من طریق علی بن یزید عن القاسم عن أبي أمامة۔

یہ سند سخت ضعیف ہے۔ علی بن یزید کو امام بخاری نے ”منکر الحدیث“، دارقطنی نے ”متروک“، نسائی نے: ”غیر ثقہ“ اور ابوزرعہ نے ”غیر قوی“ کہا ہے۔ (میزان الاعتدال: (۱۶۱/۳)۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۷۴-۷۵)۔ مقلد موصوف نے یہاں تک تو کلام نقل کر دیا مگر اس کے بعد والا کلام جو اس حدیث کی تصحیح سے متعلق تھا اس کو نظر انداز کر دیا اور وہ کلام یہ ہے:

”اسی مضمون کی روایات ام سلمہ، انس، ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جن کی بناء پر یہ حدیث صحیح ہے۔“

حدیث ام سلمہ بیہقی (۴۹/۷)، ”کتاب النکاح“ میں ہے امام بخاری نے اس حدیث کو حسن کہا ہے جیسا کہ بیہقی نے نقل کیا ہے۔

حدیث انس مسند بزار (رقم: ۴۹۷) میں ہے، بقیہ احادیث کے لیے ”الترغیب والترہیب“ (۱۶۷/۱) اور ”مجمع الزوائد“ (۹۸/۲) دیکھیے۔ پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۰۴، حدیث: ۷۵) اور دوسرے ایڈیشن میں اس حدیث کی تخریج سے پہلے ہی یہ لکھا گیا ہے: ”صحیح حدیث ہے“ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۶۲، حدیث: ۷۵)۔

محمد یوسف مقلد کی تیسری خیانت:

لکھتے ہیں:

✦ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: حضرت ابو موسیٰ اشعری روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- تَوَضَّأَ، وَ مَسَحَ عَلَى الْجَوْرَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ-“ (ابن ماجہ، بیہقی) ”حضور ﷺ نے وضو کرتے ہوئے جرابوں اور جوتیوں پر مسح کیا۔“

✦ عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه ابن ماجة (۵۶۰)، والبيهقي، والعقيلي في ”الضعفاء“ (۳۸۳/۳) من طريق عيسى بن سنان عن الضحاك بن عبد الرحمن عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه۔

✦ جوتوں پر مسح کے بارے میں علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: ”بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جوتوں کے تسوں پر مسح کیا۔“ (۳۷۵/۱) معنی (۳۷۵/۱)۔

امام خطابی اور طبری وغیرہ نے کہا ہے کہ جوتوں پر مسح کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان جوتوں پر مسح کیا جو جرابوں پر پہنے ہوئے تھے نہ کہ صرف جوتوں پر مسح کیا۔ ملاحظہ ہو۔ معالم السنن (۶۳/۱)، تہذیب السنن (۱۲۳/۱) اور تحفة الأحوذی (۳۲۷-۳۲۸)۔

اس کے بارے میں کچھ تفصیل (صفحہ: ۲۴۹) میں بھی گزر چکی ہے۔

امام بیہقی روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ضحاک کا ابو موسیٰ سے سماع ثابت نہیں اور عیسیٰ بن سنان ضعیف ہے۔ عقیلی نے اس حدیث کو ”عیسیٰ بن سنان“ کے ترجمے میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یحییٰ بن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ عیسیٰ بن سنان کے متعلق ”لا بأس بہ“ کہا ہے۔ (تاریخ الثقات: ۳۳۳)۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ احمد اور ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے مگر اس کی کمزوری کے باوجود اس کی حدیث لکھنے کے قابل ہے اور بعض نے اسے تھوڑا سا قوی کہا ہے۔ (المیزان: ۲۱۳/۳)۔

حافظ ابن حجر نے اسے ”لین الحدیث“ کہا ہے۔ (التقریب: ۹۸/۲)۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۷۹-۸۰)۔ مقلد موصوف نے یہاں دو خیانتیں کی ہیں:

❖ جو کلام انھوں نے ذکر کیا اس کے بعد درج ذیل کلام بھی ہے جو یہ ہے:

”مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سند میں زیادہ کمزوری نہیں ہے لہذا حدیث مغیرہ کے لیے یہ بہترین شاہد ہے۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۴۰-۱۴۱)۔ حدیث: ۱۱۷)۔

❖ دوسری خیانت یہ کہ امام بیہقی کے اس قول ”ضحاک کا ابو موسیٰ سے سماع ثابت نہیں اور عیسیٰ بن سنان ضعیف ہے“ کے بعد ابن ترکمانی کا کلام ہے جس میں انھوں نے امام بیہقی کے مذکورہ قول کا تعاقب کیا ہے اس کو حذف کر دیا اور وہ کلام یہ ہے:

”ابن ترکمانی امام بیہقی کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سماع کا ثابت نہ ہونا ان علماء کے مذہب پر ہے جو اتصال کے ساتھ ثبوت سماع کی بھی شرط لگاتے ہیں۔

دوسری بات حافظ عبد الغنی نے ”الکمال“ میں ذکر کیا ہے کہ ضحاک کا ابو موسیٰ سے سماع ہے اور ابن سنان کی ابن معین نے توثیق کی ہے اور دوسروں نے اسے ضعیف کہا ہے۔“ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۳۹)۔

محمد یوسف مقلد کی چوتھی خیانت:

لکھتے ہیں:

❖ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: ”عن وائل بن حجر۔ رضی اللہ عنہ۔ قال: صلیت مع النبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فوضع یدہ الیمنی علی الیسری علی صدرہ۔“

”حضرت وائل بن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھے۔“ (صحیح ابن خزيمة)۔

❖ عبد الرؤوف غیر مقلد: بیہقی: ۳۱/۲۔ اس کی سند میں روح بن مسیب ہے ابن عدی فرماتے ہیں کہ یہ ثابت اور یزید

رقاشی سے غیر محفوظ احادیث بیان کرتا ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ موضوع روایات بیان کرتا ہے اس سے روایت لینا جائز نہیں۔ (الجوهر النقی)۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد، صفحہ: ۹۳-۹۵)۔

قارئین کرام یہاں اس خائن اور فائدہ الحیاء مقلد نے ایسی خیانت کی ہے کہ جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں اب اس کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

یہ کلام ”اس کی سند میں روح بن مسیب.....“ یہ وائل بن حجر رحمہ اللہ کی حدیث پر نہیں بلکہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر کے بارے میں ہے جسے مؤلف رحمہ اللہ نے اس طرح نقل کیا ہے:

”ابن ابی حاتم اور بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”وضع يدك اليمنى على الشمال عند النحر“ یعنی دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھ۔“ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۲۳۱)۔

رہی وائل بن حجر رحمہ اللہ کی حدیث تو اس کی تخریج سے قبل اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے: ”صحیح حدیث ہے“ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۲۸)۔

حدیث وائل اور تفسیر ابن عباس اگر ایک ہی صفحے میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہوتیں اور ان پر کلام بھی آگے پیچھے ہوتا تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ ممکن ہے مقلد موصوف کو نقل کرتے وقت مغالطہ ہو گیا جب کہ حدیث وائل اور اس کی تخریج (صفحہ: ۲۲۸) میں اور تفسیر ابن عباس اور اس کی تخریج (صفحہ: ۲۳۱) میں ہے لہذا اس قسم کے مغالطے کا کوئی امکان ہی نہیں بلکہ ایسا دیدہ و دانستہ طور پر کیا گیا ہے تاکہ ہم اہل حدیثوں سے یہ کہہ سکیں کہ آپ ہی کے آدمی نے حدیث وائل کی تضعیف کی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اسی خیانت اور بے حیائی کا ارتکاب مولوی محمد یوسف مقلد کی تقلید میں ہندوستان مولوی محمد ابوبکر غازی پوری مقلد نے بھی کیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

”صادق صاحب نے سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت صحیح ابن خزیمہ سے ذکر کی ہے اور یہ نہیں بتلایا کہ یہ روایت

ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع کے قریب ہے۔ غیر مقلد عبدالرؤف اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

”اس کی سند میں روح بن مسیب ہے ابن عدی فرماتے ہیں کہ یہ ثابت اور یزید رقاشی سے غیر محفوظ احادیث

بیان کرتا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ موضوع روایات بیان کرتا ہے اس سے روایت لینا جائز

نہیں۔ (صلوۃ الرسول محقق)۔

معلوم نہیں صادق صاحب نے ”صلوۃ الرسول“ سکھانے کے لیے اس قسم کی روایتوں کا کیوں انتخاب کیا

ہے۔“ ملاحظہ ہو: ”حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب ”صلوۃ الرسول کے بارے میں“ از قلم محمد ابوبکر غازی

پوری (صفحہ: ۳۹-۴۰)۔

محمد یوسف مقلد نے اپنی مذکورہ خیانت کے آخر میں نوٹ دے کر لکھا ہے: ”سینہ پر ہاتھ باندھنے کی جملہ احادیث ضعیف ہیں مگر پھر بھی غیر مقلدین اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور ان کو صحیح حدیث سے تعبیر کرتے ہیں اور عوام کو باور کراتے ہیں کہ ہم ہی صحیح احادیث پر عامل ہیں۔ (یوسف)۔

ہمارا موضوع اب اس مسئلے پر بحث نہیں اور نہ ہی اس پر بحث کے لیے ہمارے پاس وقت ہے یہاں صرف علامہ محمد حیات سندھی حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۳ھ) کے کلام پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

علامہ صاحب اپنے رسالے ”فتح الغفور فی وضع الأیدی علی الصدور“ میں سینے پر ہاتھ باندھنے والے مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں:

”و مما تقدم تقرر أن لوضع الأیدی علی الصدور فی الصلاة أصلاً أصيلاً، و دليلاً جليلاً، فلا ينبغي لأهل الإيمان الاستنكاف عنه..... بل ينبغي لمقتضى آثاره أن يفعل ذلك و لو في بعض الأوقات“ ملاحظہ ہو: (صفحہ: ۴۸)۔

”جو ذکر ہوا اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں سینے پر ہاتھ رکھنے کی ٹھوس اور واضح دلیل موجود ہے لہذا اہل ایمان کو اس پر عمل کرنے سے تکبر و انکار نہیں کرنا چاہیے بلکہ آپ ﷺ کی احادیث کی اتباع کرنے والے کو ایسا کرنا چاہیے اگرچہ بعض اوقات ہی کر لے۔“

محمد یوسف مقلد کی پانچویں خیانت:

لکھا ہے:

✦ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: قبر پر پانی چھڑکوائیں۔ (مشکوٰۃ شریف)۔

✦ عبدالرؤف غیر مقلد: مسند شافعی (۳۶۰) اور شافعی کے طریق سے بیہقی (۳/۳۱۱) میں ”عن إبراہیم بن محمد عن جعفر بن محمد عن أبيه“ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا۔ یہ سند مرسل اور سخت ضعیف بھی ہے کیونکہ ابراہیم بن محمد متہم ہے۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۹۷)۔

مذکورہ کلام کے بعد کافی سارا کلام تھا جسے اس مقلد نے ترک کر دیا ہے کیونکہ اس میں اس حدیث کی تقویت تھی اور وہ کلام درج ذیل ہے۔

”مصنف عبدالرزاق (۶۲۸۴) اور بیہقی میں دوسرے طرق سے ”جعفر بن محمد عن أبيه“ ان الفاظ سے روایت ہے کہ قبر پر پانی چھڑکنا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھا یہ سند مرسل صحیح ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکنا ”طبرانی اوسط“ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ حافظ یثمی فرماتے ہیں کہ طبرانی کے شیخ کے علاوہ اس کے سب رجال صحیح کے رجال ہیں۔

مجمع الزوائد (۳/۴۸)۔

مراسیل ابوداؤد (۳۸۷- تحقیق عبیدہ) اور ابوداؤد کے طریق سے بیہقی میں یہی روایت محمد بن عمر سے بھی مروی ہے۔ مولانا عبیدہ فرماتے ہیں کہ محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب اتباع التابعین میں سے ہے اور یہ روایت معضل ہے مگر اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

مسند بزار (۸۳۳) میں عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا تھا مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

بیہقی میں واقدی کے طریق سے جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا تھا اور پانی چھڑکنے والے بلال بن رباح تھے۔ ”ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۴۹۲)۔ یہ وہ کلام ہے جسے محمد یوسف مقلد نے بغیر ذکر کر لیے ہضم کر لیا۔

فائدہ = محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب کی روایت کو شیخ ألبانی نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کی بناء پر ”سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ“ (حدیث: ۳۰۴۵) میں ذکر کیا ہے۔

محمد یوسف مقلد کی چھٹی خیانت:

مولانا صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ نے ”روزہ افطار کرنے کی دعا“ کے عنوان کے تحت دو دعائیں ذکر کی ہیں چنانچہ لکھتے ہیں: روزہ افطار کرتے وقت یہ دعائیں پڑھیں:

”اللّٰهُمَّ إِنِّي لَكَ صَمْتُ، وَ عَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ“ (ابوداؤد)۔

اس کے بعد اس دعا کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد دوسری دعا ذکر کی ہے جو یہ ہے:

”ذهب الظمأ، وابتلت العروق، وثبت الأجر إن شاء الله -“ (ابوداؤد) ملاحظہ ہو پہلا محقق ایڈیشن (صفحہ: ۵۳۲)۔

اب دیکھیے کہ محمد یوسف مقلد نے کیا کیا ہے لکھا ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: اللّٰهُمَّ إِنِّي لَكَ صَمْتُ، وَ عَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ ذهب الظمأ، وابتلت العروق، وثبت الأجر إن شاء الله - ابوداؤد۔

اس طرح سے ان دو مختلف دعاؤں کو ایک دعا ظاہر کیا ہے اور اس کے بعد پہلی دعا: ”اللّٰهُمَّ إِنِّي لَكَ

صمت.....“ کی تضعیف کے بارے میں جو کلام تھا اس کو ذکر کر دیا یعنی تاثر یہ دیا ہے کہ ان دونوں دعاؤں کو ہی ضعیف کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۱۰۲-۱۰۳)۔

جب کہ پہلے محقق ایڈیشن میں پہلی دعا پر کلام کرنے کے بعد ”دوسری دعا“ کا عنوان دے کر اس دعا ”ذہب الظما“ کی تخریج کی گئی ہے اور پھر یہ کہا گیا ہے کہ ”اسے امام دارقطنی نے حسن، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔“ اور دوسرے محقق ایڈیشن میں ان دونوں دعاؤں پر الگ الگ نمبر دے کر ان کی الگ الگ تخریج کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (صفحہ: ۷۶۷، حدیث: ۷۲۲، ۷۲۳)۔

محمد یوسف مقلد کی ساتویں خیانت:

صفحہ ۱۰۳-۱۰۴ میں لکھا ہے:

✦ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: اگر کوئی سوتے یا جاگتے وقت ڈرے تو اس کو یہ دعا پڑھنی چاہیے کوئی چیز ایذا نہیں دے گی۔ ان شاء اللہ۔

”أعوذ بكلمات الله التامات من غضبه وعقابه، و شر عباده، ومن همزات الشياطين، و أن يحضرون۔“ (ابوداؤد)۔

✦ عبدالرؤف غیر مقلد: صحیح حدیث ہے۔ أخرجه أحمد (۱۸۱/۲) وابن أبي شيبة (۹۶۷۰) و ابوداؤد (۳۸۹۳) في الطب، والترمذي (۳۵۲۸) والحاكم (۵۴۸/۱) والنسائي في عمل اليوم والليلة (۷۶۵) وابن السنّي (۷۵۳) والطبرانی في ”الدعاء“ (۱۰۸۶) من طريق محمد بن إسحاق عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: إذا فرغ أحدكم من نومه فليقل ”بسم الله أعوذ بكلمات الله التامة.....“۔

یہ سند ضعیف ہے کیونکہ محمد بن إسحاق مدلس ہیں اور انھوں نے تحدیث کی صراحت نہیں کی۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد بنام غیر مقلد (۱۰۳-۱۰۴)۔

یہاں بھی مقلد موصوف نے خیانت سے کام لیا ہے اس لیے مذکورہ کلام کے بعد وہ کلام جو اس حدیث کی صحت سے متعلق تھا اس کو ذکر نہیں کیا اور وہ کلام درج ذیل ہے:

”ابن السنّي (۷۵۵) میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے رات کو نیند

نہ آنے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے انھیں یہ کلمات ”أعوذ بكلمات الله التامة.....“ پڑھنے کا حکم دیا۔“

شیخ البانی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کے سب راوی ثقات ہیں سوائے ابن السنّي کے شیخ

علی بن محمد کے، جسے میں نہیں جانتا۔

اس کے بعد عبد اللہ بن عمرو کی مذکورہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس شاہد کی بنا پر یہ حسن درجے کی

ہے۔ ”سلسلة الأحادیث الصحيحة“ (۲۶۳)۔

قلت: یہ صحیح حدیث ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۳۶۵۰-۹۲۶۸) اور مسند أحمد (۵۷/۴) میں ولید بن

ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے نیند میں ڈرنے کی شکایت کی تو آپ نے انھیں سونے کے وقت یہ کلمات پڑھنے کی تعلیم دی اور اس حدیث کی سند صحیح ہے لہذا اس حدیث کی بنا پر مذکورہ حدیث صحیح ہے۔ ”ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۵۳۳-۵۳۴، حدیث ۶۸۹) اور دوسرے ایڈیشن میں اس کے بارے میں آپ کو مزید تفصیل ملے گی۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ: ۷۶۹-۷۷۰، حدیث: ۷۲۶)۔

مذکورہ مکمل کلام کو محمد یوسف مقلد نے ذکر نہیں کیا اور یہ کس قدر خیانت ہے اور ان کا شروع میں ”صحیح حدیث ہے“ کا ذکر کرنا یا تو غفلت کی بناء پر ہے یا یہ تاثر دینے کے لیے کہ دیکھیں کہ لکھا تو صحیح حدیث ہے مگر اس کی سند کو ضعیف کہا ہے تو پھر یہ حدیث صحیح کیسے ہو گئی؟

محمد یوسف مقلد کی آٹھویں خیانت:

صفحہ (۱۰۷-۱۰۸) میں لکھا ہے:

✦ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اٹھتے رات کو (بستر سے تہجد کے لیے) تو یہ پڑھتے ”اللہ اکبر“ دس بار ”الحمد للہ“ دس بار ”سبحان اللہ“ دس بار ”سبحان الملک القدوس“ دس بار ”استغفر اللہ“ دس بار ”لا الہ الا اللہ“ دس بار اور پھر ”اللہم إني أعوذ بك من ضيق الدنيا و ضيق يوم القيامة“ دس بار اور پھر (وضوء وغیرہ کر کے) تہجد شروع کرتے۔ ابوداؤد۔

✦ عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه أبو داؤد (۵۰۸۵) في الأدب، باب ”ما يقول إذا أصبح“ نسائي عمل اليوم والليلة (۸۷۱) و عنه ابن السنّي (۷۶۶) من طريق شريق الهوزني عن عائشة رضي الله عنها۔

یہ سند ضعیف ہے کیونکہ شریق غیر معروف ہے جیسا کہ ذہبی نے میزان (۲۶۹/۱) میں کہا ہے۔ شیخ البانی نے اس سند میں ایک دوسری علت یہ بیان کی ہے کہ اس میں بقیہ بھی ہے جو مدلس ہے اور اس نے اسے لفظ ”عن“ سے بیان کیا ہے۔ تحقیق المشكاة (۳۸۳/۱)۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۱۰۷-۱۰۸)۔

یہاں تک مقلد موصوف نے کلام نقل کیا ہے جب کہ اس کے بعد والے کلام کو جس سے اس حدیث کی تصحیح ہوتی ہے اس کو نقل نہیں کیا اور وہ کلام یہ ہے:

”مگر یہ علت نہیں کیونکہ نسائی کے ہاں اس نے (بقیہ نے) تحدیث کی صراحت کی ہے۔

ابوداؤد (۷۶۶) کتاب الصلاة، باب ما يستفتح به الصلاة من الدعاء، نسائی (۲۰۹/۳)، ۲۸۴/۸ کتاب قیام اللیل، و کتاب الاستعاذه، صحیح ابن حبان (۶۴۹) ابن ماجہ (۱۳۵۶) اور شرح السنہ (۹۵۱) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسرے طریق سے روایت ہے مگر اس میں ”سبحان الملك القدوس“ اور ”ضیق الدنیا“ کا ذکر نہیں اور اس کے آخر میں یہ دعا بھی ہے۔

”اللّٰهُمَّ اغفر لي، واهدني، وارزقني و عافني“ اور اس حدیث کی سند جید ہے۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ ۴۰۴)۔

یہ وہ کلام ہے جسے عمداً حذف کر دیا گیا ہے اس لیے کہ اس سے حدیث کی تصحیح ہوتی تھی چنانچہ یہ موصوف کے مقصد کے منافی تھا۔ اس لیے اس کو حذف کر دیا گیا۔

محمد یوسف مقلد کی نانویں خیانت:

لکھا ہے:

✦ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: عید گاہ جاتے اور واپس آتے ہوئے اونچی آواز سے یہ تکبیر پڑھتے رہیں۔ ”اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد۔“ (دارقطنی)۔

✦ عبد الرؤف غیر مقلد: أخرجه الدارقطنی (۴۴/۲) والحاکم (۲۹۷/۱) والبیہقی (۲۷۹/۳) من طریق موسى بن محمد بن عطاء ثنا الوليد بن محمد عن الزهري عن سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے روز اپنے گھر سے نکلنے سے لے کر عید گاہ تک تکبیریں کہا کرتے تھے۔ مگر اس حدیث کی سند سخت ضعیف ہے کیونکہ ولید بن محمد اور موسیٰ بن محمد دونوں متروک ہیں جیسا کہ ذہبی نے ”تلخیص المستدرک“ میں کہا ہے۔

یہ حدیث ابن عمر سے صحیح ابن خزیمہ (۱۴۳۱) اور بیہقی (۲۷۹/۳) میں دوسرے طریق سے بھی ہے اس کی سند میں عبد اللہ بن عمر عمری ضعیف ہے۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد: صفحہ ۱۱۴)۔

اس حدیث کے بارے میں مقلد موصوف نے یہاں تک کلام ذکر کیا ہے جب کہ اس کے بعد بھی کلام ہے جس کو انھوں نے ذکر نہیں کیا اور وہ یہ ہے:

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ”یہ پہلے طریق سے اچھا طریق ہے“ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت زہری سے مرسل

مروی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

دارقطنی (۴/۴۴/۲) میں یہ روایت ابن عمر پر موقوفاً بھی مروی ہے اور اس کی سند جید ہے جیسا کہ شیخ البانی نے کہا ہے۔ شیخ البانی نے مرفوع اور موقوف دونوں روایات کو ہی صحیح کہا ہے ﴿دیکھیں: "إرواء الغلیل" (۶۵۰) پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۴۳۹، حدیث: ۵۸۶)۔

یہ وہ کلام ہے جسے عمداً حذف کر دیا گیا جس بات سے مطلب پورا ہوتا تھا، اسے ذکر کر دیا گیا اور جو بات مطلب کے خلاف تھی اسے حذف کر دیا گیا۔ اہل ہوا کا یہی شیوہ ہے کہ وہ اپنے مطلب کی بات کو لے لیتے ہیں اور جو بات مطلب کے خلاف ہو اسے ترک کر دیتے ہیں۔

محمد یوسف مقلد کی دسویں خیانت:

لکھتے ہیں:

✦ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: "عن کثیر بن عبد اللہ عن أبيه عن جده أن النبي - صلى الله عليه وسلم - كبر في العيد في الأولى سبعة بعد القراءة و في الآخرة خمساً قبل القراءة" (رواه الترمذی وابن ماجه والدارمی)۔

”روایت ہے کہ کثیر بن عبد اللہ سے اس نے نقل کی اپنے باپ سے اس نے نقل کی کثیر کے دادا سے یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے دونوں عیدوں کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں بعد قراءت سے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں پہلے قراءت سے۔“

✦ عبد الرؤف غیر مقلد: صحیح حدیث ہے۔ أخرجه الترمذی (۵۳۶) و ابن ماجه (۱۲۷۹) وابن خزيمة (۱۴۳۸، ۱۴۳۹) والدارقطنی (۴۸/۲) والبلغوی (۱۱۰۶) والبيهقي (۲۸۶/۳) من طريق کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف عن أبيه عن جده۔“

اس حدیث کی سند نہایت ضعیف ہے کثیر بن عبد اللہ کو بعض نے متروک اور بعض نے کذاب کہا ہے۔ دیکھیں: نصب الراية (۲/۲۱۷)۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۱۱۳-۱۱۵)۔

یہاں مقلد محمد یوسف نے دو خیانتیں کی ہیں:

① مؤلف کے ہاں اور حدیث میں بھی ”سبعاً“ کے بعد ”قبل القراءة“ ہے، ”بعد القراءة“ نہیں اسی طرح

﴿یہ شیخ رحمہ اللہ کی رائے ہے جب کہ میرے نزدیک یہ روایت موقوفاً ہی صحیح ہے مرفوعاً نہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "القول

المقبول" دوسرا ایڈیشن (صفحہ: ۶۶۰، حدیث: ۶۱۰)

مؤلف کے ترجمے میں بھی ”پہلے قراءت سے“ ہے جب کہ اس خائن مقلد نے حدیث میں بھی تحریف سے کام لیا ہے کہ ”قبل القراءۃ“ کی بجائے ”بعد القراءۃ“ کر دیا اور مؤلف کے ترجمے میں بھی تحریف کی کہ ”پہلے قراءت سے“ کی بجائے ”بعد قراءت سے“ کر دیا۔

اگر کتابت وغیرہ کی غلطی سے ایسے ہوتا تو متن میں ہو سکتا تھا یا ترجمے میں لیکن کیا وجہ ہے کہ متن اور ترجمے میں بھی ایسا ہوا؟

غالباً وہ ”حمساً“ کے بعد ”بعد القراءۃ“ کرنا چاہتے تھے کیونکہ احناف کے نزدیک دوسری رکعت میں قراءت کے بعد اور رکوع میں جانے سے پہلے تکبیریں ہیں۔^①

مگر غفلت کی وجہ سے یا گہرا ہٹ کی وجہ سے ان سے دوسری جگہ کی بجائے پہلی جگہ ”بعد القراءۃ“ ہو گیا۔
 ② دوسری خیانت یہ کی ہے کہ اس حدیث کی سند کی تضعیف سے متعلق جو کلام تھا اس کو توڑ کر کر دیا لیکن اس کے متن کی تصحیح سے متعلق کلام کو ذکر نہیں کیا اور مذکورہ کلام کے بعد جو کلام تھا وہ یہ ہے:

”امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے ابن حجر فرماتے ہیں: ایک جماعت نے ترمذی کی تحسین سے انکار کیا ہے۔ تلخیص الحبیبر (۸۴/۲)۔

شیخ احمد شاہ کرنے امام ترمذی کی موافقت کی ہے اور یہ ان کے مسائل ہونے کی دلیل ہے۔

ابوداؤد (۱۱۵۰) دارقطنی (۱۸/۲۸/۲) اور بیہقی میں ”ابن وہب عن ابن لہیعہ عن خالد بن یزید عن ابن شہاب عن عروۃ“ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین میں بارہ تکبیریں کہا کرتے تھے اور یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ ابن وہب ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ابن لہیعہ سے ان کی کتابیں جلنے سے قبل سنا ہے اسی لیے شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھیں۔ إرواء الغلیل (۳/۱۰۷-۱۰۸)۔

یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسرے طرق اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اچھے طرق (سندوں) سے عبد اللہ بن عمرو، ابن عمر، جابر، عائشہ، ابوداؤد اور عمرو بن عوف مرنی کی حدیث میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے عیدین میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہی ہیں اور آپ ﷺ سے کسی قوی اور نہ ہی ضعیف طریق سے اس کے خلاف مروی ہے۔ نیل الاوطار (۲۹۹/۳) ملاحظہ ہو: پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۴۵۳)۔

یہ وہ کلام ہے جسے مکمل طور پر مقلد موصوف نے حذف کر دیا ہے۔

موصوف نے اس حدیث کی تخریج کے شروع میں جو یہ ذکر کر دیا ہے ”صحیح حدیث ہے“ اس کا سبب یا تو ان کی غفلت ہے کہ انھیں یہ خیال نہیں رہا کہ مجھے جب اس حدیث کی تضعیف سے متعلق ہی کلام ذکر کرنا ہے تو اس کو حذف کر دوں۔

اور یا اس کا سبب لوگوں میں غلط تاثر قائم کرنا ہے کہ دیکھیں جی کہ شروع میں ”صحیح حدیث ہے“ لکھ کر پھر خود ہی اس کی تضعیف کر دی۔

بہر حال سبب جو بھی ہو علمی خیانت مالی خیانت سے بڑا جرم ہے کیونکہ مالی خیانت میں صاحب مال کو ہی نقصان پہنچتا ہے جب کہ علمی خیانت سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔

محمد یوسف مقلد کی گیارہویں خیانت:

لکھا ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: (صلوٰۃ الرسول حدیث: ۶۱۳) عبد اللہ بن زید بن عاصم کہتے ہیں کہ حضور نماز استسقاء کے لیے تشریف لے گئے آپ نے دو رکعت پڑھائیں جس میں آپ نے آواز سے قراءت پڑھی۔ (ابوداؤد)۔

عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه أحمد (۳۳۶/۲) وابن ماجه (۱۲۲۸) وابن خزيمة (۱۲۲۲) والبيهقي (۳۳۷/۳) من طريق النعمان عن الزهري به عن أبي هريرة - رضي الله عنه - وفيه ”فصلی بنا رکعتین بلا اذان ولا إقامة، ثم خطبنا و دعا الله.....“

یہ حدیث ضعیف ہے امام ابن خزیمہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ نعمان بن راشد کے متعلق مجھے کھٹکا ہے.....“ ملاحظہ ہو: غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۱۱۶-۱۱۷)۔

موصوف نے یہاں خیانت سے کام اس طرح لیا ہے کہ انھوں نے یہاں جو کلام ذکر کیا ہے یہ کلام حدیث نمبر ۶۱۳ پر نہیں بلکہ حدیث نمبر ۶۱۲ پر ہے جس کو مؤلف نے یوں ذکر کیا ہے:

استسقاء کی نماز پہلے پڑھ کر پیچھے خطبہ اور دعائیں پڑھنا بھی جائز ہے۔ (ابن ماجہ، مسند امام احمد) جب کہ حدیث نمبر ۶۱۳ کی جو تخریج ہے وہ یہ ہے:

۶۱۳۔ أخرجه البخاري (۱۰۲۵) باب كيف حوّل النبي - ﷺ - ظهره إلى الناس،

ومسلم (۱۸۹/۶) وأبوداؤد (۱۱۶۲۰) والنسائي (۱۵۷/۳) وابن خزيمة (۱۴۲۰) و عبد

الرزاق (۴۸۸۹) و من طريقه أخرجه أبوداؤد (۱۱۶۱) والترمذی (۵۵۶)۔

مؤلف نے اس حدیث کو ابوداؤد سے منسوب کیا ہے جب کہ یہ بخاری اور مسلم میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۴۶۱-۴۶۳، حدیث: ۶۱۲-۶۱۳)۔

یہ ہے حدیث نمبر ۶۱۳۔ جو عبد اللہ بن زید بن عاصم کی حدیث ہے۔ کی تخریج، جب کہ مقلد موصوف نے جو تخریج یا حاشیہ ذکر کیا ہے وہ حدیث نمبر ۶۱۲ کا ہے حدیث نمبر ۶۱۳ کا نہیں اور انھوں نے یہ خیانت غالباً یہ تاثر دینے کے لیے کی ہے کہ نماز استسقاء والی حدیث ضعیف ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استسقاء کے لیے نماز نہیں ہے چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”أما أبو حنيفة - رحمه الله - فكان لا يرى في الاستسقاء صلاة -“

موطأ امام محمد (۲/۵۰۵، التعليق الممجد).

یعنی ابو حنیفہ رحمہ اللہ استسقاء میں نماز کو مشروع نہیں سمجھتے تھے۔

اور علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

”قال أبو حنيفة : ليس في الاستسقاء صلاة مسنونة في جماعة فإن صلى الناس

وحداناً جاز..... و رسول الله - صلى الله عليه وسلم - استسقى، ولم ترو عنه الصلاة -“

(هداية (۲/۹۱، فتح القدیر).

”ابو حنیفہ کا قول ہے کہ استسقاء میں باجماعت نماز مسنون نہیں اگر لوگ انفرادی طور پر پڑھ لیں تو جائز ہے

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے دعا کی مگر آپ سے نماز پڑھنا مروی نہیں۔“

صاحب ”ہدایہ“ کے اس قول پر علامہ عبدالحی لکھنوی نے جو تعلیق لگائی ہے وہ بھی سنتے جائیے۔ لکھنوی صاحب ان

احادیث کا ذکر کرنے کے بعد جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء میں نماز پڑھنی ثابت ہے۔ لکھتے ہیں:

”و به ظہر ضعف قول صاحب ”الهداية“ في تعليل مذهب أبي حنيفة: أن رسول الله

استسقى ولم يرو عنه الصلاة، فإن أراد أنه لم يرو بالكلية، فهذه الأخبار تكذبه، وإن

أراد أنه لم يرو في بعض الروايات فغير قادح -“ التعليق الممجد (۲/۷۶)۔

”اس سے صاحب ”ہدایہ“ کے قول کا ضعیف ہونا ظاہر ہوا جو انھوں نے ابو حنیفہ کے مذہب کی وجہ بیان

کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ نے بارش کے لیے دعا کی لیکن نماز پڑھنا آپ سے مروی نہیں، اس سے

ان کی مراد اگر یہ ہے کہ بالکل مروی نہیں تو یہ احادیث ان کی تکذیب کرتی ہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ

بعض روایات میں اس کا ذکر نہیں تو یہ غیر قادح ہے۔

صاحب ”ہدایہ“ نے اپنے مذکورہ قول کے بعد کہا ہے:

”و قالوا: یصلی الإمام رکعتین لما روی ”أن النبی ﷺ- صلی فیہ رکعتین کصلاة العید“ رواہ ابن عباس۔“

قلنا: فعلہ مرة و ترکہ أخرى فلم یکن سنة۔“

دونوں (امام محمد و ابو یوسف) کا قول ہے کہ امام دو رکعت نماز پڑھے گا کیونکہ مروی ہے کہ ”نبی ﷺ نے نماز عید کی طرح اس میں دو رکعت پڑھیں“ اس کو ابن عباس نے روایت کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ نے کبھی کیا اور کبھی نہیں کیا (یعنی کبھی نماز پڑھی اور کبھی نہیں پڑھی) لہذا نماز پڑھنا سنت نہ ہوا۔“

مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس قول کا ان الفاظ سے رد کیا ہے:

”وأما ما ذکرُوا أن النبی ﷺ- فعلہ مرة، و ترکہ أخرى، فلم یکن سنة، فلیس بشیء، فإنه لا ینکر ثبوت کلیهما مرة هذا، و مرة هذا لکن یعلم من تتبع الطرق أنه لما خرج بالناس إلى الصحراء صلی، فتكون الصلاة مسنونة فی هذه الحالة بلا ریب، ودعاؤه المجرد كان فی غیر هذه الصورة“ (التعلیق المجدد: ۷۶/۲)۔

”ان کا یہ ذکر کرنا کہ نبی ﷺ نے کبھی نماز پڑھی اور کبھی نہیں پڑھی لہذا نماز پڑھنا مسنون نہیں تو اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کبھی آپ نے ایسے کیا اور کبھی ایسے کیا مگر (حدیث کے) طرق کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب بھی لوگوں کو صحراء کی طرف لے کر نکلے آپ نے نماز پڑھی، چنانچہ اس حال میں بلاشبہ نماز پڑھنا مسنون ہوگا، اور (بارش کے لیے) صرف آپ کا دعا کرنا اس صورت (صحراء کی طرف نکلنے والی صورت) کے علاوہ دوسری صورت میں تھا۔“

محمد یوسف مقلد کی بارہویں خیانت:

جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: نے حضرت ابن عباس سے ابوداؤد اور ابن ماجہ کے حوالے سے لمبی حدیث ذکر کی ہے جس میں صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔

❶ رسول اللہ ﷺ سے طلب بارش کی مختلف صورتیں ثابت ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں: (۱) باہر میدان میں جا کر نماز پڑھ کر دعا کرنا۔ (۲) جمعہ کے دن خطبہ جمعہ میں دعا کرنا۔ (۳) مسجد میں بیٹھے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ تفصیل کے لیے زاد المعاد (۲۵۶/۱-۲۵۸) اور سبل السلام (۵۱۴/۲) دیکھیں۔

عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه أبو داؤد (۱۲۹۷) وابن ماجه (۱۳۸۷) وابن خزيمة (۱۲۱۶) والحاكم (۳۱۸/۱) والبخاري في "جزء القراءة" (۵۳، ۵۲) من طريق موسى بن عبد العزيز ثنا الحكم بن أبان عن عكرمة عن ابن عباس۔
وأخرجه البغوي (۱۰۱۸) والحاكم۔ أيضًا۔ من طريق إبراهيم بن الحكم بن أبان عن أبيه عن عكرمة مرسلًا۔

اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ موسیٰ بن عبدالعزیز سیء الحفظ ہے۔
دیگر ابراہیم بن الحکم نے اسے مرسل بیان کیا ہے۔ امام ابن خزیمہ حدیث ذکر کرنے سے قبل فرماتے ہیں بشرطیکہ یہ صحیح ہو کیونکہ اس اسناد کے بارے میں دل میں کچھ کھٹکا ہے اور حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن الحکم نے اسے مرسل بیان کیا ہے۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۱۱۷-۱۱۸)۔

مقلد صاحب نے اس حدیث کے بارے میں صرف اتنا کلام نقل کیا ہے جس میں اس کی تضعیف کا ذکر ہے مگر اس کے بعد والا کلام جس میں اس کے قوی ہونے کا ذکر ہے اس کو بالکل ہٹ کر لیا ہے اور وہ کلام یہ ہے:
”امام حاکم فرماتے ہیں کہ ابراہیم کا اسے مرسل بیان کرنا اس حدیث کے موصول ہونے کو کمزور نہیں کرتا کیونکہ ثقہ کی زیادتی (اضافہ) ارسال سے اولیٰ ہے دوسری بات یہ ہے کہ اسحاق بن ابراہیم حنفی (معروف بابن راہویہ) جو حدیث میں اپنے زمانے کے امام تھے انھوں نے بھی اس حدیث کو موصول بیان کیا ہے اس کے بعد امام حاکم نے اس طریق کا ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کے بہت سے طرق وشواہد ہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے دس صحابہ سے موصول اور کئی ایک تابعین سے مرسل طرق ملے ہیں۔

حافظ صاحب ان طرق کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حاکم کا تصحیح میں تساہل اور ابن جوزی کا دعویٰ وضع میں تساہل مشہور ہے اور ان دونوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے حاکم نے اسے صحیح اور ابن جوزی نے موضوع کہا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ کثرت طرق کی بناء پر حسن درجے کی ہے۔ ملاحظہ ہو: أجوبة الحفاظ عن أحاديث المصابيح“ في آخر المشكاة (۳/۸۰-۸۲-۱۷۸۲-تحقیق الألبانی)۔

شیخ الألبانی فرماتے ہیں کہ حاکم اور ذہبی نے احادیث کی تقویت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ حق ہے کیونکہ اس کے بہت سے طرق اور شواہد ہیں جن کو دیکھنے والا یقیناً یہ فیصلہ کرے گا کہ اس حدیث کی کوئی اصل ہے بخلاف اس کے جس نے اسے موضوع یا باطل کہا ہے۔ تحقیق المشكاة (۱/۳۱۹)۔

ملاحظہ ہو: پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۳۶۷-۳۶۸-حدیث: ۶۱۷)۔

چند کتب پر ایک نظر

مذکورہ کلام کو مکمل طور پر اس محمد یوسف مقلد خائن نے حذف کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
یہ وہ بارہ خیانتیں ہیں جن کا تعلق پہلے ایڈیشن سے ہے اور جن کا ارتکاب کر کے محمد یوسف مقلد نے یہود کا بھی
ریکارڈ توڑ دیا ہے۔

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اللہ عزوجل یہود کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿يُحَرِّقُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ (النساء: ۴۶)۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۷۵)۔

سیالکوٹی رحمہ اللہ سے بعض احادیث کے نقل کرنے میں ایک تساہل یہ ہوا کہ انھوں نے جن کتب سے ان کو نقل کیا ان
میں ان کے ضعف کی صراحت موجود ہے مگر انھوں نے نقل کرتے وقت ضعف کا ذکر نہیں کیا۔

اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مقلد محمد یوسف ایک جگہ لکھتے ہیں: ”مگر مؤلف صاحب پی گئے۔“ اور ایک دوسرے
مقام پر لکھا ہے: ”مؤلف صاحب ہضم کر گئے۔“ ملاحظہ ہو: غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۸۶، ۸۷، حدیث: ۲۰۴، ۲۰۵)۔

ہم مقلد موصوف سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے یہاں کتنا کچھ پیا اور ہضم کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قوت ہاضمہ
بڑی ہی زبردست ہے کہ اتنا کچھ پی جانے اور ہضم کر جانے کے باوجود بھی آپ کو یہ بات کرتے ہوئے ذرا سی بھی عار
محسوس نہیں ہوئی۔

اب ہم مقلد محمد یوسف کی کتاب کا مقدمہ لکھنے والے مقلد صوفی بشیر احمد صاحب عطار سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ
کی لغت میں نصیحت کے معنی خیانت کے ہیں۔

آپ اگر یہ کہیں کہ ہمارے ہاں نصیحت کے وہی معنی ہیں جو لغت عرب میں ہیں تو پھر آئیے نصیحت کے طور پر
ایک کتاب اس نام سے بھی ترتیب دیں =

حقیقت کتاب ”ہدایہ“ مؤلف برہان الدین مرغینانی یعنی ہم مقلدین اپنے ہی آئینہ میں

مقلد بنام مقلد

ترتیب کیسے ہو اس کی ایک مثال بھی ملاحظہ کرتے جائیے۔

برہان الدین مرغینانی مقلد: ”روی المغيرة بن شعبة: أنّ النبي - صلى الله عليه وسلم - أتى

سباطة قوم، فبال قائمًا، و توضأ، و مسح على ناصيته و خفيه“ (هدایہ: ۱/۱۷۱، فتح القدیر)۔

جمال الدین زلیعی مقلد: قُلْتُ: هذا حديث مركب من حديثين، رواهما المغيرة بن شعبة جعلهما المصنف حديثاً واحداً.....“ (نصب الراية: ۱/۱) ①
یہ پہلا جزء پہلی جلد ہوگی، دوسرا جزء یا دوسری جلد اس طرح ہوگی۔

مرغینانی مقلد، ابن ہمام مقلد، علیٰ ہذا القیاس یعنی جن جن حنفی علماء نے کتاب ”ہدایہ“ کی احادیث اور مسائل پر کلام کیا ہے ہر ایک کے نام سے الگ الگ جزء تیار کیا جائے تاکہ حدیث ”الدین النصیحة“ پر کما حقہ عمل ہو سکے۔
مولوی محمد یوسف اور صفوی بشیر احمد صاحبان بڑے ہی افسوس کی بات ہے چاہیے تو یہ تھا کہ کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کی تخریج و تعلیق آپ لوگوں کے لیے مسلک اہل حدیث کو سمجھنے میں مدد و معاون ثابت ہوتی مگر آپ لوگوں نے اس کو بڑے غلط انداز سے پیش کیا گویا کہ یہ خامیاں اس کتاب کے اندر ہی ہیں اور آپ کی کتب اس قسم کی خامیوں سے مبرا ہیں گویا کہ وہ انسانوں کی تالیف کردہ نہیں ہیں عربی کا ایک شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کا اپنا گھر شیشے سے بنایا گیا ہو اسے دوسرے کے گھر کو پتھر نہیں مارنے چاہئیں۔

اسی قسم سے متعلق محمد یوسف مقلد کی بعض دیگر خیانتیں بھی ہیں وہ یہ کہ سیالکوٹی رحمہ اللہ نے بعض مسائل کے لیے جن احادیث کا ذکر کیا ہے وہ احادیث ان الفاظ و سیاق سے ضعیف ہیں لیکن ان میں جن مسائل کا ذکر ہوا ہے وہ دوسرے سیاق و سباق اور الفاظ سے مروی احادیث سے ثابت ہیں چنانچہ ایسے مقامات پر احادیث پر کلام کرنے کے بعد یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ یہ مسئلہ فلاں صحیح حدیث کی بناء پر ثابت ہے۔

مقلد محمد یوسف نے ان مقامات پر خیانت یہ کی ہے کہ حدیث کی تضعیف کے بارے میں جو کلام تھا اسے نقل کر دیا لیکن صحت مسئلہ سے متعلق جو کلام تھا اسے حذف کر دیا جب کہ اس کا ذکر بھی ضروری تھا کیونکہ امانت علمی کی تقاضا یہی ہے نیز اس لیے بھی کہ قارئین کو یہ علم ہو کہ اس کتاب میں جو مسئلہ ذکر ہوا ہے وہ صحیح ہے اگرچہ مؤلف نے اس کے لیے جو دلیل پیش کی ہے وہ ضعیف ہے مگر ایسا کرنا مقلد موصوف کے حق میں نہ تھا لیکن ایک جگہ انھوں نے اس کا ذکر کیا ہے یا تو غفلت کی بناء پر یا پھر اس مقام پر ان کے دل میں شاید اللہ کا خوف طاری ہو گیا ہو مگر پہلی وجہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ ان کو اگر اللہ عز و جل کا خوف ہوتا تو وہ اس حدیث کو سرے سے ذکر ہی نہ کرتے۔ بلکہ خیانتوں کا ارتکاب ہی نہ کرتے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ان کا اس حدیث کو ذکر کرنا اعتراض کی بناء پر ہے۔

سب سے پہلے ان مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے جہاں انھوں نے مسئلہ کی صحت سے متعلق کلام ذکر نہیں کیا اور اس کے بعد اس مقام کا ذکر ہوگا جہاں انھوں نے یہ ذکر کیا ہے، اب ان مقامات کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

① یہ حدیث اور اس کے بارے میں علامہ زلیعی کا کلام دوسری فصل میں مفصل ذکر کیا جا چکا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ صفحہ: ۲۳۴۔

محمد یوسف مقلد کی تیرھویں خیانت:

سیالکوٹی رحمہ اللہ نے ابوداؤد کے حوالے سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اور دن کو سو کر اٹھنے کے بعد وضوء سے پہلے مسواک کرتے تھے۔

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اس کی سند پر کلام کرنے کے بعد تخریج میں کہا گیا ہے کہ جہاں تک آپ ﷺ کا رات کو مسواک کرنا ہے تو وہ دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ الخ ملاحظہ ہو: پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۰۳، حدیث: ۷۳)۔ محمد یوسف مقلد نے اس حدیث پر جو کلام تھا اس کو تو ذکر کر دیا لیکن اس کے بعد جو یہ کلام تھا کہ ”جہاں تک آپ ﷺ کا رات کو مسواک کرنا ہے.....“ اس کو ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۷۴)۔

محمد یوسف مقلد کی چودھویں خیانت:

مولانا صادق صاحب نے علی بن طلق رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں ہے کہ ہوا کے خارج ہونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے چنانچہ وضوء کرنا ہوگا۔

یہ حدیث اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے مگر اس کی سند پر کلام کرنے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے تو وہ دوسری احادیث صحاح سے ثابت ہے الخ۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۳۰، حدیث: ۱۰۹)۔ مگر محمد یوسف مقلد نے حدیث کی سند پر جو کلام تھا وہ تو نقل کر دیا مگر اس کے بعد جو ”جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے“ الخ، اس کو ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ: ۷۶-۷۷-۷۸)۔

محمد یوسف مقلد کی پندرہویں خیانت:

مؤلف نے سعد بن عائد قرظ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جس میں وہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال کو حکم دیا کہ وہ اذان کے وقت اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں رکھے۔

اس کی سند ضعیف ہے مگر اس کی سند پر کلام کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ ”اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں دینا بلال رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بلال کو اذان دیتے ہوئے دیکھا وہ ادھر ادھر گھوم رہے تھے اور انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالی ہوئی تھیں اور رسول اللہ ﷺ قہ حراء میں تشریف فرما تھے۔ الخ۔ ملاحظہ ہو، پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۹۴، حدیث: ۲۰۶)۔

محمد یوسف مقلد نے اس حدیث پر جو کلام تھا وہ تو نقل کیا ہے لیکن اس کے بعد جو یہ ذکر کیا گیا ہے بلال کا اذان کے وقت اپنی انگلیوں کا کانوں میں رکھنا ثابت ہے یہ ذکر نہیں کیا ملاحظہ ہو۔ غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۸۷-۸۸)۔

اس کے بعد اب وہ مقام ملاحظہ کریں جہاں محمد یوسف مقلد نے مسئلہ کی صحت کی صراحت کی ہے۔
مؤلف رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ مذی کے خروج سے وضوء اور منی کے نکلنے سے غسل لازم آتا ہے۔

یہ حدیث اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے مگر اس میں جو مسئلہ ہے وہ دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے چنانچہ مقلد موصوف اس حدیث کو ”صلوٰۃ الرسول“ سے نقل کرنے کے بعد اور اس کی سند پر جو کلام کیا گیا ہے اسے بھی نقل کرنے کے بعد مسئلہ کی صحت کے بارے میں جو کہا گیا ہے اسے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے تو وہ دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ ۷۶)۔

ایسا شاید ان سے غفلت کے عالم میں ہو گیا ہے کیونکہ انھوں نے سر توڑ کوشش کی ہے کہ کتاب ”صلوٰۃ الرسول رضی اللہ عنہ“ پر زیادہ سے زیادہ اعتراضات کیے جائیں اسی لیے کئی مقامات پر علمی خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ واللہ حسبیہ۔

دوسری قسم:

جیسا کہ اس فصل کے شروع میں ذکر ہوا کہ یہ قسم اُن خیانتوں پر مشتمل ہے جن کا تعلق دوسرے ایڈیشن سے ہے۔ یعنی بعض ایسی احادیث بھی ہیں کہ جن کو کتاب ”صلوٰۃ الرسول رضی اللہ عنہ“ کے پہلے محقق ایڈیشن میں ضعیف کہا گیا تھا مگر دوسرے ایڈیشن میں ان کو حسن یا صحیح قرار دیا گیا ہے دوسرے ایڈیشن کے مقدمے میں اس کا جو سبب ذکر کیا گیا ہے وہ ملاحظہ کیجیے۔

بعض احادیث وہ بھی ہیں کہ جن کو پہلے ایڈیشن میں ضعیف کہا تھا اور اس ایڈیشن میں بعض شواہد کی بناء پر ان کو حسن یا صحیح کہا ہے۔ مثال کے لیے حدیث (۲۲۹، ۲۸۹، ۵۰۱، ۱۵۷) ملاحظہ ہو: مقدمہ طبعہ ثانیہ۔ (صفحہ ۴۰/نمبر: ۶)۔

محمد یوسف مقلد نے ان احادیث کے بارے میں خیانتوں کا ارتکاب اس طرح کیا کہ پہلے ایڈیشن میں ان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا وہی ذکر کر دیا مگر دوسرے ایڈیشن میں ان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

کہنے والا کہہ سکتا ہے ممکن ہے کہ ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ کتاب کی ترتیب کے وقت ان کے سامنے پہلا ایڈیشن ہی رہا ہو اور دوسرے ایڈیشن کا ان کو علم نہ ہوا ہو یا ان کی اس کتاب کی ترتیب کے بعد طبع ہوا ہو۔

قلت: یہ سب احتمالات ممکن ہیں لیکن یہاں ان احتمالات میں سے کوئی احتمال بھی درست نہیں کیونکہ ان کی اس کتاب کی کتابت کے دوران ان تک دوسرا ایڈیشن پہنچ چکا تھا اور اس کی دلیل انہی کے حوالے سے لیجیے، موصوف اپنی اس کتاب کے اختتام پر لکھتے ہیں:

نوٹ۔ یہ کتاب ابھی کتابت ہو رہی تھی کہ مولانا عبدالرؤف غیر مقلد کی کتاب ”صلوٰۃ الرسول“ کا دوسرا ایڈیشن دیکھنے کا موقع ملا..... ﴿ہماری اس کتاب کو پڑھنے والے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ہم نے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ پہلے ایڈیشن سے مأخوذ ہے﴾ (محمد یوسف) ملاحظہ ہو: (صفحہ: ۱۲۰)۔

مولانا محمد یوسف مقلد کے مذکورہ کلام سے معلوم ہوا کہ ان کی اس کتاب کے دوران کتابت دوسرا ایڈیشن ان کو مل چکا تھا جب ان کو دوران کتابت ہی یہ ایڈیشن مل چکا تھا تو بتقاضائے امانت علمی ان پر ضروری تھا کہ انھوں نے اس کتاب میں جو تحریر کیا تھا دوسرے ایڈیشن کے ساتھ اس کا تقابل کرتے۔ اور دوسرے ایڈیشن میں جو پاتے اس پر اعتماد کرتے اور کمپیوٹر کی کتابت میں ترمیم، اضافے اور تعدیل کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوتا۔

اگر وہ کتابت میں تبدیلی و ترمیم نہیں کرنا چاہتے تھے تو اس کی دوسری صورت یہ بھی تھی کہ آخر میں نوٹ دے کر یہ وضاحت کر دیتے کہ فلاں فلاں حدیث کے بارے میں مخرج نے دوسرے ایڈیشن میں یہ کہا ہے مگر ایسا کام وہ شخص کرے جس کے اندر علمی امانت و دیانت پائی جاتی ہو لیکن جو ہو ہی خائن اور جس نے پہلے ایڈیشن میں علمی خیانتوں کا ارتکاب کیا ہو ایسے شخص سے یہ کیسے ممکن ہے۔

مقلد موصوف کا یہ کہنا کہ ”ہم نے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ پہلے ایڈیشن سے مأخوذ ہے“ تو اس پر ہم موصوف سے عرض کریں گے کہ ایسی بات حوالہ جات کے لیے تو کہی جاسکتی ہے لیکن علمی دنیا میں نقل علم میں ایسی بات قطعاً قابل قبول نہیں۔

آئیے اب دوسرے ایڈیشن کے اعتبار سے محمد یوسف مقلد کی خیانتوں کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں:

محمد یوسف مقلد کی سولہویں خیانت:

حدیث: ”إِنَّ الْمَاءَ لَا يَنْجِسُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا غَلَبَ عَلَى رِيحِهِ وَ طَعْمُهُ وَ لَوْنُهُ“۔

دوسرے ایڈیشن میں اس حدیث کے پہلے کلمے ”إِنَّ الْمَاءَ لَا يَنْجِسُهُ شَيْءٌ“ کو صراحۃً شواہد کی بنا پر صحیح کہا گیا ہے مگر مقلد موصوف نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا بلکہ پہلے ایڈیشن کے اعتبار سے بھی خیانت کی ہے وہ یہ کہ مذکورہ حدیث پر جو کلام کیا گیا ہے اسے تو موصوف نے نقل کر دیا ہے مگر اس کے بعد جو کلام تھا جو کہ تقریباً سولہ سطروں پر مشتمل ہے، اسے نقل نہیں کیا جس کا مختصر یہ ہے۔

جہاں تک حدیث میں مذکور شدہ مسئلہ کا تعلق ہے تو وہ بجا ہے اور اس کی تفصیل درج ذیل ہے اس کے بعد ابوسعید

﴿یہاں جو کلام ترک کیا گیا ہے اسے ہم اس فصل کے اختتام پر ذکر کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ محمد یوسف صاحب مقلد خائن ہونے کے ساتھ ساتھ کذاب بھی ہیں۔﴾

خدری رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث: ”إن الماء طهور لا ينجسه شيء“ تخریج کے ساتھ ذکر کی گئی ہے اور کبار ائمہ سے بھی اس کی صحت نقل کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کم ہو یا زیادہ وقوع نجاست سے ناپاک نہ ہوگا مگر یہ اس صورت میں کہ جب پانی کے رنگ یا ذائقے میں تبدیلی واقع نہ ہو اور نہ ہی اس میں بدبو پیدا ہو، اگر مذکورہ تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بھی پایا گیا تو پانی ناپاک ہوگا۔ ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ دیکھیے: الاوسط (۲۶۰/۱) و کتاب الإجماع (۳۳)۔

یہ پورا کلام خائن نے نقل نہیں کیا اور اس کے بعد جو ایک سطر تھی صرف اسے نقل کر دیا جو یہ ہے:

”اس مسئلہ میں اجماع سے حجت لی جائے گی جیسا کہ امام بیہقی اور دیگر ائمہ نے کہا ہے کیونکہ حدیث ”إلما غلب“ ضعیف ہے دیکھیے: المجموع (۱۶۰/۱-۱۶۱)۔

اور صرف اتنا کلام نقل کر کے تاثر یہ دیا ہے کہ اس پورے مسئلے کے لیے ہی اجماع سے حجت لی جائے گی جب کہ اس حدیث کا پہلا ٹکڑا ”إن الماء لا ينجسه شيء“ چونکہ دوسری صحیح احادیث کی بناء پر ثابت ہے چنانچہ اس کے لیے اجماع سے حجت کی ضرورت نہیں۔ ملاحظہ ہو: پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۶۵-۶۶) دوسرا ایڈیشن (صفحہ: ۷۳) غیر مقلد (صفحہ: ۶۵)۔

محمد یوسف مقلد کی ستر ہوئیں خیانت:

قضائے حاجت سے فراغت کے وقت کی دعاء:

”الحمد لله الذي أذهب عني الأذى و عافاني“

اس دعا کو دوسرے ایڈیشن میں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۸۰، حدیث: ۲۲)۔ حسن کہا گیا ہے لیکن مقلد موصوف نے اس کے بارے میں پہلے ایڈیشن میں جو کچھ کہا گیا ہے اسی کو نقل کیا ہے اور دوسرے ایڈیشن میں جو ہے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد (صفحہ: ۶۵-۶۶)۔

محمد یوسف مقلد کی اٹھار ہوئیں خیانت:

حدیث ”من ترك موضع شعرة من جنابة.....“ کو دوسرے ایڈیشن میں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۱۱، حدیث: ۵۲)۔ صحیح کہا گیا ہے مگر مقلد موصوف نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ملاحظہ ہو۔ غیر مقلد (صفحہ: ۶۷-۶۸)۔

محمد یوسف مقلد کی انیسویں خیانت:

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں ہے کہ مسواک سے پڑھی جانے والی نماز دوسری نماز پر ستر درجے فضیلت رکھتی ہے اس حدیث پر پہلے ایڈیشن میں کلام کیا گیا ہے مگر آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ ”اس حدیث کا متعدد صحابہ سے مروی ہونا اس بات

پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔“ (پہلا ایڈیشن، صفحہ: ۱۰۲، حدیث: ۷۲)۔
اس کلام میں اس حدیث کی تقویت کی طرف اشارہ ہے مگر مقلد موصوف نے اس حدیث پر باقی سارا کلام تو نقل کر دیا مگر اس کلام کو حذف کر دیا۔

اور دوسرے ایڈیشن میں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۵۵، حدیث: ۷۲)۔ میں اس کو صراحتاً صحیح کہا گیا ہے مگر اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو۔ غیر مقلد (۷۳-۷۴)۔

محمد یوسف مقلد کی بیسیویں خیانت:

حدیث: ”تَوْضَاءُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، وَ قَالَ: هَذَا وَضُوءِي وَ وَضُوءُ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي.....“
پہلے ایڈیشن میں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۱۹، حدیث: ۹۵)۔ اس حدیث پر کلام کیا گیا ہے مگر آخر میں کہا گیا ہے کہ ”صنعانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث طرق کی بناء پر قوی ہو جاتی ہے۔“ سبل السلام (۷۵/۱)۔
البانی نے اسے احادیث صحیحہ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ کثرت شواہد کی بناء پر اگر ہم اسے صحیح نہ بھی کہیں حسن درجہ کو تو پہنچ جاتی ہے دیکھیے۔ نمبر: ۲۶۱۔

اور دوسرے ایڈیشن میں اس کی تخریج سے قبل اس کو صراحتاً حسن درجے کی حدیث لکھا گیا ہے ملاحظہ ہو دوسرا ایڈیشن (صفحہ: ۱۸۲، حدیث: ۹۵)۔

مقلد صاحب نے پہلے ایڈیشن میں اس پر جو کلام تھا وہ مختصر سا نقل کر دیا مگر صنعانی اور البانی کے قول کو حذف کر دیا کیونکہ اس میں اس حدیث کی تحسین تھی اسی طرح دوسرے ایڈیشن میں اس کے حسن ہونے کی جو صراحت کی گئی ہے اسے بھی نظر انداز کر دیا۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد: صفحہ: ۷۵)۔

محمد یوسف مقلد کی اکیسویں خیانت:

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی وضوء اور نماز کی فضیلت سے متعلق حدیث جس میں ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضوء کرے پھر نماز پڑھے تو اس کے ہاتھوں اور پیروں وغیرہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

پہلے ایڈیشن میں اس کی سند پر کلام کیا گیا ہے جب کہ دوسرے ایڈیشن میں اس کو اس کی دوسری سندوں اور شواہد کی بناء پر صحیح کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۴۶، حدیث: ۱۵۸)۔

مقلد صاحب نے جو کچھ پہلے ایڈیشن میں تھا وہ تو نقل کر دیا مگر دوسرے ایڈیشن میں اس کی جو تصحیح کی گئی ہے اسے نظر انداز کر دیا۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد (صفحہ: ۸۰-۸۱)۔

محمد یوسف مقلد کی بانیسویں خیانت:

حدیث ”جو اذان دے، اقامت بھی وہی کہے“ کو پہلے ایڈیشن میں ضعیف کہا گیا ہے جب کہ دوسرے ایڈیشن میں اس کو حسن درجے کی حدیث کہا گیا ہے مگر مقلد موصوف نے جو کچھ پہلے ایڈیشن میں تھا اسی کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے ملاحظہ ہو: پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۲۰۶، حدیث: ۲۲۳) دوسرا ایڈیشن (صفحہ: ۳۰۸، حدیث: ۲۲۹) اور غیر مقلد (صفحہ: ۹۰)۔

محمد یوسف مقلد کی تیسویں خیانت:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ نبی ﷺ نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھی۔

یہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے پہلے ایڈیشن میں صرف اس کی سند پر کلام کیا گیا ہے مگر دوسرے ایڈیشن میں اس کی سند پر کلام کے بعد اس کو کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ میں اس سے قبل مذکور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس میں ہے کہ جنازے میں فاتحہ پڑھنا سنت سے ہے۔ کی بناء پر صحیح کہا ہے اس کی تخریج میں اس کی سند پر کلام سے قبل خلاصہ کے طور پر بھی اس کا حکم یوں لکھ دیا گیا ہے ”صحیح ہے“ ملاحظہ ہو دوسرا ایڈیشن (صفحہ: ۷۰۶، حدیث: ۶۶۸)۔

مگر مقلد موصوف نے جو کچھ پہلے ایڈیشن میں تھا اسی کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۱۱۹-۱۲۰)۔

تنبیہ: محمد یوسف مقلد نے دودھ پینے کے بعد پڑھی جانے والی دعا کو بھی اپنی کتاب غیر مقلد (صفحہ: ۱۰۲) میں ذکر کیا ہے کیونکہ پہلے ایڈیشن میں اس کو ضعیف کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۵۳۰، حدیث: ۶۸۳)۔

مگر دوسرے ایڈیشن میں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۷۵، حدیث: ۷۲۰)۔ اس کو اس کی ایک دوسری سند کی بناء پر حسن کہا گیا ہے مگر اس کی تخریج سے قبل خلاصہ کے طور پر جو حکم لکھا گیا ہے وہ کتابت کی غلطی کی وجہ سے ”حسن ہے“ کی بجائے ”ضعیف ہے“ لکھا گیا ہے لہذا قارئین کرام اس کی اصلاح کر لیں۔

مقلد محمد یوسف کی دھوکے بازیاں:

ان خیانتوں کے علاوہ کچھ مقامات ایسے بھی ہیں کہ جہاں محمد یوسف مقلد نے عوام الناس کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے اب ان مقامات کی تفصیل سنئے۔

❑ غیر مقلد (صفحہ: ۷۹)۔

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: حضرت بلال روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”کان رسول اللہ ﷺ یمسح علی الخفین و النعلین“ (معجم طبرانی)۔

رسول اللہ ﷺ چڑے کے موزوں اور جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے۔“

عبدالرؤف غیر مقلد: ضعیف حدیث ہے۔^① نصب الراية (۱۸۵/۱) تحفة الأحوذی: (۱۰۱/۱)۔

واضح رہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے مگر متن کے اعتبار سے صحیح ہے۔ (صلوة الرسول، ص: ۱۳۸)۔

قلت: جب یہ حدیث متناصح ہے تو اسے یہاں ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کے ذکر سے سوائے مغالطہ اور دھوکہ کے کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

② محمد یوسف مقلد نے (صفحہ: ۸۱) میں لکھا ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے میری امت پر نماز فرض کی اور قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا۔

عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه أبو يعلى (۴۱۲۴) من طريق يزيد الرقاشي عن أنس -رضي الله عنه- قال رسول الله ﷺ: إن أول ما افترض الله على الناس من دينهم الصلاة.....“

اس حدیث کی سند میں یزید بن ابان رقاشی ہے اور یہ ضعیف ہے جیسا کہ ”تقریب“ (۳۶۱/۲) میں ہے مگر یہ حدیث شواہد کی بناء پر صحیح ہے پہلے جملے کا شاہد حدیث ابن عمر ہے اور یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ دیکھیے ضعیف الجامع (۲۱۳۵)۔

محمد یوسف مقلد نے یہاں دھوکہ بھی دیا ہے اور خیانت بھی کی ہے دھوکہ یوں کہ جب یہ حدیث صحیح ہے تو اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟

اور خیانت یوں کہ اس کے پہلے جملے کا جو شاہد ہے اس کو تو ذکر کر دیا اس لیے کہ وہ ضعیف تھا جب کہ دوسرے اور تیسرے جملے کے جو شاہد تھے ان کو نظر انداز کر دیا اس لیے کہ دوسرے جملے کا شاہد حسن درجے کا ہے اور تیسرے جملے کے تین شواہد ذکر کیے گئے ہیں اور تینوں ہی صحیح ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۷۱)۔

اور ایسا اس لیے کیا گیا تا کہ کسی نہ کسی طریقے سے اعتراض کرنے کی گنجائش باقی رہے حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ یا تو شواہد کی طرف محض اشارہ کیا جاتا اور اگر ان کو ذکر کیا جاتا تو سب کو ذکر کیا جاتا۔

③ محمد یوسف مقلد نے (صفحہ: ۸۹-۹۰) میں لکھا ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: مؤذن وہ مقرر کرنا چاہیے جو بلند آواز والا ہو اور اذان بلند جگہ پر کھڑے ہو کر کہنی

④ ضعیف حدیث کی بجائے ”سنداً ضعیف حدیث“ ہونا چاہیے جیسا کہ بعد میں کہا گیا ہے کہ واضح رہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔ سبحان من لا یسہو۔

چاہیے۔ (أبوداؤد)۔

عبد الرؤف غیر مقلد: حدیث صحیح ہے۔ أخرجه عبد الرزاق (۱۹۰۹۰) و ابن أبی شیبہ (ج: ۱/۴۸۸، و ج: ۱۰/رقم: ۹۲۹۳) و عنه أبو یعلیٰ (۴۱۴۷) و أحمد (۱۱۹/۳) و أبوداؤد (۵۲۱) والنسائی فی عمل الیوم واللیلۃ (۶۸) و الترمذی (۲۱۲) فی أبواب الصلاة، وأيضاً برقم (۳۵۹۵) فی الدعوات والبیہقی (۱/۴۱۰) و القضاعی فی مسند الشہاب برقم (۱۲۰) من طریق زید العمی عن أبی یاس عن أنس -رضی اللہ عنہ- و هذا سند ضعيف لاجل زید العمی۔

ل۔ مؤذن کا بلند آواز ہونا یہ حدیث عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ میں ہے انھوں نے جب اذان کے بارے میں اپنا خواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور انھیں یہ کلمات سکھاؤ، کیونکہ وہ تم سے آواز میں بلند ہیں۔

ب۔ مؤذن کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا ایک صحابیہ بیان کرتی ہیں کہ مسجد کے قریب جتنے گھر تھے ان سب سے میرا گھر اونچا تھا بلال اس پر فجر کی اذان دیا کرتے تھے۔

یہ حدیث أبوداؤد (۵۱۹) اور بیہقی (۱/۴۲۵) میں ہے اسے ابن دقیق العید، ابن حجر اور البانی نے حسن کہا ہے۔ نصب الراية (۱/۲۸۷) فتح الباری (۲/۱۰۳) باب ”الاذان بعد الفجر“ اور إرواء الغلیل (۲۳۹)۔ (دو حدیثوں کو ایک کر کے بیان کرنا کتنی بڑی غلطی ہے)۔

آخر میں قوسین کے درمیان جو کلام ہے یہ محمد یوسف مقلد کا ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ پر ان کا تو یہ اعتراض ہے لیکن اب سنئے کہ مقلد موصوف نے یہاں کیا گل کھلائے ہیں۔

① صحیح حدیث ہے اس کے بعد ”أخرجه عبد الرزاق“ سے لے کر ”و هذا سند ضعيف لأجل زید العمی“ تک یہ ”مؤذن وہ مقرر.....“ حدیث کی تخریج نہیں ہے بلکہ یہ اس سے قبل درج ذیل حدیث کی تخریج ہے۔ ”اذان اور تکبیر کے درمیان خدائے قدوس دعاء قبول فرماتا ہے۔“ ترمذی شریف، اور اس حدیث کا کتاب میں نمبر ۲۲۲ ہے۔

② مقلد موصوف نے اس حدیث کا پورا کلام بھی نقل نہیں کیا تخریج میں مذکورہ کلام کے بعد اس کی دوسری صحیح سند ذکر کی گئی ہے نیز اس کا ایک صحیح شاہد بھی ذکر کیا گیا ہے ملاحظہ ہو۔ پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۲۰۴-۲۰۵) مگر مقلد موصوف یہ سب کچھ پی گئے۔

دوسرے ایڈیشن میں اس حدیث کے بارے میں مزید تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس کی انس رحمہ اللہ سے پانچ یا چھ سندیں ہیں۔ اور اس کے دو یا تین شواہد بھی ذکر کیے گئے ہیں ملاحظہ ہو (صفحہ: ۳۰۵، حدیث: ۲۲۷)۔

مقلد موصوف میں خیانت کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ غفلت پائی جاتی ہے جس کی ایک مثال تو یہ ہے اور عنقریب اس کی دیگر مثالیں بھی ذکر ہوں گی بلکہ بعض مثالیں گزر بھی چکی ہیں۔

ظن غالب ہے کہ مقلد صاحب نے اس حدیث ”اذان اور تکبیر کے درمیان.....“ کو بھی بطور اعتراض ذکر کیا تھا مگر کتابت کی غلطی یا کسی اور وجہ سے متن تو حذف ہو گیا مگر اس پر جو کلام تھا وہ باقی رہ گیا کیونکہ اس حدیث اور حدیث: ”مؤذن وہ مقرر.....“ کی تخریج اگر ایک ہی جگہ یا ایک ہی صفحہ پر ہوتی تو یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ نقل کے وقت ان کی نظر ایک حدیث کی تخریج سے دوسری حدیث کی تخریج کی طرف منتقل ہو گئی جب کہ حدیث ”اذان اور تکبیر.....“ کی تخریج (صفحہ: ۲۰۴) میں اور حدیث: ”مؤذن وہ مقرر کرنا چاہیے.....“ کی تخریج (صفحہ: ۲۰۵) میں ہے۔

مقلد موصوف نے دونوں ہی حدیثوں کو بطور اعتراض ذکر کیا ہے پہلی حدیث کی تخریج میں خیانت کر کے کہ جس سند میں کلام تھا اس کا ذکر کر دیا اور جو اس کی دوسری صحیح سند اور اس کا صحیح شاہد تھا اسے حذف کر دیا اور دوسری حدیث پر جو اعتراض ہے درج ذیل سطور میں اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

۳) قارئین مقلد موصوف کا یہ کلام کہ ”دو حدیثوں کو ایک کر کے بیان کرنا کتنی بڑی غلطی ہے“ پڑھ کر تشویش میں پڑ گئے ہوں گے کہ یہ کیا نکتہ ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے دراصل اس تشویش کا سبب موصوف کی غفلت و کوتاہی ہے کہ اس حدیث کی تخریج کی شروع والی عبارت درج نہیں ہو سکی اس حدیث کا کتاب میں نمبر ۲۲۳ ہے اور اس کی تخریج میں شروع والی عبارت یہ ہے۔

۲۲۳۔ یہ دو مختلف احادیث ہیں جنہیں مؤلف نے ایک کر دیا ہے؛

ا۔ مؤذن کا بلند آواز ہونا یہ حدیث عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ میں ہے.....“

ب۔ مؤذن کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں.....“

۴) مقلد موصوف نے اس چیز کو بھی قابل اعتراض ٹھہرایا کہ دو مختلف حدیثوں کو ایک کر دیا جب کہ انسان ہونے کے ناطے آدمی سے ایسا تساہل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی چیز ہم قدوری اور مرغینانی کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں ملاحظہ ہو۔ (صفحہ: ۲۳۴-۲۳۵)۔

بلکہ ہمارے موصوف مقلد سے بھی ایسا ہوا ہے بلکہ انھوں نے تو عمداً ایسا کیا ہے کہ دو مختلف دعاؤں کو ایک دعاء ظاہر کیا ہے جیسا کہ (صفحہ: ۲۸۱) میں ذکر ہوا۔

اور پھر یہاں مقلد موصوف نے کیا کیا کہ ایک حدیث کی تخریج دوسری حدیث پر جڑ دی، آئیے اب ہم موصوف کو ان کی غفلت کی دیگر مثالیں بھی دیتے ہیں۔

۱۔ مقلد موصوف نے (صفحہ: ۸۸) میں لکھا ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا جو شخص اذان دے سات برس طلب ثواب کی نیت پر (نہ مزدوری پر) لکھی جاتی ہے، اس کے لیے خلاصی آگ سے (یعنی بہشتی ہو جاتا ہے) (ترمذی، ابن ماجہ) أخرجه الترمذی (۲۰۶) وابن ماجہ (۷۷) کہ اسے محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ یحییٰ بن سعید اور عبد الرحمن بن مہدی نے اسے ترک کر دیا تھا۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے بڑھ کر کوئی اور جھوٹا آدمی نہیں دیکھا۔ (صلوٰۃ الرسول: ۱۹۶)۔

موصوف کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تمام کلام مؤلف کا ہے جب کہ ”أخرجه الترمذی“ سے لے کر آخر تک خرج کا کلام ہے مؤلف کا نہیں۔

نیز یہاں: ”و ابن ماجہ (۷۷) کے بعد تقریباً ایک سطر چھوٹ گئی ہے جو یہ ہے: ”یہ حدیث بہت زیادہ ضعیف ہے اس کی سند میں جابر بن جعفری ہے امام ترمذی فرماتے ہیں۔“
ب۔ اسی کتاب کا (صفحہ: ۹۳-۹۴) دیکھیں:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: ہاتھ اٹھاتے وقت ہتھیلیاں قبلہ کی طرف ہوں۔ (مجمع الزوائد)۔
عبد الرؤف غیر مقلد: طبرانی اوسط میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا..... یعنی جب تم میں سے کوئی نماز کی ابتداء کرے تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہتھیلیاں قبلہ رخ کرے کیونکہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ ہے۔“
صرف یہاں تک کلام ہے اب قاری یہ سوچے گا کہ اس حدیث کو یہاں کس لیے درج کیا گیا ہے لیکن اسے اس کا کوئی جواب نہیں مل پائے گا دراصل اس کے بعد اس حدیث کی سند پر جو کلام ہے وہ مقلد موصوف کی غفلت کی وجہ سے ذکر نہیں ہوا اور وہ کلام یہ ہے:

”یہ ضعیف حدیث ہے اس کی سند میں عمیر بن عمران ہے جو ضعیف ہے۔“ (مجمع الزوائد ۱۰۲/۲)۔

ج۔ غیر مقلد (صفحہ: ۱۰۴-۱۰۵) اس کے بارے میں (صفحہ: ۳۰۳ نمبر ۶) کے آخر میں تفصیل آرہی ہے۔

د۔ اپنی کتاب کا صفحہ (۱۱۱) دیکھیے۔

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: أخرجه ابن أبي شيبة (۹۲/۲-۱۵۵، ۹۳) وأحمد (۲۸۲-۲۸۳) والترمذی (۵۲۹، ۵۲۸) و أبو يعلى (۱۶۰۹، ۱۶۸۴) من طريق الخ۔

یہ کلام مؤلف سیالکوٹی کا نہیں بلکہ خرج کا کلام ہے مؤلف کا کلام درج ذیل ہے:

”حضور ﷺ نے فرمایا: جس کو خوشبو میسر نہ آئے اس کے لیے پانی ہی خوشبو ہے۔“ (یعنی نہائے) ”ترمذی،

ملاحظہ ہو: صلوٰۃ الرسول ﷺ محقق پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۴۲۰، حدیث: ۵۴۵)۔

۹۔ دیکھیے اپنی کتاب کا صفحہ: (۱۱۶)۔

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: (صلوٰۃ الرسول، حدیث: ۶۰۱)۔

عبدالرؤف غیر مقلد: ابوداؤد میں کوئی ایسی روایت نہیں جس میں گرہن صاف ہونے تک خطبہ دینے کی صراحت ہو۔ ابی بن کعب کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد قبلہ رُو ہو کر بیٹھے دعا کرتے رہے یہاں تک کہ گرہن صاف ہو گیا۔

یہ حدیث ابوداؤد (۱۱۸۲) مستدرک حاکم (۲۳۳/۱) اور بیہقی (۳۲۹/۳) میں ہے (پھر نماز سے فارغ ہو کر گرہن صاف ہونے تک لوگوں کو خطبہ (وعظ و نصیحت) سنائے۔ (ابوداؤد) ایک تو یہ حدیث ضعیف ہے دوسرا اس میں خطبہ کا ذکر نہیں بلکہ دعا کا ذکر ہے۔

صحیح ابن خزیمہ (۱۴۹۴) سے حضرت علی کی روایت سے گرہن صاف ہونے تک خطبہ پر استدلال ممکن ہے مگر یہ حش کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (ملخص)۔

قارئین دیکھیے کہ مؤلف کا کلام کدھر ہے مؤلف کا کلام مخرج کے کلام کے ضمن میں آ گیا ہے چنانچہ قوسین کے مابین جو کلام ہے۔ (پھر نماز سے..... ابوداؤد) یہ مؤلف کا کلام ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب آپ کی یہ کتاب درمیانے سائز میں صرف اکٹھ صفحات پر مشتمل ہے اصل کتاب صفحہ (۶۰) سے شروع ہو کر صفحہ (۱۲۰) پر ختم ہو جاتی ہے اور کل (۶۱) صفحات بنتے ہیں اور اس مختصر کتاب کے اندر اس قسم کی اغلاط اور ہیر پھیر ہے اور باتیں دوسروں کو کرتے ہو کہ دو حدیثوں کو ایک کر دیا کتاب کے اندر اوہام پائے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ آپ نے یہاں کیا کیا ہے ذرا خود ہی سوچو۔

واضح رہے کہ یہ اغلاط ان اغلاط کے علاوہ ہیں جنہیں عام طور پر کتابت کی اغلاط کا نام دیا جاتا ہے مثال کے طور پر مذکورہ حدیث کا نمبر کتاب میں (۶۰۱) کی بجائے (۱۰۶) ہے اسی طرح ”صلوٰۃ الرسول“ کی بجائے صرف ”صلوٰۃ“ ہے اور اس قسم کی دیگر اغلاط۔

⑤ غیر مقلد (صفحہ: ۸۹-۹۹)۔

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: حضور نے فرمایا کہ دعا مانگنے سے عاجز نہ بنو (یعنی دعا مانگنا چھوڑ نہ دو کہ مطلب براری نہیں ہوئی) کیونکہ کوئی دعا کرتے ہوئے ہلاک نہیں ہوتا اور جو چاہے کہ اس کی دعا سختیوں اور مشکلوں میں قبول ہو تو اسے لازم ہے کہ وہ آسائش اور کشائش رزق کے وقت کثرت سے دعا کرتا رہے ابن حبان۔

عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه ابن حبان (۳۲۹۸)..... یہ حدیث عمر بن محمد کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔
تفصیل کے لیے احادیث ضعیفہ (۷۴۳) دیکھیے۔

مقلد موصوف نے اتنا کلام ذکر کر کے یہ دھوکا دینے کی کوشش کی ہے کہ پوری کی پوری حدیث ضعیف ہے جب کہ
مذکورہ کلام کے چند سطر بعد یہ کہا گیا ہے۔

دوسری حدیث (جسے مؤلف نے پہلی حدیث سے بلا فرق ذکر کیا ہے) اور جو چاہے کہ اس کی دعا ختیوں اور مشکلوں
میں..... الخ۔

اس کی ترمذی وغیرہ سے تخریج کر کے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی
ہے اور شیخ محمود نے ان دونوں کی تائید کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۵۰۱)۔

① غیر مقلد (صفحہ: ۱۰۱)۔

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: ”الحمد لله الذي أحيانا.....“

عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه البخاري في صحيحه، (۶۳۱۲) في الدعوات و أخرجه -
أيضاً - الترمذی (۳۴۱۷) و في إسناده ضعف۔

جب یہ حدیث بخاری کی ہے تو اسے اس کتاب میں لانے کی کیا ضرورت تھی بس اس لیے اس کو ذکر کیا گیا کہ
ترمذی کی سند کے بارے میں ”و في إسناده ضعف“ کہا گیا ہے اور یہ ذکر کر کے مغالطہ اور دھوکہ دیا جائے کہ اس کی
سند ضعیف ہے جب کہ یہ بات صرف ترمذی کی سند کے بارے میں کہی گئی ہے۔

② غیر مقلد (صفحہ: ۱۰۳-۱۰۵) مقلد موصوف لکھتے ہیں:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: ”اللهم لا سهل إلا ما جعلته سهلاً، و أنت تجعل الحزن سهلاً إذا
شئت۔ لا إله إلا الله الحليم الكريم..... الخ

عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه ابن حبان (۰) وابن السنّی (۰) عن أنس رضي الله تعالى عنه۔
یہ حدیث صحیح ہے ابن حبان نے بھی اسے صحیح کہا ہے یہ دعا: اللهم لا سهل.....“ سے ”إذا شئت“ تک ہے۔

”لا إله إلا الله الحليم الكريم“ سے ”یا أرحم الرحمن“ تک یہ ترمذی (۴۷۹) ابن ماجہ (۱۳۸۴) اور
حاکم (۳۲۰/۱) میں من طریق فائد بن عبد الرحمن عن عبد الله بن أبي أوفى۔ ۱۱۱۱۱۔ ہے۔

اس حدیث میں نماز حاجت کا ذکر ہے اور یہ حدیث نہایت ضعیف ہے کیونکہ فائد بن عبد الرحمن متروک ہے۔

③ موصوف نے کتابوں کا نام ہی ذکر کیا ہے، جلد، صفحہ یا حدیث کا نمبر ذکر کرنا شاید بھول گئے ہیں۔

مقلد موصوف نے جو دعا: ”اللهم لا سهل.....“ صحیح ثابت تھی اس کو بھی ذکر کر دیا اس کے ذکر کرنے سے کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

اس مقام پر مقلد موصوف کے یہاں تخریج میں تکرار ہے اور پہلے مقام پر دعا ”لا إله إلا الله الحليم الكريم.....“ کے کچھ کلمات بھی تخریج میں آگئے ہیں اور اس مختصری کتاب میں اس قسم کے عجائب بھی ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یا تو سرے سے تصحیح ہی نہیں کی گئی یا پھر غفلت کا اس قدر غلبہ تھا کہ صحیح طرح سے تصحیح ہو نہیں پائی۔ اس کے باوجود یہ مغفل ”صلوة الرسول ﷺ“ پر اعتراض کرنے کے لیے بیٹھ گئے ہیں اور اس کتاب کی احادیث کی تخریج کرنے لگ گئے ہیں۔

ایک جگہ اہم بات کا حذف:

محمد یوسف مقلد نے (صفحہ: ۷۸-۷۹) میں لکھا ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: پانچوں انگلیاں دائیں اور بائیں ہاتھ کی تر کر کے دونوں پاؤں کے پنجوں سے شروع کر کے ٹخنوں کے اوپر تک کھینچ لے جائیں۔

عبدالرؤف غیر مقلد: مسح کی کیفیت کے بارے میں بعض روایات وارد ہیں مگر سخت ضعیف ہیں تفصیل کے لیے: نصب الراية (۱۸۰/۱-۱۸۱) تلخیص الحبیر (۱۶۰/۱) اور سبل السلام (۸۹/۱) دیکھیں۔

قاری کے ذہن میں سوال یہ ابھرتا ہے کہ جب مسح کی کیفیت کی روایات ضعیف ہیں تو مسح کا طریقہ کیا ہے؟ جس عبارت میں یہ جواب تھا مقلد موصوف نے اسے ذکر نہیں کیا وہ عبارت ”تلخیص الحبیر“ کے بعد تھی جو یہ ہے: ”لہذا مسح کرتے وقت جس طرح بھی ہاتھ پھیر لیا جائے اور اسے لغت میں مسح کہا جائے تو مسح درست ہوگا۔ دیکھیں سبل السلام (۸۹/۱)۔“

مؤلف رحمہ اللہ پر بے جا اعتراض:

جیسا کہ اس فصل کے شروع میں ذکر ہوا کہ مولوی محمد یوسف مقلد نے کتاب ”صلوة الرسول ﷺ“ پر زیادہ سے زیادہ اعتراضات کرنے کی غرض سے خیانتوں سے بھی کام لیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے بعض جگہ مؤلف پر بے جا اعتراضات بھی کیے ہیں۔ مثلاً (صفحہ: ۳۰۲) میں مذکورہ حدیث ابن عباس اور اس کی تخریج کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

نوٹ: (حدیث: ۲۱۱) یہ حدیث براء بن عازب سے مروی ہے ابو ہریرہ سے نہیں صاحب ”مشکاۃ“ کے بظاہر انداز سے یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ ابو ہریرہ سے مروی ہے اسی لیے مؤلف نے اسے ابو ہریرہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد (صفحہ: ۸۸)۔

کیا یہ بات بھی قابل اعتراض تھی اس میں مؤلف کا کیا قصور ہے وہم تو صاحب ”مشکوٰۃ“ کا ہے انھیں دراصل اعتراض کرنے کے لیے کچھ چاہیے تھا۔

بددیانت خود اور الزام مؤلف پر:

قارئین کرام مذکورہ تفصیل سے آپ نے معلوم کر لیا کہ محمد یوسف مقلد بدیانت اور خائن آدمی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ دوسروں کو خائن اور بددیانت کہتے ہوئے شرماتے نہیں چنانچہ وہ تخریج ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ سے یہ نقل کرنے کے بعد ”جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ کہ مؤلف نے ان سب احادیث کو ”تبلیغی نصاب“ سے نقل کیا ہے.....“ لکھتے ہیں:

”یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ ”تبلیغی نصاب“ سے نقل کر کے کہیں بھی اس کتاب کا نام نہیں لیا یہ علمی بدیانتی نہیں تو اور کیا ہے۔“ (غیر مقلد (صفحہ: ۸۵)۔

ہم ان محمد یوسف مقلد سے پوچھتے ہیں کہ مولانا صادق رحمۃ اللہ علیہ اگر تبلیغی نصاب کا حوالہ نہ دینے کی وجہ سے بدیانت ہیں تو آپ نے اپنی کتاب میں جو کچھ کیا ہے کیا وہ علمی بدیانتی اور خیانت نہیں یا کہ آپ کے نزدیک یہ کام خیانت نہیں ہیں۔ آپ نے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ پر تو فوراً علمی بدیانتی کا الزام ٹھونس دیا مگر اپنی کتاب کے مقدمے میں ”محدثین کی ضعیف حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط“ کے عنوان کے تحت امام مسلم وغیرہ کے جو اقوال یا جو کچھ ذکر کیا ہے کیا اللہ عزوجل کو شاہد بنا کر آپ یہ کہیں گے کہ ان اقوال وغیرہ کو آپ نے ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کے محقق ایڈیشن کے مقدمے سے نہیں لیا یقیناً آپ نے ان چیزوں کو وہیں سے لیا ہے لیکن اس کا نام تک نہیں لیا۔ ملاحظہ ہو۔ پیش لفظ (صفحہ: ۱۲-۱۳)۔

اسی طرح آپ کے مفتی صوفی بشیر احمد نے آپ کی کتاب کے پہلے مقدمے میں علامہ طاہر بن صالح جزی کا یہ قول ”قد نشاء من رواية الأحاديث الضعيفة.....“ نقل کیا ہے اور یہ قول بھی وہیں سے لیا ہے مگر نام تک نہیں لیا۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۷)۔

تو کیا یہ علمی خیانت و بددیانتی نہیں یا کہ آپ لوگ جب ایسا کام کریں تو اس کو علمی خیانت و بددیانتی نہیں کہا جائے گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

محمد یوسف مقلد کی تنگ نظری:

محمد یوسف مقلد نے مذکورہ جس کلام کی بناء پر مؤلف کو بددیانت کہا ہے وہ طویل کلام کا ایک ٹکڑا ہے جو ”تنبیہ“ کے عنوان سے اس طرح ہے: ”مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ”نماز کے لامثال محاسن“ عنوان کے تحت.....“ (محقق ایڈیشن

(صفحہ: ۱۷۷)

محمد یوسف مقلد کی تنگ نظری دیکھیے کہ انھوں نے اس کلام کو نقل کرتے وقت اس میں ”مؤلف رحمہ اللہ“ کی بجائے محمد صادق سیالکوٹی کر دیا ملاحظہ ہو۔ (صفحہ: ۸۵)۔
یہ تنگ نظری نہیں بلکہ یہ بھی ایک طرح کی خیانت ہے۔

محمد یوسف مقلد کی کذب بیانی:

صفحہ: (۲۹۵) کے حاشیے میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ اس فصل کے اختتام پر ہم یہ ثابت کریں گے کہ محمد یوسف صاحب مقلد خائن ہونے کے ساتھ ساتھ کذاب بھی ہیں۔ آئیے اب اس کا ثبوت ملاحظہ کیجیے موصوف نے اپنی کتاب کے اختتام پر ”نوٹ“ کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

”یہ کتاب ابھی کتابت ہو رہی تھی کہ مولانا عبدالرؤف غیر مقلد کی کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کا دوسرا ایڈیشن دیکھنے کا موقع ملا اور یہ دیکھ کر حیرانی کی انتہاء نہ رہی کہ پہلے ایڈیشن میں مولانا موصوف نے (۸۴) احادیث ضعیفہ کی فہرست پیش کی تھی لیکن دوسرے ایڈیشن میں صرف چھ سات احادیث ضعیفہ رہ گئیں۔ باقی تمام کو انھوں نے صحیح مان لیا۔

اس راز سے تو پردہ بعد میں اٹھائیں گے کہ کون سے غیبی ہاتھ نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے کہ وہ اپنی پیش کردہ تحقیق سے بھی منحرف ہو گئے یہ بھی ممکن ہے کہ عوام کو دھوکہ دینے کے لیے دوسرے ایڈیشن میں تبدیلی کی ہو کہ جب کوئی پہلے ایڈیشن کی عبارت پیش کرے تو فوراً دوسرا ایڈیشن پیش کر کے یہ کہہ سکیں کہ دیکھیے اس میں تو یہ عبارت موجود نہیں ہے لہذا یہ حوالہ جھوٹا پیش کیا ہے۔“ (غیر مقلد: ۱۲۰)۔

یہ موصوف کا کلام ہے اب اس پر تبصرہ سنئے۔

۱] ہمارا موصوف سے سوال یہ ہے کہ آپ نے دوسرے ایڈیشن میں یہ کہاں دیکھا ہے کہ اس میں صرف چھ سات احادیث ضعیفہ ہیں اور باقی تمام کو صحیح مان لیا ہے۔

قارئین کے سامنے ہم دوسرے ایڈیشن کے (صفحہ: ۱۴۰) کی ایک عبارت رکھتے ہیں جس کی بناء پر موصوف کو دھوکہ دینے کا موقع ملا ہے اور وہ عبارت یہ ہے:

۲] ضعیف احادیث:

مؤلف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں متعدد ضعیف حدیثیں بھی ذکر کر دی ہیں..... اس مقام پر جو بات قابل مواخذہ

چند کتب پر ایک نظر

ہے وہ یہ ہے کہ ان ضعیف احادیث میں سے بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن کے ضعیف ہونے کی صراحت خود ان کتب میں موجود ہے جن کے حوالے سے ان کو ذکر کیا گیا ہے ملاحظہ ہوں درج ذیل حدیثیں: (۱۶، ۸۸، ۹۵، ۱۱۰، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۵۶، ۲۵۷) ⑤

لیکن موصوف نے ان کو ذکر کرتے وقت ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو مقدمہ دوسرا ایڈیشن (صفحہ: ۱۴-۱۵)۔

یہ کل چھ سات احادیث نہیں بلکہ نو احادیث ہیں اور یہ وہ احادیث ہیں جن کو مؤلف نے جن کتب سے نقل کیا ہے ان میں ان کے ضعف کی صراحت ہے مگر نقل کرتے ہوئے انھوں نے ان کے ضعف کو نقل نہیں کیا اور یہ ان کا تساہل ہے۔ اس عبارت کے شروع میں کہا گیا ہے کہ اس کتاب میں متعدد ضعیف حدیثیں بھی ہیں اور جو مثالیں ذکر کی گئی ہیں وہ مخصوص احادیث کی ہیں نہ کہ تمام ضعیف احادیث کی۔ نیز متعدد سے مراد چھ یا سات نہیں ہوتی۔ محمد یوسف مقلد کے جھوٹ کو مزید واضح کرنے کے لیے ہم اس کتاب کے پیش رس سے لے کر طہارت کے مسائل کے آخر تک اس دوسرے ایڈیشن میں جن احادیث کو ضعیف کہا گیا ان کے بمعہ صفحات نمبر ذکر کر دیتے ہیں:

نمبر شمار	صفحہ	حدیث نمبر
۱۔	۵۳	۶
۲۔	۶۶	۱۳
۳۔	۶۷	۱۴
۴۔	۸۸	۲۹
۵۔	۸۹	۳۰
۶۔	۹۳	۳۴
۷۔	۱۱۵	۵۳
۸۔	۱۱۹	۵۶
۹۔	۱۲۰	۵۷

⑤ یہ نمبر صفحات کے نہیں بلکہ احادیث کے ہیں: (نمبر ۲۵۶) کتابت کی غلطی سے نمبر (۲۳۸) لکھا گیا ہے لہذا اس کی تصحیح کر لی جائے۔ حدیث نمبر (۲۱۳) کو مؤلف نے ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کی سند پر کلام کیا ہے مگر ان کا کلام اس دوسرے ایڈیشن میں کسی وجہ سے ذکر نہیں ہوا جب کہ پہلے ایڈیشن میں موجود ہے ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۹۶، حدیث: ۲۰۹)۔

۵۸	۱۲۷	۱۰۔
۶۶	۱۴۰	۱۱۔
۸۵	۱۷۱	۱۲۔
۱۱۰	۱۹۶	۱۳۔

یہ تیرہ احادیث ہیں جن کا مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور آٹھ کا ذکر پہلے ہو چکا۔ ﴿چنانچہ کل اکیس احادیث تو یہی ہو گئیں جس سے معلوم ہوا کہ محمد یوسف مقلد نے جو کہا ہے وہ سفید جھوٹ ہے۔

اس سے نہ صرف محمد یوسف مقلد کا جھوٹ واضح ہوا بلکہ محمد ابوبکر غازی پوری مقلد کا جھوٹ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ انھوں نے بھی محمد یوسف مقلد سے ملتی جلتی بات کہی ہے بلکہ انھیں سے لی ہے چنانچہ اپنے رسالے ”حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول کے بارے میں“ (صفحہ: ۵، حاشیہ) میں لکھا ہے:

”مگر جب عبدالرؤف والی کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو نہ معلوم کسی مصلحت کی بنیاد پر اس کتاب کو دوسرا رنگ دے دیا گیا اور صرف چھ سات حدیث کو ضعیف باقی رکھا گیا اور بقیہ احادیث کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی گئی۔“ پہلے ایڈیشن میں (۸۴) احادیث پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا گیا تھا، پاکستان میں یہ بات مشہور ہے کہ غیر مقلدین کے دباؤ میں یہ دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے واللہ اعلم بالصواب۔“

یہ ہے ان مقلدین کی کذب بیانی اور افتراء یہ مقلدین مولوی یہ بات کہاں سے لے آئے کہ دوسرے ایڈیشن میں صرف چھ سات احادیث کو ضعیف اور باقی تمام احادیث کو صحیح کہا گیا ہے۔

وإن تعجب فعجب قولهم، لعنة الله على الكاذبين۔

ان مقلدین کو یہ جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے کا موقع اس لیے فراہم ہوا کہ پہلے ایڈیشن کے مقدمے میں جو اس کتاب میں ضعیف احادیث تھیں ان کے نمبر ذکر کیے گئے تھے جب کہ دوسرے ایڈیشن کے مقدمے میں ”اس کتاب میں متعدد ضعیف حدیثیں بھی ذکر کر دی ہیں“ کہہ کر ان کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور صرف ان احادیث کے نمبر ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا جن کو مؤلف نے جن کتب سے نقل کیا تھا ان میں ان کے ضعیف ہونے کی صراحت موجود تھی۔

قارئین کرام! ہم نے پیش رس سے طہارت کے مسائل تک جن احادیث کو ضعیف کہا گیا ہے ان کا ذکر کر دیا آپ

﴿پہلے نو احادیث کا ذکر ہوا ہے لیکن ان نو میں حدیث: ۱۱۰ بھی ہے جس کا یہاں بھی ذکر ہوا۔

اگر محمد یوسف مقلد اور محمد ابوبکر غازی پوری مقلد کے جھوٹ کی مزید تصدیق چاہتے ہوں تو کتاب کے دوسرے ایڈیشن کو اپنے ہاتھ میں لیجیے اور طہارت کے مسائل کے بعد اس کتاب کا مراجعہ کیجیے تو آپ کو کئی احادیث ایسی ملیں گی جن کو ضعیف کہا گیا ہے اور جہاں آپ کو کسی حدیث کے بارے میں یہ لکھا ملے کہ ”ضعیف حدیث ہے“ تو وہاں (لعنة الله على الكاذبین) بھی پڑھتے جائیے۔

واضح رہے کہ بعض احادیث ایسی ہیں کہ جن کو پہلے ایڈیشن میں ضعیف کہا گیا تھا مگر دوسرے ایڈیشن میں ان کو حسن یا صحیح کہا گیا ہے اور بعض احادیث ایسی بھی ہیں کہ جن کو پہلے ایڈیشن میں حسن یا صحیح کہا گیا ہے مگر دوسرے ایڈیشن میں ان کو ضعیف کہا گیا ہے جیسا کہ اس ایڈیشن کے مقدمے کے صفحہ (۴) میں وضاحت کی گئی ہے نیز اس کتاب کا صفحہ (۲۹۴) بھی دیکھیں۔

۲۔ مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محمد یوسف مقلد کا یہ کہنا کہ: ”لیکن دوسرے ایڈیشن میں صرف چھ سات احادیث ضعیفہ رہ گئیں باقی تمام کو انھوں نے صحیح مان لیا اس راز سے پردہ تو بعد میں اٹھائیں گے.....“ بے بنیاد و باطل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

ہم ان مقلد موصوف سے کہتے ہیں کہ آپ تا قیامت اس راز سے پردہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ ان شاء اللہ

ہاں ہم نے اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے آپ کی خیانتوں اور جھوٹوں سے پردہ ضرور اٹھا دیا ہے۔

۳۔ مقلد موصوف کی خیانتوں اور جھوٹوں سے تو یہ پتہ چل ہی گیا کہ وہ کس درجے کے مولوی ہیں اور ان کی درج ذیل بات سے اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے ”وہ اپنی پیش کردہ تحقیق سے بھی منحرف ہو گئے۔“

مقلد موصوف صاحب اگر کوئی آدمی اپنی پہلی تحقیق کو چھوڑ کر نئی تحقیق کو اختیار کرتا ہے تو اہل علم کے ہاں اسے ”تحقیق سے انحراف“ سے تعبیر نہیں کیا جاتا مگر چونکہ آپ کا تو مسئلہ ہی دوسرا ہے اس لیے جو چاہیں کہہ دیں۔

مقلد مولوی محمد یوسف صاحب ایک رائے کے بعد دوسری رائے کو اختیار کرنا اگر تحقیق سے انحراف ہوتا ہے تو آپ کے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کئی مسائل میں اپنی تحقیق سے انحراف کیا ہے چنانچہ امام صاحب کے کئی مسائل ایسے ہیں کہ جن میں پہلے ان کی رائے یا تحقیق کچھ اور تھی اور بعد میں انھوں نے ان میں دوسری رائے یا تحقیق کو اختیار کیا جس کا اعتراف آپ کے علماء کو بھی ہے مثال کے طور پر یہاں دو مسئلوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

① امام صاحب کی پہلے رائے یہ تھی کہ صرف ان جرابوں پر مسح کیا جاسکتا ہے جو چمڑے کی ہوں یا جن کا نیچے والا حصہ

چڑے کا ہو جب کہ امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک کپڑے کی جرائیں جو کہ باریک نہ ہوں بلکہ موٹی ہوں ان پر مسح جائز ہے۔ صاحب ”ہدایہ“ (۱/۱۵۷) یہ اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”و عنه أنه رجع إلى قولهما، و عليه الفتوى۔“

یعنی امام صاحب نے اپنے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا اور اب فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔
بابرتی نے ”العناية على الهداية“ (۱/۱۰۷-مع فتح القدیر) میں لکھا ہے:

”و عن أبي حنيفة أنه مسح على جوربيه في مرضه، ثم قال لعوداه: فعلت ما كنت أمتنع الناس عنه، فاستدلوا به على رجوعه إلى قولهما۔“

”ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنی بیماری کے ایام میں اپنی جرابوں پر مسح کیا پھر آپ کی بیمار پرسی کے لیے جو لوگ آئے ہوئے تھے ان سے کہا کہ (آج) میں نے وہ کام کیا جس سے میں لوگوں کو منع کرتا رہا، فقہاء نے ان کے اس قول سے یہ دلیل لی ہے کہ انھوں نے ان دونوں (محمد و ابو یوسف) کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔“

اگر ہم مقلد موصوف کی بات کو لیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ امام صاحب اپنی آخری زندگی کے ایام میں کپڑے کی جرابوں پر مسح نہ کرنے کی ان کی جو تحقیق تھی اس سے منحرف ہو گئے۔

❖ اگر کوئی آدمی اپنی نماز کی ابتداء فارسی زبان سے کر لے یعنی ”اللہ اکبر“ کی بجائے ”اللہ بزرگ تراست“ کہے یا اس میں قراءت فارسی میں کر لے تو امام صاحب کے نزدیک اس کی نماز درست ہوگی لیکن صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ اگر وہ عربی جانتا ہے تو اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ صاحب ”ہدایہ“ (۱/۲۸۶) امام صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

”و يروى رجوعه في أصل المسئلة إلى قولهما، و عليه الاعتماد۔“

”ان کا اصل مسئلہ میں دونوں کے قول کی طرف رجوع مروی ہے اور اعتماد بھی اسی پر ہے۔“

اور بابرتی نے ”شرح العناية على الهداية“ (۱/۲۸۶) میں لکھا ہے:

”روى أبو بكر الرازي أن أبا حنيفة رجع إلى قولهما.....“

”ابو بکر رازی نے روایت کیا ہے کہ ابو حنیفہ نے ان کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔“

ملا علی قاری نے ان کا رجوع ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کا کہنا ہے۔

”لا يجوز مع القدرة بغير العربية“ و قال: ”لو قرأ بغير العربية فإما أن يكون مجنوناً

فیداوی، أو زنديقاً فيقتل، لأن الله تكلم بهذه اللغة، والإعجاز حصل بنظمه ومعناه“

(شرح الفقه الأكبر ج ۵: صفحہ ۲۲۵)۔

”عربی جاننے کی صورت میں بغیر عربی کے قراءت جائز نہ ہوگی، اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ”اگر بغیر عربی کے پڑھے گا (یعنی عربی جاننے کی صورت میں) یا تو وہ مجنون ہوگا جس کے علاج کی ضرورت ہے یا وہ زندیق ہوگا جسے قتل کر دیا جائے کیونکہ اللہ نے اس زبان میں (عربی میں) کلام کیا ہے اور (قرآن مجید کا) اعجاز اس کے نظم (الفاظ) اور معنی دونوں سے حاصل ہوا ہے۔“

آپ امام صاحب کے اس کلام سے اندازہ لگائیں کہ جو کام پہلے ان کے نزدیک جائز تھا اب وہی کام ان کے نزدیک دیوانگی یا کفر ہے لہذا ان کے پہلے اور بعد والے قول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مولوی یوسف مقلد صاحب امام صاحب کا اپنی پہلی تحقیق سے یہ کتنا بڑا انحراف ہے۔

یہ تو دو مثالیں تھیں ان مثالوں کے بعد ہم آپ کے سامنے امام صاحب امام ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال رکھتے ہیں جن سے یہ بخوبی واضح ہوگا کہ امام صاحب نے کتنے مسائل سے رجوع کیا ہے جس کے آپ کی زبان میں معنی یہ ہوں گے کہ امام صاحب اپنی بہت سی تحقیقات سے منحرف ہو گئے تھے۔ إنا لله و إنا اليه راجعون۔

۱ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ۔

ا۔ ”فإننا بشر، نقول القول اليوم، و نرجع عنه غدًا“ ﴿۱﴾

”ہم انسان ہیں آج جو بات کہتے ہیں کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں۔“

ب۔ ”ويحك يا يعقوب: لا تكتب كل ما تسمع مني، فإنني قد أرى الرأي اليوم، وأتركه غدًا، و أرى الرأي غدًا، وأتركه بعد غدٍ“ ﴿۲﴾

”یعقوب (یعنی ابو یوسف) مجھ سے جو سنتے ہو ہر چیز کو مت لکھو کیونکہ آج میری جو رائے ہوتی ہے کل میں

اسے ترک کر دیتا ہوں اور جو رائے کل ہوتی ہے اسے آئندہ کل چھوڑ دیتا ہوں۔“

محمد یوسف مقلد کی زبان میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ میں ہر روز اپنی تحقیق سے منحرف ہوتا رہتا ہوں۔ (إنا لله و

إنا إليه راجعون)۔

۲ امام ابو یوسف رحمہ اللہ ان کا کہنا ہے:

﴿۱﴾ ﴿۲﴾ ملاحظہ ہو مقدمہ صفة الصلاة للألبانی (صفحہ: ۴۷)۔

”ما قلت قولاً خالفت فيه أبا حنيفة إلا قولاً قد كان قوله۔“^①

② امام زفر رحمہ اللہ، ان کا قول ہے:

”ما خالفت أبا حنيفة في شيء إلا قد قاله، ثم رجع عنه۔“^③

”ان دونوں کے اقوال کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے جو اقوال اپنے امام کے اقوال کے خلاف ہیں تو وہ

درحقیقت انہی کے پہلے اقوال ہیں جن سے انھوں نے رجوع کر لیا تھا۔

محمد یوسف مقلد کے کہنے کے مطابق جن سے وہ منحرف ہو گئے تھے۔ ہدایہ اللہ۔

آخر میں ابن عابدین کی ایک عبارت ملاحظہ کریں وہ لکھتے ہیں:

”أن ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه، وأن المرجوع عنه ليس قولاً له۔“^④

”یعنی ظاہر روایت کے علاوہ جو اقوال ہیں^⑤ وہ پہلے کے اقوال ہیں اور ان اقوال کو امام صاحب کے

اقوال نہیں کہا جاسکتا۔“

علامہ بہاء الدین مرجانی حنفی ”ناظورۃ الحق“ میں ائمہ و فقہاء کے اقوال کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر (راویہ) صحیح و ثابت بھی ہو جاوے تو احتمال ہے کہ وہ منسوخ ہو یعنی یہ کہ اس سے اس مجتہد نے رجوع کر کے

اس کے خلاف فتویٰ دیا ہو کیونکہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور مالک اور شافعی و احمد میں سے ہر ایک نے اپنے کتنے

قولوں سے رجوع کر کے دوسرے قول اختیار کیے ہیں جو انھیں بعد کو دلائل سے رائج ثابت ہوئے“ منقول از حاشیہ

”البيان المفيد لأحكام التقليد“ المعروف به ”ردّ تقليد“ لمولوی محمد أنصاری (ص ۱۷۱)۔

اس کلام سے معلوم ہوا کہ ائمہ نے اپنے بہت سے اقوال سے رجوع کیا ہے جس کے ہمارے موصوف مقلد کی

لغت میں معنی یہ ہوئے کہ انھوں نے اپنی بہت سی تحقیقات سے انحراف کیا ہے۔

امید ہے کہ ہمارے موصوف کے سمجھنے کے لیے یہ اقوال کافی ہوں گے۔

② موصوف کا یہ کہنا کہ ”یہ بھی ممکن ہے کہ عوام کو دھوکا دینے کے لیے دوسرے ایڈیشن میں تبدیلی کی ہو۔“

قارئین کرام مذکورہ تفصیل سے آپ نے بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ دھوکہ باز کون ہے۔

محمد یوسف مقلد کا ایک اور جھوٹ اور خیانت:

مقلد موصوف نے عیدین کی زوائد تکبیرات سے متعلق جعفر بن محمد کی مرسل روایت کی سند پر تخریج سے کلام نقل

① ② ③ ملاحظہ ہو حاشیہ ابن عابدین (۱/۶۷) و مجموعة رسائل ابن عابدین (صفحہ ۲۳)۔

④ ظاہر روایت سے کیا مراد ہے اس کے لیے اس کتاب کا (صفحہ ۳۹۴) ملاحظہ کریں۔

کرنے کے بعد لکھا ہے:

نوٹ: فریق ثانی ایسی ضعیف روایت لے کر احناف کی نماز کو باطل اور کالعدم قرار دیتا ہے (افسوس) غیر مقلد

(صفحہ: ۱۱۶)۔

مقلد موصوف نے یہاں خیانت بھی کی ہے اور جھوٹ بھی بولا ہے اب تفصیل ملاحظہ کریں:

❶ خیانت یہ کہ انھوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ بارہ زوائد تکبیرات کے بارے میں ہمارا انحصار اس جعفر

بن محمد کی مرسل روایت پر ہے جب کہ اس سے پہلے وہ عمرو بن عوف مزی ثنائی کی حدیث ذکر کر چکے ہیں اور اس

کے ذکر کرنے سے پہلے انھوں نے تخریج سے یہ بھی نقل کیا ہے: ”صحیح حدیث ہے“ مگر اس کے بعد اس میں بھی

خیانت کرنے کی کوشش کی ہے جس کی تفصیل اس کتاب کے صفحہ (۲۸۵-۲۸۷) میں گزر چکی ہے۔

❷ جھوٹ یہ بولا کہ ہم بارہ تکبیرات کہنے کی بجائے چھ تکبیرات کہنے والے احناف کی نماز کو باطل اور کالعدم قرار دیتے

ہیں۔ سبحانک هذا بهتان عظیم۔

ہم مقلد موصوف سے پوچھتے ہیں کہ کسی ایک معتبر اہل حدیث عالم کا حوالہ دیں کہ جس نے نماز عیدین کو چھ تکبیریں

کہنے کی وجہ سے باطل اور کالعدم قرار دینے کا فتویٰ دیا ہو۔ ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾.....

اب علماء کے نزدیک ان تکبیرات کا حکم سنیے۔ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

”والتكبيرات، والذكر بينها سنة، وليس بواجب، ولا تبطل الصلاة بتركه عمداً، ولا

سهواً ولا أعلم فيه خلافاً“ (المغنی: ۳/۲۷۵)۔

”تکبیریں اور ان کے درمیان ذکر سنت ہے“ واجب نہیں ان کو جان بوجھ کر یا بھول کر ترک کر دینے

سے نماز باطل نہ ہوگی اور اس میں مجھے کسی قسم کے اختلاف کا علم نہیں، یعنی کہ میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس

سے اختلاف کیا ہو اور ان کو واجب کہا ہو یا تکبیریں نہ کہنے سے نماز کو باطل قرار دیا ہو۔

❸ واضح رہے کہ تکبیروں کے درمیان ذکر کے سنت ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے چنانچہ ابن قیم لکھتے ہیں: ”یسکت بین کل

تکبیرتین سکتہ سیرہ، ولم یحفظ عنه ذکر معین بین التکبیرات، ولكن ذکر عن ابن مسعود أنه قال: یحمد

الله ویثنی علیہ، ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکرہ الخلال“ (زاد المعاد: ۱/۴۳۳)۔

”آپ ﷺ ہر دو تکبیروں کے درمیان معمولی سا سنت کرتے (تھوڑا سا خاموش رہتے) اور تکبیروں کے درمیان کوئی مخصوص

ذکر آپ سے محفوظ نہیں ہے مگر ابن مسعود سے ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ اللہ کی حمد و ثنا کرے اور نبی ﷺ پر درود

پڑھے“ اس کو خلال نے ذکر کیا ہے۔

قلم: اس کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے ملاحظہ ہو: سنن کبریٰ (۳/۲۹۲)۔

اور علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

” قالوا: وإن تركه لا يسجد للسهو، وروي عن أبي حنيفة، ومالك أنه يسجد للسهو۔“ (نیل الاوطار: ۳/۳۰۰)۔

”ان کا (جمہور علما کا) کہنا ہے کہ ان کے ترک کرنے پر سجدہ سہو نہیں کرے گا۔ ابوحنیفہ اور مالک سے مروی ہے کہ وہ سجدہ سہو کرے گا۔“

نواب صدیق حسن صاحب علامہ شوکانی کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”والحق الأول۔“ (الروضة الندية: ۱/۲۱۷)۔

”حق پہلا قول ہی ہے، یعنی کہ ان کے ترک پر سجدہ سہو نہیں۔“

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نماز عیدین میں زوائد تکبیرات کے ترک سے نماز باطل نہ ہوگی۔

محمد یوسف مقلد سے آخری بات:

اس فصل کے اختتام پر ہم موصوف سے یہ سوال کریں گے کہ آپ نے اپنے مقدمے میں یہ لکھا ہے کہ ”میں نے جب اس کتاب کی تمام احادیث ضعیفہ کو جمع کیا تو ان کی تعداد (۱۱۸) ہو گئی۔“ صفحہ (۱۲)۔

جب آپ کی تحقیق سے اس کتاب کی ضعیف احادیث (۸۳) سے بڑھ کر (۱۱۸) ہو گئی تھیں تو آپ کو خیانتوں کا ارتکاب کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ آپ اس کتاب کے محقق ایڈیشن سے ضعیف احادیث نقل کرنے کے بعد بعض اپنی تحقیق شدہ احادیث کا ذکر بھی کر دیتے تاکہ ہم آپ کی تحقیق سے مستفید ہوتے آپ جب اس میدان میں اتر ہی آئے تھے تو پھر ڈرنے کی کیا ضرورت تھی کہ آپ نے ان تحقیق شدہ احادیث کو ہوا تک نہیں لگنے دی یا کہ شاید آپ بھی اپنی اس تحقیق سے منحرف ہو گئے۔

مجھے علم نہیں کہ مولوی محمد یوسف نے اس کے بعد ان احادیث کے بارے میں کچھ لکھا ہے یا نہیں واللہ اعلم۔

ہمیں امید ہے کہ عام قارئین ہی نہیں بلکہ آپ کے معتقدین بھی آپ کی ان خیانتوں اور جھوٹوں کو ملاحظہ کر لینے کے بعد آپ کی تحقیق شدہ احادیث کو شک ہی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ ان شاء اللہ۔



چوتھی فصل

مولوی محمد ابوبکر غازی پوری کی بعض خیانتوں اور باتوں کے بارے میں:

جیسا کہ اس باب کے شروع میں ذکر کیا گیا تھا کہ یہ چوتھی فصل ہندوستانی مولوی محمد ابوبکر غازی پوری مقلد کی بعض خیانتوں اور باتوں پر مشتمل ہوگی۔ محمد یوسف مقلد کی طرح انھوں نے بھی کتاب ”صلوۃ الرسول ﷺ“ کے بارے میں ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس کا نام ہے ”حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب ”صلوۃ الرسول“ کے بارے میں“ مقلدین کے ساتھ ہماری گفتگو پہلے ہی بہت طویل ہو چکی ہے جس کی اس قدر طوالت کا قطعاً تصور بھی نہ تھا لہذا اس فصل میں ہماری گفتگو بہت مختصر ہوگی۔

اس فصل میں سب سے پہلے ہم مقلد غازی پوری کی خیانتوں کا ذکر کریں گے اس کے بعد ان کی بعض باتوں کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ غازی پوری صاحب کی خیانتیں:

مقلد غازی پوری کی بھی وہی خیانتیں ہیں جو محمد یوسف مقلد کی ہیں بس فرق یہ ہے کہ انھوں نے مولوی محمد یوسف کی طرح زیادہ احادیث کا ذکر نہیں کیا اب ان احادیث کو ملاحظہ کیجئے جن کی تخریج نقل کرنے میں انھوں نے خیانت کی ہے۔

❶ مسواک کر کے پڑھی جانے والی نماز کی فضیلت والی حدیث ہے جس کا اس کتاب کے صفحہ (۲۹۶-۲۹۷) میں ذکر ہوا۔ اس کو کتاب ”صلوۃ الرسول“ کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”عبدالرؤف غیر مقلد فرماتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے پھر فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: صفحہ ۲۳)۔

غازی پوری نے اتنا تو نقل کر دیا لیکن اس حدیث کی تخریج کے آخر میں جس کلام میں اس کی تعریف کی طرف اشارہ تھا اسے نقل نہیں کیا اور وہ کلام یہ ہے:

اس حدیث کا متعدد صحابہ سے مروی ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی کوئی سند صحیح نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۰۲، حدیث: ۷۲)۔

اور دوسرے ایڈیشن میں اس حدیث کو اس کی دیگر سندوں اور شواہد کی بناء پر صحیح کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۵۵، حدیث: ۷۲)۔

اس کتاب کے صفحہ (۳۰۹) میں غازی پوری کے مذکور کلام میں دوسرے ایڈیشن کا ذکر تو ہے لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ مذکورہ رسالے کی تالیف کے وقت وہ ان کی نظر سے گزرا بھی ہے یا کہ نہیں۔

۲ ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی مسواک سے متعلق حدیث جس کا اس کتاب کے (صفحہ: ۲۷۶) میں ذکر ہوا اس کے بارے میں انھوں نے صرف اتنا ذکر کیا ہے:

”غیر مقلد عبد الرؤف فرماتے ہیں: یہ سند سخت ضعیف ہے۔ (صفحہ: ۲۳)۔

جب کہ اس کی تصحیح سے متعلق جو کلام تھا اس کا انھوں نے ذکر نہیں کیا اور وہ کلام اس کتاب کے (صفحہ: ۲۷۷) میں مذکور ہے۔

۳ تین بار وضوء کرنے سے متعلق عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اس کتاب کے (صفحہ: ۲۹۷) میں گزر چکی اس کے بارے میں صرف اتنا نقل کیا ہے:

غیر مقلد عبد الرؤف صاحب اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں: ”امام نووی نے ”شرح مسلم“ میں اس کو ضعیف کہا ہے۔ (صفحہ: ۲۷)۔

جب کہ اس کی تخریج کے آخر میں اس کی تقویت سے متعلق صنعانی اور البانی کا جو کلام تھا اس کو نظر انداز کر دیا اور اس کلام کو اس کتاب کے (صفحہ: ۲۹۷) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۴ مقلد غازی پوری نے لکھا ہے:

گوز (رتج خارج ہونے سے) وضوء ٹوٹ جاتا ہے اس کو بتلانے کے لیے صادق صاحب نے جو حدیث پیش کی ہے اس کو بھی عبد الرؤف غیر مقلد ضعیف بتلاتے ہیں اس حدیث کا راوی مسلم بن سلام مجہول ہے۔ (صفحہ: ۲۸)۔

مقلد محمد یوسف کی طرح مقلد غازی پوری نے بھی حدیث کا ضعف تو ذکر کر دیا مگر اس حدیث کے ضعف کو بیان کرنے کے بعد جو یہ کہا گیا ہے کہ جہاں تک اصل مسئلے کا تعلق ہے تو وہ دوسری احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے (صفحہ: ۲۹۳) میں بھی ذکر ہوا۔ اس کو حذف کر دیا ایسا اُسلوب اختیار کرنے سے عامی آدمی کو یہ مغالطہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لہذا گوز سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے عوام الناس کو اہل حدیث سے متنفر کرنا مقصود ہو کہ جب ان کے نزدیک یہ حدیث

ضعیف ہے تو گوز سے ان کے ہاں وضوء نہ ٹوٹتا ہوگا۔

۵ مقلد غازی پوری نے (صفحہ: ۳۷) میں لکھا ہے: ”تیسری حدیث ذکر کی ہے کہ اذان دینے والا کانوں میں انگلیاں ڈالے۔“

عبدالرؤف غیر مقلد فرماتے ہیں کہ سخت ضعیف ہے۔

غازی پوری نے حدیث کی تضعیف والا کلام تو نقل کر دیا مگر کانوں میں انگلیاں ڈالنے والے مسئلے کی دلیل کے طور پر جو صحیح حدیث ذکر کی گئی تھی اس کو حذف کر دیا تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ: ۲۹۳) ملاحظہ کریں۔

۶ (صفحہ: ۳۹-۴۰)۔

یہاں سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث کے بارے میں وہی خیانت کی ہے جو محمد یوسف مقلد نے کی ہے یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر جو کلام تھا اس کو وائل بن حجر رحمہ اللہ کی حدیث پر جڑ دیا۔ تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ: ۲۷۸-۲۷۹) ملاحظہ کریں۔

یہ ہیں غازی پوری صاحب کی خیانتیں، موصوف نے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ”اور میں نے حکیم صاحب کی خیانتوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔“ جب کہ ان کی اپنی خیانتیں ثابت ہو گئیں۔

یہ وہی خیانتیں ہیں جن کا مولوی محمد یوسف نے ارتکاب کیا ہے: ﴿أَتَوَصَّوْا بِهِ بَل.....﴾۔
بلکہ انھوں نے جو کچھ تحریر کیا ہے مقلد محمد یوسف کے رسالے کو ہی سامنے رکھ کر کیا ہے۔

ب۔ غازی پوری صاحب کی بعض باتوں کا جائزہ:

غازی پوری صاحب نے خیانتوں کے ساتھ ساتھ غیر معقول باتیں بھی کی ہیں چنانچہ یہاں ان میں سے بعض باتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

① پیش لفظ (صفحہ: ۳) میں لکھا ہے:

”عبدالرؤف صاحب نے صادق صاحب کی صرف جہالت اور حماقت کو واضح کیا ہے، اور میں نے.....“

غازی پوری صاحب اگر کسی مؤلف کی کتاب کی تخریج یا اس پر تعلیق لگانا مؤلف کی جہالت و حماقت کو واضح کرتا ہے تو پھر علامہ زلیعی نے ”نصب الراية“، امام ابن ہمام نے ”فتح القدیر“ علامہ ابن ابی العزّ نے ”التبیه علی مشکلات الهدایہ“ اور علامہ عبدالقادر قرشی حنفی نے ”العناية في تخریج أحادیث الهدایہ“ اور ”أوهام الهدایہ“ لکھ کر علامہ مرغینانی صاحب ”ہدایہ“ کی جہالت و حماقت کو خوب واضح کیا ہے۔

اسی طرح راقم السطور نے آپ کے کبار علماء کے اُوهام اور حدیث کے بارے میں ان سے جو اغلاط ہوئی ہیں ان کا

ذکر کر کے ان کبار علماء کی حماقت و جہالت کو بھی واضح کیا ہے۔

غازی پوری صاحب کہنے کو تو مزید بھی ہے لیکن میرے خیال میں آپ کے لیے اتنا ہی کافی ہے بلکہ آگے چل کر ہم آپ کی بھی جہالت اور حماقت کو واضح کریں گے۔ ان شاء اللہ

(۲) موصوف نے لکھا ہے کہ ”غیر مقلدین جس طرح احادیث رسول کے ترجمہ و مطلب بیان کرنے کے بارے میں بد احتیاط ہیں اسی طرح قرآن کی آیات کے ترجمہ و مطلب بیان کرنے کے بارے میں ان سے احتیاط کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔“ (صفحہ: ۶-۷)۔

مقلد غازی پوری صاحب اگر ہم قرآن و حدیث کے ترجمے و مطلب بیان کرنے میں بد احتیاط ہیں تو آپ لوگ قرآن مجید کی آیات اور احادیث میں تحریف کرنے میں بڑے ماہر ہیں جیسا کہ اس کی چند مثالیں گزر چکی ہیں۔ ملاحظہ ہو: صفحہ (۱۹۴ و مابعدھا)۔

نہ صرف یہ بلکہ اپنے مذہب کی تائید کی خاطر احادیث وضع کرنے میں بھی بڑے جرأت مند ہیں۔ مثال کے لیے اس کتاب کے صفحات (۱۸۳، ۲۵۸، و مابعدھا) دیکھیں۔

غازی پوری صاحب قرآن کے بارے میں آپ اپنی بد احتیاطی بھی ملاحظہ کرتے جائیں آپ نے اس آیت ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰) کو اپنے رسالے میں دو جگہ ذکر کیا ہے اور دونوں ہی جگہ ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ﴾ ہے۔ ملاحظہ ہو: صفحہ: ۷، ۸)۔

جب کہ صحیح ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ﴾ ہے کیا یہ قرآنی آیت کے ذکر کرنے میں بد احتیاطی نہیں۔
اب اپنے امام اور علامہ مرغینانی صاحب ”ہدایہ“ کی بد احتیاطی کی مثال بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔
موصوف ”باب صفة الصلاة“ میں نماز کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”والركوع، والسجود لقوله تعالى ﴿وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا﴾ (هدایہ: ۱/۲۷۵، فتح القدیر)
علامہ عبدالحی لکھنوی: ”مذیلة الدراية“ (صفحہ: ۱۳) میں صاحب ”ہدایہ“ کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
”هذا غلط، فإن ”الواو“ في ﴿وَارْكَعُوا﴾ ليست في القرآن، والصواب ﴿ارْكَعُوا
واسجدوا﴾ (الطوام المرعشة صفحہ: ۶۲)۔

”یہ غلط ہے کیونکہ ﴿وَارْكَعُوا﴾ میں جو ”واو“ ہے وہ قرآن میں نہیں ہے اور درست ﴿ارْكَعُوا
واسجدوا﴾ ہے۔“

یہ سورہ حج کی آیت نمبر: ۷۷ ہے جس کی ابتداء ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا﴾ سے ہوتی ہے۔

اس مثال کے بعد اپنے ملاجیون وغیرہ کی حدیث کے بارے میں بد احتیاطی کی ایک مثال بھی ملاحظہ کر لیں۔ ملاجیون صاحب نے ”نور الأنوار“ (صفحہ: ۵۹، تحقیق ثناء اللہ زاہدی) میں ایک حدیث ان الفاظ سے ذکر کی ہے:

”أَلَا لَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ مُحَدَّثٌ وَلَا عَرَبِيَّانَ.....“

”خبردار کوئی محدث (جنبی یا بے وضوء) اور ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔“

جب کہ اس حدیث میں لفظ ”محدث“ کا ذکر نہیں ہے۔[❧] اس بد احتیاطی کا ارتکاب صرف ملاجیون ہی نے نہیں کیا بلکہ ان سے پہلے عبدالعزیز بخاری، قوام الدین کاکی، ابن فرشتا، بابرٹی، ابن نجیم، ابن عابدین، محمد بن حمزہ فناری اور دیگر حنفی فقہاء اور اصولی بھی اس بد احتیاطی کے مرتکب ہوئے ہیں ان لوگوں کا ذکر حافظ ثناء اللہ زاہدی نے ”نور الأنوار“ کے حاشیہ میں کیا ہے۔

غازی پوری صاحب یہ ہے آپ کے کبار فقہاء اور اصولیوں کا حال۔

آپ لوگ جب قرآن مجید کے الفاظ میں بد احتیاط ہیں تو ترجمے اور تفسیر میں کیسے بد احتیاط نہیں ہوں گے چنانچہ آپ کے ایک مولوی نے اللہ عزوجل کے اس فرمان ﴿الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ (النساء: ۷۷) سے نماز میں عدم رفع الیدین پر استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اس کتاب کا صفحہ: (۱۹۶) اسی طرح صفحہ: (۱۹۷) میں آپ کے ایک اور مولوی صاحب کی بد احتیاطی کا ذکر ہو چکا ہے کہ انھوں نے ایک حدیث کو قرآن کی آیت بنا دیا۔

مقلد غازی پوری صاحب اگر ہم ترجمے میں بد احتیاط ہیں تو آپ کے مولوی صاحبان اپنے مذہب کی تائید کے لیے قرآن مجید اور احادیث میں عمداً تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں جیسا کہ ذکر ہوا بلکہ آپ کے ایک مولوی صاحب نے قرآن میں سورہ فاتحہ کے وجود کا ہی انکار کر دیا جیسا کہ (صفحہ: ۱۹۶-۱۹۷) میں ذکر ہوا۔

اب آپ ہی بتائیں کہ قرآن و حدیث کے ترجمے و مطلب میں بد احتیاطی بڑا جرم ہے یا کہ قرآن و حدیث میں عمداً تحریف کرنا؟

غازی پوری صاحب ہم آنے والے صفحات میں آپ کو یہ بتائیں گے کہ غیر مقلدین قرآن و حدیث کے ترجمہ و

❧ اس حدیث کو بخاری (۱۶۲۲، ۲۶۹) کتاب الصلاة، کتاب الحج، مسلم (۱۱۵-۱۱۶) ابوداؤد (۱۹۳۶) اور نسائی (۲۳۳/۵) وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: ”أَلَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عَرَبِيَّانَ“ ”خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرے اور نہ ہی کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کرے۔“

یہ اعلان ۹ھ منی میں حج کے موقع پر کیا گیا، جاہلیت میں مرد اور عورتیں ننگے بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا اور ۹ھ میں یہ اعلان کیا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کریں اور نہ ہی کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کرے۔

مطلب بیان کرنے میں بداحتیاط ہیں یا کہ آپ قرآن و حدیث کا مفہوم و مطلب سمجھنے میں بدفہم ہیں۔
(۳) موصوف لکھتے ہیں: ”ص: ۴۶، پر صادق صاحب نے یہ حدیث ذکر کی ہے:

”ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتہم بہما کتاب اللہ، وسنة رسولہ۔“^①

اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے ”حضور ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں دو چیزیں ایسی دے چلا ہوں کہ جب تک تم

انہیں مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک قرآن مجید اور دوسری حدیث شریف۔“

ناظرین صادق صاحب کی دھاندلی ملاحظہ فرمائیں۔ حدیث میں سنت کا لفظ ہے اور صادق صاحب اس کا ترجمہ

حدیث شریف کر رہے ہیں۔

آگے چل کر لکھا ہے: ”غرض صادق صاحب نے حدیث میں سنت کا ترجمہ حدیث کر کے صریح خیانت کی

ہے۔“ (صفحہ: ۱۱، ۹)۔

قلت: قارئین اب آپ ان غازی پوری صاحب کی کج فہمی اور کم علمی بلکہ جہالت ملاحظہ کیجیے۔

موصوف نے سنت کی جو تعریف ذکر کی ہے وہ یہ ہے:

”سنت اور حدیث میں بہت بڑا فرق ہے سنت رسول خدا کا وہ عمل قرار پاتا ہے جس پر آنحضور اکرم ﷺ

نے دوام و ہمیشگی برتی ہو اور وہ آپ کا عام معمول رہا ہو کسی عارض کی وجہ سے اس کے خلاف گاہے بگاہے عمل

کیا ہو اور حدیث آنحضور ﷺ کا ہر وہ قول و عمل ہے جو آپ سے منقول ہو خواہ آپ کا اس پر عمل رہا ہو یا نہ

رہا ہو کسی کام کو دیکھ کر آپ خاموش رہے ہوں اور اس پر نکیرنہ کی ہو وہ بھی حدیث میں داخل ہے مگر سنت

نہیں ہے۔“ (صفحہ: ۹)۔

یہ موصوف کی تعریف ہے اگر اس تعریف کو لیں تو پھر مذکورہ حدیث اور عنقریب آنے والی حدیث ”فعلیکم

بسنتی“ میری سنت کو لازم پکڑو“ سے مراد یہ ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف اپنی فعلی سنت کے تمسک کا حکم دیا ہے قوی

سنت کے تمسک کا نہیں اور یہ بات کوئی پرلے درجے کا جاہل ہی کہے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا:

”یوم القوم أقرؤہم لکتاب اللہ ، فإن كانوا فی القراءة سواء فأعلمہم بالسنة“^②

① یہ صحیح حدیث ہے اس کے بارے میں تفصیل کے لیے ”مقالات عبدالرؤف“ دیکھیں۔

② اس کو مسلم (۱۷۳/۵) وغیرہ نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی مفصل تخریج ”القول المقبول“

(صفحہ: ۵۴۶، حدیث: ۴۹۰) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

چند مقب پر ایک نظر

”لوگوں کا امام وہ ہو جو ان میں سے قرآن کا زیادہ قاری ہو، پس اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو پھر ان میں سے جو سنت کو سب سے زیادہ جاننے والا ہو۔“

موصوف کی تعریف کو اگر لیا جائے تو پھر ”فأعلمهم بالسنة“ کے معنی یہ ہوں گے کہ جو فعلی سنت کو زیادہ جاننے والا ہو جب کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

یہاں تک تو الزامی قسم کا کلام تھا اب ہم غازی پوری صاحب کے لیے ان کے کبار ائمہ نے سنت کے اطلاق کے بارے میں جو کہا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ امام ابن ہمام لکھتے ہیں:

”أدلة الأحكام: الكتاب، والسنة، والإجماع، والقياس.....“۔

”أحكام کے دلائل کتاب، سنت، إجماع اور قیاس ہے۔“

قارئین غازی پوری صاحب سے پوچھیے کہ یہاں سنت سے مراد کیا ہے کیا یہاں سنت سے مراد فعلی سنت ہے اگر فعلی سنت مراد ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ قوی سنت احکام کے دلائل میں شامل نہیں۔

غازی پوری صاحب شاید شرم کے مارے آپ کو کچھ جواب نہ دیں کیونکہ ان کے ساتھ وہ ہوا جس کا ان کو تصور تک نہ تھا اس لیے کہ وہ اپنی تعریف ذکر کر کے بڑی خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ میں نے سیالکوٹی کی دھاندلی اور خیانت ثابت کر دی۔

یہاں سنت سے کیا مراد ہے اس کا جواب امیر بادشاہ کے کلام سے سنئے وہ ابن ہمام کی کتاب ”التحریر“ کی شرح ”تیسیر التحریر“ (۲/۳) میں سنت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ويندرج في السنة قوله ﷺ وفعله و تقريره۔“

”سنت میں آپ کا قول، فعل اور تقریر شامل ہے۔“ یعنی ان سب پر لفظ ”سنت“ کا اطلاق ہوتا ہے۔

ابن عبد الشکور مسلم الثبوت (۲/۹۶-۹۷، بہامش المستصفي) میں سنت کی لغوی تعریف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وههنا ما صدر عن الرسول غير القرآن من قول، و فعل، و تقرير۔“

”اور یہاں رسول ﷺ سے قرآن کے علاوہ صادر ہونے والا ہر قول، فعل اور تقریر“ مراد ہے۔“

اور امام ابن ہمام ”التحریر“ (۳/۱۹، تیسیر التحریر) میں سنت کی لغوی تعریف بیان کرنے کے بعد اصول فقہ میں

❦ ”أي في “الأصول“ یعنی اصول میں جیسا کہ انصاری نے ”فوائح الرحموت“ شرح مسلم الثبوت (۲/۹۷) میں کہا ہے اور اصول سے اصول فقہ مراد ہے۔

❦ تقریر سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جو کام کیا گیا آپ نے اس پر انکار نہ کیا ہو بلکہ خاموشی اختیار کی ہو۔

اس کی اصطلاحی تعریف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وفی الأصول قوله و فعله و تقريره“

یعنی اصول فقہ میں سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہے۔

یہ تھی اصولیوں کے ہاں سنت کی تعریف اب محدثین کے ہاں اس کی تعریف سینے ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی حنفی محدثین کے ہاں اس کی تعریف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”السنة في اصطلاح المحدثين: ما أثر عن النبي - ﷺ - من قول، أو فعل، أو تقرير،

أو صفة: خُلِقَتْ أو خُلِقَتْ أو سيرة، سواء كان قبل البعثة أم بعدها، و هي مرادفة

للحديث عند الأكثر“۔ (دراسات في الحديث النبوي: ۱/۱)۔

”محدثین کی اصطلاح میں سنت سے مراد وہ چیز ہے جو نبی ﷺ سے منقول ہو وہ منقول قول، فعل، تقریر یا

صفت ہو صفت خواہ خُلِقَتْ، خُلِقَتْ (جس میں آپ کی خُلِقَتْ یا خُلِقَتْ کا ذکر ہو) یا سیرت ہو اور اس منقول کا تعلق

بعثت سے قبل یا بعد ہو، اور اکثر محدثین کے نزدیک وہ (سنت) ”حدیث“ کے مترادف ہے۔“ یعنی حدیث

کے ہم معنی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ لفظ ”سنت“ کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر وغیرہ پر ہوتا ہے اب

قارئین خود ہی فیصلہ کر لیں کہ دھاندلی اور خیانت کا ارتکاب سیالکوٹی صاحب نے کیا ہے یا کہ غازی پوری صاحب

نے۔ رمتنی بدائھا وانسلت۔

غازی صاحب نے سنت کی جو تعریف ذکر کی ہے وہ فقہاء کے ہاں ہے جب کہ وہ بھی صحیح نقل نہیں کی کیونکہ انھوں

نے اس میں ”کسی عارض کی وجہ سے.....“ ذکر کیا ہے جب کہ فقہاء کے ہاں بغیر عارض کے ہے۔ چنانچہ ابن ہمام حنفیہ

کے ہاں سنت کی تعریف کا ذکر کرتے ہوئے: ”التحریر“ (۲۰/۳) میں رقمطراز ہیں:

”و في فقه الحنفية: ما واطب على فعله مع ترك ما بلا عذر۔“

”حنفیوں کی فقہ میں سنت وہ ہے کہ جس کام پر آپ ﷺ نے پیچھے کی ہو مگر کبھی بلا عذر اسے ترک بھی کیا ہو۔“

امیر بادشاہ ”بلا عذر“ قید کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لأن الترك مع العذر متحقق في الواجب أيضاً“ (تیسیر التحریر: ۲۰/۳)۔

”کیونکہ عذر کے ساتھ ترک کر دینا واجب میں بھی پایا جاتا ہے۔“ یعنی عذر کی بناء پر تو واجب کو بھی ترک کر دیا جاتا ہے۔

موصوف دوسروں کے بارے میں تو لکھتے ہی: هذا مبلغهم من العلم ”ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۱) مگر قارئین پر اب

غازی پوری صاحب کا مبلغ علم واضح ہو گیا۔

امام ابن ہمام کی اس تعریف پر بعض اعتراضات ہیں جنکی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں طالب تفصیل فواتح الرحموت (۱/۹۷) اور ڈاکٹر عبدالغنی عبدالحق کی کتاب ”حجۃ السنۃ“ (صفحہ: ۵۵-۵۶) کا مطالعہ کرے۔

سنت کی دیگر تعریفات بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے ”روضۃ الناظر“ لابن قدامہ کی شرح میں کیا ہے۔^①

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولانا صادق صاحب۔ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث میں سنت کا ترجمہ جو حدیث کیا ہے یہ ترجمہ بالکل درست ہے اور غازی پوری صاحب کا ان پر اعتراض ان کی کم علمی بلکہ جہالت کی وجہ سے ہے کیونکہ اس حدیث میں سنت سے مراد حدیث ہی ہے۔

④ موصوف (صفحہ: ۱۰) میں لکھتے ہیں:

”اسی طرح سے احادیث کی کتابوں میں ہے کہ بعض صحابہ کرام کو آپ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے دیکھا کرتے اور اس پر آپ نے نکیر نہیں کی مگر چونکہ خود آپ نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا اس وجہ سے یہ عمل مسنون نہیں کہلائے گا ہاں اس کا ذکر احادیث کی کتابوں میں ہونے کی وجہ سے اس کو حدیث کہا جائے گا۔“

یہ ہے غازی پوری صاحب کا کلام اب اس میں ان کی جو خیانتیں اور جہالتیں ہیں ان کو ملاحظہ کیجیے:

۱۔ اس میں سب سے پہلے ان کی خیانت یا جہالت یہ ہے کہ انھوں نے بعض صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جب کہ ان دو رکعت کو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم پڑھتے تھے چنانچہ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كُنَّا بِالْمَدِينَةِ فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لَصَلَاةِ الْمَغْرِبِ ابْتَدَرُوا السَّوَارِيَ فَيُرَكَّعُونَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّىٰ إِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيبَ لِيَدْخُلَ الْمَسْجِدَ فَيَحْسِبُ أَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صَلَّيْتَ مِنْ كَثَرَةِ مَنْ يَصْلِيهِمَا۔“^②

”ہم مدینہ میں تھے تو مؤذن جب نماز مغرب کی اذان سے فارغ ہوتا تو لوگ جلدی سے ستونوں کی طرف جاتے اور دو دو رکعت نماز پڑھتے حتیٰ کہ اگر کوئی اجنبی آدمی (مسافر) مسجد میں داخل ہوتا تو وہ یہ سمجھتا کہ نماز مغرب پڑھی جا چکی ہے لوگوں کی کثیر تعداد کا ان دو رکعت کو پڑھنے کی وجہ سے۔“

ممکن ہے کہ موصوف یہ کہہ دیں کہ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان دو رکعت کے پڑھنے کا ذکر کہاں

① یہ کتاب بیروت میں زیر طبع ہے۔

② اس کو مسلم نے (۱/۱۲۳)، کتاب ”صلاة المسافرين“، باب ”استحباب رکعتین قبل صلاة المغرب“ میں روایت کیا ہے۔

ہے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بعد لوگوں کی کثیر تعداد نے ان کو پڑھنا شروع کر دیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری روایت میں ہے:

”کنا نصلي على عهد النبي ﷺ - ركعتين بعد غروب الشمس قبل صلاة المغرب“^①
 ”ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج کے غروب ہو جانے کے بعد اور نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے۔“

اور ایک تیسری روایت میں ہے:

”حتى يخرج النبي ﷺ - وهم كذلك يصلون الركعتين قبل المغرب.....“^②
 ”حتی کہ نبی ﷺ (اپنے حجرے سے) نکلتے اور وہ (صحابہ) مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھ رہے ہوتے۔“
 علامہ ابوالحسن سندھیؒ ”وهم كذلك“ کی شرح میں لکھتے ہیں:

”أي في الصلاة يريد أن النبي ﷺ كان يراهم ويُقرُّهُمْ على تلك الحالة، ولا ينكر عليهم“ (حاشية النسائي ٢٩/٢، شرح السيوطي)۔

”یعنی نماز میں ہوتے، ان کی مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ ان کو دیکھتے، انھیں اسی حال پہ ٹھہراتے اور ان پر انکار نہ کرتے۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اکثر صحابہ نمازِ مغرب سے قبل دو رکعت پڑھتے۔

اسی طرح عقبہ بن عامر فرماتے ہیں:

”إنا كنا نفعله على عهد رسول الله ﷺ۔“

”رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم یہ کام (نمازِ مغرب سے قبل دو رکعت) کرتے تھے۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت ان دو رکعتوں کو پڑھتی تھی اگر بعض کا یہ عمل ہوتا تو عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ یوں نہ فرماتے ”إنا كنا نفعله“ یوں کہتے کہ بعض صحابہ ایسا کرتے تھے۔

اسی طرح دیگر احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کی اکثریت اس عمل پر کاربند تھی مگر اختصار کے پیش نظر مذکورہ

① مسلم (۱۲۳/۶)۔

② بخاری (۶۲۵) کتاب ”الأذان“، باب کم بین الأذان والإقامة“ نسائی (۲۸/۲) کتاب ”الأذان“، باب ”الصلاة بين الأذان والإقامة“۔

دونوں حدیثوں پر ہی اکتفاء کرتے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں:

”وقد روي عن غير واحد من أصحاب النبي ﷺ - أنهم كانوا يصلون قبل صلاة

المغرب ركعتين بين الأذان والإقامة“ (ترمذی: ۳۵۲/۱)۔

”نبی ﷺ کے کئی صحابہ سے مروی ہے کہ وہ نماز مغرب سے قبل، اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت

پڑھتے۔“

ممکن ہے کہ موصوف کہہ دیں کہ میں نے جو ”بعض صحابہ کرام“ کہا ہے تو اس لیے کہ حدیث انس کی ایک روایت

میں ہے:

”كان المؤذن إذا أذن قام ناسٌ من أصحاب النبي ﷺ - يبتدرون السواري.....“

”لفظ ”ناس“ میں تنوین تقلیل کے لیے ہے لہذا معنی یہ ہوگا کہ جب مؤذن اذان دیتا تو نبی ﷺ کے

اصحاب میں سے چند لوگ ستونوں کی طرف جانے میں جلدی کرتے۔“

قلت: یہاں تنوین تقلیل کے لیے نہیں بلکہ تعظیم کے لیے ہے اور اس کی دلیل انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت ”من

كثرة من يصلّيها“ ہے۔ چنانچہ معنی یہ ہوگا کہ ”کثرت سے لوگ“

اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اصحاب النبی ﷺ میں سے کبار صحابہ اور اس کی تائید بھی انس رضی اللہ عنہ ہی

کی ایک روایت سے ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

”لقد رأيت كبار أصحاب النبي ﷺ يبتدرون السواري عند المغرب“

”یقیناً میں نے نبی ﷺ کے کبار صحابہ کو دیکھا کہ وہ مغرب کے وقت جلدی سے ستونوں کی طرف جاتے۔“

انس رضی اللہ عنہ کی دونوں روایتوں کے مجموعہ کا مفاد یہ ہوا کہ صحابہ کی کثیر تعداد کا یہ عمل تھا جن میں کبار صحابہ بھی تھے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

ب۔ دوسری ان کی خیانت یا جہالت یہ ہے کہ ان کے ظاہر انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ صرف حدیث تقریری سے

ثابت ہے جب کہ اس کے بارے میں حدیث قولی بھی موجود ہے اور وہ ہے عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی درج ذیل

الفاظ سے مروی حدیث: ”صلوا قبل المغرب ركعتين“ ”مغرب سے قبل دو رکعت پڑھو۔“

رسول اللہ ﷺ نے یہ تین بار فرمایا مگر تیسری دفعہ فرمایا:

”ستونوں کی طرف جانے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو سترہ بنا کر نماز پڑھی جائے جس کا ہمارے ہاں آج بہت ہی کم اہتمام

کیا جاتا ہے۔

یہ روایت بخاری (۵۰۳) میں ہے۔

”لمن شاء ، كراهية أن يتخذها الناس سنة۔“^①

”جو پڑھنا چاہے“ یہ اس لیے فرمایا کہ کہیں لوگ ان کو ضروری نہ سمجھ بیٹھیں۔“

صفحہ (۳۲۳ و مابعدھا) میں ذکر ہوا کہ لفظ ”سنت“ کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں اس لفظ سے مراد کیا ہے حافظ ابن حجر اس سے مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و معنى قوله: ”سنة، أي شريعة، و طريقة لازمة“ (فتح الباری: ۶۰/۳)۔

یعنی یہاں اس سے مراد شریعت اور لازمی طریقے کے ہیں۔“^②

ج۔ موصوف کی تیسری جہالت یہ ہے کہ انھوں نے کہا ہے ”مگر چونکہ خود آپ نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا.....“ اور یہ جہالت اس لیے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اس پر عمل کیا ہے چنانچہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی ایک روایت میں ہے:

”أن رسول الله ﷺ صلى قبل المغرب ركعتين، ثم قال: صلوا قبل المغرب ركعتين.....“^③

”رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھیں پھر فرمایا کہ مغرب سے قبل دو رکعت پڑھو.....“

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نماز مغرب سے قبل دو رکعت پڑھنا حدیثِ قولی، فعلی اور تقریری سے ثابت ہے جب کہ غازی پوری صاحب اس کے بارے میں صرف حدیثِ تقریری کو ہی جانتے ہیں۔ و هذا مبلغك من العلم أيها الغاзи فوري۔

⑤ موصوف نے اپنے مذکورہ کلام کے بعد لکھا ہے:

”چونکہ غیر مقلدین آخضور کی سنت کیا ہے اس سے کم مطلب رکھتے ہیں ان کی زبان پر حدیث کا ذکر ہی

زیادہ رہتا ہے، اس وجہ سے ان کا عمل بھی سنت کے مطابق کم ہوتا ہے۔“ (صفحہ: ۱۰)۔

ہماری مذکورہ تفصیل ملاحظہ کر لینے کے بعد امید ہے کہ قارئین پر اس کلام کی حقیقت مخفی نہ ہوگی۔ لہذا اس پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

⑥ مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں درج ذیل حدیث نقل کی ہے:

① اس کو أحمد (۵۵/۵) بخاری (۱۱۸۳) التہجد باب ”الصلاة قبل المغرب“ اور ابوداؤد نے (۱۲۸۱) کتاب الصلاة، ”

تفریع أبواب التطوع“ میں روایت کیا ہے۔

② اس کے بارے میں قدرے تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ: ۳۸۴-۳۸۵) بھی ملاحظہ کریں۔

③ اس روایت کے ساتھ یہ حدیث صحیح ابن حبان (ج: ۴، حدیث: ۱۵۸۸۔ تحقیق شعیب) میں ہے اور محقق شعیب حنفی نے اس کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

”کَلْ أَمْتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مِنْ أَبِي، قِيلَ: وَمِنْ أَبِي ۱ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي.....“
مقلد موصوف کو اس پر اعتراض یہ ہے کہ سیالکوٹی صاحب نے اس حدیث کو بخاری کے حوالے سے نقل کیا ہے مگر بخاری میں ”و من ابی“ کی بجائے ”و من یأبی“^① ہے لہذا انھوں نے صحیح حدیث نقل نہیں کی۔ ملاحظہ ہو۔ (حاشیہ: صفحہ: ۱۱)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے اس حدیث کو بلا واسطہ بخاری سے نقل نہیں کیا بلکہ ”مشکوٰۃ“ سے نقل کیا ہے اور ”مشکوٰۃ“ (۲۷۱-طبع نور محمد)، (۵۱/۱-تحقیق الالبانی) میں ”و من ابی“ ہی ہے لہذا یہ اعتراض مؤلف پر وارد نہیں ہوتا۔
⑦ صفحہ (۱۳) میں لکھا ہے کہ ”صلوٰۃ الرسول“ (صفحہ: ۴۹) پر یہ حدیث ذکر کی ہے ”من أحب سنتی“^② اور اس کا ترجمہ کیا ہے: ”جس نے دوست رکھا میری سنت کو (اور اس پر عمل کیا).....“ آگے چل کر لکھا ہے:

”اور اس پر عمل کیا“ یہ اضافہ ان کی طرف سے حدیث کی غلط ترجمانی ہے اس لیے کہ سنت رسول پر عمل کرنا مستقل ثواب کا باعث ہے اور سنت رسول سے محبت مستقل ثواب کا باعث ہے ایسا ہرگز نہیں کہ جو سنت رسول سے محبت کر کے اس پر عمل کرے اسی کو ثواب ملے گا بعض شکل میں سنت پر آدمی عمل نہیں کر سکے گا مگر اس کو سنت سے محبت کا ثواب ضرور ملے گا۔ مثلاً معذور آدمی ہے اس سے نماز اور وضوء اور مسجد میں داخل ہونے کی بہت سی سنتیں چھوٹی ہیں مگر وہ سنت رسول کا عاشق ہے معذور ہونے کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کر پا رہا ہے تو محض سنتوں سے محبت کی وجہ سے بھی وہ ثواب اور اجر سے محروم نہ ہوگا۔

مقلد غازی پوری صاحب نے اپنی طرف سے تو بڑا پر حکمت کلام کیا ہے جب کہ یہ جہالت پر مبنی کلام ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ہم غازی پوری صاحب سے پوچھتے ہیں کہ ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی فلاں سنت سے محبت ہے بلکہ بہت زیادہ محبت ہے لیکن وہ بغیر کسی شرعی عذر کے اس سنت کو اپناتا نہیں ہے تو کیا اسے محض اس کے اس دعویٰ کی وجہ سے اجر و ثواب ملے گا یا یہ کہ اس کے اس دعویٰ کا کوئی اعتبار ہوگا اس کے اس دعویٰ کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آپ کی اس سنت کو اپنائے اس پر عمل کرے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ آپ کی اتباع کرے آپ کی سنت کو اپنائے۔

① بخاری (حدیث: ۷۲۸۰) کتاب ”الاعتصام بالکتاب والسنة“۔

② اس حدیث کو ترمذی (۲۶۷۸) کتاب ”العلم“ وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف حدیث ہے تفصیل کے لیے تخریج الصلوٰۃ (حدیث: ۱۴) دیکھیں۔

امام قرطبی ازہری سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”محبة العبد لله، ورسوله طاعته لهما، واتباعه أمرهما، قال الله تعالى ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي﴾ (البقرة: ۳۱)۔ (تفسیر القرطبی) (۲/۴۳۱۔۴۳۲)۔

”بندے کی اللہ اور اس کے رسول سے محبت اس کی ان دونوں کی اطاعت اور ان کے حکم کی پیروی کرنا ہے۔“
حافظ ابن کثیر مذکورہ آیت ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”هذه الآية الكريمة حاكمة على كل من ادعى محبة الله، وليس هو على الطريقة المحمدية، فإنه كاذب في دعواه في نفس الأمر حتى يتبع الشرع المحمدي، والدين النبوي في جميع أقواله وأفعاله وأحواله۔“ (تفسیر ابن کثیر) (۲/۴۲)۔

”یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو کہ اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ طریقہ محمدیہ پر کاربند نہیں یہ فیصلہ کرتی ہے کہ وہ درحقیقت اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے تمام اقوال، افعال اور احوال میں شرع محمدی اور دین نبوی کی اتباع کرے۔“

اور علامہ عینی حدیث ”لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه“ کی شرح میں لکھتے ہیں:
”واعلم أن محبة الرسول۔ عليه السلام۔ إرادة فعل طاعته، وترك مخالفته، وهي من واجبات الإسلام“ (عمدة القاری) (۱/۱۴۴)۔

”جان لے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت آپ کی اطاعت کرنا اور مخالفت کو ترک کر دینا ہے اور یہ (محبت) اسلام کے واجبات میں سے ہے۔“
عربی کا ایک شاعر کہتا ہے:

تعصبي	الإله	و	أنت	تظهر	حبّه
وهذا	محال	في	القياس	بديع	
لو	كان	حبك	صادقاً	لأطعته	
إن	المحب	لمن	يحب	مطيع	

”تو اللہ تعالیٰ کی تو نافرمانی کرتا ہے اور دعویٰ اس کی محبت کا ہے اور یہ بات عقلی طور پر محال ہے۔ اگر تیری سچی محبت ہوتی تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ ہر محب اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔“

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے لیکن یہاں اتنا ہی کافی ہے اور اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صرف محبت کا

دعویٰ یا محبت کافی نہیں بلکہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ساتھ عمل بھی ہو اور یہ سچی محبت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے لہذا مولانا صادق سیالکوٹی صاحب نے بریکٹ میں (اور اس پر عمل کیا) کا اضافہ کر کے حدیث کی غلطی ترجمانی نہیں کی ہے بلکہ یہ غازی پوری صاحب کی غلط فہمی ہے۔

ب۔ غازی پوری صاحب کا یہ کہنا ”بعض شکل میں سنت پر آدمی عمل نہیں کر سکے گا مگر اس کو سنت سے محبت کا ثواب ضرور ملے گا مثلاً معذور آدمی ہے.....“ درست ہے بشرطیکہ اس کی نیت عمل کرنے کی تھی کیونکہ اگر عذر کی صورت میں وہ سنت پر عمل نہیں کر رہا لیکن اس کی خواہش اور نیت اس پر عمل کرنے کی تھی تو اس صورت میں بھی اس کو عمل کرنے کا ثواب ملے گا اس پر کئی دلائل ہیں مگر یہاں صرف ایک دلیل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کسی معقول عذر کی وجہ سے جنگ تبوک میں شرکت نہیں کر سکے تھے اُنس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم تبوک سے نبی ﷺ کے ساتھ واپس آ رہے تھے تو آپ نے فرمایا:

”لقد ترکتم بالمدينة اقواما ما سرتهم مسيراً، ولا أنفقتم نفقة، ولا قطعتم من وادٍ إلا، وهم معکم فیہ۔ قالوا یا رسول اللہ! و کیف یکونون معناء و ہم بالمدينة؟ فقال: حبسهم العذر۔“

”یقیناً تم نے مدینہ میں کچھ ایسے لوگوں کو چھوڑا ہے کہ تم نے جو بھی سفر کیا، خرچ کیا اور جو بھی وادی طے کی ہر کام میں وہ تمہارے ساتھ تھے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہ ہمارے ساتھ کیسے ہو سکتے ہیں، وہ تو مدینہ میں موجود ہیں (یعنی جہاد کے لیے نہیں نکلے) آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کو عذر نے روک لیا تھا“، یعنی بیماری وغیرہ کی وجہ سے وہ جہاد کے لیے نہیں آ سکے۔

انس رضی اللہ عنہ کی طرح یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس کی ایک روایت میں ہے: ”إلا شرکو کم فی الأجر“ ”مگر وہ اجر میں تمہارے شریک ہیں۔“

حافظ ابن حجر حدیث انس کی شرح میں لکھتے ہیں:

”وفیه أن المرء يبلغ بنیتہ أجر العامل إذا منعه العذر عن العمل“ (فتح الباری: ۶/۴۷)۔

اس کو بخاری (حدیث: ۲۴۲۳) المغازی باب (۸۱) ابوداؤد (حدیث: ۲۵۰۸) ”الجہاد“ اور ابن ماجہ نے (حدیث: ۲۷۶۲) ”الجہاد“ میں روایت کیا ہے اور مذکورہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ یہ کچھ دوسرے الفاظ سے بخاری (۲۸۳۸-۲۸۳۹) کتاب ”الجہاد“ میں بھی ہے۔

اس کو مسلم (حدیث: ۱۹۱۱) ”الإمارة“ اور ابن ماجہ (۲۷۶۵) نے روایت کیا ہے۔

”اس حدیث میں ہے کہ آدمی کو جب کوئی عذر عمل کرنے سے روک دے تو وہ محض اپنی نیت کی بناء پر عمل کرنے والے کے اجر کو حاصل کر لیتا ہے۔“

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ آدمی جب کسی کام کے کرنے میں مخلص ہو مگر کسی عذر کی وجہ سے وہ کام نہ کر پائے تو وہ محض اپنی خلوص نیت کی وجہ سے عمل کرنے والے کے اجر و ثواب کو پالیتا ہے اور جو شخص خلوص دل سے سنت سے محبت کرے تو یقیناً وہ اس پر عمل بھی کرے گا اور حقیقی محبت کا تقاضا بھی یہی ہے لیکن وہ کسی عذر کی بنا پر اس پر عمل نہیں کر سکتا تو اسے بھی عمل کرنے والے ہی کی طرح ثواب ملے گا۔

ج۔ موصوف کا یہ کہنا کہ ”مگر وہ سنت رسول کا عاشق ہے“ قابل مواءہ ہے کیونکہ لفظ ”عشق“ کا استعمال اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں درست نہیں۔ قرآن اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔^① کیونکہ ”عشق“ اوصاف حمیدہ میں سے نہیں بلکہ خصائل مذمومہ میں سے ہے بلکہ یہ ایک ایسا مرض ہے کہ جس کا اطباء کے پاس علاج نہیں ہے۔

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں سے دو گروہوں کے بارے میں اس مرض کا ذکر کیا ہے ایک قوم لوط اور دوسرا گروہ عورتیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کی عورت کے بارے میں ذکر کیا ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوان کی کتاب ”الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی“ (صفحہ: ۲۳۸، واما بعدھا)۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”و هو من الأمراض التي تفسد دين صاحبها، و عرضه ثم قد تفسد عقله ثم جسمه“
(مجموع الفتاوى: ۱۰/۱۳۱)۔

”یہ ان امراض میں سے ہے جو آدمی کے دین اور اس کی عزت کو خراب کر دیتے ہیں بلکہ کبھی اس کی عقل اور جسم کو بھی خراب کر دیتے ہیں۔“

علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

① حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: ”ولا يحفظ عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم- لفظ ”العشق“ في حديث صحيح البتة“ زاد المعاد (۴/۲۵۱) ”رسول اللہ ﷺ سے لفظ ”عشق“ کسی صحیح حدیث میں قطعاً محفوظ نہیں۔“ یعنی کسی صحیح حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

عام طور پر جو یہ حدیث ”من عشق، و كتم، و عفت فمات فهو شهيد“ جس نے عشق کیا اور اسے چھپایا اور عفت اختیار کی پھر اس کی موت واقع ہو گئی تو وہ شہید ہے۔“ ذکر کی جاتی ہے تو یہ حدیث من گھڑت ہے تفصیل کے لیے ”زاد المعاد، الجواب الکافی“ (صفحہ: ۲۹۳-۲۹۴) اور ”سلسلة الأحاديث الضعيفة“ (حدیث: ۴۰۹) دیکھیں۔

”العشق: و هو الحب المفرط الذي يخاف على صاحبه منه، ولكن لا يوصف به الرب - تعالى- ولا العبد في محبة ربه، وإن كان قد أطلقه بعضهم، واختلف في سبب المنع.....، ولعل امتناع إطلاقه: أن العشق محبة مع شهوة۔“

(شرح العقيدة الطحاوية (صفحہ: ۱۲۴)۔ تحقیق الشیخ احمد شاکر)۔

یعنی عشق اس مبالغہ آمیز محبت کو کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے عاشق کی ہلاکت اور بربادی کا خطرہ لاحق ہو مگر اس لفظ سے رب تعالیٰ اور نہ ہی بندے کو اپنے رب سے محبت کی وجہ سے متصف کیا جائے گا اگرچہ بعض نے اس لفظ کا استعمال کیا ہے..... اس لفظ کے استعمال کی ممانعت کے سبب میں اختلاف ہے شاید اس کے استعمال کی ممانعت کی وجہ یہ ہو کہ عشق ایسی محبت ہے کہ جس کے ساتھ شہوت بھی ہوتی ہے۔“ اور قاضی منصور پوری لکھتے ہیں:

”غزلیات وادبیات کے شیدائے لفظ ”عشق“ کا استعمال اکثر کیا کرتے ہیں قرآن مجید اور احادیث پاک کے ماہرین سے یہ امر مخفی نہیں کہ ہر دو کلام پاک میں لفظ ”عشق“ کا استعمال نہیں ہوا ہے۔“ قاموس میں ہے:

”الجنون فنون، والعشق من فنه يستجلبه المرء على نفسه باستحسان بعض الصور والشمائل۔“

یعنی جنون کے بہت سے اقسام ہیں عشق بھی جنون کی ایک قسم ہے اس مرض کو انسان اپنے نفس پر بعض صورتوں یا خصلتوں کے اچھا سمجھ لینے سے خود وارد کر لیا کرتا ہے۔

پس جب عشق کے معنی قسے از جنون ہوئے تو ضروری تھا کہ خدا اور رسول کے پاک کلام میں اس لفظ کا استعمال نہ کیا جاتا اور اسے فضائل محمودہ یا محاسن جمیلہ سے شمار نہ کیا جاتا بے شک قرآن حکیم اور احادیث رسول کریم میں لفظ محبت کا استعمال ہوا ہے اور اس سے ثابت ہو گیا کہ محبت ہی صفت کمال انسانی ہے۔

محبت اور عشق^① میں یہ بھی فرق ہے کہ محبت روح میلان صحیح کا نام ہے اور عشق میں اس شرط کا پایا جانا ضروری نہیں محبوب وہ ہے جو فی الواقع اپنے کمالات عالیہ کی وجہ سے محبت کیے جانے کے شایاں ہو، معشوق وہ ہے جسے کسی نے اچھا سمجھ لیا ہو، محبوب محبوب ہی ہے خواہ کوئی محب پیدا ہو یا نہ ہو مگر معشوق معشوق نہیں جب تک کوئی اس کا عاشق موجود نہ ہو۔

① لفظ ”عشق“ سے متعلق مزید تفصیل کے لیے ”مجموع الفتاوی“ (۱۰/۱۳۰-۱۳۷)، زاد المعاد (۴/۲۲۳-۲۵۱) اور الجواب الکافی (۲۳۸-۲۹۴) دیکھیں۔

غالباً مشہور مثل ”لیلیٰ راہ پچشم مجھوں باید دید“ کے واضح نے انہی معانی کو ایک دوسرے اسلوب میں بیان کر دیا ہے۔ (رحمۃ للعالمین ۲/۳۲۶)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لفظ ”عشق“ کا استعمال درست نہیں کیونکہ یہ ایک ایسی خصلت ہے جو جنوں کی قسم میں سے ہے مگر غازی پوری صاحب بڑے اچھلتے ہوئے لکھ رہے ہیں ”مگر وہ سنت رسول کا عاشق ہے۔“ وهذا مبلغك من العلم۔

⑧ غازی پوری صاحب (صفحہ ۱۴) میں ”صلوۃ الرسول“ کے حوالے سے حدیث ”فعلیکم بسنتی، و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین.....“ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ”اس حدیث پاک میں اختلاف کے وقت خلفائے راشدین کی سنت کو بطور خاص مضبوطی سے تھامنے اور دانتوں سے پکڑنے کا آپ امر فرما رہے ہیں مگر غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا بدعت ہے اور ان کا وعظ یہ ہے کہ صرف رسول کی سنت پر عمل کرو چنانچہ صادق صاحب بھی یہی فرماتے ہیں: ”یاد رکھیں کہ ان فتنوں اور بیماریوں کی تیج کئی حضور کے اسوہ حسنہ اور سنت پاک کی پیروی میں ہے۔“ (صفحہ ۵۱)۔

خلفائے راشدین کی سنت جس کا حدیث میں بطور خاص ذکر ہے اس کا نام لینا بھی صادق صاحب کی صداقت نے گوارا نہیں کیا۔“

یہ ہے موصوف کا کلام جس سے پتہ چلتا ہے کہ خلفائے راشدین کی کوئی الگ سے سنت ہے جب کہ ملا علی قاری حنفی کیا لکھتے ہیں: وہ اس حدیث کے اس جملے کی شرح میں لکھتے ہیں:

”فإنهم لم يعملوا إلا بسنتي، فالإضافة إليهم، إمّا لعملمهم بها، أولاً استنباطهم، واختيارهم إياها۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۴۰۸، ۴۰۹)۔

”یقیناً انھوں نے میری سنت پر ہی عمل کیا ہے، چنانچہ ان کی طرف (سنت کی) اضافت یا تو ان کے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے یا اس سے استنباط اور اس کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔“ اس کے بعد انھوں نے توریثی سے نقل کیا ہے:

”و أما ذكر سنتهم في مقابلة سنته لأنه علم أنهم لا يخطئون فيما يستخرجون من سنته، أو أن بعضها ما اشتهر إلا في زمانهم۔“ ایضاً شرح الطیبي للمشكاة (۲/۶۳۴) ”یعنی آپ ﷺ کی سنت کے مقابلے میں ان کی سنت کا ذکر اس لیے ہے کہ آپ کو علم تھا کہ وہ آپ کی سنت سے جو مسائل اخذ کریں گے ان میں ان سے خطانہ ہوگی۔ یا یہ ذکر اس لیے ہوا کہ بعض سنتیں انہیں

خلفائے راشدین کے زمانے میں مشہور ہوئیں۔“
اور علامہ صنعانی لکھتے ہیں:

”فإنه ليس المراد بسنة الخلفاء الراشدين إلا طريقتهم الموافقة لطريقته ﷺ من جهاد الأعداء، و تقوية شعائر الدين، ونحوها..... ثم عمر- رضي الله عنه نفسه الخليفة الراشد سمي ما رآه من تجميع صلاته ليالي رمضان بدعة، ولم يقل إنها سنة فتأمل- على أن الصحابة- رضي الله تعالى عنهم- خالفوا الشيخين في مواضع، و مسائل، فدل أنهم لم يحملوا الحديث على أن ما قالوه، و فعلوه حجة“ (سبل السلام ۳۹۴/۲)۔
”خلفائے راشدین کی سنت سے مراد ان کا وہی طریقہ ہے جو آپ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو جیسا کہ دشمنوں سے جہاد کرنا، دین کے شعائر اور اس قسم کی دیگر اشیاء کو تقویت پہنچانا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ جو کہ خلیفہ راشد تھے انھوں نے رمضان کی راتوں میں باجماعت تراویح کے قیام کو بدعت کا نام دیا اور اسے سنت نہیں کہا، اس پر ذرا غور کرو۔“

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے شیخین (ابوبکر و عمر) سے کئی مسائل میں اختلاف کیا تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اس حدیث کو اس پر محمول نہیں کیا کہ وہ جو کہیں اور کریں وہ حجت ہوگا۔“
صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے اختلاف کیا اس کی بعض مثالیں (صفحہ: ۳۴۰-۳۴۱) میں آرہی ہیں۔
اور علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

”فالسنة هي الطريقة، فكأنه قال: الزموا طريقتي، و طريقة الخلفاء الراشدين، و قد كانت طريقتهم هي نفس طريقته، فإنهم أشد الناس حرصاً عليها، و عملاً بها في كل شيء، و على كل حال كانوا يتوقون مخالفته في أصغر الأمور فضلاً عن أكبرها“
(الفتح الرباني، منقول از تحفة الأحوذی: ۴۴۰/۲)۔

”سنت سے مراد طریقہ ہے“ گویا کہ آپ نے فرمایا: میرے اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو۔“ اور ان کا طریقہ بالکل آپ ہی کا طریقہ تھا، وہ اس کے بارے میں حرص میں اور ہر چیز میں اس پر عمل کرنے میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے۔ وہ ہر حال میں بڑے کاموں سے قطع نظر، چھوٹے کاموں میں بھی آپ کو مخالفت سے بچتے تھے۔“

❦ اس کے لیے اس کتاب کا صفحہ (۳۲۸، ۳۸۴، ۳۸۵) بھی دیکھیں۔

امام ابن حزم لکھتے ہیں:

”إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- إِذْ أَمَرَ بِاتِّبَاعِ سُنَنِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ لَا يَخْلُو
ضَرُورَةً مِنْ أَحَدٍ وَجْهَيْنِ: إِمَّا أَنْ يَكُونَ -عَلَيْهِ السَّلَام- أَبَاحٌ أَنْ يَسْتَوُوا سُنَّتَنَا غَيْرِ سُنَّتِهِ -
فَهَذَا مَا لَا يَقُولُهُ مُسْلِمٌ-

و إِمَّا أَنْ يَكُونَ أَمْرٌ بِاتِّبَاعِهِمْ فِي اقْتِدَائِهِمْ بِسُنَّتِهِ -عَلَيْهِ السَّلَام- فَهَكَذَا نَقُولُ، لَيْسَ
يَحْتَمِلُ هَذَا الْحَدِيثُ وَجْهًا غَيْرَ هَذَا أَصْلًا“ (الإحكام في أصول الأحكام: ٦/٤٨٠)۔
”رسول اللہ ﷺ کا خلفائے راشدین کی سنن کی اتباع کا حکم دینا دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا یہ کہ
آپ ﷺ نے (ان کے لیے) یہ جائز کیا ہو کہ وہ آپ کی سنتوں کے علاوہ دوسری سنتیں اختیار کریں، اور یہ
بات کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔

یا یہ کہ آپ نے ان کی اتباع کا حکم اپنی سنت کی اقتداء کرنے میں دیا ہو اور ہم بھی یہی کہتے ہیں اور یہ حدیث
اس کے علاوہ کسی دوسرے معنی کی قطعاً متحمل نہیں ہے۔“

ابن حزم نے اس سے قبل ایک دوسرے نالجے سے بھی اس حدیث کا مطلب بیان کیا ہے جسے طالب تفصیل دیکھ سکتا ہے۔
امام ابوالمظفر السمعانی اس حدیث کے معنی بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”يَعْنِي مَا أَخْبَرَكُمْ بِهِ عَنْ سُنَّتِي“ (قواطع الأدلة: ٢/٢٠٣. تحقيق الحكمي)۔
”یعنی میری سنت کے بارے میں تم کو جو خبر دیں اس پر عمل کرو۔“

اور علامہ خطابی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”و فِي قَوْلِهِ: ”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي، وَ سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ“ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْوَاحِدَ مِنَ
الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ إِذَا قَالَ قَوْلًا، وَ خَالَفَهُ فِيهِ غَيْرُهُ مِنَ الصَّحَابَةِ كَانَ الْمَصِيرُ إِلَى قَوْلِ
الْخَلِيفَةِ أَوَّلَى.....“ (معالم السنن: ٣/٣٠١)۔

”آپ ﷺ کے اس فرمان ”علیکم بسنتی.....“ میں اس بات پر دلیل ہے کہ خلفائے راشدین میں
سے کوئی ایک جب کوئی قول کہے اور صحابہ میں سے کوئی دوسرا ان کی اس قول میں مخالفت کرے تو خلیفہ کے
قول کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے۔“

خطابی کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ خلفاء میں سے کسی خلیفہ کے قول کی وہ اہمیت نہیں جو کہ سنت کی ہے ان کے
ہاں اگر اس کی حیثیت ہوتی تو وہ یوں نہ کہتے کہ ”خلیفہ کے قول کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے“ بلکہ یوں کہتے کہ

خلیفہ کے قول کی طرف رجوع کرنا ہوگا یا رجوع کرنا ضروری ہے۔

امام خطابی والی ہی بات آپ کے مولانا غلیل احمد سہارنپوری نے بھی کہی ہے۔ ملاحظہ ہو: (بذل المجہود ۱۸/۱۳۸)۔

خلفائے راشدین کے قول یا عمل کی اگر وہی حیثیت ہے جو سنت رسول ﷺ کی ہے تو پھر آپ کے علماء نے ان

کے قول یا عمل کو حجت کیوں نہیں مانا۔

آئیے ”التحریر“ اور ”تیسیر التحریر“ کی عبارت ملاحظہ کیجیے۔

”(ولا) ینعقد (بالأربعة) الخلفاء۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ مع مخالفة غیرہم، أو

توقفہم، أو عدم سماعہم بالحکم (عند الأكثر خلافاً لبعض الحنفیة)۔“ (۲/۲۴۲)۔

یعنی اکثر حنفیہ کے نزدیک خلفاء اربعہ کے اتفاق سے اجماع منعقد نہ ہوگا جب کہ دوسرے صحابہ ان کی

مخالفت کریں یا توقف اختیار کریں یا وہ حکم کو ہی نہ سنیں، یعنی خلفاء راشدین کے قول یا عمل کا دوسرے صحابہ کو

علم نہ ہوا ہو۔

اب اس کے بعد والی عبارت بھی ملاحظہ کریں۔

”(ولا) ینعقد (بالشیخین) أبی بکر و عمر۔ رضی اللہ عنہما۔ خلافاً لبعضہم۔“

یعنی اکثر حنفیہ کے ہاں شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے اتفاق سے بھی اجماع منعقد نہ ہوگا۔

امام ابن ہمام اور امیر بادشاہ کے کلام کے بعد ابن عبدالشکور اور انصاری صاحب کا کلام بھی ملاحظہ کریں وہ اسی

مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہ خلفائے اربعہ یا شیخین کے اتفاق سے اجماع منعقد نہ ہوگا لکھتے ہیں:

”(لأن المجتہدین كانوا یخالفونہم والمقلدون) كانوا (قد یقلدون غیرہم)، و لم

ینکر علیہم أحد لا الخلفاء أنفسہم، ولا غیرہم، فعدم حجة قولہم كان معتقدہم۔“

(مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت ۲/۲۳۱۔ هامش المستصفی)۔

”کیونکہ جو اہل اجتہاد تھے وہ ان کی مخالفت کرتے تھے (یعنی بعض مسائل میں) اور جو مقلدین تھے وہ

کبھی ان کے علاوہ دوسروں کی تقلید بھی کرتے تھے اور ان پر کسی نے بھی انکار نہیں کیا نہ تو خلفائے نے ہی

واضح رہے کہ تقلید کی ابتداء چوتھی صدی سے ہوئی اس سے قبل لوگ کسی معین مذہب پر متفق نہ تھے۔ تفصیل کے لیے ”تاریخ

التقلید“ (صفحہ ۱۱۳، وما بعدھا) دیکھیں۔ اسی طرح اس کتاب کے (صفحہ ۱۱۱) میں مذکور عز الدین ابن عبدالسلام کا کلام بھی

دیکھیں۔

یہاں مقلدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ عالم اور مجتہد نہ تھے تو وہ علماء سے مسائل پوچھ لیتے تھے نہ کہ وہ کسی خاص عالم یا مجتہد

کی تقلید کرتے تھے۔

چند منتخب پر ایک نظر

اور نہ ہی دیگر صحابہ نے چنانچہ ان کے قول کا حجت نہ ہونا ان کا اعتقاد تھا۔“

یہاں سوال یہ ہے کہ اگر خلفائے راشدین کی سنت کی وہ حیثیت ہے جو غازی پوری صاحب سمجھ بیٹھے ہیں تو پھر آپ کے ان کبار ائمہ نے ان کے اتفاق کو اجماع تسلیم کیوں نہیں کیا یا کم از کم اس کو سنت کا درجہ دے کر حجت تسلیم کیوں نہیں کیا۔ یا آپ کے سہارنپوری صاحب نے ”کان المصیر الی قول الخلیفۃ اولی“ کی بجائے یہ کیوں نہیں کہا کہ ”کان المصیر الی قول الخلیفۃ واجباً لآئہ سنۃ۔“

”خلفہ کے قول کی طرف رجوع ضروری ہے کیونکہ وہ سنت ہے۔“

ممکن ہے کہ غازی پوری صاحب یہ کہہ دیں کہ یہ تو ایک خلفہ کے قول کی بات ہے جب کہ حدیث میں ”الخلفاء الراشدین“ کا ذکر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب میں تراویح کا مسئلہ آتا ہے تو آپ لوگ فوراً ”فعلیکم بسنتی، و سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین“ پڑھ دیتے ہیں تو کیا آپ یہ بتائیں گے کہ یہ خلفاء اربعہ کا مسئلہ ہے یا کم از کم شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) ہی سے ثابت کر دیں؟^①

ہم غازی پوری صاحب سے یہ بھی دریافت کریں گے کہ جن اہل اجتہاد نے خلفاء راشدین کے قول کی مخالفت کی تو کیا یہ مخالفت اس لیے تھی کہ ان کے نزدیک ان کے قول پر عمل کرنا بدعت تھا یا کہ اس کا کوئی دوسرا سبب تھا۔ اسی طرح مجتہدین کے علاوہ جن لوگوں نے ان کے اقوال کو چھوڑ کر دوسروں کے اقوال کو اپنایا تو کیا ان کے نزدیک ان کے اقوال پر عمل کرنا بدعت تھا اس لیے انھوں نے ان کو ترک کیا۔

غازی پوری صاحب کیا ان لوگوں کے بارے میں بھی وہی الزام تراشی اور زبان درازی کریں گے جو آپ نے اہل حدیث کے بارے میں کی ہے؟

مذکورہ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی وہی شرح و تفسیر معتبر ہے جو ملا علی قاری و دیگر علماء نے کی ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت سے مراد سنت رسول ﷺ ہی ہے کیونکہ انھوں نے اپنی طرف سے کوئی سنت ایجاد نہیں کی بلکہ سنت رسول ﷺ پر ہی عمل کیا ہے۔

① بلکہ میں تراویح پڑھنا خلفاء راشدین کے علاوہ کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں میں تراویح پڑھنے کے بارے میں علی، ابی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے جو آثار ہیں وہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہیں تفصیل کے لیے شیخ البانی کارسالہ ”صلوۃ التراویح“ (صفحہ: ۶۵-۷۱) دیکھیں اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ ہے کہ انھوں نے ابی اور تمیم داری کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا وہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ انھوں نے آٹھ رکعت اور تین و تر پڑھانے کا حکم دیا تفصیل کے لیے حوالہ مذکور (صفحہ: ۶۸-۶۰) اور ”تحفۃ الاحوذی“ (۳/۵۲۶-۵۲۷) دیکھیں۔

چند متب پر ایک نظر

غازی پوری صاحب اب ہم آپ کے لیے چند دلائل ذکر کرتے ہیں جن سے یہ بخوبی واضح ہوگا کہ خلفاء راشدین نے اپنی طرف سے کوئی سنت ایجاد نہیں کی بلکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی کی طرف رجوع کیا اور اس پر بھی بعض دلائل ذکر کر دیتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم یہ قطعاً نہیں سمجھتے تھے کہ خلفائے راشدین اگر کوئی بات کہیں اور وہ سنت کے خلاف ہو تو اس کو خلفائے راشدین کی سنت سمجھ کر قبول کرنا ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”فعليكم بسنتي، و سنتة الخلفاء الراشدين المهديين“ بلکہ انھوں نے اس صورت میں ان سے اختلاف کیا۔“ اب دلائل ملاحظہ کیجیے۔

اگر کوئی شخص یا عورت کسی عورت کو جو کہ حمل سے ہو قتل کر دے اور اس کی وجہ سے اس کا بچہ بھی مر جائے تو قاتل پر عورت کو قتل کرنے کی وجہ سے قصاص یا دیت آئے گی مگر اس کے پیٹ میں جو بچہ ہو اس کے مرجانے سے اس پر کیا لازم آئے گا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ مسئلہ پیش آیا تو انھوں نے مجلس عام میں اس کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تو حمل بن مالک رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسے پیش آنے والے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنین (حمل) کے بدلے میں ایک غلام دینے کا حکم دیا تھا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اس حدیث کو سنا تو فرمایا: ”لو لم نسمع هذا لقضينا بغيره.....“ اگر ہم یہ حدیث نہ سنتے تو کوئی دوسرا فیصلہ کر دیتے۔“

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کی الگ سے کوئی سنت نہ تھی اور نہ ہی ان کو الگ سے کوئی سنت قائم کرنے کا اختیار تھا اگر ایسی بات ہوتی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ سنت کے بارے میں سوال کیے بغیر اپنی طرف سے کوئی فیصلہ صادر فرما دیتے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کی انگلیوں کی دیت کے بارے میں فیصلہ یہ کیا کہ انگوٹھے کی دیت پندرہ اونٹ، شہادت والی اور درمیانی انگلی کی دس اونٹ، درمیانی انگلی کے ساتھ والی انگلی کی نو اونٹ اور چھنگلی کی چھ اونٹ مگر جب انھیں یہ علم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آل حزم کی طرف دیات کے بارے میں ایک خط لکھا تھا جس میں یہ تھا کہ انگلیاں سب برابر ہیں۔ یعنی سب کی برابر برابر دیت ہوگی تو انھوں نے اپنے فیصلے سے رجوع کیا اور اس حدیث پر عمل کیا۔

اس کو ابوداؤد (۳۵۷۳، ۳۵۷۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی مفصل تخریج میں نے ”روضۃ الناظر“ لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو، حدیث: (۴۴)۔

اس کو عبد الرزاق (۳۸۵، ۳۸۴/۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی مفصل تخریج بھی مذکور حوالے میں کی گئی ہے یہ اور اس سے پہلے والی دونوں حدیثیں ہی صحیح ہیں۔

چند قتب پر ایک نظر

اس سے بھی معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کی کوئی مستقل سنت نہ تھی بلکہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرنے والے اور اس کی اتباع کرنے والے تھے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قسم کے دیگر واقعات بھی ہیں مگر اختصار کے پیش نظر انہی دو واقعات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ ان کے پاس ایک دادی آئی جس نے پوتے کے مال میں ان سے وراثت کا مطالبہ کیا تو انھوں نے جواباً کہا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول میں تیرے لیے کچھ نہیں دوبارہ آنا میں لوگوں سے (صحابہ سے) اس مسئلے کے بارے میں معلوم کروں گا چنانچہ جب انھوں نے معلوم کیا تو مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے چھٹا حصہ دیا ہے۔

اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ ان سے ایک عورت نے کہا کہ میرا خاندن فوت ہو گیا ہے تو کیا عدت میں اپنے خاندن کے گھر کے علاوہ کسی دوسرے گھر میں گزار سکتی ہیں تو انھوں نے کہہ دیا کہ گزار سکتی ہو پھر انھوں نے اپنے پاس بیٹھے صحابہ سے سوال کیا تو انھوں نے فریہ بنت مالک کی حدیث ذکر کی جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فریہ کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

ان واقعات سے بھی معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین پیش آمدہ مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ ہی کی سنت کا تتبع کرتے اور مل جانے پر اسی پر عمل کرتے۔

واضح رہے کہ مذکورہ دونوں واقعات کی سندوں میں کلام ہے بلکہ ان کی سندیں ضعیف ہیں۔^①

خلفائے راشدین کے ان واقعات کے بعد بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات سنیں جن سے پتہ چلے گا کہ اختلاف کے وقت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا نہ کہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کیا جائے گا۔ حج تمتع کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تو عروہ بن زبیر نے کہا کہ ابوبکر اور عمر نے اس سے منع کیا ہے یہ سن کر ابن عباس نے فرمایا:

”أراهم سيهلكون أقول: قال النبي - صلى الله عليه وسلم - ويقول: نهى أبو بكر وعمر -“

”میں سمجھتا ہوں کہ عنقریب یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور

یہ کہتا ہے کہ ابوبکر اور عمر نے اس سے منع کیا ہے۔“

① ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعے کو ابوداؤد (۲۸۹۴)، ترمذی (۱۲۰۱) ابن ماجہ (۲۷۲۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعے کو ابوداؤد (۲۳۰۰) ترمذی (۱۲۰۳) ابن ماجہ (۲۰۳۱) اور نسائی (۱۹۹/۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے ان دونوں کی مفصل تخریج، تخریج ”روضۃ الناظر“ میں کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (حدیث: ۴۳۰، ۴۷۷)۔

اسی طرح اسی مسئلے کے بارے میں ایک شامی آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ یہ جائز ہے تو اس نے کہا کہ آپ کے والد عمر نے تو اس سے منع کیا ہے تو ابن عمر فرمانے لگے کہ اگر میرے والد نے اس سے منع کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے کیا ہے تو کیا ہم اپنے باپ کی بات کو لیں گے یا کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل کو تو اس نے کہا کہ رسول اللہ کے عمل کو۔ تو ابن عمر نے کہا کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے یہ کیا ہے۔^⑨ یعنی حج تمتع۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلفائے راشدین سے اختلاف کیا اس کے بارے میں صفحہ (۳۳۵) میں مذکور علامہ صنعانی اور صفحہ (۳۳۷) میں مذکور ابن عبد الشکور اور انصاری کا کلام بھی ملاحظہ کریں۔

⑨ مولانا صادق صاحب پر بے جا اعتراض

موصوف صفحہ (۲۱) میں لکھتے ہیں: ”صادق صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں منیٰ کو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے دھو ڈالتی تھی۔ صادق صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ ان کے نزدیک منیٰ پاک ہے کہ ناپاک۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منیٰ ناپاک ہے اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری اہل حدیث کا مذہب نقل کرتے ہیں کہ منیٰ پاک ہے۔ فرماتے ہیں: ”و هو مذهب الشافعی، و أصحاب الحديث“ (تحفۃ: ۱۱۳) یعنی اصحاب الحدیث اور امام شافعی کا مذہب ہے کہ منیٰ پاک ہے۔ معلوم نہیں منیٰ کے بارے میں صادق صاحب کا مذہب کیا ہے؟۔“

غازی پوری صاحب! صادق صاحب نے اگر یہ نہیں بتلایا کہ منیٰ پاک ہے کہ ناپاک تو اس سے آپ کو کیا پریشانی لاحق ہے اگر آپ کو اس سے کوئی پریشانی ہے تو بتائیے شاید ہم اس کا کوئی حل تلاش کر پائیں۔

موصوف کی اصل پریشانی یہی ہے کہ انھیں اس کا حکم چاہیے تو آئیے صادق صاحب رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہم آپ کو اس کا حکم بتا دیتے ہیں اس کے لیے آپ اس کتاب کا صفحہ (۱۵۷ و ۱۵۸) دیکھ لیں آپ کو بڑی وضاحت کے ساتھ اس کا حکم مل جائے گا۔

غازی صاحب کو ہم نے اس کا حکم بتا دیا ہے امید ہے کہ موصوف بھی ہمیں ایک بات ضرور بتائیں گے وہ یہ کہ وہ کوئی معتبر حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منیٰ ناپاک ہے۔

آپ کی اس بات ”معلوم ہوتا ہے“ سے ہی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے پاس اس مسئلہ پر کتنی ٹھوس دلیل موجود ہے۔

⑩ غازی پوری کا سیالکوٹی صاحب پر اتہام:

موصوف (صفحہ: ۲۳) میں لکھتے ہیں:

⑪ ابن عباس کے اثر کو احمد (۳۳۷/۱) وغیرہ نے اور ابن عمر کے اثر کو ترمذی (۸۲۳) نے روایت کیا ہے اور یہ دونوں اثر ہی صحیح ہیں ان کی مفصل تخریج میں نے ”الطریق الحکمیہ“ لابن القیم کی تخریج۔ ملاحظہ ہو صفحہ: ۵۲-۵۳) میں کی ہے اور یہ کتاب بھی شارحہ دار الفتح میں زیر طبع ہے۔

صادق صاحب فرماتے ہیں کہ مسواک کرنا واجب ہے۔ (ص: ۷۸) لیکن یہ نہیں بتلایا کہ مسواک وضوء کرتے وقت واجب ہے، یا نماز پڑھتے وقت، مسواک کرنا مسجد سے باہر واجب ہے یا مسجد کے اندر واجب ہے۔

صادق صاحب کو یہ بھی نہیں پتہ کہ ان کے علماء نے کیا لکھا ہے غیر مقلد محدث مولانا شمس الحق ”غایۃ المقصود“ میں لکھتے ہیں: ”إن الأحادیث دلّت علی استحبابه عند کل صلوة“ یعنی احادیث نے مسواک کرنے کو ہر نماز کے وقت مستحب بتلایا ہے، پھر فرماتے ہیں کہ نماز سے پہلے مسجد کے باہر مسواک کر کے مسجد میں داخل ہو، مولانا عبدالرحمن مبارکپوری فرماتے ہیں کہ ”هذا کلام حسن“ یعنی یہ اچھی بات ہے۔ (تحفة: ۱/۳۵)۔

غرض مولانا صادق صاحب کا مسواک کو واجب بتلانا درست نہیں ہے ان کے علماء تو مسواک کرنے کو مستحب بتلاتے ہیں۔ مولانا صادق صاحب اور ان کے علماء غیر مقلدین پہلے یہ طے کریں کہ مسواک کرنی واجب ہے یا مستحب، مسواک کا حکم مسجد کے باہر ہے یا مسجد کے اندر ہی نماز کے وقت مسواک کی جائے گی۔

یہ بیچارے غیر مقلدین جس مسئلہ میں خود الجھے ہوئے ہیں اس کی تعلیم دوسروں کو دے رہے ہیں۔ یہ ہے مقلد موصوف کا کلام، موصوف یا تو ”سقیم الفہم“ ہیں یا پھر انھیں اتہام بازی کی عادت ہے غازی پوری صاحب کے اس کلام پر اب ہمارا کلام سنئے۔

۱۔ ہم موصوف سے پوچھتے ہیں کہ مولانا صادق صاحب نے مسواک کو کہاں واجب کہا ہے جس صفحہ کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس صفحہ پر مسواک کے حوالے سے مولانا موصوف نے تین عنوان قائم کیے ہیں جو یہ ہیں:

① مسواک سے رضائے الہی۔

② جبریل کی تاکید مسواک۔

③ مسواک کی اہمیت۔

مذکورہ عناوین میں سے کوئی ایک عنوان بھی ایسا نہیں جو مسواک کے وجوب پر دلالت کرتا ہو۔

ب۔ مولانا رحمہ اللہ نے ”مسواک کی اہمیت“ کے عنوان کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے اور اس کے آخر میں بریکٹوں کے درمیان جو وضاحت کی ہے اس وضاحت سے مقلد موصوف غلط فہمی کا شکار ہو گئے بلکہ انھیں مولانا پر اتہام لگانے کا موقع مل گیا اور وہ حدیث درج ذیل ہے۔

”روایت ہے ابو سلمہ سے نقل کی زید بن خالد جھنی نے کہا اس نے کہ سنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا

آپ نے اگر مشکل نہ جانتا میں اپنی امت پر تو میں انھیں ہر نماز کے نزدیک مسواک کرنے کا حکم کر دیتا۔

(کہ مسواک کرنی واجب ہے) رواہ الترمذی۔“

قارئین آپ نے بریکٹوں کے درمیان مولانا کے کلام کو ملاحظہ کر لیا۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ مسواک کرنا واجب ہے اس میں مؤلف نے مسواک کرنے کا حکم دے دینے کی وضاحت کی ہے یعنی میری امت کے لیے اگر ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مشکل کام نہ ہوتا تو میں اس پر مسواک کو واجب کر دیتا۔ مگر مقلد غازی پوری صاحب کا فہم قابلِ داد ہے کہ وہ اس کلام سے یہ سمجھ بیٹھے کہ مولانا نے مسواک کو واجب کہا ہے۔

اب غازی پوری صاحب کو دو چیزوں میں سے ایک کا اعتراف ضرور کرنا پڑے گا یا تو وہ یہ اعتراف کریں کہ مجھ سے غلطی ہو گئی کہ مفہوم کچھ تھا مگر میں کچھ اور سمجھ بیٹھا یا یہ کہ میں نے یہ سارا کھیل اتہام بازی اور مغالطہ دینے کے لیے کھیلایا ہے۔ ج۔ موصوف کا یہ کہنا کہ لیکن یہ نہیں بتلایا کہ مسواک وضوء کرتے وقت واجب ہے یا نماز پڑھتے وقت۔

یہ بھی کیسی عجیب بات ہے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مؤلف نے مسواک کو واجب نہیں کہا جیسا کہ ذکر ہوا۔

دوسری بات یہ ہے انھوں نے یہاں حدیث زید بن خالد رضی اللہ عنہ کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور ترجمے میں یہ الفاظ موجود ہیں ”ہر نماز کے نزدیک“ اگر آپ کو یہ نظر نہیں آیا تو اس میں صادق صاحب کا کیا قصور ہے اپنی نظر کا علاج کروائیں کیونکہ آپ کی نظر صحیح کام نہیں کر رہی، ایک تو آپ نے مؤلف پر یہ بہتان باندھا کہ انھوں نے مسواک کو واجب کہا ہے اور دوسرا یہ کہ انھوں نے اس کا محل ذکر نہیں کیا۔ اللہ یہدیک۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان کا یہ نہ بتلانا کہ مسواک کس وقت کی جائے اگر قابلِ اعتراض ہے تو پھر اس قسم کا اعتراض امام محمد پر بھی وارد ہوتا ہے کہ انھوں نے ”کتاب الآثار“ (۴۱/۶۶) میں تمام بن عباس رضی اللہ عنہما کی درج ذیل حدیث روایت کی ہے:

❦ کتاب الآثار میں ”عن تمام بن جعفر بن أبي طالب“ ہے حافظ ابن حجر ”الإیثار بمعرفۃ رواۃ الآثار“ (ص: ۱۴، ترجمہ: ۲۳) میں لکھتے ہیں: ”کذا فی النسخۃ، و هو مقلوب، والصواب: عن جعفر بن تمام بن العباس عن أبيه، أخرجه أحمد كذلك من طریق سيفان الثوري عن أبي علي“ ”نسخ (الآثار کے نسخ) میں ایسے ہی ہے اور یہ مقلوب ہے۔ درست ”جعفر بن تمام اپنے باپ سے“ ہے اس طرح سے احمد نے اس کو سفیان ثوری سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ”تعجیل المنفعہ“ (ص: ۵۹-۶۰، ترجمہ تمام بن جعفر و تمام بن العباس) بھی ملاحظہ کریں۔

قلت: تمام رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو احمد (۲۱۴/۱) بزار (۳۹۸-کشف) طبرانی (ج: ۲، حدیث: ۱۳۰۱-۱۳۰۳) اور حاکم (۱۳۶/۱) نے روایت کیا ہے اس کی سند ضعیف ہے مگر اس کا آخری ٹکڑا ”لو لا أن أشق.....“ شواہد کی بناء پر صحیح ہے ان شواہد میں سے ایک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جسے بخاری (۸۸۷) کتاب الجمعہ اور مسلم نے (۱۴۳/۳) کتاب الطہارۃ میں روایت کیا ہے۔

”مالی أراکم تدخلون علیّ قلحاً استاکوا، ولو لا أن أشق علی أمتی لأمرتهم أن یستاکوا عند کل صلاة۔“

کتاب الآثار کے محقق أبو الوفاء أفعانی لکھتے ہیں:

”هكذا ذكره الامام محمد هاهنا، و لم يذكر بأنه من سنن الوضوء، أم من سنن الصلاة، أم من السنن العامة“ (۷۱/۱)۔

”امام محمد نے اس کو یہاں ایسے ہی ذکر کیا ہے اور یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ (مسواک) وضوء کی سنن میں سے ہے یا کہ نماز کی سنن میں سے یا کہ عام سنن میں سے ہے۔“

۹۔ غازی پوری صاحب کا یہ کہنا کہ صادق صاحب کو یہ بھی نہیں پتہ کہ ان کے علماء نے کیا لکھا ہے:

غازی پوری صاحب! صادق صاحب نے یہاں کوئی ایسی بات نہیں کی جو ان کے علماء کے خلاف ہو یہ آپ کی کج فہمی ہے کہ آپ اسے خلاف سمجھ بیٹھے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر صادق صاحب کو اپنے علماء کے مذہب کا علم نہیں تو کیا آپ کو اپنے علماء کے مذہب کا علم ہے آپ حدیث ”فعلیکم بسنتی“ سے جو سمجھ بیٹھے ہیں کیا یہ آپ کے علماء کی شرح کے مطابق ہے۔ لفظ ”سنت“ کی آپ نے جو تعریف بیان کی کیا آپ کے علماء کے ہاں اس کی یہی تعریف ہے آپ کی اپنے علماء کے مذہب سے جہالت کی بعض دیگر مثالیں بھی آرہی ہیں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۳۶۲، وما بعدھا)۔

۱۰۔ موصوف نے اپنے مذکورہ کلام میں یہ بات بھی کہی ہے کہ ”مولانا صادق صاحب اور ان کے علماء غیر مقلدین پہلے یہ طے کریں کہ مسواک کرنی واجب ہے.....“

اسی طرح مذکورہ کلام کے بعد لکھا ہے: ”مولانا اسماعیل سلفی صاحب نے جو رسول اکرم ﷺ کی نماز لکھی ہے اس میں وضوء اور نماز کے بیان میں مسواک کا ذکر ہی گول کر دیا ہے اس لیے کہ اسماعیل سلفی صاحب کو خوب معلوم تھا کہ ان کے علماء احادیث کی روشنی میں مسواک کا حکم اور اس کی جگہ طے کرنے کے بارے میں آج تک متفق نہیں ہو سکے۔“

ہمیں ان مقلدین کی اس قسم کی باتیں پڑھ کر اور سن کر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہانک دیتے ہیں کہ غیر مقلدین میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے جب کہ ہم میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہ بات سراسر حقیقت کے منافی ہے کیونکہ مختلف مذاہب کے مقلدین میں بہت زیادہ اختلاف ہے یہاں تک کہ ایک مذہب کا مقلد دوسرے مذہب کے مقلد کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ⑩

⑩ اس کی قدرے تفصیل کے لیے اس کتاب کا صفحہ (۱۴۳، وما بعدھا) ملاحظہ کریں۔

مختلف مذاہب کے مقلدین ہی کا آپس میں اختلاف نہیں بلکہ ایک مذہب کے ہی مقلدین میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کی مثال کے لیے ہم دور نہیں جاتے بلکہ موصوف نے مسواک کے جس مسئلہ کی بناء پر یہ بات کہی ہے اسی مسئلہ کو لیتے ہیں۔

اس مسئلہ کے بارے میں ذکر ہوا کہ موصوف کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ مولانا صادق صاحب نے مسواک کو واجب کہہ کر دوسرے علماء اہل حدیث سے اختلاف کیا ہے۔

علی سبیل الجدل تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ مولانا صادق صاحب نے تو مسواک کو واجب کہا ہے جب کہ دوسرے علماء اہل حدیث اس کو مستحب کہتے ہیں یہ تسلیم کر لینے کے بعد اب ہم موصوف سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے فقہاء نے مسواک کے حکم کے بارے میں کیا کہا ہے کیا وہ اس کے حکم پر متفق ہیں یا کہ ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے صادق صاحب کو یہ پتہ نہیں کہ ان کے علماء نے کیا لکھا ہے اسی طرح موصوف کو بھی یہ پتہ نہیں کہ ان کے فقہاء نے کیا لکھا ہے آئیے اب اپنے فقہاء کے اس حکم کے بارے میں اقوال سنیں تاکہ آپ کو اپنے مذہب کا علم ہو۔

① امام محمد رحمہ اللہ مسواک سے متعلق تمام بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ① کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”والسواک عندنا من السنّة لا ینبغی أن یتروک“ (کتاب الآثار ۱/۶۹۷)۔

”ہمارے نزدیک مسواک کرنا سنت ہے۔ جس کا ترک درست نہیں۔“

اسی طرح قدوری نے ”مختصر القدوری“ (صفحہ: ۴۰) میں، کاسانی نے ”بدائع الصنائع“ (۱۹/۱) میں نسفی نے ”کنز الدقائق“ (۳۵/۱) تبیین الحقائق میں بابرٹی نے ”شرح العنایة علی الہدایة“ (۲۵/۱) فتح القدیر میں اور برہان الدین نے ”المحیط البرہانی“ (۵۳/۱۷۴) میں اس کو سنت شمار کیا ہے۔

اسی طرح ”الفتاویٰ الہندیہ“، فتاویٰ عالمگیری۔ (۷/۱) عربی میں بھی اس کو سنت کہا گیا ہے۔

② جبکہ علامہ مرغینانی وغیرہ کے نزدیک مسواک سنت نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مرغینانی قدوری کے اس قول ”والسواک“ یعنی مسواک وضوء کی سنتوں میں سے ہے کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے

ہیں: ”والأصح أنه مستحب“ الہدایة (۲۵/۱) فتح القدیر۔ ”صحیح ترین قول یہ ہے کہ مسواک مستحب ہے۔“

اور ابن قطلوبغا نے ”الترجیح والتصحیح علی القدوری“ (صفحہ: ۴۰) میں مرغینانی کا قول نقل کیا ہے گویا

③ یہ حدیث (صفحہ: ۳۴۴) میں گزر چکی ہے۔

④ مستحب اس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر گناہ نہ ہو۔

کہ ان کے نزدیک بھی مسواک مستحب ہی ہے۔ اور ابن ہمام لکھتے ہیں:

”فالحق أنه من مستحبات الوضوء۔“ (فتح القدیر: ۲۵/۱)۔

”حق یہ ہے کہ مسواک وضوء کے مستحبات میں سے ہے۔“

فخر الدین زلیعی ”تبیین الحقائق“ (۳۵/۱) میں لکھتے ہیں:

”والصحيح أنهما مستحبان يعني: السواك والتسمية۔“

”صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں مستحب ہیں یعنی مسواک اور تسمیہ۔“ تسمیہ سے مراد اللہ کا نام لینا ہے یعنی ”بسم اللہ“ کہنا۔

① ابن ابی العز حنفی صاحب ”ہدایہ“ کے قول ”والأصح: أنه مستحب“ کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بل الأصح: أنه سنة مؤكدة لحث النبي - عليه السلام - عليه ومواظبته عليه، و

ترغيبه فيه، و ندبه إليه، وتسميته إياه من الفطرة حتى أنه - صلى الله عليه وسلم -

قال: ”أكثرت عليكم في السواك“، أخرجه البخاري، وقال: ”لولا أن أشق على

أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة“ رواه الجماعة۔

والعجب من المؤلف كيف يقول ذلك، وهو يقول قبله: وعند فقده يعالج بالإصبع،

لأنه - عليه الصلاة والسلام - فعل ذلك، وهذا يدل على المواظبة من غير ترك، لأنه

انتقل عند فقده إلى بدل، وهو الإصبع، وذلك يفيد الوجوب، فلا أقل من كونه

سنة، مع أنه لم يرد أنه كان - عليه السلام - يعالج بالإصبع عند فقد السواك، وإنما

ورد أنه - عليه السلام - قال: ”يجزى من السواك الأصابع“ رواه البيهقي من طرق، وقال: هو

حديث ضعيف۔ (التبیه علی مشکلات الهدایة: ۲۵۵/۱: ۲۵۶)۔

”بلکہ صحیح ترین قول یہ ہے کہ مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس کی ترغیب دلائی ہے اور

ہمیشہ مسواک کی ہے اور اسے فطرت میں سے کہا ہے ② حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تمہیں بہت

① اور یہاں وضوء کرتے وقت ”بسم اللہ“ کہنا مقصود ہے وضوء کے وقت ”بسم اللہ“ کہنے کا حنفیہ کے نزدیک حکم کیا ہے اس کی

تفصیل (صفحہ: ۳۴۹) میں آرہی ہے۔

② صحیح مسلم (۱۳۷/۳) کتاب الطہارۃ، باب ”خصال الفطرۃ“ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے: ”عشر من

الفطرۃ“ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں، یعنی انبیاء کی سنت ہیں اور ان میں آپ ﷺ نے مسواک کا ذکر بھی کیا ہے۔

زیادہ مرتبہ مسواک کرنے کو کہا ہے۔“ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ ﴿۱﴾ اور آپ نے فرمایا: ”مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں اسے ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دے دیتا“ اس کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ ﴿۲﴾

مؤلف پر تعجب ہے کہ وہ یہ بات کیسے کہہ رہے ہیں جب کہ اس سے قبل انھوں نے کہا ہے کہ مسواک نہ ملنے پر انگلی کا استعمال کر لیا جائے کیونکہ آپ ﷺ نے ایسا کیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے مسواک ہمیشہ کی اور اسے ترک نہیں کیا کیونکہ آپ نے مسواک نہ ہونے کی صورت میں اس کے بدل کو اختیار کیا اور وہ ہے انگلی اور یہ عمل وجوب کا فائدہ دیتا ہے چنانچہ اس کا کم از کم حکم یہ ہے کہ یہ سنت ہو۔“

واضح رہے کہ حدیث اس طرح نہیں آئی کہ آپ ﷺ نے مسواک نہ ہونے کی صورت میں انگلی کا استعمال کیا بلکہ آپ ﷺ سے حدیث اس طرح آئی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”مسواک کے بدلے انگلیاں کام دے سکتی ہیں۔“ اس کو بیہقی نے مختلف طرق سے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔ ﴿۳﴾ ابن ابی العز کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ مسواک سنت مؤکدہ ہے۔

بلکہ علامہ عینی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ واجب ہے چنانچہ وہ صاحب ”ہدایہ“ کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”والعجب من المصنف - رحمه الله - أنه ذكر أن استعمال السواك سنة ثم احتج على ذلك بمواظبة النبي ﷺ - مع هذا لم يذكر شيئاً من الأحاديث الدالة على المواظبة ، و قد علم أن مواظبة النبي ﷺ على فعل شيء يدل على أن ذلك واجب.....“

و قد اعتذر عنه الشراح بأن المواظبة مع ترك دليل السنة، وبدونه دليل الوجوب ، وقد دلّ على تركه حديث الأعرابي ، فإنه لم يقل فيه تعليم السواك ، فلو كان واجباً لعلمه۔“

”مصنف رحمہ اللہ پر تعجب ہے کہ انھوں نے ذکر کیا کہ مسواک کرنا سنت ہے ﴿۴﴾ اور اس پر نبی ﷺ کی (مسواک کرنے پر) بیہقی سے دلیل لی ہے مگر انھوں نے بیہقی پر دلالت کرنے والی احادیث میں سے کسی

﴿۱﴾ یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة (حدیث: ۸۸۸)۔

﴿۲﴾ یعنی اس کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس حدیث کی مفصل تخریج میں نے ”روضۃ الناظر“ لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے، اور یہ اس کتاب کی پہلی حدیث ہے۔

﴿۳﴾ ملاحظہ ہو ”سنن بیہقی“ (۴۰/۱) وایضاً ”الکامل“ لابن عدی (۱۹۷/۵)۔

﴿۴﴾ صاحب ”ہدایہ“ کے نزدیک مسواک مستحب ہے سنت نہیں جیسا کہ (صفحہ: ۳۳۵) میں ان کا قول ذکر ہوا۔

ایک حدیث کا ذکر بھی نہیں کیا اور یہ معلوم ہے کہ نبی ﷺ کی کسی کام پر موافقت (ہیئگی) اس کے وجوب پر دلیل ہوا کرتی ہے۔

شارحین نے ان کی (مصنف کی) طرف سے عذر یہ پیش کیا ہے کہ ہیئگی کے ساتھ کبھی ترک کر دینا سنت کی دلیل اور بغیر ترک کئے وجوب کی دلیل ہوتی ہے اور اس کے (مسواک کے) ترک پر اعرابی کی حدیث دلالت کرتی ہے ﴿ کیونکہ اس میں آپ ﷺ نے (اعرابی کو) مسواک کی تعلیم نہیں دی چنانچہ مسواک کرنا اگر واجب ہوتا تو آپ ﷺ اسے اس کی تعلیم بھی دیتے۔“

علامہ عینی اس دلیل کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و فیہ نظر من وجهین: الاول: أنهم لم یأتوا بحديث فیہ تصریح بأنه - صلی اللہ علیہ وسلم - ترکہ فی الجملة۔

والثانی: استدلالہم علی ذلك بحديث الأعرابی لا یتیم، لأن الاستعمال للمسواک هل هو من سنة الدين، أو من سنة الصلاة، وقد اختلف العلماء فی ذلك.....“

البنایة (۱۴۳/۱)۔

”یہ دو وجوہ کی بنا پر محل نظر ہے پہلی وجہ یہ کہ وہ کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کر سکے جس میں یہ صراحت ہو کہ نبی ﷺ نے اس کو کبھی ترک کیا ہو۔

دوسری وجہ یہ کہ ان کا اعرابی کی حدیث سے اس پر (ترک پر) استدلال درست نہیں کیونکہ مسواک کے استعمال میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ سنت دین میں سے ہے یا کہ سنت نماز میں سے۔“

مذکورہ تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ فقہا حنفیہ کا مسواک کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے اور اس کے بارے میں ان کے تین بلکہ چار اقوال ہیں:

① مسواک کرنا سنت ہے جیسا کہ امام محمد، قدوری اور کاسانی وغیرہ نے کہا ہے۔

② مستحب ہے جیسا کہ مرغینانی اور ابن ہمام وغیرہ کا قول ہے۔

③ سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ ابن ابی العزّ نے کہا ہے۔

④ واجب ہے جیسا کہ عینی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

﴿ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس مشہور و معروف اور طویل حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں ہے کہ ایک اعرابی - دیہاتی - آیا اور اس نے جلدی جلدی سے نماز ادا کی جس میں اس نے خشوع و خضوع اور اطمینان سے کام نہ لیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو صحیح طریقے سے نماز پڑھنے کی تعلیم دی اور یہ حدیث بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہے۔

یہ تو مسواک کے حکم کے بارے میں علماء حنفیہ کے اختلاف کا بیان تھا جس طرح مسواک کے حکم کے بارے میں ان کا اختلاف ہے اسی طرح مسواک سے متعلقہ بعض دیگر مسائل میں بھی ان میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ مسواک سنت دین میں سے ہے یا کہ سنت وضوء یا سنت نماز میں سے ہے۔ بعض نے اس کو سنت دین میں سے شمار کیا ہے اس لیے کہ یہ وضوء کے ساتھ خاص نہیں ہے، بعض نے اس کو سنت وضوء اور بعض نے سنت نماز قرار دیا ہے۔

علامہ عینی نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

”و قول من قال: إنه من سنة الدين أقوى نقل ذلك عن أبي حنيفة“

”جس نے اس کو سنت دین کہا ہے اس کا قول زیادہ قوی ہے اور یہ قول ابوحنیفہ سے منقول ہے۔“

انھوں نے ہر قول کے دلائل بھی ذکر کیے ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”البنایۃ فی شرح الہدایۃ“ (۱/۱۴۴ وما بعدھا)۔

غازی پوری صاحب نے محض اپنی غلط فہمی کی بناء پر اہل حدیث پر کچھڑا چھلانے کی کوشش کی کہ ان کے علماء تو مسواک کرنے کو مستحب بتلاتے ہیں جب کہ مولانا صادق صاحب نے اس کو واجب کہا ہے مگر ہم نے اللہ عزوجل کے فضل سے ان کی معتبر کتب فقہ سے یہ ثابت کر دیا کہ مسواک کے حکم کے بارے میں فقہاء حنفیہ مختلف ہیں یہ ہے غازی صاحب کی اپنے مذہب کے بارے میں معلومات کا حال اگر انھیں یہ علم ہوتا کہ ہمارے فقہاء مسواک کے حکم کے بارے میں مختلف ہیں تو پھر وہ شاید ایسی باتیں نہ کرتے اب انھیں چاہیے کہ سب سے پہلے تو اپنے ہی مذہب کے بارے میں اپنی جہالت پر ماتم کریں اور اس کے بعد اپنے علماء کو یہ دعوت دیں کہ آج تک ہمارے فقہاء اگر اس مسئلہ پر متفق نہیں ہو سکے مگر ہمیں تو اب اس مسئلہ پر اور اپنے دیگر اختلافی مسائل پر اتفاق کر لینا چاہیے ورنہ ہم کس منہ سے لوگوں کو اپنی فقہ کی تعلیم دیں گے۔ اور کس منہ سے کہیں گے کہ تقلید خاتمہ اختلاف ہے۔

اس مناسبت سے اسی بات (طہارت کے باب) سے متعلق چند دیگر مسائل کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے جن کے بارے

میں علماء حنفیہ مختلف ہیں۔

پہلا مسئلہ.....:

وضوء سے پہلے تسمیہ (بسم اللہ) کہنے کا حکم:

اس کے حکم کے بارے میں فقہاء حنفیہ کے تین اقوال ہیں:

❁ پہلا قول: تسمیہ مستحب ہے۔

یہ مرغینانی اور فخر الدین زیلیعی وغیرہ کا قول ہے، مرغینانی قدوری کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”والأصح أنها مستحبة، وإن سماها في الكتاب سنة“ (الهداية: ۱/۲۲)۔
 ”صحیح ترین قول یہ ہے کہ تسمیہ مستحب ہے اگرچہ کتاب میں انھوں نے اس کو سنت کہا ہے۔“
 کتاب سے مراد ”مختصر قدوری“ ہے چنانچہ علامہ عینی مرغینانی کے اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں:
 ”أي القدوري، وقيل المبسوط، وليس بصحيح لأن المنصوص فيه على الاستحباب“ (البنایة: ۱/۱۴۲)۔

”یعنی قدوری اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مبسوط مگر یہ درست نہیں کیونکہ اس میں اس کے مستحب ہونے کی صراحت ہے۔“
 فخر الدین زلیعی لکھتے ہیں:

”والصحيح أنهما مستحبان يعني السواك والتسمية“ (تبیین الحقائق: ۱/۳۵)۔
 ”صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں مستحب ہیں یعنی مسواک کرنا اور تسمیہ۔“

❁ دوسرا قول: تسمیہ سنت ہے۔

یہ اکثر فقہاء کا قول ہے جیسا کہ ابن قطلوبغا نے ”الترجیح والتصحیح علی القدوری“ (صفحہ: ۴۰) میں زاہدی سے نقل کیا ہے۔

اور اس کو سنت کہنے والوں میں قدوری، سرخسی، نسفی، کاسانی اور طحاوی وغیرہ ہیں ملاحظہ ہو: مختصر القدوری، المبسوط للسرخسی (۵۵/۱) کنز الدقائق (۳۴/۱) بدائع الصنائع (۲۲۰/۱) اور المحيط البرہانی (۳۸/۱۷۰/۱)۔
 اسی طرح فتاویٰ عالمگیری (۶/۱- عربی) میں بھی اس کو سنت کہا گیا ہے۔

علامہ عینی، مرغینانی کے قول، ”والأصح أنها مستحبة“ کا تعاقب کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

”قلت: كيف يكون الأصح أنها مستحبة مع ورود الأحاديث الكثيرة الدالة على سنيتها بمقتضى التأويلات التي ذكرناها على أننا لو لم نورد لها المعارضة بأحاديث غيرها إياها لكان مقتضياً وجوب التسمية على ما ذهب إليه طائفة ممن ذكرناها فيما مضى، فلذلك نص على سنيتها في المحيط، و شرح مختصر الكرخي، والتحفة، والغنية، والجامع، والقدوري وقال ابن المرغيناني هو الصحيح و هو المختار أيضاً“ (البنایة: ۱/۱۴۲)۔

”میں کہتا ہوں: اس کا مستحب ہونا صحیح ترین قول کیسے ہو سکتا ہے جب کہ بہت سی احادیث ایسی ہیں جو ان تاویلات کے مطابق جن کا ہم ذکر کر چکے اس کی سنیت پر دلالت کرتی ہیں۔“

واضح رہے کہ اگر ہم ان احادیث کے مقابلہ میں دوسری احادیث پیش نہ کریں تو ان کا تقاضا یہ ہے کہ تسمیہ واجب ہے جیسا کہ ایک جماعت کا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں مذہب ہے اسی لیے محیط، شرح مختصر الکرنی، تحفۃ، غنیۃ، جامع اور قدوری میں اس کے سنت ہونے کی صراحت کی گئی ہے اور ابن مرغینانی نے کہا ہے صحیح یہی ہے اور مختار بھی یہی ہے۔“

تیسرا قول: یہ واجب ہے۔

اس کی طرف امام ابن ہمام کا رجحان ہے چنانچہ وہ حدیث ”لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه“ جو اللہ کا نام نہیں لیتا اس کا وضوء نہیں“ کے مقابلے میں جن احادیث کو پیش کیا جاسکتا ہے ان کا جواب دینے کے بعد لکھتے ہیں:

”فأدّى النظر إلى وجوب التسمية في الوضوء“ (فتح القدير: ۲۳/۱)۔

اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے امام ابن ہمام کی تائید کی ہے چنانچہ وہ اس مسئلے میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اختلف أصحابنا فيه على ثلاثة أقوال:

الأول: إنه مستحب، وهو قول ضعيف، وإن صححه صاحب الهداية۔

والثاني: إنه سنة مؤكدة، وعليه أكثرهم۔

والثالث: إنه واجب، وإليه مال ابن الهمام في ”فتح القدير“ وهو اللائق بالمنقول، والأصول، والأصل فيه حديث ”لا وضوء لمن لا يذكر اسم الله عليه“ (و أخرجه أبو داود والترمذی و ابن ماجه والدارقطني وغيرهم) (عمدة الرعاية شرح الوقاية) (۵۹/۱)۔

”ہمارے اصحاب کا اس میں تین اقوال پر اختلاف ہے۔

پہلا قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور یہ ضعیف قول ہے اگرچہ صاحب ”ہدایہ“ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور یہ اکثر کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے اس کی طرف ”فتح القدير“ میں ابن ہمام کا میلان ہے منقول اور اصول کے اعتبار سے یہی قول زیادہ قوی ہے اور اس کی دلیل حدیث ”اس کا وضوء نہیں جو اس پر اللہ کا نام نہیں لیتا“ ہے اور اس کو ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارقطنی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔“

اس کی مفصل تخریج کے لیے ”القول المقبول“ (صفحہ: ۱۶۶، حدیث: ۷۹) دیکھیں۔

غازی پوری صاحب نے اپنے رسالے میں اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ”صادق صاحب ص: ۸۱، میں فرماتے ہیں کہ وضوء کے شروع میں ”بسم اللہ“ ضرور پڑھنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا وضوء لمن لم

چند مقب پر ایک نظر

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تسمیہ کے حکم کے بارے میں حنفیہ کے تین قول ہیں:

۱ مستحب ہے۔

۲ سنت ہے۔

۳ واجب ہے۔

اور اس کے وجوب کی طرف امام ابن ہمام اور مولانا عبدالحی لکھنوی گئے ہیں۔

موصوف کا (صفحہ ۲۴) میں یہ کہنا کہ ”افسوس ضعیف حدیث سے وضوء میں ”بسم اللہ“ پڑھنے کو واجب بتلایا جا رہا ہے“ تو یہ افسوس صرف مولانا صادق صاحب پر ہی نہیں کریں بلکہ اپنے ابن ہمام اور لکھنوی پر بھی کریں کیونکہ وہ بھی وضوء کے شروع میں ”بسم اللہ“ پڑھنے کے وجوب کی طرف گئے ہیں۔

نیز ان سے یہ بھی پوچھیے کہ آپ نے ضعیف حدیث کی بناء پر اس کو واجب کیوں کہا ہے؟ جس طرح تسمیہ کے حکم میں ان کا اختلاف ہے اسی طرح اس کے مکمل میں بھی ان کا اختلاف ہے چنانچہ کاسانی لکھتے ہیں:

”واختلف المشايخ في أن التسمية يؤتى بها قبل الاستنجاء، أو بعده، قال بعضهم: قبله، لأنها سنة افتتاح الوضوء، وقال بعضهم: بعده لأن حال الاستنجاء حال كشف العورة، فلا يكون ذكر اسم الله تعالى في تلك الحالة من باب التعظيم۔“

(بدائع الصنائع: ۲۰/۱، و أيضاً المحيط البرهانی لبرهان الدين (۱/۱۷۰/۳۸)۔

”مشائخ کا اس میں اختلاف ہے کہ اللہ کا ذکر ۱۰ کب کیا جائے استنجاء سے پہلے یا اس کے بعد، بعض نے کہا ہے کہ استنجاء سے قبل کیونکہ یہ (تسمیہ) وضوء شروع کرنے کی سنت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ استنجاء کے بعد کیونکہ استنجاء کی حالت کشف عورہ (ستر کھلنے) کی حالت ہے چنانچہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے نام کا

→ يذكر اسم الله عليه“ جو (وضوء کے شروع میں) اللہ کا نام نہیں لیتا اس کا وضوء (پورا) نہیں ہوتا۔

صادق صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے امام ترمذی فرماتے ہیں: ”لا أعلم في هذا الباب حديثاً له إسناد جيد“ یعنی مجھے اس باب کی ایک حدیث کا بھی پتہ نہیں کہ جس کی سند عمدہ ہو۔ (صفحہ ۲۴)۔

قلت: یہاں میرا کلام کیوں نقل نہیں کیا گیا۔ یہ اس لیے کہ وہ کلام ان کی منشاء کے خلاف تھا کیونکہ اس میں ہے کہ اس کو ابن صلاح، ابن کثیر، بوسیری اور عراقی اور البانی نے حسن، منذری اور عسقلانی نے قوی کہا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے کہا ہے کہ ہمارے لیے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ ۱۰۶، حدیث: ۷۹)۔

اسی طرح امام ابن ہمام اور ابن نجیم نے بھی اس کو حسن کہا ہے ملاحظہ ہو: ”فتح القدیر“ (۲۳، ۲۲/۱) اور ”البحر الرائق“ (۳۹/۱)۔

① مراد تسمیہ یعنی ”بسم اللہ“ کہنا ہے۔

ذکر تعظیم کے باب میں سے نہ ہوگا۔“

صاحب ”ہدایہ (۲۴/۱) لکھتے ہیں:

”و یستمی قبل الاستنجاء، و بعده هو الصحيح۔“

”صحیح یہی ہے کہ استنجاء سے قبل اور بعد میں بھی تسمیہ کہے۔“

فتاویٰ عالمگیری میں بھی صاحب ”ہدایہ“ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (۶/۱)۔

جس طرح تسمیہ کے حکم کے بارے میں حنفی فقہاء کے تین اقوال ہیں اسی طرح محل تسمیہ کے بارے میں بھی ان

کے تین ہی اقوال ہوئے۔

① استنجاء سے قبل۔

② استنجاء کے بعد۔

③ قبل اور بعد۔

دوسرا مسئلہ.....:

وضوء کے لیے نیت، وضوء میں ترتیب اور پورے سر کے مسح کا حکم، قدوری کے کہنے کے مطابق یہ سب مستحبات میں

سے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

”و يستحب للمتوضئ أن ينوي الطهارة، و يستوعب رأسه بالمسح، و يرتب الوضوء،

فيبدأ بما بدأ الله تعالى بذكره، وبالميامن“ (مختصر القدوری: ۴۱)۔

”متوضی کے لیے مستحب ہے کہ وضوء کی نیت کرے پورے سر کا مسح کرے اور ترتیب سے وضوء کرے

چنانچہ ان اعضاء سے ابتداء کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے اور دائیں طرف سے ابتداء کرے۔“

یہ قدوری کا قول ہے جب کہ دیگر فقہاء حنفیہ کے نزدیک یہ کام سنت ہیں ملاحظہ ہو: (ہدایہ: ۳۲/۱-۳۵) بدائع

الصنائع: ۱/۱۹، ۲۱-۲۲) اور المحيط البرہانی (۱/۱۷۳-۱۷۶)۔

اور ابن قطلوبغا نے ”الترجیح والتصحیح علی القدوری“ میں قدوری کے اس کلام پر یوں تعلیق لگائی ہے:

”قال نجم الأئمة في شرحه: وقد عدّ الثلاثة في المحيط، والتحفة من جملة السنن

و هو الأصح.....“

”نجم الأئمة نے اپنی شرح میں کہا ہے کہ ان تینوں کاموں کو محیط اور تحفہ والے نے سنن میں شمار کیا ہے اور یہ

زیادہ صحیح ہے۔“

ابن ہمام نے بڑے سخت انداز میں قدوری کے اس قول کا رد کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:
”لا سند للقدوري في الرواية، ولا في الدراية في جعل النية، والاستيعاب، والترتيب
مستحباً غير سنة۔

أما الرواية فنصوص المشايخ متظافرة على السنية، ولذا خالفه المؤلف في الثلاثة، و
حكم بسنيته بقوله، فالنية في الوضوء سنة ونحوه في الآخرين۔
وأما الدراية فنذكره قريباً إن شاء الله تعالى“ (فتح القدیر: ۱/۳۲)۔

”نیت، پورے سر کے مسح اور ترتیب کو مستحب کہنے میں قدوری کے پاس روایت اور نہ ہی درایت کوئی سند ہے۔
روایت اس لیے کہ ان کے سنت ہونے پر مشائخ کے بے شمار نصوص ہیں اسی لیے مؤلف نے ان تینوں میں ان کی
مخالفت کی ہے، وضوء میں نیت سنت ہے اور اسی سے ملتی جلتی بات دوسرے کاموں کے بارے میں کہہ کر انھوں
نے ان کو سنت کہا ہے۔

اور درایت ان کے پاس کیسے سند نہیں، ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے ان شاء اللہ“
غازی پوری صاحب نے بڑے شیخی کے انداز میں یہ کہہ دیا کہ صادق صاحب کو یہ بھی نہیں پتہ کہ ان کے علماء نے
کیا لکھا ہے۔

اگر صادق صاحب کو نہیں پتہ تو آپ کے قدوری صاحب کو کونسا پتہ ہے کہ ان چیزوں کا ان کے علماء کے نزدیک کیا
حکم ہے جب قدوری صاحب کا حال یہ ہے تو پھر غازی پوری صاحب کا اپنے مذہب کے بارے میں بے خبر ہونا کوئی
تعجب کی بات نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ.....:

وضوء میں ڈاڑھی کے خلال کا حکم۔

کاسانی اور قدوری وغیرہ نے ڈاڑھی کے خلال کو وضوء کی سنتوں میں شمار کیا ہے ملاحظہ ہو: ”بدائع الصنائع
(۲۳/۱) اور ”مختصر قدوری (صفحہ: ۱/۳۱)۔

اور صاحب ”ہدایہ“ لکھتے ہیں:

”وقيل : هو سنة عند أبي يوسف - رحمه الله - جائز عند أبي حنيفة ، ومحمد رحمهما
الله“ - (۲۹/۱)۔

”کہا گیا ہے کہ ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سنت ہے۔ ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔“

بایرتی ”شرح العناية على الهداية“ (۲۹/۱) میں جائز کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و معنی قوله: جائز“ أن صاحبه لا ينسب إلى البدعة“۔

”جائز کے معنی یہ ہیں کہ خلال کرنے والے کو بدعت کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔“ یعنی یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے بدعت پر عمل کیا لہذا بدعتی ہو گیا۔
جب کہ کاسانی نے لکھا ہے:

”عند أبي حنيفة، و محمد من الآداب، و عند أبي يوسف سنة هكذا ذكر محمد في كتاب الآثار“۔

”ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک مستحبات میں سے ہے اور ابو یوسف کے ہاں سنت ہے محمد نے ”کتاب الآثار“ میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔“

امام ابن ہمام لکھتے ہیں:

”في غير نسخة من كتب الرواية سنة عند أبي يوسف۔ رحمه الله۔ مستحب عندهما۔“ (فتح القدیر (۲۹/۱)۔

”کتاب الروایہ کے متعدد نسخوں میں ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک سنت اور ان دونوں۔ ابوحنیفہ اور محمد کے ہاں مستحب ہے۔“

امام محمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے ڈاڑھی کے خلال کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا:
”الliche، إنما مواضع الوضوء ما ظهر منها فإذا أمر كفيه عليها۔ أجزاء“
(کتاب الاصل: ۵/۱)۔

”وضوء کی جگہیں وہ ہیں جو ظاہر ہیں پس جب وہ اپنی انگلیوں کو ڈاڑھی پر پھیر لے تو کافی ہوگا۔“
مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ڈاڑھی کے خلال والے مسئلے میں بھی احناف میں اختلاف ہے امام ابو یوسف کے نزدیک یہ سنت ہے۔ جب کہ امام ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک جائز اور بعض روایات کے مطابق مستحب ہے۔
ابن قطلوبغا نے ”الترجيح والتصحيح“ (صفحہ: ۴۱) میں لکھا ہے کہ سرخی نے ”مبسوط“ میں ابو یوسف کے قول ہی کو ترجیح دی ہے۔

چوتھا مسئلہ.....:

وضوء میں کہنیاں اور ایڑیاں کے دھونے کا حکم۔

امام ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد ﷺ کے نزدیک ہاتھوں کے ساتھ کہنیوں اور پیروں کے ساتھ ایڑیوں کو دھونا ضروری ہے جب کہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک کہنیاں اور ایڑیاں دھونے میں داخل نہیں ہیں لہذا ان کا دھونا ضروری نہیں ہے۔
ملاحظہ ہو: ہدایہ (۱۶۰/۱) اور بدائع الصنائع (۴/۱)۔

پانچواں مسئلہ.....:

امام محمد بیان کرتے ہیں:

”قلت: فإن باشرها لشهوة، وليس بينهما ثوب، أو انتشر لها؟“

قال: أما هذا فينقض وضوءه، وعليه أن يعيد الصلاة، وهذا قول أبي حنيفة، وأبي يوسف۔

وقال محمد: لا وضوء عليه حتى يخرج منه مذي أو غير ذلك۔“

(كتاب الأصل للإمام محمد (۶۵/۱)۔)

”میں نے ابو حنیفہ سے کہا کہ کوئی آدمی اپنی بیوی سے شہوت کے ساتھ مباشرت (جسم سے جسم ملائے)

کرے اور دونوں کے درمیان کوئی کپڑا بھی حائل نہ ہو اور اسے انتشار بھی ہو جائے؟

انھوں نے کہا کہ اس شخص نے اپنا وضوء توڑ لیا لہذا ضروری ہے کہ وہ دوبارہ وضوء کرے اور یہ ابو حنیفہ اور

ابو یوسف کا قول ہے۔

اور محمد کا کہنا ہے کہ اس پر وضوء نہیں جب تک کہ اس سے مزی وغیرہ خارج نہ ہو۔“

یہ شخص اگر بغیر وضوء نماز پڑھے تو امام محمد کے نزدیک اس کی نماز صحیح ہوگی جب کہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے

ز نزدیک اس کی نماز باطل ہوگی کیونکہ اس نے بغیر وضوء نماز پڑھی اور یہ کتنا بڑا اختلاف ہے۔

چھٹا مسئلہ..... اور بڑا دلچسپ مسئلہ:

ایک جنبی آدمی جس کے اعضاء وغیرہ پر کسی قسم کی نجاست نہیں ہے اور وہ کنویں میں ڈبکی یا غوطہ لگاتا ہے اور غسل

کی نیت نہیں کرتا تو کیا اس کا غسل ہوگا یا کہ نہیں نیز ایسے پانی کا حکم کیا ہے!

اس مسئلے کے بارے میں ائمہ ثلاثہ۔ ابو حنیفہ، محمد اور ابو یوسف کا اختلاف ہے۔

① امام محمد کے نزدیک اس کا غسل درست ہوگا اور کنویں کا پانی بھی مستعمل نہیں ہوگا یعنی غوطہ لگانے والا بھی طاہر

اور پانی بھی طاہر مطہر۔

② امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا غسل نہیں ہوگا اور نہ ہی پانی مستعمل ہوگا یعنی آدمی طاہر نہیں ہوگا اور پانی مطہر

ہی رہے گا۔

چند قتب پر ایک نظر

❖ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ آدمی جنبی ہی رہے گا یعنی اس کا غسل نہیں ہوگا اور کنویں کا پانی بھی ناپاک یا دوسرے لفظوں میں مستعمل ہو جائے گا۔

علماء حنفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ ”مسألة البئر جحط“ کے نام سے مشہور ہے۔

ح سے امام ابو حنیفہ کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی اور پانی دونوں نجس ہوں گے۔

ح سے امام ابو یوسف کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی اور پانی دونوں ہی اپنے حال پہ رہیں گے یعنی نہ تو آدمی کی طہارت ہوگی اور نہ ہی پانی ماء مستعمل ہوگا۔

اور ”ط“ سے امام محمد کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی بھی طاہر ہو جائے گا اور پانی بھی ماء مستعمل نہیں ہوگا یعنی طاہر مطہر ہی رہے گا۔ ❖

دیکھیں یہ بھی کتابت اختلاف ہے کہ امام محمد کے نزدیک یہ آدمی طاہر ہو جائے گا لہذا اگر وہ نماز پڑھے گا تو اس کی نماز صحیح ہوگی جب کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوگی کیونکہ اس نے حالت جنابت میں نماز ادا کی۔

اور پھر اگر کوئی دوسرا آدمی اس کنوے کے پانی سے غسل جنابت یا وضوء کرنا چاہے گا تو امام محمد اور ابو یوسف کے نزدیک اس کا غسل اور وضوء درست ہوگا جب کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا غسل ہوا اور نہ ہی وضوء کیونکہ اس کنوے کا پانی ماء مستعمل بن چکا ہے یعنی وہ مطہر (پاک کرنے والا) نہیں رہا۔

غازی پوری صاحب یہ آپ کے بہت سے اختلافی مسائل کی چند جھلکیاں ہیں اور مذکورہ ان تمام مسائل کا تعلق غسل اور وضوء سے ہے لہذا اب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے (صفحہ: ۲۸) میں یہ بات تو بڑی آسانی کے ساتھ لکھ دی کہ یہ وضوء کے مسائل تک متفق نہیں ہیں یہ بیچارے دوسروں کو رسول اکرم کی نماز کیا سکھلائیں گے؟ اب آپ جواب دیجیے کہ اگر ہم متفق نہیں ہیں تو کیا آپ متفق ہیں؟

اگر آپ لوگ متفق ہیں تو مثال کے طور پر جن چند اختلافی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے۔

❖ ملاحظہ ہو، امام ابن حزم کی کتاب ”الإعراب عن الحيرة والالتباس الموجودين في مذهب أهل الرأي والقياس“ (۱۳۴/۱)۔

اس کتاب کے محقق ڈاکٹر محمد بن زین الدین نے اس مسئلہ کے لیے حاشیہ میں ”تبیین الحقائق“ (۲۵/۱) اور ”رد المحتار“ لابن عابدین (۱۳۴/۱) کا حوالہ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ”الہدایۃ“ (۱۶۵/۱) مع نصب الراية بھی دیکھیں۔

امام ابن حزم نے اس کتاب میں حنفی فقہ کے بہت سے ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں اختلاف اور التباس پایا جاتا ہے۔

آئیے اب ہم آپ کو ان اختلافی مسائل کے علاوہ آپ کے باہمی اختلاف کی ایک اور ٹھوس دلیل دیتے ہیں امام محمد لکھتے ہیں:

”قد بَيَّنْتُ لَكُمْ قول أبي حنيفة، و أبي يوسف، و قولِي، و ما لم يكن فيه اختلاف فهو قولنا جميعًا۔“ (كتاب الأصل للإمام محمد (۲۷/۱)۔

”میں نے تمہارے لیے ابوحنیفہ، ابو یوسف اور اپنے قول کی وضاحت کر دی ہے اور جس (مسئلے میں) اختلاف (کا ذکر) نہ ہو تو وہ ہم سب کا قول ہوگا۔“ یعنی اس پر ہم تینوں کا اتفاق ہوگا۔

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اختلاف کتنے مسائل میں ہے اور اتفاق کتنے مسائل پر ہے: ”مقدمة النافع الكبير“ (صفحہ: ۱۲) سے مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی کا قول پڑھیے لکھتے ہیں:

”قال الغزالي: إنهما خالفًا أبا حنيفة في ثلثي مذهبه۔“

”غزالی نے کہا ہے کہ ان دونوں نے (ابو یوسف اور محمد نے) ابوحنیفہ سے ان کے دو تہائی (۲/۳) مذہب میں اختلاف کیا ہے۔“

قلت: غزالی نے یہ بات اپنی کتاب ”المتحول“ (صفحہ: ۴۹۶) میں کہی ہے اور ان کی مخالفت کی وجہ بھی ذکر کی ہے کہ ان کے امام ابوحنیفہ کے اندر خلط ملط اور تناقضات بہت تھے۔

ابن عابدین نے لکھا ہے:

”فحصل المخالفة من الصاحبين في نحو ثلث المذهب“ (حاشیہ ابن عابدین (۶۷/۱)۔

”یعنی صاحبین نے تقریباً ایک تہائی مذہب میں مخالفت کی ہے۔“

شبلی نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

”قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔“

(سیرۃ النعمان: ۲/۶۵، ۶۶) منقول از تاریخ التقلید (صفحہ: ۶۱)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی ”الفوائد البہیة“ کے حاشیے (صفحہ: ۱۶۳۔ ترجمہ محمد بن الحسن) میں لکھتے ہیں:

”عده ابن کمال من طبقة المجتهدين في المذهب الذين لا يخالفون إمامهم في

الأصول، وإن خالفوه في بعض المسائل، و كذا عدّ أبا يوسف منهم، و هو متعقب

عليه، فإن مخالفتهما للإمام في الأصول كثيرة غير قليلة۔“

”ان کو (محمد بن حسن کو) ابن کمال نے مجتہدین مذہب کے اس طبقہ کے لوگوں میں شمار کیا ہے جو اصول میں

اپنے امام کی مخالفت نہیں کرتے اگرچہ بعض فروعی مسائل میں وہ اس کی مخالفت کر جاتے ہیں۔
اسی طرح ابو یوسف کو بھی انھوں نے اسی طبقہ میں شمار کیا ہے۔

اور وہ اپنی اس بات پر قابل تعاقب ہیں کیونکہ ان دونوں کی اپنے امام کی اصول میں بھی مخالفت کم نہیں بلکہ بہت زیادہ ہے۔“

غازی پوری صاحب جب آپ لوگوں کے ائمہ کے اندر اس قدر اختلاف ہے اور ان ائمہ کے بعد آپ کے فقہاء میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے جس کی ہم چند مثالیں بھی ذکر کر چکے ہیں اور ان مثالوں کا تعلق غسل اور وضوء سے ہے لہذا آپ یہ بات کس منہ سے کہہ رہے ہیں کہ یہ وضوء کے مسائل تک بھی متفق نہیں ہیں۔“
مذکورہ بالا سطور میں ذکر ہوا کہ آپ کے ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے لہذا اب اگر کسی حنفی مفتی کو فتویٰ دینا ہو تو وہ کیا کرے گا۔ وہ درج ذیل اصولوں کو اپنے سامنے رکھے گا۔^❶

❶ جب کہ صاحبین اور امام باہم مختلف ہوں تو مفتی مختار ہے کہ جس کے قول پر چاہے فتوے دے۔

(در مختار (۲۹/۱) مقدمہ عالمگیری (۱۱۶/۱)۔

❷ جب کہ باہم اختلاف ہو تو جس پر عمل آسان ہو یا جو (قول) قوی ہو اس پر عمل کرے اور تمیز اس کی ہر زمانہ میں صاحب علم کر سکتے ہیں۔ (مقدمہ ہدایہ (۹۴/۱) مقدمہ عالمگیری (۱۱۶/۱)۔

❸ جب کہ طرفین (ابو حنیفہ و محمد) اور ابو یوسف مختلف ہوں تو ابو یوسف کے قول کو لیں گے بسبب آسانی کے۔

(در مختار (۷۹/۱)۔

❹ عبادات میں ابو حنیفہ کے قول پر اور وقف و قضاء میں ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔

(در مختار (۵۶۹/۲) ہدایہ (۱۰۴/۱) عالمگیری (۱۱۶/۱)۔

❺ سترہ مسائل میں امام زفر کے قول پر فتویٰ ہے۔ (مقدمہ عالمگیری (۱۱۶/۱)۔

مذکورہ تفصیل کے بعد اب شاہ ولی اللہ نے ”عقد الجید“ میں جو کہا ہے وہ ملاحظہ کریں:

”فتویٰ مطلق امام ابو حنیفہ کے قول پر ہے پھر ابو یوسف کے قول پر پھر محمد کے قول پر پھر زفر کے قول پر پھر زفر

بن ہذیل اور حسن بن زیاد کے قول پر اور بعض نے کہا، جب کہ امام اعظم ایک جانب ہوں اور صاحبین ایک

جانب تو مفتی کو اختیار ہے جس قول پر چاہے فتویٰ دے۔“ سلک مروارید ترجمہ عقد الجید (صفحہ: ۷۱)۔

مذکورہ اصولوں پر مطلع ہونے سے دو باتیں معلوم ہوئیں پہلی بات یہ کہ ائمہ حنفیہ کے مابین اختلاف ہے اور دوسری

❶ واضح رہے کہ یہ اصول ”تاریخ التقلید“ (صفحہ: ۶۲-۶۳) کے حوالے سے نقل کیے جا رہے ہیں۔

اس کے بارے میں ”حاشیہ ابن عابدین“ (۷۰-۷۱) وغیرہ بھی دیکھیں۔

یہ کہ اختلاف کی صورت میں فتویٰ کس امام کے قول پر ہوگا اس میں بھی اختلاف ہے جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا۔ غازی پوری صاحب پہلے آپ لوگ اپنے اندر اتفاق پیدا کریں پھر ہم سے بات کریں مگر جیسے آج تک آپ لوگوں کا اتفاق نہیں ہوا اس طرح بعد میں بھی نہیں ہو سکے گا۔

قارئین نے غازی پوری صاحب کی یہ بات اور اس قسم کی دوسری باتوں (جن پر تبصرہ کیا جا چکا) سے دو چیزوں میں سے ایک چیز ضرور اخذ کی ہوگی ان میں سے ایک یہ کہ موصوف دھوکہ باز اور فریبی ہیں کیونکہ وہ اپنے قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اہل حدیث کا آپس میں اختلاف ہے جب کہ ہم میں کوئی اختلاف نہیں اسی لیے تو دوسروں پر یکپہلو اچھالنے کی کوشش کی ہے۔

دوسری یہ کہ وہ اپنے مذہب کے بارے میں جاہل ہیں کیونکہ اگر انھیں اپنے مذہب میں اختلاف کا علم ہوتا تو وہ اہل حدیث پر یہ اعتراض نہ کرتے۔

موصوف کا (صفحہ: ۳۵۱-۳۵۲) میں جو کلام ذکر ہوا اس کے بعد لکھتے ہیں:

”افسوس ضعیف حدیث سے وضوء میں ”بسم اللہ“ پڑھنے کو واجب بتلایا جا رہا ہے ان غیر مقلدین کا عجیب حال ہے جب انکار پر آئیں تو صحیح سے صحیح تر حدیث کو رد کر دیں گے اور جب ماننے پر آئیں گے تو ضعیف احادیث سے وجوب ثابت کریں گے۔ (صفحہ: ۲۴۰)۔

جس حدیث کی طرف موصوف نے اشارہ کیا ہے اس کے بارے میں (صفحہ: ۳۵۲) میں ذکر ہوا کہ یہ حسن درجے کی حدیث ہے اور امام ابن ہمام اور ابن نجیم نے بھی اس کو حسن کہا ہے۔

اسی طرح مذکورہ صفحہ میں یہ بھی ذکر ہوا کہ موصوف نے اگر افسوس کرنا ہی ہے تو پھر ابن ہمام اور لکھنوی پر بھی افسوس کریں کیونکہ انھوں نے بھی اس حدیث کی بناء پر ”بسم اللہ“ کو واجب کہا ہے۔

رہی موصوف کی یہ بات کہ ”ان غیر مقلدین کا عجیب حال“ تو یہ سراسر اتہام ہے بلکہ یہ خصلت تو آپ لوگوں میں ہے کہ جب دیکھا کہ صحیح حدیث اپنے مذہب کے خلاف ہے تو اس کو رد کر دیا یا اس کی تاویلات کرنے کی کوشش کی اس کی اگر تفصیل درکار ہو تو اس کتاب کے درج ذیل صفحات دیکھیں (۱۱۱-۱۱۳، ۱۲۶، ۱۹۴ و ما بعدہا)۔

اور جب دیکھا کہ ضعیف حدیث ہمارے مسلک کی تائید کرتی ہے تو اسے فوراً قبول کر لیا چنانچہ آپ لوگوں کی کتب فقہ میں ایسی احادیث کی بھر مار ہے اور ان کتب کی احادیث کے بارے میں (صفحہ: ۱۲۸-۱۲۹، و ما بعدہا) میں ملا علی قاری اور مولانا عبدالحی لکھنوی کا جو کلام ذکر ہوا ہے اس کو دیکھیں۔

بات صرف ضعیف احادیث تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اپنے مقصد کے لیے اگر احادیث وضع کرنے کی بھی

ضرورت پڑی تو اس سے بھی آپ لوگوں نے گریز نہیں کیا، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کے (صفحات: ۱۱۶، ۱۸۳، ۲۵۸، وما بعدھا)۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر صحیح حدیث کو رد کرنے کے لیے اگر کسی صحابی پر تنقید کرنی پڑی تو اس سے بھی نہیں چونکے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اپنی فقہی موشگافیوں کی خاطر رسول اللہ ﷺ کی توہین سے بھی باز نہیں آئے۔ (ملاحظہ ہو اس کتاب کا (صفحہ: ۱۹۳)۔

ان تمام کارستانیوں کے باوجود بھی افسوس ہم پر ہی ہے۔ قارئین کے لیے ہم یہاں ایک مثال ذکر کرتے ہیں جس سے بخوبی یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ لوگ حدیث کے ساتھ کیسے کھیل کھیلتے ہیں:

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مشہور و معروف صحابی ہیں انھوں نے اپنی ایک حدیث میں رفع یدین اور جلسہ استراحت کا ذکر کیا ہے۔

حنفیہ چونکہ رفع یدین کے قائل ہیں اور نہ ہی جلسہ استراحت کے چنانچہ رفع یدین کا انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی پہلی عمر کا فعل ہے۔ مگر جب جلسہ استراحت کا مسئلہ آیا تو جواب یہ دیا کہ یہ آخری عمر کا واقعہ ہے کیونکہ آپ کا جسم بھاری ہو گیا تھا اس لیے آپ نے جلسہ استراحت کیا لہذا یہ نماز کے مسنون مسائل میں سے نہیں ہے۔ علامہ أبو الحسن سندھی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی قوم کے حدیث کے ساتھ اس کھیل پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے یوں رطب اللسان ہیں:

”..... مالک بن الحویرث، و وائل بن حجر ممن صلی مع النبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آخر عمرہ، فروایتہما الرفع عند الركوع والرفع منه دلیل علی بقاءہ و بطلان دعوی نسخہ۔

کیف، و قد روى مالک هذا جلسة الاستراحة فحملوها على أنها كانت في آخر عمره في سنّ الكبر فهي ليس مما فعلها النبي۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ قصداً فلا يكون سنة، و هذا يقتضى أن يكون الرفع الذي رواه ثابتاً لا منسوخاً لكونه في آخر عمره عندهم، فالقول بأنه منسوخ قريب من التناقض، و قد قال: صلی اللہ

ان کی یہ حدیث بخاری (حدیث: ۷۳۷، ۸۲۳) کتاب الصلاة، باب ”رفع الیدین“ و باب ”من استوی قاعداً فی وتر من صلاتہ ثم نهض“ میں ہے۔ جلسہ استراحت کے ذکر کے بغیر اس کو مسلم (۹۴/۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

تعالیٰ علیہ وسلم۔ لَمَالِكُ هَذَا، وَأَصْحَابُهُ "صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أَصْلَى" وَاللّٰهُ تَعَالَى
أَعْلَمُ" (حاشیہ السنہی علی النسائی: ۱۲۳/۲)۔

"مالک بن حویرث اور وائل بن حجر ؓ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ آپ کی
آخری عمر میں نمازیں پڑھی ہیں لہذا ان دونوں کا رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین بیان
کرنا اس کی (رفع یدین کی) بقاء پر اور اس کے منسوخ ہو جانے کے دعویٰ کے باطل ہونے پر دلیل ہے۔

اس پر دلیل کیسے نہ ہو کیونکہ انہی مالک نے جلسہ استراحت کو بھی روایت کیا ہے تو انہوں نے (فقہاء حنفیہ
نے) اس کو اس امر پر محمول کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس جلسہ کو آخری عمر میں کبرسنی کی وجہ سے کیا تھا نہ کہ
اس کو قصداً کیا تھا لہذا یہ سنت نہ ہوا اور یہ تاویل اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ رفع یدین جسے مالک نے
روایت کیا ہے ثابت ہو منسوخ نہ ہو اس لیے کہ آپ نے اس کو ان کے نزدیک آخری عمر میں کیا ہے لہذا اس
کو منسوخ کہنا ناقض کے قریب ہے۔

آپ ﷺ نے مالک اور ان کے ساتھیوں سے فرمایا تھا: "نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز
پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔"

⑪ غازی پوری صاحب (صفحہ ۳۴) میں شرم و حیاء کی تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے اور اپنی جہالت کا مظاہرہ کرتے
ہوئے لکھتے ہیں:

صادق صاحب سے اللہ سمجھے، بڑے بے ایمان واقع ہوئے ہیں احادیث رسول کے بارے میں ان کی جرأت دیکھ
کر مجھے اتنا سخت لفظ استعمال کرنا پڑا ہے ؓ نماز کے اوقات کے بیان میں انہوں نے پہلی یہ حدیث ذکر کی ہے اور
حوالہ دیا ہے مسلم شریف کا۔

"عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله - ﷺ - وقت الظهر إذا زالت الشمس ،
وكان ظل الرجل كطوله۔" الخ۔

"یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ظہر کا وقت جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کی لمبائی کے

⑫ مالک بن حویرث ؓ کی طرح وائل بن حجر ؓ نے بھی نماز میں رفع یدین کا ذکر کیا ہے اور ان کی حدیث مسلم (۱۱۳/۴)
کتاب "الصلاة"، باب "وضع الیدین علی الصدر فی الصلاة" وغیرہ میں ہے۔
مجھے بھی غازی پوری صاحب کی انتہائی درجے کی بے شرمی و بے حیائی، الزام تراشی، جہالت، اور بدیانتی کی وجہ سے مذکورہ
الفاظ کا استعمال کرنا پڑا ہے لہذا قارئین معذور سمجھیں۔

برابر ہو جائے تب ہوتا ہے۔“

چونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کو ہر زمانہ میں کچھ مؤخر کر کے پڑھنا چاہیے، سایہ ڈھلتے ہی ظہر کی نماز کا پڑھنا مناسب نہیں ہے۔

اور اسی پر احناف کا عمل ہے چونکہ یہ حدیث غیر مقلدین کے مذہب کے خلاف اور احناف کے مذہب کی صریح دلیل ہے اس وجہ سے صادق صاحب نے اس حدیث کا من مانا ترجمہ اور مطلب بیان کر کے حدیث کا اصل مفہوم ہی مسخ کر دیا، اب ذرا صادق صاحب کا ترجمہ اور مطلب سنئے۔

”حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وقت ظہر کا ہے جب آفتاب ڈھلے اور (رہتا ہے اس وقت تک کہ) ہو سایہ آدمی کا اس کے قد کے برابر، جب تک نہ آئے وقت عصر کا۔“ (صفحہ: ۱۴۳)۔

اہل علم غور فرمائیں حدیث رسول کے الفاظ کیا ہیں اور ان الفاظ کا مطلب کیا ہے اور صادق صاحب اس کا مطلب کیا بیان کر رہے ہیں، چشم فلک نے حدیث رسول کے ساتھ اتنی دلیری، جہالت اور تحریفی کرشمے کی مثالیں کم ہی دیکھی ہوں گی، اور اس جہالت و خیانت، بددیانتی اور بے ایمانی کے باوجود کسی کو شوق ہوتا ہے کہ وہ رسول اکرم کی نماز نامی کتاب لکھے اور صادق صاحب جیسے لوگوں کو شوق ہوتا ہے صلوٰۃ الرسول نامی کتاب لکھیں ”بے حیا باش ہرچہ خواہی کن۔“

میں دنیائے غیر مقلدیت سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر آپ میں امانت و دیانت ہے تو صادق صاحب کے مطلب و معنی کو اس حدیث پاک کے الفاظ کی روشنی میں صحیح ثابت کریں ورنہ اعلان کریں کہ صادق صاحب نے حدیث رسول پاک کا معنی و مطلب بیان کرنے اور اس کا ترجمہ کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کا پروگرام بنایا ہے۔“

یہ موصوف غازی پوری صاحب کا کلام ہے جس میں وہ سچ پا اور آپے سے باہر ہو گئے ہیں جس کی وجہ ان کی اپنی کج فہمی اور جہالت ہے کیونکہ مولانا صادق رحمہ اللہ نے اس حدیث کا جو ترجمہ اور مطلب بیان کیا ہے وہ بالکل درست ہے اور جو مطلب و ترجمہ غازی پوری صاحب نے کیا ہے وہ سراسر غلط ہے بلکہ ان کی جہالت پر دلالت کرتا ہے عبداللہ بن عمروؓ

موصوف نے حدیث اور اس کا ترجمہ نقل کرتے وقت ”عبداللہ بن عمر“ ذکر کیا جب کہ اس کے راوی ”عبداللہ بن عمرو“ ہیں حدیث رسول ﷺ سے اگر حقیقی تعلق اور واسطہ ہو تو تب یہ علم بھی ہو کہ اس حدیث کے راوی کون ہیں۔ افسوس ہے کہ جس آدمی کو عبداللہ بن عمرؓ اور ”عبداللہ بن عمرو“ میں تمیز نہیں وہ خود کو بڑا شارح حدیث سمجھ بیٹھا ہے۔

کی جس حدیث کو موصوف نے ذکر کیا ہے وہ لمبی حدیث ہے اور انھوں نے اس کا جو پہلا ٹکڑا ذکر کیا ہے اس ٹکڑے کے بعد کا ایک جملہ بھی اس حدیث کے معنی کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے اور وہ ہے:

”ما لم يحضر العصر ووقت العصر ما لم تصفر الشمس“۔

اس ٹکڑے کو پہلے ٹکڑے کے ساتھ ملا کر پورا جملہ اس طرح ہوا۔

”وقت الظهر إذا زالت الشمس، و كان ظل الرجل كطولہ ما لم يحضر العصر،

ووقت العصر ما لم تصفر الشمس۔“

مولانا صادق رحمۃ اللہ کے قلم سے اس کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔

”وقت ظہر کا ہے جب آفتاب ڈھلے اور (رہتا ہے اس وقت تک کہ) ہو سایہ آدمی کا اس کے قد کے برابر

جب تک نہ آئے وقت عصر کا، اور وقت عصر کا ہے جب تک کہ نہ ہو آفتاب زرد۔“

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں نماز ظہر اور عصر کا ابتدائی اور آخری وقت بیان کیا ہے نماز ظہر کا وقت سورج

کے ڈھل جانے سے شروع ہو کر جب تک آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر نہ ہو جائے تب تک رہتا ہے اور آدمی کا سایہ جب اس کے قد کے برابر ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور سورج کے زرد ہونے تک رہتا ہے۔^①

موصوف نے اس حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے اس کے مطابق اس میں عصر کے ابتدائی وقت کا ذکر ہی نہیں

جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جملے ”وقت الظهر إذا زالت الشمس و كان ظل الرجل كطولہ“ میں ظہر

کے مجموعی وقت کا ذکر کیا ہے نہ کہ صرف اس کے ابتدائی وقت کا اور اس کا جو مجموعی وقت ہے وہ سورج کے ڈھل جانے

سے لے کر آدمی کے سایہ کا اس کے قد کے برابر ہو جانے تک ہے اور جب آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے تو

عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

موصوف نے اس حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے اگر اس کو لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ سورج کے ڈھل جانے کے

نوراً بعد ظہر کی نماز پڑھنا درست نہیں جب تک کہ آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر نہ ہو جائے اور یہ مطلب سراسر باطل

ہے۔ کیونکہ یہ احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ اب اختصار کے ساتھ بعض احادیث اور اجماع کا ذکر سنیے۔

۱۔ احادیث:

انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

① واضح رہے کہ عصر کے آخری دو وقت ہیں ایک اختیاری اور دوسرا اضطراری۔ اختیاری وقت سورج کے زرد ہو جانے تک ہے

اور اضطراری وقت سورج غروب ہونے تک رہتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے پتہ چلتا ہے۔

چند قتب پر ایک نظر

”أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر.....“^①
 ”رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلنے کے وقت نکلے پس ظہر کی نماز پڑھی۔“

اس حدیث کو امام بخاری ”باب وقت الظهر عند الزوال“ میں لائے ہیں۔ اور ابوبزرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:
 ”..... ویصلی الظهر إذا زالت الشمس.....“^②
 ”جب سورج ڈھل جاتا تو آپ ﷺ ظہر کی نماز پڑھتے“

اس حدیث کو بھی امام بخاری مذکورہ باب میں لائے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کی شرح میں لکھتے ہیں:
 ”فإنه يقتضي أن زوال الشمس أول وقت الظهر، إذ لم ينقل أنه صلى قبله.....“
 (فتح الباری (۲۱/۲)۔)

”یہ حدیث اس بات کی متقاضی ہے کہ سورج کا ڈھل جانا ظہر کا اوّل وقت ہے کیونکہ آپ ﷺ سے زوال سے قبل ظہر کا پڑھنا منقول نہیں۔“
 اس سلسلہ کی دیگر متعدد احادیث بھی ہیں مگر اختصار کے پیش نظر صرف انہی دو احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ب۔ اجماع:

① غازی پوری صاحب آپ کے امام طحاوی لکھتے ہیں:

”..... فإنه ذكر عنه أنه صلاها حين زالت الشمس على ذلك اتفاق المسلمين أن ذلك أول وقتها.....“ (شرح معانی الآثار (۱۳۸/۱)۔
 ”رسول اللہ ﷺ سے مذکور ہے کہ آپ نے سورج کے ڈھل جانے پر نماز ظہر ادا کی۔ اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ ظہر کا اوّل وقت ہے۔“

② غازی پوری صاحب آپ کے لکھنوی صاحب لکھتے ہیں:

”أجمع علماء المسلمين على أن أول وقت صلاة الظهر زوال الشمس عن كبد السماء، ووسط الفلك إذا استوقن ذلك في الأرض بالتأمل.“ (التعليق الممجّد (۱۵۲/۱)۔

③ اس کو بخاری نے (۵۴۰) ”كتاب مواقيت الصلاة“ میں اور مسلم نے (۱۱۲/۱۵) ”كتاب الفضائل“ باب ”باب توقير رسول الله ﷺ“ میں روایت کیا ہے۔

④ اس کو بھی بخاری (۵۴۱) اور مسلم نے (۱۳۵/۵) ”كتاب المساجد، باب “استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها“ میں روایت کیا ہے۔

یعنی علماء مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ سورج کے آسمان کے درمیان سے ڈھل جانے کا جب یقین ہو جائے تو وہ نمازِ ظہر کا اوّل وقت ہے۔

لکھنوی صاحب نے امام طحاوی کا مذکورہ قول بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (۱۵۳/۱)۔

غازی پوری صاحب آپ کے سہارنپوری صاحب رقمطراز ہیں:

”و أجمعوا على أن ابتداء وقت الظهر الزوال، ولا خلاف في ذلك يعتد به“

(بذل المجہود: ۵/۳: ۱۵۴)۔

”علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ظہر کے وقت کی ابتداء زوال سے ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے کہ جس کی کوئی حیثیت ہو۔“

غازی پوری صاحب یہ ہیں آپ ہی کے علماء کے اقوال اور جو حدیث کا مطلب آپ نے بیان کیا ہے وہ سراسر ان کے خلاف ہے کیونکہ آپ کے بیان کردہ مطلب کے مطابق جب تک آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر نہ ہو جائے تب تک ظہر کی نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں ہوا اور قبل از وقت تو اذان بھی درست نہیں اس لیے تو آپ لوگوں نے فجر کی پہلی اذان کا انکار کیا ہے۔^❶ تو جب قبل از وقت اذان درست نہیں تو نماز کیونکر درست ہوگی۔ اپنا بیان کردہ مطلب دوبارہ ملاحظہ کر لیں:

”یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ظہر کا وقت جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کی لمبائی کے برابر ہو جائے تب ہوتا ہے۔“ (صفحہ: ۳۳)۔

آپ کے اس بیان کردہ مطلب کے مطابق نمازِ ظہر کے وقت کی ابتداء کے لیے دو شرطیں ہیں:

❶ سورج کا ڈھل جانا۔

❷ آدمی کے سائے کا اس کے قد کے برابر ہو جانا۔

ان شرطوں کے مطابق اگر سورج ڈھل گیا لیکن آدمی کا سایہ جب تک اس کے قد کے برابر نہ ہوگا تب تک نمازِ ظہر کا وقت داخل نہ ہوگا اور یہ بات آج تک کسی عالم نے کیا کسی جاہل نے بھی نہیں کی ہوگی۔

صحابہ میں سے بعض نے زوال سے پہلے تو ظہر پڑھنے کو جائز کہا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے مگر آپ کا

❶ واضح رہے کہ فجر کی اذان سے پہلے ایک اذان دینا جسے عرف عام میں سحری یا تہجد کی اذان کہا جاتا ہے اس کا ثبوت صحیح احادیث میں موجود ہے اسی لیے حافظ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ”قبل از فجر اذان دینا اگر ناجائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ بلال کو منع کر دیتے“ یہ اذان کس مقصد کے لیے دی جاتی تھی نیز اس میں اور فجر کی اذان میں کتنا وقفہ ہونا چاہیے ان امور کی تفصیل کے لیے ”القول المقبول“ (صفحہ: ۳۱۰-۳۱۱) دیکھیں۔

بیان کردہ مطلب آج تک سننے میں نہیں آیا۔

آئیے اب دیکھتے ہیں کہ شارحین حدیث نے اس حدیث کا کیا مطلب بیان کیا ہے۔

غازی پوری صاحب! آپ کے ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”قال الأبهري: قوله: ”ما لم يحضر“ بيان و تأكيد لقوله ”و كان.....الخ“

”اُبھری نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کا قول: ”ما لم يحضر“ یہ بیان اور تاکید ہے آپ کے اس قول ”و

كان ظل الرجل كطوله“ کی۔

اور یہی بات طیبی نے بھی ”شرح المشکوٰۃ“ (۸۷۴/۳) میں کہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ظہر کا وقت آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہونے تک رہتا ہے اور آپ ﷺ نے ”ما لم

يحضر العصر“ کہہ کر ”و كان ظل الرجل.....“ کی تاکید اور وضاحت کی ہے۔

آگے چل کر ملا علی قاری لکھتے ہیں:

”وقت العصر“ أي يدخل بما ذكر من ظل الرجل كطوله، ويستمر من غير كراهة ما

لم تصفر“ (المرقاۃ: ۲۸۲/۲، ۲۸۳، دار الفکر)۔

”یعنی آدمی کے سائے کا اس کے قد کے برابر ہو جانے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے عصر کا وقت داخل

(شروع) ہوتا ہے اور بغیر کراہت کے سورج کے زرد ہونے تک باقی رہتا ہے۔“

ابوالعباس قرطبیؒ لکھتے ہیں:

”أفاد بقوله: ”ما لم يحضر العصر“ أن الوقت ممتد متسع، و أن آخره أول وقت

العصر، و هو انتهاء آخر ظل المثل، و هذا مثل ما جاء في حديث إمامة جبريل

بالنبي - ﷺ - أنه صلى به العصر في اليوم الأول حين كان ظل كل شيء مثله“

(المفهم لما أشكل من تلخيص مسلم: ۲۳۴/۲)۔

”آپ ﷺ نے اپنے اس قول ”ما لم يحضر العصر“ سے یہ فائدہ دیا ہے کہ (ظہر کا) وقت متع

(کشادہ ہے) اور اس کا آخری وقت عصر کے اوّل وقت تک ہے۔ اور وہ ہے ظل مثل کے (ہر چیز کا سایہ

اس کے برابر ہو جانے کے) آخر کی انتہاء۔

❦ یہ قرطبی تفسیر والے قرطبی نہیں بلکہ یہ ان کے اساتذہ میں سے ہیں جیسا کہ اس کتاب کے (صفحہ: ۲۳، حاشیہ: ۳) میں قدرے

تفصیل سے ذکر ہوا۔

اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ جبریل کی نبی ﷺ کو امامت کروانے والی حدیث ﴿۱﴾ میں آیا ہے کہ انھوں نے پہلے دن میں آپ کو عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔“

غازی پوری صاحب آپ نے تو ”وكان ظل الرجل كطوله“ کو ظہر کے دخول وقت کی علامت قرار دیا ہے اب دیکھتے ہیں کہ آپ کے کبار علماء کی بھی یہی تفسیر ہے یا کہ وہ کچھ اور کہتے ہیں اب سنئے کہ وہ کیا کہتے ہیں:

﴿۱﴾ امام طحاوی کا (صفحہ: ۳۶۵) میں جو کلام ذکر ہوا ہے اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

”و اما آخر وقتها، فإن ابن عباس رضى الله عنه - و أبا سعيد - رضى الله عنه - وجابر و أبا هريرة - رضى الله عنهما - رووا عنه أنه صلاها في اليوم التالي حين كان ظل كل شيء مثله۔“

”رہا ظہر کا آخری وقت تو ابن عباس، ابوسعید جابر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے دوسرے دن ظہر کو اس وقت ادا کیا جب ہر چیز کا سایہ اس کے مانند ہو گیا تھا۔“

اور اوقات نماز پر بحث کرنے کے بعد اپنے مذہب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و جميع ما بيننا من هذه الأقوال في هذا الباب قول أبي حنيفة - رحمه الله - و أبي يوسف - رحمه الله - و محمد - رحمه الله - إلا ما بيننا مما اختلفوا فيه من وقت الظهر، فإن أبا حنيفة - رحمه الله - قال: هو إلى أن يصير الظل مثليه، هكذا روى عنه أبو يوسف - رحمه الله - عن الحسن بن زياد عن أبي حنيفة - رحمه الله - أنه قال في ذلك آخر وقتها: إذا صار الظل مثله، و هو قول أبي يوسف - رحمه الله - و محمد، و به نأخذ“ (شرح المعاني: ۱/۱۲۸، ۱۵۹)۔

”ہم نے اس باب میں جتنے اقوال بیان کیے ہیں، ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے لاکہ ہم نے ظہر کے (آخری) وقت کے بارے میں جو اختلاف بیان کیا ہے۔

چنانچہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کا آخری وقت (ہر چیز کا) سایہ دوگنا ہو جانے تک ہے، ابو یوسف رحمہ اللہ نے ان سے ایسے ہی روایت کیا ہے..... (جب کہ) حسن بن زیاد نے ان سے بیان کیا ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ اس کا آخری وقت (ہر چیز کا) سایہ اس کے مانند ہو جانے تک ہے۔ ابو یوسف اور محمد کا یہی

﴿۱﴾ اس حدیث کو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے جن میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں ان کی حدیث کو ابوداؤد (۳۹۳) اور ترمذی (۱۲۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے تفصیل کے لیے: ”القول المقبول“ (صفحہ: ۴۸، حدیث: ۳) دیکھیں۔

قول ہے اور ہم بھی اسی کو لیتے ہیں۔“

صاحب ”ہدایہ“ لکھتے ہیں:

”و آخر وقتها عند أبي حنيفة - رحمه الله - إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى في الزوال، و قالوا: إذا صار الظل مثله، و هو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله-“ (۲۱۹/۱)۔
 ”ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت ہر چیز کا سایہ سوائے زوال کے سائے کے اس سے دوگنا ہو جانے تک ہے اور دونوں (ابو یوسف و محمد) کا کہنا ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔“

سہارنپوری صاحب (صفحہ ۳۶۶) میں ان کا جو کلام ذکر ہوا اس کے بعد لکھتے ہیں:

”ثم اختلفوا في آخر وقت الظهر، فقال الأكثرون، و فيهم أبو يوسف، و محمد: آخر وقت الظهر إذا صار ظل كل شيء مثله، و هو رواية عن الإمام الأعظم أبي حنيفة - رحمه الله - و قال أبو حنيفة في ظاهر الرواية عنه.....“ (بذل المجهود ۱۵۵/۳)۔
 ”پھر ان کا (علاء کا) ظہر کے آخری وقت میں اختلاف ہے اکثریت کا کہنا ہے جس میں ابو یوسف اور محمد بھی ہیں کہ ظہر کا آخری وقت ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جانے تک ہے اور امام الأعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے“ اس کے بعد انھوں نے ان سے جو دوسری روایت ہے اس کا ذکر کیا ہے۔“

امام صاحب سے جو دوسری روایت ہے اس کے بارے میں مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: ”و خالفه أصحابه في ذلك“ ان کے اصحاب نے اس میں ان کی مخالفت کی ہے، اور آگے چل کر لکھتے ہیں: ”وهذا لم يتابع عليه“ (التعليق الممجد ۱۵۲/۱) یعنی اس قول میں ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں ہے بلکہ اس میں وہ متفرد ہیں۔

جب کہ امام قرطبی نے اس کو شافعی کی طرف بھی منسوب کیا ہے چنانچہ وہ امام صاحب کا قول ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”و هو قول شاذ خالف فيه هذه النصوص، و جميع الناس خلا أنه قد حكى عن الشافعي، و قد تبرأ من هذا القول أصحاب أبي حنيفة والشافعي لظهور فسادہ“ (المفهم ۲۳۴/۲-۲۳۵)۔

”یہ قول شاذ ہے اس میں انھوں نے ان نصوص اور تمام لوگوں کی مخالفت کی ہے، لاکہ یہ قول شافعی کے بارے میں بھی بیان کیا گیا ہے اس قول کا فاسد ہونا چونکہ ظاہر ہے اسی لیے ابوحنیفہ اور شافعی کے اصحاب نے اس سے براءت کا اظہار کیا ہے۔“
قلت: امام شافعی کی طرف اس قول کی نسبت قابل بحث ہے کیونکہ امام نووی نے ”المجموع“ میں کوئی ایسی بات نہیں کی بلکہ انھوں نے قاضی ابوالطیب کے حوالے سے ابن المذرک کا یہ قول نقل کیا ہے: ”لم يقل هذا أحد غير أبي حنيفة“ (۲۱/۳) ابوحنیفہ کے علاوہ یہ بات کسی اور نے نہیں کہی۔“

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ غازی پوری صاحب نے ظہر کے وقت کی ابتداء کی جو علامت ذکر کی ہے وہ اس کے انتہاء کی اور عصر کے وقت کی ابتداء کی علامت ہے۔

امام طحاوی اس مسئلہ پر کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو کیا اس کے بعد بھی ظہر کا کچھ وقت باقی رہتا ہے یا کہ ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”فثبت بذلك إذا أجمعوا في هذه الروايات أن بعد ما يصير ظل كل شيء مثله وقتاً للعصر أنه محال أن يكون وقتاً للظھر“ (شرح المعانی: ۱/۱۲۹)۔

”جب وہ ان تمام روایات کو جمع کریں تو ان سے ثابت یہ ہوگا کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو وہ عصر کے لیے وقت ہے چنانچہ مستحیل ہے کہ وہ کچھ ظہر کے لیے (آخری) وقت بھی ہو۔“

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس چیز سے اس امت کے لیے عصر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے تو غازی پوری صاحب کے نزدیک اس سے عصر کے وقت کی بجائے ظہر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے آفرین ہے غازی صاحب کے فہم و فراست اور ان کے علم پر۔

غازی صاحب نے آپ سے باہر ہو کر مولانا صادق رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جن نازیبا کلمات کا استعمال کیا ہے آپ ان کو (صفحہ: ۳۶۳) میں ان کے طویل کلام میں ملاحظہ کر چکے ہیں مگر یاد دہانی کے طور پر اب ان کا خلاصہ ملاحظہ کریں۔

”صادق صاحب سے اللہ سمجھے، بڑے بے ایمان واقع ہوئے ہیں چشم فلک نے حدیث رسول کے ساتھ اتنی دلیری، جہالت اور تحریفی کرشمے کی مثالیں کم ہی دیکھی ہوں گی اور اس جہالت و خیانت، بددیانتی اور بے ایمانی کے باوجود کسی کو شوق ہوتا ہے کہ وہ ”رسول اکرم کی نماز“ نامی کتاب لکھے اور صادق صاحب جیسے لوگوں کو شوق ہوتا ہے ”صلوۃ الرسول“ نامی کتاب لکھیں ”بے حیا باش ہر چہ خواہی کن۔“

قارئین مذکورہ تفصیل ملاحظہ کر لینے کے بعد عدل و انصاف کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ان نازیبا اور اخلاق سے عاری کلمات کے مستحق مولانا صادق صاحب ہیں یا کہ محمد ابو بکر غازی پوری صاحب۔

شاید کہ غازی پوری صاحب کے والدین نے ان کا نام محمد اس لیے رکھا ہو کہ ہمارا بیٹا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو اپنانے کی کوشش کرے گا مگر محسوس ہوتا ہے کہ ان کی یہ خواہش و تمنا پوری نہیں ہوئی۔

ان الفاظ کے علاوہ موصوف نے دیگر مقامات پر بھی نازیبا اور اخلاق سے گرے ہوئے کلمات کا استعمال کیا ہے مثلاً صفحہ: (۲۰) میں لکھا ہے ”اب صادق صاحب کی عقل ملاحظہ فرمائیے اور صفحہ (۳۵) میں کہا ہے: ”صادق صاحب کی بے حیائی کا عالم یہ ہے۔“

ان پچارے غازی پوری صاحب کو بھی شوق کو دا کہ میں بھی کسی کا رد لکھوں اگر انھیں واقعہ رد لکھنے کا شوق ہے تو سب سے پہلے اپنے مذہب کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کریں اور پھر سلیقے سے حدیث پڑھیں تو پھر شاید صحیح رد لکھنے کے قابل ہو جائیں۔

غازی پوری کا حنفی مذہب پر افتراء:

موصوف نے صرف مولانا صادق صاحب پر ہی زیادتی نہیں کی بلکہ انھوں نے اپنے حنفی مذہب پر بھی افتراء کیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

”چونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کو ہر زمانہ میں کچھ مؤخر کر کے پڑھنا چاہیے، سایہ ڈھلتے ہی ظہر کی نماز کا پڑھنا مناسب نہیں ہے اور اسی پر احناف کا عمل ہے۔“ (صفحہ: ۳۴)۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم موصوف سے پوچھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ ظہر کو ہر زمانہ میں کچھ مؤخر کر کے پڑھنا چاہیے ظہر کو آپ جب آدمی کے سایہ کے برابر ہو جانے پر پڑھیں گے تو وہ کچھ مؤخر نہ ہوگی بلکہ بہت زیادہ مؤخر ہوگی، مؤخر نہیں بلکہ بعد از وقت پڑھی جائے گی کیونکہ آدمی کا سایہ جب اس کے ٹد کے برابر ہو جائے گا تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہو جائے گا جیسا کہ تفصیل سے ذکر ہوا، لہذا موصوف کی یہ بات سراسر غلط ہے۔

اور حنفی مذہب پر موصوف نے افتراء یوں کیا کہ کہہ دیا اسی پر احناف کا عمل ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ احناف ظہر کو اس کے وقت کے نکل جانے کے بعد ادا کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب احناف بھائیوں کو چاہیے کہ وہ غازی پوری صاحب کے اس اتہام و افتراء پر ان کی خبر لیں۔

موصوف نے مولانا صادق صاحب کے بارے میں نازیبا کلمات کہنے کے بعد یہ کہا ہے:

”میں دنیائے غیر مقلدیت سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر آپ میں امانت و دیانت ہے تو صادق صاحب کے مطلب و معنی کو اس حدیث پاک کے الفاظ کی روشنی میں صحیح ثابت کریں ورنہ اعلان کریں کہ صادق صاحب نے حدیث رسول پاک کا معنی و مطلب بیان کرنے اور اس کا ترجمہ کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کا پروگرام بنایا ہے۔“ (صفحہ: ۳۵)۔

قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ہم دلائل سے مولانا صادق صاحب کے ترجمہ و مطلب کو صحیح اور غازی پوری صاحب کے ترجمہ و مطلب کو غلط و باطل ثابت کر چکے ہیں لہذا ہم دنیائے مقلدیت دیوبندیت سے اپیل کرتے ہیں کہ اگر آپ لوگ ان کے بیان کردہ ترجمہ و مطلب سے موافق ہیں تو اس ترجمہ و مطلب کو دلائل کی روشنی میں صحیح ثابت کریں اگر آپ

موافق نہیں ہیں۔ ظاہر ہے موافق نہیں ہوں گے۔ تو پھر یہ اعلان کریں کہ غازی پوری صاحب نے نہ صرف یہ کہ حدیث رسول ﷺ کے ترجمہ و مطلب بیان کرنے میں خیانت اور مولانا صادق صاحب پر ہی زیادتی کی ہے بلکہ انھوں نے احتلاف پر بھی افتراء کیا ہے اور عوام الناس کو دھوکہ دینے کی مذموم سعی کی ہے لہذا آج سے ہمارا اس خائن، مفتری اور دھوکے باز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی اعلان میں آپ لوگوں کے لیے خیر اور فائدہ ہے ورنہ غازی پوری صاحب آپ سب کی ذلت و ندامت کا سبب بنتے رہیں گے۔

⑫ موصوف نے (صفحہ: ۳۸) میں لکھا ہے کہ ”صادق صاحب فرماتے ہیں: اور نیت کا زبان سے ادا کرنا نہ ہی رسول پاک کی سنت سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے۔“

اور صادق صاحب اس مسئلہ کو ایسا بیان کر رہے ہیں جیسے زبان سے نیت نہ کرنے پر ان کے پاس کوئی صریح دلیل ہے ابن قیم اور ابن تیمیہ کی تقلید کی ہے ورنہ آنحضور اکرم ﷺ سے ایسی کوئی بات قطعاً ثابت نہیں ہے جس سے زبان سے نیت نہ کرنے پر استدلال کیا جاسکے..... اور یہ اصلاً محمود امر ہے اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں.....۔“

یہ ہے موصوف کا کلام جس سے ان کے مبلغ علم کا خوب پتہ چلتا ہے۔

غازی پوری صاحب نے جو کچھ کہا اس پر ہم طویل کلام نہیں کرنا چاہتے کیونکہ خلاف توقع کتاب پہلے ہی بہت طویل ہو چکی ہے لہذا اختصار کے پیش نظر درج ذیل باتوں پر اکتفاء کرتے ہیں:

① موصوف کے اس کلام سے کہ ”صادق صاحب اس مسئلہ کو ایسا بیان کر رہے ہیں جیسے زبان سے نیت نہ کرنے پر ان کے پاس کوئی صریح دلیل ہے ورنہ آنحضور اکرم ﷺ سے ایسی کوئی بات قطعاً ثابت نہیں ہے جس سے زبان سے نیت نہ کرنے پر استدلال کیا جاسکے“ پتہ چلتا ہے کہ ان کو یہ اعتراف ہے کہ نیت کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں ہے۔

غازی پوری صاحب جیسے رسول اللہ ﷺ سے نیت کرنے کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہے اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی اس کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہے اگر ہے تو لاؤ صرف امام ابوحنیفہ ہی نہیں بلکہ ائمہ اربعہ سے بھی یہ ثابت نہیں جیسا کہ ابن نجیم نے ”الاشباہ والنظائر“ (صفحہ: ۵۰) میں ابن امیر حاج سے نقل کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

”إنه لم ينقل عن الأئمة الأربعة۔“

”یہ ائمہ اربعہ سے منقول نہیں۔“

② غازی پوری صاحب اگر ہر وہ کام جس کے نہ کرنے پر رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہ ہو اس کا کرنا جائز اور محمود

اُمر ہے تو پھر کئی ایسے کام ہیں جن کا آپ کے علماء نے انکار کیا ہے اب آپ ہی بتائیں کہ ان کا انکار کرنا درست ہے یا کہ آپ کا ان کو جائز اور محمود امر کہنا۔ اب ہم آپ کے سامنے اس کی چند مثالیں رکھتے ہیں:

۱۔ نماز جنازہ کے بعد بریلوی حضرات دعا کرتے ہیں جب کہ آپ کے کئی علماء و فقہاء نے اس کا انکار کیا ہے۔ تفصیل کے لیے مولانا سرفراز گکھڑوی صاحب کی کتاب ”راہ سنت“ (صفحہ: ۲۰۵) و ما بعدھا) ملاحظہ کریں۔

اب آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا اس دعا کے نہ مانگنے پر رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث ثابت ہے۔ یتنوا تو جروا۔
 ب۔ آپ کے کئی علماء نے جن میں مولانا انور شاہ کاشمیری اور مفتی شفیع بھی ہیں انھوں نے نماز کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا انکار کیا ہے بلکہ مولوی حکیم عماد الدین دیوبندی نے ”التحقیق الحسن فی نفی الدعاء الاجتماعی بعد الفرائض والسنن“ کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح بعض دیگر دیوبندی علماء نے بھی اس کے رد میں لکھا ہے تو کیا اس کے انکار پر رسول اللہ ﷺ سے کوئی خاص حدیث ثابت ہے یا امام صاحب سے کوئی ایسی صراحت ملتی ہے۔ یتنوا تو جروا۔

ج۔ اس کتاب کے (صفحہ: ۳۴) میں ذکر ہوا کہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے بدعت ضلالت کی مثال دیتے ہوئے بشر بن مروان کے فعل کا ذکر کیا ہے کہ اس نے خطبہ جمعہ کی دعا میں ہاتھ اٹھائے، مطلب یہ ہوا کہ خطبہ جمعہ کی دعا میں ہاتھ اٹھانا لکھنوی صاحب کے نزدیک بدعت ضلالت ہے۔
 غازی پوری صاحب اس فعل کی ممانعت یا اس کے بدعت ہونے پر کوئی خاص حدیث ہے۔

اسی طرح حنفیہ نے کہا ہے کہ جب خطیب خطبہ جمعہ میں دعا کرے تو لوگوں کے لیے ہاتھ اٹھانا اور اونچی آواز سے آمین کہنا جائز نہیں اور اگر انھوں نے ایسا کیا تو صحیح قول کے مطابق وہ گنہگار ہوں گے۔ تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ: ۳۳) ملاحظہ کریں۔

غازی پوری صاحب کیا خطبہ جمعہ کی دعا میں خطیب اور سامعین کے لیے ہاتھ اٹھانے کی ممانعت یا سامعین کے لیے بلند آواز سے آمین کہنے کی ممانعت پر کوئی خاص دلیل ہے اگر ہے تو پیش کرو۔ أفیدونا أفادکم اللہ۔

د۔ غازی پوری صاحب! آپ حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو بعد از سلام مسنون ہے لیکن اگر کوئی سجدہ سہو قبل از سلام کر لیتا ہے تو کیا اسے بعد از سلام اعادہ کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟ سنئے اس کے بارے میں کاسانی کیا کہتے ہیں:

”ولو أمرناه بالإعادة كان تكراراً، وأنه بدعة، وترك السنة أولى من فعل البدعة۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔“ (بدائع الصنائع ۱۰/۱۷۷)۔

”اگر ہم اسے اعادہ کا حکم دیتے ہیں تو یہ تکرار اور بدعت ہوگا اور سنت کو ترک کر دینا بدعت کے کرنے سے

بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔“

غازی پوری صاحب کیا اعادہ کی ممانعت یا اس کے بدعت ہونے پر کوئی خاص ممانعت آئی ہے۔ بینوا تو جروا۔

۵۔ غازی پوری صاحب آپ کے فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ سجدہ سہو کرنے سے قبل دونوں طرف سلام پھیرے یا کہ ایک طرف ہی سلام پھیر کر کرے۔

صاحب ”ہدایہ“ نے دونوں طرف سلام پھیرنے کو صحیح قرار دیا ہے اور آپ کے صدر الاسلام نے ایک طرف سلام پھیرنے کے قائل کو بدعتی کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: الهدایۃ مع شرحہ فتح القدیر والعنایۃ (۵۰۱/۱)۔

غازی پوری صاحب اس عمل کے بدعت ہونے پر اگر کوئی خاص دلیل ہے تو لائیں اور اپنے فقہاء کو مستفید کریں جو اس کے قائل ہیں۔

۶۔ غازی پوری صاحب ہم دوسری مثالوں کو چھوڑ کر زبان سے نیت ہی کے مسئلے کی طرف آتے ہیں اور اس کے بارے میں آپ کو بعض حنفی مشائخ کا فتویٰ سناتے ہیں۔

علامہ ابن ابی العزّ لکھتے ہیں:

”قال في ”المفيد“ : كره بعض مشايخنا النطق باللسان، لأن النية علم القلب واللّه

تعالى۔ مطلع على ما في الضمائر، فلا حاجة إلى الإفصاح باللسان۔“

” (أبو المفاخر الكردري نے) ”المفيد“ ۱۰ میں کہا ہے: ہمارے بعض مشائخ نے زبان سے نیت کرنے

کو مکروہ جانا ہے ۱۱ کیونکہ نیت دل کا علم ہے ضمائر میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہے لہذا زبان سے

کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

ابن ابی العزّ ان کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وهذا هو الصحيح، فإن قول القائل: نويت صلاة كذا، وكذا من نوع العبث من

وجوه: أحدهما: أنه لم ينقل۔

الثاني: أنه إما أن يريد به الإنشاء، أو الإخبار، وكل منهما باطل۔

أما الإنشاء فلأن الصلاة ليست من باب العقود التي يثبت حكمها بالإنشاء۔

۱۲ اس کا پورا نام ”المفيد والمزيد“ ہے اور یہ مؤلف کے شیخ أبو الفضل الکرمانی کی کتاب ”التجريد“ کی شرح ہے۔ مؤلف جن

کا نام ”عبد الغفور بن لقمان“ ہے یہ اپنے وقت میں حنفیہ کے امام تھے اور ان کی وفات (۵۶۲ھ) میں ہوئی۔ منقول از

ہامش ”التنبیه علی مشکلات الهدایہ (۵۰۹/۱)۔“

۱۳ ”المفيد“ کے حوالے سے یہاں تک یہ قول ابن نجیم نے بھی ”الاشباه والنظائر“ (صفحہ: ۵۰) میں ذکر کیا ہے۔

و أما الإخبار، فكذلك - أيضًا - لأنه إما أن يريد إخبار نفسه، أو ربه، أو الكرام الكاتبين، و كل منها لا يصح الخ“ (التنبيه على مشكلات الهداية: ۵۰۹/۱)۔
 ”یہی صحیح ہے کیونکہ کہنے والے کا یہ کہنا کہ میں نے فلاں فلاں نماز کی نیت کی یہ کئی اعتبار سے لغو کی قسم میں سے ہے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ یہ منقول نہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی اس بات سے یا تو انشاء کا ارادہ کرے گا یا اخبار کا، اور یہ دونوں ہی باطل ہیں۔ انشاء اس لیے باطل ہے کہ نماز کا تعلق ان عقود سے نہیں جن کا حکم انشاء سے ثابت ہوتا ہے۔

اور اخبار (خبر دینا) کا حکم بھی اسی طرح ہے کیونکہ وہ یا تو خود کو، یا اپنے رب کو اور یا کرام الکاتبین کو خبر دینا چاہتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔“

عقود سے مراد نکاح شادی اور خرید و فروخت وغیرہ ہے اور انشاء سے یہاں مراد یہ ہے کہ آدمی کہے کہ میں نے فلاں چیز تجھے فروخت کر دی یا فلاں چیز تجھ سے خرید لی۔ میں نے فلاں عورت کا تجھ سے نکاح کر دیا وہ جواب میں کہے کہ میں نے یہ نکاح قبول کر لیا وغیرہ وغیرہ۔

علامہ ابن ابی العزّ نے اپنے اس کلام کے بعد ایک سوال اٹھایا ہے جو یہ ہے: ”فإن قيل: هذا بمنزلة قوله: ”وجهت وجهي“ إلى آخره فالجواب من وجهين:

أحدهما: أن هذا ورد به الشرع، وهذا لم يرد به..... الخ
 ”اگر یہ کہا جائے کہ یہ (زبان سے نیت) ”وجهت وجهي“ کہنے کی طرح ہے تو اس کا دو طرح سے جواب ہے۔
 ایک یہ کہ اس کے بارے میں تو شرع وارد ہوئی ہے یعنی حدیث میں اس کا ثبوت ہے اور اس (زبان سے نیت) کے بارے میں شرع وارد نہیں ہوئی۔“ یعنی قرآن و سنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

قلت: یہ درست ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں اس کا ذکر ہے اور اس حدیث کے بعض راویوں نے اس کو یوں ذکر کیا ہے: ”كان رسول الله ﷺ إذا قام إلى الصلاة قال: وجهت وجهي“ رسول الله ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ”وجهت وجهي“ پڑھتے۔

ملاحظہ ہو صحیح مسلم (حدیث: ۷۷۱)، کتاب صلاة المسافرين، باب ”صلوة النبي صلى الله عليه وسلم و دعائه بالليل“ اور ترمذی (حدیث: ۳۳۲۱، ۳۳۲۲) کتاب الدعوات، باب ”ما جاء في الدعاء عند افتتاح الصلاة بالليل۔“
 جبکہ دوسرے راویوں نے اس دعاء کو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھنے کا ذکر کیا ہے چنانچہ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”كان اذا استفتح الصلاة كبر، ثم قال: وجهت وجهي“ جب آپ نماز شروع کرتے، تکبیر کہتے پھر ”وجهت وجهي“ پڑھتے۔ یہ روایت صحیح مسلم، ابوداؤد (۷۶۰)، نسائی (۱۳۰/۲)، صحیح ابن خزیمہ (۳۶۲) اور صحیح ابن حبان (۱۷۷۰/۳) میں ہے۔ →

غازی پوری صاحب آپ کے جن مشائخ نے زبان سے نیت کو مکروہ کہا ہے، کیا انھوں نے بھی یہ بات ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تقلید میں کہی ہے؟

ہرگز ایسے نہیں کیونکہ یہ مشائخ تو ابن تیمیہ اور ابن قیم سے پہلے کے ہیں کیونکہ کردری جنھوں نے مشائخ سے یہ نقل کیا ہے۔ ان کی وفات (۵۶۲ھ) میں ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے (۵۶۰ھ) میں ہوئی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم ان سے بہت بعد کے ہیں کیونکہ شیخ الاسلام کا سن وفات (۷۲۸ھ) اور ابن قیم کا سن وفات (۷۵۱ھ) ہے۔ ابن نجیم نے کہا ہے:

”قال ابن امیر حاج: إنه لم ينقل عن الأئمة الأربعة“ الأشباه والنظائر۔“ (صفحہ: ۵۰)۔

”ابن امیر حاج نے کہا ہے کہ یہ (زبان سے نیت) ائمہ اربعہ سے منقول نہیں۔“

ان کا یہ قول (صفحہ: ۳۷۲) میں بھی گزر چکا ہے۔ کیا انھوں نے بھی یہ بات ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تقلید کرتے ہوئے کہی ہے؟

امام ابن ہمام نے کہا ہے کہ بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ کسی صحیح یا ضعیف سند سے رسول اللہ ﷺ سے زبان سے نیت کرنا ثابت نہیں اور نہ ہی صحابہ اور تابعین سے یہ ثابت ہے اور یہ بدعت ہے۔ ملاحظہ ہو فتح القدیر (۲۶۶/۱-۲۶۷)۔

امام ابن ہمام نے اپنا یہ کلام۔ جس کا ترجمہ ذکر کیا گیا ہے۔ صاحب ”ہدایہ“ کے اس قول۔ ”و يحسن ذلك

→ امام نسائی نے اس کو اس باب کے تحت ”نوع آخر من الذكر والدعاء بين التكبير والقراءة“ ذکر کیا ہے امام ابن قزیمہ نے اس پر یہ باب قائم کیا ہے: ”باب ذكر الدعاء بين تكبيرة الافتتاح، وبين القراءة“ اور حافظ ابن حبان نے اس پر یوں باب باندھا ہے: ”ذكر البيان بأن المصطفى ﷺ كان يدعو بما وصفنا بعد التكبير لا قبل“ یعنی ان سب ائمہ نے اس کو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جانے والی دعا شمار کیا ہے اور اس کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”و يقول حين يفتتح بعد التكبيرة: وجهت وجهي“ یعنی آپ تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھتے اور یہ روایت ترمذی (۳۳۲۳) میں ہے۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ دعا تکبیر کے بعد پڑھی جائے نہ کہ تکبیر سے پہلے اور اس کی تائید حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے۔ مذکورہ حدیث ”وجهت وجهي“ کے بعد ”إن صلاتي ونسكي.....“ کا ذکر بھی ہے اور حدیث جابر میں ہے: ”كان النبي ﷺ اذا استفتح الصلاة كبر، ثم قال: إن صلاتي ونسكي.....“ یعنی نبی ﷺ تکبیر کے بعد ”إن صلاتي.....“ پڑھتے اس حدیث کو نسائی (۱۲۹/۲) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ یہ دعا تکبیر کے بعد پڑھی جائے گی نہ کہ تکبیر سے پہلے، علامہ شوکانی حدیث علی رضی اللہ عنہ کی روایت ”کبر ثم قال“ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”و هذا تصريح بأن هذا التوجه بعد التكبير لا.....“ یہ صراحت ہے کہ یہ دعا تکبیر کے بعد ہے نہ کہ..... نیل الاوطار: ۱۹۲/۲)۔

لا اجتماع عزیمتہ“ یعنی زبان کے ساتھ نیت کرنا اس لیے بہتر ہے کہ زبان اور دل ایک ہو جائیں۔ کو ذکر کرنے کے بعد کیا ہے، کیا وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ اصلاً محمود امر ہے۔ لہذا میں یہ بات نہ کہوں، اور انھوں نے یہ کلام علامہ ابن قیم (اگرچہ ان کا نام نہیں لیا) سے نقل کیا ہے کیونکہ یہ انہی کا کلام ہے ملاحظہ ہو۔ زاد المعاد (۲۰۱/۱)۔

غازی پوری صاحب اب آپ اپنے امام ابن ہمام کے بارے میں کیا کہیں گے کہ انھوں نے بھی ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تقلید کی ہے۔

غازی پوری صاحب! اگر آپ کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم سے عداوت برائے عداوت ہے تو کم از کم اپنے ان مشائخ اور ائمہ کے اقوال کی روشنی میں اس مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اسی طرح زبان سے نیت کے علاوہ دیگر بعض جن مسائل کے بارے میں آپ کے ائمہ کے جو اقوال نقل کیے گئے ہیں اگر ان کو بھی پیش نظر رکھیں تو اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے آپ کے لیے مزید آسانی ہو جائے گی۔

اس کے باوجود بھی اگر یہ مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو پھر آپ کو کتاب وسنت کے دلائل اور کبار ائمہ کے اقوال کی روشنی میں بڑی وضاحت سے یہ سمجھا دیا جائے گا کہ جس کو آپ اصلاً محمود امر کہہ رہے ہیں وہ اصلاً محمود امر نہیں بلکہ مذموم و مردود امر ہے۔

غازی پوری صاحب شاید کہ بعد میں تفصیل کا موقع نہ ملے لہذا فی الوقت ہم یہاں آپ کے علامہ عینی اور مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے شرعی بدعت کی جو تعریف کی ہے اس کا ذکر دیتے ہیں:

❖ علامہ عینی بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”والبدعة في الأصل إحداث أمر لم يكن في زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم“
(عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ۲۳۵/۸، المكتبة التجارية).

علامہ عینی کی اس تعریف کا ترجمہ گھمڑوی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے: ”بدعت اصل میں ایسی نواپجاء چیز کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی۔“ (راہ سنت، ۷۷)۔

❖ مولانا عثمانی صاحب بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب وسنت اور قرون مشہود لھا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔“ (تفسیری حاشیہ بر ترجمہ شیخ الہند (صفحہ: ۷۱۸) سورہ حدید، آیت: ۷۷، حاشیہ: ۱۰)۔

اسی طرح دیگر متعدد حنفی علماء سے بھی اس سے ملتی جلتی تعریف منقول ہے تفصیل کے لیے صفدر صاحب گھمڑوی کی کتاب ”راہ سنت“ (صفحہ: ۷۷، وما بعدھا) دیکھی جائے۔

غازی پوری صاحب اب آپ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر خود فیصلہ کریں کہ بدعت کی مذکورہ تعریف کے مطابق زبان سے نیت کرنا محمود امر ہے یا کہ مذموم امر۔

واضح رہے کہ بعض علماء نے بدعت کی جو مختلف قسمیں ذکر کی ہیں ان پر کوئی دلیل نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کل محدثۃ بدعة، و کل بدعة ضلالة“ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔^①
اسی طرح عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ”کل بدعة ضلالة، و إن راها الناس حسنة“ ہر بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے نیکی ہی تصور کریں۔^②

رہا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا باجماعت نماز تراویح کے بارے میں یہ کہنا ”نعم البدعة هذه“ یہ اچھی بدعت ہے۔^③
تو اس سے مراد لغوی بدعت ہے شرعی بدعت نہیں کیونکہ شریعت میں اس کی اصل موجود ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو تین رات نماز تراویح پڑھائی نیز آپ نے امام کے ساتھ قیام کرنے کی ترغیب بھی دی ہے جیسا کہ ابوداؤد (۱۳۷۵) وغیرہ میں ابودرہم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

غازی پوری صاحب بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ آپ نے مولانا صادق رحمہ اللہ کے بارے میں تو یہ کہہ دیا کہ ان کو یہ بھی نہیں پتہ کہ ان کے علماء نے کیا لکھا ہے مگر آپ کا حال یہ ہے کہ آپ نہ صرف اپنے کبار ائمہ کے اقوال سے نا بلند ہیں بلکہ اپنے مذہب کے اصول و فروع سے بھی نا آشنا ہیں جیسا کہ مذکورہ مسائل اور آئندہ آنے والے مسائل سے بھی پتہ چلتا ہے، دوسروں کے بارے میں ”هذا مبلغهم من العلم“ کہہ دینا بڑا آسان ہوتا ہے مگر اپنے علم کو ثابت کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

⑬ غازی پوری صاحب لکھتے ہیں: ”صادق صاحب فرماتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں۔“ (صفحہ: ۱۹۰)۔

اور اس کی دلیل جو حدیث پیش کی ہے وہ یہ ہے: ”صلو کما رأیتمونی أصلي“ یعنی اس طرح نماز پڑھو جس طرح میں نماز پڑھتا ہوں۔“

اب صادق صاحب سے کوئی پوچھے کہ آنحضور یہ مردوں سے فرما رہے ہیں کہ عورتوں سے ”صلوا“ کے مخاطب مرد ہیں کہ عورتیں تو پھر اس مردوں والے خطاب میں عورتوں کو شامل کرنا کہاں سے جائز ہے۔ (صفحہ: ۲۰)۔

⑭ یہ حدیث جابر اور حدیث عرباض میں ہے حدیث جابر کو مسلم (۱۵۳/۶) اور نسائی (۱۸۸-۱۸۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حدیث عرباض کو ابوداؤد (۳۶۰۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

⑮ اس کو مروزی نے ”السنة“ (۸۲) میں اور لاکائی وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

⑯ اسے بخاری (۲۰۱۰) نے روایت کیا ہے۔

چند قتب پر ایک نظر

یہ ہے غازی پوری صاحب کا کلام جس سے شاید قارئین یہ سمجھیں کہ موصوف بڑی ناقدانہ بصیرت کے مالک ہیں جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ یہ کلام موصوف کی جہالت پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے پتہ چلے گا۔

❑ غازی پوری صاحب ”صلوا“ کے مخاطب اگر صرف مرد ہیں تو مثال کے طور پر درج ذیل الفاظ کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرمائیں گے:

❶ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ﴾ (البقرة: ۲۱)۔
 ”اے لوگوں اپنے رب کی عبادت کرو۔“

غازی پوری صاحب کیا عبادت کے اس حکم میں عورتیں بھی شامل ہیں یا کہ عبادت کا حکم صرف مردوں کے لیے ہے عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں۔

پ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمایا:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ ”اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو۔“

تو کیا اقامت نماز اور اداء زکاۃ کا حکم صرف مردوں کے لیے ہے اگر کوئی عورت مالدار ہے تو کیا وہ نہ نماز پڑھے گی اور نہ ہی زکاۃ ادا کرے گی۔ ❷

ج۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾ (الاسراء: ۳۱)۔
 ”اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہیں کرو۔“

تو کیا یہ ممانعت صرف مردوں کے لیے ہے عورتیں اس میں شامل نہیں۔

د۔ مذکورہ آیت کے بعد اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْنٰی﴾ اور زنا کے قریب نہیں جاؤ۔
 تو کیا اس ممانعت کا تعلق صرف مردوں سے ہے اور عورتیں اس میں داخل نہیں ہیں۔

هـ۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (البقرة: ۱۸۳)۔
 ”اے ایمان والوں تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔“

”آمنوا“ اور ”علیکم“ یہ دونوں صیغے (الفاظ) مذکر کے ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورتیں اس حکم میں شامل

❸ امام ابن حزم لکھتے ہیں: ”ولا خلاف بین أحد من المسلمين قاطبة في أنهم مخاطبات بقوله تعالى ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾، و ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ و ﴿وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا﴾ إلى آخر كلامه۔ (انظر الإحكام: ۸۲/۳) یعنی تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ان فرامین کی مخاطب عورتیں بھی ہیں۔“

نہیں ہیں لہذا ان پر روزہ فرض نہیں۔

غازی صاحب آپ نے کیسی بے تکی بات کہہ دی ہے اللہ عزوجل آپ کو ہدایت دے شریعت کے اکثر اُوامر اور نواہی میں مخاطب مرد ہی ہیں۔ عورتوں سے استقلالاً خطاب بہت کم ہے آئیے اب قرآن مجید سے ایک ایسی مثال سنیں جس میں خطاب تو مذکر کے صیغے سے ہے کو لیکن اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ﴾ (البقرة: ۱۷۸)۔

”اے ایمان والو تم پر مقتولین کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔“

یہاں بھی مذکورہ آیت کی طرح ”آمنوا“ اور ”علیکم“ مذکر کے صیغے ہیں تو کیا اس کے معنی یہ ہوئے کہ قصاص کا تعلق صرف مردوں سے ہے اگر کوئی عورت کسی عورت یا مرد کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ اللہ عزوجل نے ﴿علیکم﴾ فرمایا ہے۔ ”علیکم و علیکن“ نہیں فرمایا آئیے اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا وہ سنیں:

﴿الْحُرُّ بِالْحَرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ﴾۔

”آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے۔“

اس قسم کی مثالیں بہت دی جاسکتی ہیں لیکن امید ہے غازی پوری صاحب کے سمجھنے کے لیے یہ چند مثالیں ہی کافی ہوں گی۔ العاقل تکفیه الإشارة۔

غازی پوری صاحب جیسے اپنے مذہب کی فروع سے نا بلند ہیں اسی طرح اپنے مذہب کے اصول سے بھی نا آشنا ہیں جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے آپ کو معلوم ہوگا۔

علماء اصول میں ”کلوا واشربوا“ اس قسم کے جو امر کے صیغے (الفاظ) ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ عورتیں بھی ان میں شامل ہیں یا کہ نہیں؟

اکثر حنابلہ اور امام ابن حزم وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ عورتیں ان میں داخل ہیں اسی طرح اکثر علماء حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے امام ابن ہمام اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان کے اپنے مذہب کے اصول و فروع سے نا آشنا ہونے کی چند مثالیں پہلے بھی گزر چکی ہیں ملاحظہ ہوں درج ذیل صفحات: ۳۲۳، ۳۲۹، ۳۶۳۔ و ما بعدھا، ۳۷۲)۔

میں نے اکثر علماء حنفیہ کہا ہے جبکہ امام ابن ہمام اور سرحسی کے آنے والے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ تمام حنفیہ کا یہی مذہب ہے مگر اکثر حنفیہ کہنا ہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ بعض کے نزدیک عورتیں ان میں داخل نہیں۔

تنبیہ = آمدی اور ابن قدامہ وغیرہ اسی طرح بعض معاصر محققین نے بھی جو اکثر حنفیہ کا مذہب ہے اس کو بعض حنفیہ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ درست نہیں جیسا کہ میں نے ”روضۃ الناظر“ لابن قدامہ کی شرح میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

”و حینئذ ترجح الحنابلة، و هو قول الحنفية۔“ (التحریر: ۲۳۳/۱۔ تیسیر التحریر)۔

یعنی اس مسئلہ میں حنابلہ کا قول رائج ہے اور حنفیہ کا بھی یہی قول ہے۔

اور اس سے قبل امام ابن ہمام حنابلہ کے مذہب کی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و يدلّ عليه أي على كونه للمشترك المعنوي“ ”شمول الاحكام المعلقة بالصيغة۔“

”امیر بادشاہ ان کے اس کلام کے بعد شرح کے طور پر لکھتے ہیں:

”لهنّ - أيضاً - كوجوب الصلاة، والزكاة والصيام إلى غير ذلك۔“

(تیسیر التحریر: ۲۳۲/۱)۔

یعنی حنابلہ کے مذہب پر کہ یہ صیغہ مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ

کہ اس صیغے سے متعلق جو احکام ہیں وہ عام ہیں۔ امیر بادشاہ ان کے اس کلام کی وضاحت کرتے ہوئے

لکھتے ہیں: ”وہ احکام عورتوں کے لیے بھی ہیں جیسا کہ نماز، زکاة اور روزہ وغیرہ کا وجوب۔“

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

”فالمذهب عندنا أنه يتناول الذكور، و الإناث جميعاً عند الاختلاط، و لا يتناول

الإناث المفردات۔“ (أصول السرخسی: ۲۳۴/۱)۔

”سو ہمارا مذہب یہ ہے کہ یہ (خطاب) مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے مگر صرف عورتوں کو شامل نہیں ہے۔“

یعنی جب جمع مذکر کا صیغہ استعمال ہوگا تو اس میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوگا کہ اس سے

مراد صرف عورتیں ہوں اور مردان کے ساتھ شامل نہ ہوں۔

⑭ قارئین آپ کو یاد ہوگا کہ اس فصل کے شروع میں ہم نے یہ کہا تھا کہ اس فصل میں سب سے پہلے ہم مقلد غازی

پوری کی خیانتوں کا ذکر کریں گے اس کے بعد ان کی بعض باتوں کا جائزہ لیں گے اور اب تک ان کی جتنی باتوں

کا جائزہ لیا جا چکا ہے یہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا مگر کیا کیا جائے غازی پوری صاحب کی جہالتوں اور بے جا

اعتراضات کو دیکھ کر طبیعت مزید لکھنے پر مجبور کرتی ہے بہر حال اب درج ذیل مزید دو باتوں کا جائزہ لے کر اس

فصل کو ختم کریں گے اور اسی فصل پر یہ کتاب بھی اپنے اختتام کو پہنچے گی۔

مولانا صادق رحمۃ اللہ علیہ نے ”اقرأ بها في نفسك“ کا ترجمہ یوں کیا ہے: ”پڑھ تو اس کو آہستہ۔“

غازی پوری صاحب کو اس ترجمے پر بھی اعتراض ہے چنانچہ اس جملے کا ترجمہ یوں ”اپنے جی میں پڑھ لیا کرو۔“

کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”لیکن صادق صاحب نے اپنی طبیعت سے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے ”تم آہستہ پڑھ لیا کرو“ ہم

آپ کہتے ہیں کہ اس کی بات سن کر میں نے اپنے جی میں کہا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آہستہ سے کہا؟ جی میں کہنا اور ہے اور آہستہ سے کہنا اور ہے اسی طرح جی میں پڑھنا اور ہے اور آہستہ سے کہنا اور ہے دونوں کو ایک قرار دینا صاحب علم کا کام نہیں ہے۔ ﴿۴۱﴾۔ (صفحہ: ۴۱)۔

ہم غازی صاحب کے اس کلام پر زیادہ تبصرہ نہیں کرنا چاہتے بس اتنا کہیں گے کہ مولانا صادق صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے آپ کے علماء نے بھی اس کا یہی ترجمہ کیا ہے چنانچہ ملا علی قاری ”أقرأ بها في نفسك“ کی شرح میں لکھتے ہیں: ”سراً غير جهر“ (المرفاة: ۵۴۹/۲) ”جہراً نہیں سرّاً پڑھ لیا کرو“ یعنی آہستہ سے۔

سہارنپوری صاحب نے بھی اس کے یہی معنی کیے ہیں، ملاحظہ ہو ”بذل المجهود“ (۳۹/۵)۔ اور ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں: ”وقوله ”في نفسك“ أي سرّاً۔“ (حاشیۃ النسائی: ۱۳۶/۲) اس کے بھی وہی معنی ہیں۔

شیخ عبدالحق دہلوی ”أشعة اللمعات“ میں اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

”بخوانی فاتحہ را پس امام نیز أما آہستہ چنانچہ بشنوائی خود را۔“

(منقول از مرعاة المفاتيح: ۱۱۳/۳)۔

اسی طرح آپ کی ”الكفاية“ میں ہے کہ خطیب جب خطبہ میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۶) کی تلاوت کرے تو سامع آہستہ سے درود و سلام پڑھے چنانچہ الفاظ یہ ہیں:

”فصلي السامع في نفسه أي فيصلني بلسانه خفياً۔“ (منقول از تحفة الاحوذی: ۲۴۳/۲)۔

”پس سامع اپنے جی میں درود پڑھے یعنی اپنی زبان کے ساتھ آہستہ سے درود پڑھے۔“

یہ تو آپ کے حنفی علماء کی شرح تھی ان کے علاوہ دیگر علماء نے بھی اس جملے کی یہی شرح کی ہے چنانچہ امام باجی مالکی لکھتے ہیں:

”والقراءة في النفس هي بتحريك اللسان بالتكلم، وإن لم يسمع نفسه سرّاً“

(المنتقى: ۱۵۷/۱)۔

یعنی دل میں پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ زبان کے ساتھ سرّاً پڑھا جائے اگرچہ خود کو بھی نہ سنائے۔

اس طرح اس کے معنی کے بارے میں امام بیہقی نے ”كتاب القراءة“ (صفحہ: ۳۱-۳۲) میں اور امام نووی نے

﴿۱﴾ ماشاء اللہ اگر علم ہو تو غازی پوری جیسا، اس رسالے کو دیکھنے سے پہلے ہم نہیں جانتے تھے کہ غازی پوری اس قدر علم میں کمزور

ہیں کہ اپنے مذہب کو ہی نہیں جانتے چہ جائیکہ حدیث میں کچھ سوجھ بوجھ رکھتے ہوں بس حد سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔

﴿۲﴾ ان کی کنیت ابو ولید نام سلیمان بن حرب ہے اور یہ اندلس کے ہیں ان کی وفات (۴۷۴ھ) میں ہوئی اور باجی اندلس کے شہر

باجہ کی طرف نسبت ہے جو کہ آج کل پرنگال میں واقع ہے۔

شرح مسلم (۱۰۳/۴) میں جو کہا ہے وہ بھی ضرور دیکھیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مولانا صادق صاحب کا ترجمہ بالکل صحیح و درست ہے اور غازی پوری کا اعتراض یا تو جہالت یا پھر تعصب و عناد پر مبنی ہے۔ (یہدیہ اللہ لقبول الحق)۔

(۱۵) موصوف نے (صفحہ: ۴۸) میں لکھا ہے:

صادق صاحب نے اپنی اس کتاب میں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو بھی سنت بتلایا ہے فرماتے ہیں ”تکبیر اولیٰ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔“

بھوپالی نواب صاحب سورہ فاتحہ کو واجب اور فرض بتلاتے ہیں اور بلا اس کے نماز کو باطل قرار دیتے ہیں۔ (بدور الالہ: ۱/۹۲) فتاویٰ علماء اہل حدیث میں بھی یہی لکھا ہے (۵/۱۸۵)۔

اور غیر مقلدین کے مقتدی و پیشوا ابن قیم فرماتے ہیں کہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہے کہ آنحضور ﷺ نے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو اور فرماتے ہیں کہ جنازہ میں مقصود میت کے لیے دعا کرنا ہوتا ہے نہ کہ قرآن کا پڑھنا۔ زاد المعاد۔
یہ ہے موصوف کا کلام جس میں موصوف نے قارئین کو دھوکہ دینے کی کوشش بھی کی ہے اور پھر ابن قیم کے کلام میں تحریف بھی کی ہے اب اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

نمبر ۱۔ دھوکہ کی تفصیل:

دھوکہ یوں دیا ہے کہ ابن قیم سے صرف یہ نقل کر دیا ہے کہ صحیح سند سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضور ﷺ نے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ اس سے عام قاری تو یہی سمجھے گا کہ نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث ہی نہیں اور یہی موصوف کا مقصد ہے کہ لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ ان کے پیشوا ابن قیم نے اعتراف کیا ہے کہ جنازے میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

غازی صاحب ابن قیم کی یہ بات تو آپ نے نقل کر دی لیکن اس سے قبل انھوں نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں جو دو صحیح حدیثیں ذکر کی ہیں کیا وہ آپ کو نظر نہیں آئیں ابن قیم کا یہ کلام تو آپ کو فوراً نظر آ گیا مگر وہ صحیح حدیثیں آپ کی نظر سے کیسے اوجھل ہو گئیں۔ اگر آپ کو اللہ عز و جل کا کچھ خوف ہوتا اور آپ کے اندر تھوری بہت بھی دیانت داری ہوتی تو ان حدیثوں کی طرف اشارہ کر دیتے اور کہتے کہ ان سے فاتحہ پڑھنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا اور وجوب والی جو حدیث ہے اس کے بارے میں ابن قیم نے یہ کہا ہے تو پھر بات قدرے معقول تھی مگر آپ ایسے نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ حدیثیں بھی آپ کے مذہب کے خلاف تھیں اس لیے ان کو ذکر کرنا آسان نہ

تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ نماز جنازہ میں ثناء ”سبحانک اللہم“ تو پڑھی جائے جس کا نماز جنازہ میں پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ ﴿مگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے جس کا صحیح احادیث میں ثبوت موجود ہے اب ان احادیث کو ملاحظہ کریں جن کو ابن قیم نے اپنے مذکورہ کلام سے قبل ذکر کیا ہے ابن قیم لکھتے ہیں

”وصلی ابن عباس علی جنازۃ ، فقرأ بعد التكبيرة الأولى بفتح الکتاب جهراً ، وقال : ”لتعلموا أنها سنة“

وكذلك قال أبو أمامة بن سهل : إن قراءة الفاتحة في الأولى سنة“ (زاد المعاد: ۱/۵۰۴)۔
”ابن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی تو پہلی تکبیر کے بعد جہراً سورہ فاتحہ پڑھی اور کہا تا کہ تمہیں علم ہو کہ اس کا پڑھنا سنت ہے۔“

اسی طرح ابو امامہ بن سہل بیان کرتے ہیں کہ: ”تکبیر اولیٰ میں فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔“ ﴿ان احادیث میں سنت سے مراد طریقہ ہے چنانچہ علامہ قسطلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
”سنة أي طريقة للشارع فلا ينافي كونها واجبة“ (إرشاد الساری ۲/۴۳۲)۔
”سنت یعنی شارع کا طریقہ ہے لہذا یہ سورہ فاتحہ کے وجوب کے منافی نہیں۔“

﴿امام ابوداؤد بیان کرتے ہیں کہ امام احمد سے نماز جنازہ میں دعاء استفتاح ”سبحانک اللہم“ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا: ”ما سمعت“ مسائل أحمد لأبي داود (صفحہ: ۱۵۳) ”میں نے اس کے بارے میں نہیں سنا۔“ یعنی کوئی ایسی حدیث نہیں سنی جس میں اس کی صراحت ہو۔ صفحہ (۳۹۴) میں آنے والا طحاوی کا کلام بھی دیکھیں۔
قلت: حدیث ابو امامہ بن سہل کے ظاہر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعاء استفتاح نہ پڑھی جائے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں: ”السنة في الصلاة على الجنازة أن يقرأ في التكبيرة الأولى بآم القرآن مخافتة ثم يكبر“ ”نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں آہستہ سے فاتحہ پڑھے پھر تکبیر کہے۔“ اس حدیث میں ثناء وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی کسی دوسری حدیث میں ہے۔ اس حدیث کی تخریج اس کے بعد والے حاشیے میں آرہی ہے۔

﴿حدیث ابن عباس کو بخاری (۱۳۳۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی ایک روایت میں ہے ”إنما جهرت لتعلموا أنها سنة“ میں نے فاتحہ کو جہراً اس لیے پڑھا ہے کہ تمہیں معلوم ہوا کہ اس کا پڑھنا سنت ہے۔“ یہ روایت متدرک حاکم (۳۵۸/۱) وغیرہ میں ہے اور اس روایت کی سند حسن درجے کی ہے مزید تفصیل کے لیے ”القول المقبول“ (صفحہ: ۷۰۵، ۷۰۶) ملاحظہ ہو۔

اور حدیث ابو امامہ بن سہل کو نسائی (۷۵/۴) اور عبد الرزاق (۳/۳۸۹-۳۹۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ بھی صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے حوالہ مذکورہ (صفحہ: ۷۰۴، ۷۱۱)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”لفظ الفطرة، والسنة في كلامهم هو: الدين والشرعة، وإن كان بعض الناس

اصطلحوا على أن لفظ ”السنة“ يراد بها ما ليس بفرض إذا قد يراد بها ذلك“

(مجموع الفتاوى (۵۴۰/۲۲) و”القواعد النورانية الفقهية“ (ص: ۶۳، بتخریجی و تعلیقی).

”بعض علماء کی اصطلاح میں اگرچہ سنت سے مراد وہ عمل ہوتا ہے جو کہ فرض نہ ہو، کبھی اس سے یہ مراد بھی لیا

جاتا ہے لیکن ان کے (سلف کے) کلام میں لفظ ”فطرت“ اور ”سنت“ سے مراد دین اور شریعت ہوتی ہے۔“

شیخ الاسلام نے احادیث سے مثالیں بھی دی ہیں سنت بمعنی فرض کی ایک مثال اس کتاب کے صفحہ: ۳۲۸ میں مذکور

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جس کے آخر میں ہے: ”کراهية أن يتخذها الناس سنة“ اور یہاں لفظ

”سنت“ سے مراد شریعت اور لازمی طریقہ ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر کے حوالے سے مذکورہ مقام پر ذکر ہوا ^① اسی طرح

(صفحہ: ۳۳۵) میں مذکور علامہ شوکانی کا کلام بھی دیکھیں۔

مولانا صادق صاحب نے سورہ فاتحہ کو اگر سنت کہا ہے اور نواب صاحب وغیرہ نے واجب اور فرض کہا ہے تو اس

سے کیا ہو گیا یہ کہنا آپ کو تب زیب دیتا جب آپ لوگوں کے فقہاء کا مسائل میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب نے ایک ہی

بات کہی ہوتی جب کہ ہم مثالوں اور دلائل سے آپ لوگوں کے فقہاء کا اختلاف ثابت کر چکے ہیں دیگر مسائل میں ہی

اختلاف نہیں بلکہ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں بھی آپ لوگوں میں اختلاف ہے جس کا ہم عنقریب ذکر

کریں گے۔

غازی پوری صاحب آپ نے یہ بات بڑے فخر سے کہہ دی کہ غیر مقلدین کے مقتدی و پیشوا ابن قیم فرماتے ہیں:

آئیے ہم آپ کو اس زمانے کے حنفیہ کے امام ابو غزہ عبدالفتاح اور محمد عوامہ کے شیخ عبداللہ بن محمد غماری کا فتویٰ

سناتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں: ”فصل: والفاتحة فرض في صلاة الجنائز۔ أيضاً۔ لأنها صلاة في عرف

الشرع۔“ فصل: اور فاتحہ نماز جنازہ میں بھی فرض ہے کیونکہ شرع کے عرف میں یہ بھی نماز ہے۔“

اس کے بعد انھوں نے اس پر دلائل ذکر کرنے اور مخالفین کے دلائل کا رد کرنے کے بعد جو نتیجہ نکالا ہے وہ بھی سنیں۔

”و على هذا، إذا خلت صلاة الجنائز من قراءة الفاتحة إنها تكون باطلة، و تعجب

إعادتها، و لو على القبر، إذا لم يمكن إخراج الميت۔“

① اس کے بارے میں امام ابن دقیق العید کا کلام بھی ”إحكام الأحكام شرح عمدة الاحكام“ (۸۶/۱-۸۷) میں دیکھا

جائے۔

اسی طرح لفظ ”سنت“ کی اصطلاحی تعریفات کے لیے اس کتاب کا صفحہ (۳۲۳ و ما بعدہا) ملاحظہ کریں۔

”نتیجہ یہ ہوا کہ جس نماز جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو وہ باطل ہوگی اس کا اعادہ ضروری ہے اگرچہ قبر پر ہی پڑھی جائے جب کہ میت کا نکالنا ممکن نہ ہو۔“

ملاحظہ ہو ان کا رسالہ ”الأذلة الراجعة على فرضية قراءة الفاتحة (صفحہ: ۲۸، ۳۲)۔

نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنے کے بارے میں حنفیہ کا مذہب:

قارئین آپ نے مذکورہ دو حدیثوں کو۔ حدیث ابن عباس و حدیث ابی امامہ کو۔ ملاحظہ کر لیا ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے۔^① اور صحابی جب یہ کہے کہ فلاں کام سنت ہے تو اکثر علماء کے ہاں اس کا حکم مرفوع حدیث کا ہوا کرتا ہے۔^② حنفیہ میں سے امام ابن ہمام وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ وہ ”کتاب التحریر“ (۶۹/۳) میں لکھتے ہیں:

”وقوله: من السنة ظاهر عند الأكثر في سنته عليه السلام۔“

”صحابی کا قول (فلاں کام) سنت سے ہے تو اکثر علماء کے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔“

کتاب التحریر کے شارح امیر بادشاہ لکھتے ہیں:

”وقال الحافظ العراقي كما قال النووي: الأصح أنه من التابعين موقوف، و من

الصحابي ظاهر في أنه سنة النبي ﷺ“ (تيسير التحرير: ۶۹/۳)۔

یعنی حافظ عراقی نے نووی سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ صحیح ترین قول یہ ہے کہ اگر تابعی کہے تو موقوف حدیث ہوگی^③ اور اگر صحابی کہے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کی سنت ہوگی۔

”کتاب التحریر“ کے دوسرے شارح ابن امیر حاج لکھتے ہیں:

① اس کے بارے میں دیگر احادیث بھی ہیں مگر اسنادی اعتبار سے وہ کمزور ہیں ملاحظہ ہو مستدرک حاکم (۱/۳۵۸) اور ”القول المقبول“ (صفحہ: ۷۰۶-۷۰۷)۔

② مرفوع حدیث اسے کہتے ہیں جس میں کسی قول یا فعل کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جائے مثلاً یوں کہا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا۔“

اسی طرح جس میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف میں سے کسی وصف کا ذکر ہو یا جو کام آپ کے سامنے کیا گیا اور آپ نے اس پر خاموشی اختیار کی، انکار نہیں کیا تو وہ بھی مرفوع حدیث کہلاتی ہے۔

③ موقوف حدیث اسے کہا جاتا ہے جس میں صحابی کا قول یا فعل مذکور ہو یعنی یوں ہو کہ فلاں صحابی نے یہ کہا ہے یا ان کا یہ عمل ہے۔

”إن هذا قول أصحابنا المتقدمين، و به أخذ صاحب ”الميزان“، و الشافعية، و جمهور المحدثين“ (التقريز والتحبير: ۲/۲۶۲)۔

”یہ ہمارے متقدمین حنفیہ کا قول ہے اور اسی کو صاحب ”میزان“ شافعیہ اور اکثر محدثین نے لیا ہے۔“ علامہ عینی لکھتے ہیں:

”قول الصحابي ”من السنة“ حكمه حكم المرفوع على القول الصحيح قاله شيخنا زين الدين“ (عمدة القاری: ۸/۱۴۰)۔

”صحابی کے قول ”من السنة“ کا صحیح قول کے مطابق حکم مرفوع حدیث کا حکم ہوتا ہے یہ بات ہمارے شیخ زین الدین۔ حافظ عراقی۔ نے کہی ہے۔“

اب دیکھتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ یا قرآن میں سے کسی اور سورہ کی قراءت ہے یا نہیں۔ امام محمد، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اثر۔ جس میں نماز جنازہ میں تکبیر، اللہ تعالیٰ کی حمد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور پھر دعا کا ذکر ہے۔ کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”و بهذا نأخذ لا قراءة على الجنازة، و هو قول أبي حنيفة۔“

(موطا امام مالک للشیبانی، صفحہ: ۱۱۱ دار القلم)۔

”ہم اسی کو لیں گے کہ نماز جنازہ میں کسی قسم کی قراءت نہیں اور ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔“

اور ”بدائع الصنائع“ (۱/۳۱۳) میں ہے:

”و لا يقرأ في الصلاة على الجنازة بشيء من القرآن“

”نماز جنازہ میں قرآن میں سے کچھ نہ پڑھا جائے۔“

اس کے بعد انھوں نے امام شافعی کا قول ذکر کیا ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اور پھر ان کی دو

دلیلیں ذکر کی ہیں جو یہ ہیں۔ ”لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب..... لا صلوة إلا بقراءة“^①

تھوڑا آگے چل کر انھوں نے امام شافعی کے ان دلائل کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

”لا يتناول صلاة الجنازة لأنها ليست بصلاة حقيقة، إنما هي دعاء، و استغفار

للميت“ ملاحظہ ہو (۱/۳۱۳-۳۱۴)۔

”یہ احادیث نماز جنازہ کو شامل نہیں ہیں کیونکہ یہ حقیقت میں نماز نہیں ہے بلکہ یہ میت کے لیے دعاء اور استغفار ہے۔“

① حدیث ”لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب“ صحیح حدیث ہے اس کو بخاری (۷۵۶) اور مسلم (۱۰۰/۳-۱۰۱) وغیرہ نے عبادہ بن

صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حدیث ”لا صلاة إلا بقراءة“ کے لیے ”نصب الراية“ (۱/۳۴۴ مع الہدایہ) دیکھیں۔

قلت: امام شافعی کی دلیل یہ عام احادیث ہی نہیں بلکہ نماز جنازہ میں وارد شدہ خاص احادیث بھی ہیں جن میں عبد اللہ بن عباس اور ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہما کی مذکورہ احادیث بھی ہیں اور ان احادیث میں ایک ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے۔ امام صاحب ان احادیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”وابن عباس، والضحاك بن قيس رجلان من أصحاب النبي - ﷺ - لا يقولون السنة إلا لسنة رسول الله - ﷺ - إن شاء الله“۔

”ابن عباس اور ضحاک بن قیس، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ ہی کی سنت کو سنت کہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

اس کے بعد انھوں نے ابو امامہ بن سہل کی حدیث کو زہری سے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے اور وہی بات کہی ہے جو حدیث ابن عباس اور حدیث ضحاک کے بارے میں کہی ہے۔ ملاحظہ ہو: الأم (۱/۴۵۳)۔

فاتحہ والی احادیث کی تاویلات:

حنفیہ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے والی احادیث کا جواب یہ دیا ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا ثنا کے طور پر تھا کہ نہ قراءت کے طور پر چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں:

”قلنا: كان - عليه السلام - يقرأ في سبيل الثناء لا على وجه القراءة، وقال الترمذی:

حدیث جابر، و ابن عباس - رضی اللہ عنہما - إسناده ليس بقوي“ (النهاية: ۳/۲۵۲)۔

”ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ (فاتحہ) ثنا کے طور پر پڑھتے تھے نہ کہ قراءت کے طور پر اور ترمذی نے کہا ہے کہ جابر اور ابن عباس کی حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔“

کاسانی نے اس تاویل کے ساتھ ساتھ ایک اور بڑی عجیب بات کہی ہے لکھتے ہیں:

”و حدیث ابن عباس معارض بحدیث ابن عمر، وابن عوف، و تأویل حدیث جابر

أنه كان يقرأ على سبيل الثناء لا على سبيل قراءة القرآن، و ذلك ليس بمكروه

عندنا۔“ (بدائع الصنائع: ۱/۳۱۴)۔

”حدیث ابن عباس کے خلاف ابن عمر اور ابن عوف کی حدیث ہے اور جابر کی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ

آپ ﷺ کے طور پر پڑھتے تھے قرآن مجید کی قراءت کے طور پر نہیں، اور یہ ہمارے ہاں مکروہ نہیں ہے، یعنی

ثناء کے طور پر قراءت۔

قلت: علامہ عینی اور کاسانی کے مذکور کلام پر درج ذیل مواخذات ہیں:

① اس کی کیا دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ فاتحہ کو قراءت کے طور پر نہیں بلکہ ثنا کے طور پر پڑھا تھا چونکہ اس تاویل پر کوئی دلیل نہیں لہذا یہ تاویل باطل و مردود ہے۔

② رسول اللہ ﷺ نے اگر اس کو قراءت کے طور پر نہیں بلکہ ثنا کے طور پر پڑھا تھا تو کیا ابن عباس اور ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہما کو اس کا علم نہیں ہوا کہ انھوں نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کو سنت کہہ دیا چونکہ اس تاویل سے صحابہ پر زد آتی ہے اس لیے بھی یہ مردود ہے۔

اس تاویل میں دراصل ان کے پیشوا امام طحاوی ہیں وہ احادیث کی تاویل کرنے اور ان کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنے میں جری واقع ہوئے ہیں جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ملاحظہ ہو۔ (صفحہ: ۲۳۸) وہ کہتے ہیں:

”و لعل قراءة من قرأ الفاتحة من الصحابة كان على وجه الدعاء لا على وجه التلاوة، وقوله: إنها سنة، يحتمل أن يريد أن الدعاء سنة“۔

”صحابہ میں سے جنھوں نے فاتحہ کو پڑھا شاید ان کا اس کو پڑھنا دعا کے لیے ہوتا تو اس کے لیے نہایت اور ان کا یہ قول کہ ”یہ سنت ہے“ اس میں احتمال ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ دعا سنت ہے۔“

حافظ ابن حجر ان کے اس قول کو فتح الباری (۲۰۴/۳) میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”ولا يخفى ما يجيب على كلامه من التعقب، وما يتضمنه استدلاله من التعسف“۔

”ان کے کلام پر جو تعاقب ہو سکتا ہے اور ان کے استدلال میں جو تکلف ہے وہ مخفی نہیں۔“

③ علی سبیل الجدل اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ آپ ﷺ نے فاتحہ کو ثنا کے طور پر پڑھا تھا تو آپ نے فاتحہ کے بعد سورت بھی پڑھی تو اس کا جواب کیا ہوگا کیونکہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا ذکر بھی ہے اور سورت کا پڑھنا بھی صحیح ثابت ہے۔

④ عینی کا یہ کہنا کہ ترمذی نے کہا ہے کہ ابن عباس و جابر کی حدیث کی سند قوی نہیں ہے اس پر درج ذیل مواخذات ہیں:

ا۔ حدیث جابر کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ کیا ہے لہذا یہ عینی صاحب کا وہم ہے۔

ب۔ امام ترمذی نے حدیث ابن عباس کو دو سندوں سے روایت کیا ہے پہلی مقسم کی سند ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

”أن النبي ﷺ قرأ على الجنائز فاتحة الكتاب“۔

فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا ذکر نسائی (۷۴-۷۵) وغیرہ میں ہے تفصیل کے لیے ”القول المقبول“ (صفحہ: ۷۰۵، حدیث: ۶۶۷) دیکھیں۔

⑤ حدیث جابر کو امام شافعی نے ”الام“: (۲۵۳/۱)، میں حاکم (۳۵۸/۱) اور بیہقی نے ”سنن“ (۳۹/۲) اور ”معرفۃ السنن والاثار“ (۱۶۸/۳) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

”نبی ﷺ نے نماز جنازہ پر فاتحہ پڑھی۔“

اس سند کے بارے میں امام ترمذی نے کہا ہے: ”لیس إسناده بذلك القوي“ یعنی اس کی سند قوی نہیں۔ اور دوسری سند طلحہ بن عوف کی ہے اور اس سند کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ انھوں نے (ابن عباس نے) نماز جنازہ پڑھائی تو سورہ فاتحہ پڑھی، طلحہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ ”اس کا پڑھنا سنت ہے یا تمام سنت میں سے ہے۔“ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں: هذا حديث حسن صحيح ”یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“ (ملاحظہ ہو: ترمذی: ۳/۳۴۶)۔

قارئین ابھی آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ علامہ عینی کے اس طرز عمل کو کس سے تعبیر کیا جائے گا۔ ج۔ عینی تو شارح بخاری ہیں اور طلحہ کی سند سے یہ حدیث تو ”صحیح بخاری“ میں بھی ہے اور پھر ترمذی کی سند کو ضعیف کہہ کر خاموشی سے گزر جانا انصاف کی بات نہیں ہے۔

عینی کی طرح امام ابن ہمام نے بھی یہ دعویٰ کر دیا کہ قراءت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ”قالوا: لا يقرأ الفاتحة إلا أن يقرأها بنية الثناء، و لم تثبت القراءة عن رسول الله ﷺ۔“ (فتح القدیر: ۲/۱۲۱، ۱۲۲)۔

”ان کا (ائمہ حنفیہ کا) کہنا ہے کہ فاتحہ نہ پڑھے الا کہ شاکل نیت سے پڑھے اور قراءت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔“

اور امام ابن ہمام کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ سے قراءت ثابت نہیں ہے انتہائی عجیب ہے کیونکہ حدیث عبد اللہ بن عباس اور حدیث ابی امامہ بن سہل دونوں صحیح حدیثیں ہیں انہی ابن ہمام کے حوالے یہ ذکر ہوا کہ صحابی کا یہ کہنا ”من السنة“ تو اس کا مرفوع حدیث کا حکم ہوتا ہے بلکہ بعض اس قسم کی احادیث کے بارے میں خود انھوں نے ان کے مرفوع ہونے کی صراحت کی ہے۔ مثلاً:

وہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ”من السنة حمل الحنازة بجوانب السرير الأربعة“ سنت یہ ہے کہ جنازہ کو چار پائی کے چاروں طرف سے اٹھایا جائے۔“ ﴿ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”فوجب الحكم بأن هذا هو السنة“ (فتح القدیر: ۲/۱۴۳)۔

﴿ اس کو امام محمد نے کتاب ”الانار“ (۵۷/۲) میں اور ابن ماجہ (۱۴۷۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: نصب الراية (۲۸۶/۲)۔

مگر اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مصباح الزجاجة (حدیث: ۵۳۲) میں بومیری کا کلام دیکھیں۔

یعنی اس کو رسول اللہ ﷺ کی سنت تسلیم کرنا ضروری ہے۔

علامہ عینی "عمدة القاری" (۱۴۰/۸) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول "لتعلموا أنها سنة" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "أي أن قراءة الفاتحة في صلاة الجنائز سنة"۔ یعنی نماز جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے۔
 ۵ کاسانی کے اس قول پر کہ حدیث ابن عباس کے معارض ابن عمر اور ابن عوف کی حدیث ہے درج ذیل ملاحظات ہیں:
 ابن عمر اور ابن عوف کی جس حدیث کو انھوں نے ابن عباس کی حدیث کے معارض بتلایا ہے اسے انھوں نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

"روي عن عبد الرحمن بن عوف، وابن عمر أنهما قالوا: ليس فيها قراءة شيء من القرآن۔"

"عبد الرحمن بن عوف اور ابن عمر سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ اس میں قرآن مجید سے کسی چیز کی بھی قراءت نہیں ہے۔"

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ ان کا قول ہے مرفوع حدیث نہیں ہے جب کہ ان کے ظاہر انداز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ان سے مرفوع حدیث ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجھے ان الفاظ سے ان کا یہ قول نہیں ملا، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نافع بیان کرتے ہیں:
 "كان لا يقرأ في الصلاة على الجنائز۔"
 "وہ نماز جنازہ میں قراءت نہیں کرتے تھے۔"

یہ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کے بارے میں کلام تھا رہے عبد الرحمن بن عوف تو مجھے ان کا اثر نہیں ملا نہ مذکورہ الفاظ سے اور نہ ہی دیگر الفاظ سے۔ واللہ اعلم۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر ان دونوں سے اس طرح ثابت بھی ہو تو کیا مرفوع حدیث کے مقابلہ میں ان کے اثر کی کوئی حیثیت ہے قطعاً کوئی حیثیت نہیں چنانچہ کاسانی کا ان کے اثر کو مرفوع حدیث کے معارض کہہ کر حدیث کو نظر انداز کر دینا بہت بڑی جرات ہے۔

کاسانی کا یہ کہنا کہ ثنا کے طور پر فاتحہ کا پڑھ لینا ہمارے ہاں مکروہ نہیں ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر قراءت کے طور پر فاتحہ کو پڑھا جائے تو مکروہ ہے بلکہ بہت سے حنفی فقہاء نے کراہت کی صراحت کی ہے چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی (صفحہ: ۳۸۷) میں مذکور امام محمد کے قول "لا قراءة على الجنائز" پر تعلق لگاتے ہوئے رقمطراز ہیں:
 "أقول: يحتمل أن يكون نفيًا للمشروعية المطلقة، فيكون إشارة إلى الكراهة، و به

۶ اس کو امام مالک نے "موطأ" (۱۹/۲۲۸/۱) میں اور ابن ابی شیبہ نے "مصنف" (۳۹۲/۲) میں بسند صحیح روایت کیا ہے۔

صرح کثیر من أصحابنا المتأخرین حیث قالوا: یکره قراءة الفاتحة في صلاة الجنائز، وقالوا: لو قرأها بنية الدعاء لا بأس به.....“ (التعليق الممجد ۲/۱۱۲)۔

”میں کہتا ہوں کہ ان کے اس قول میں احتمال ہے کہ مطلق طور پر قراءت کی مشروعیت کی نفی ہو تو یہ اس کی کراہت کی طرف اشارہ ہوگا اور ہمارے متأخرین اصحاب میں بہت سے اصحاب نے اس کی (کراہت کی) صراحت کی ہے چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ کی قراءت مکروہ ہے اور ان کا کہنا ہے کہ اگر دعا کی نیت سے پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔“

ایک طرف تو نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کو مکروہ کہنے والے ہیں جب کہ دوسری طرف بعض حنفی علماء ایسے بھی ہیں جنہوں نے ان کا رد کیا ہے چنانچہ متأخرین حنفیہ میں سے شُرئیلالی نے ”النظم المستطاب لحکم القراءة في صلاة الجنائز بآم الكتاب“ نام سے ایک رسالہ لکھا ہے مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

”ورّد فيها على من ذكر الكراهة بدلائل شافية، وهذا هو الأولی لثبوت ذلك عن رسول الله ﷺ وأصحابه“ إلى أن قال: ”و نفس القراءة ثابتة، فلا سبيل إلى الحكم بالكراهة، بل غاية الأمر أن لا يكون لازماً۔“ (التعليق الممجد ۲/۱۱۳)۔

”انھوں نے اس رسالہ میں مکروہ کہنے والوں کا کافی وشافی دلائل سے رد کیا ہے اور لائق بھی یہی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے یہ ثابت ہے، نفس قراءت جب ثابت ہے تو مکروہ کہنے کی کوئی وجہ نہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری نہیں۔“

مولانا عبدالحی لکھنوی نے ”عمدة الرعاية“ اور ”امام الکلام“ میں بھی یہی اختیار کیا ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا نہ پڑھنے سے بہتر ہے جیسا کہ ”مرعاة المفاتيح“ (۵/۳۸۲) میں ہے۔

غازی پوری صاحب اب بتائیں کہ آپ کے اکثر متأخرین فقہاء نے کیا کہا ہے اور آپ کے شُرئیلالی اور لکھنوی صاحبان کیا کہتے ہیں، اس کے باوجود کچھ اہلحدیثوں پر اچھالتے ہو۔ اللہ عزوجل آپ کو ہدایت اور سمجھ دے۔

غازی پوری صاحب آپ مت یہ سمجھیں کہ اسی بات پر ہم نے آپ کا پچھا چھوڑ دیا ہے بلکہ ابھی تو آپ کے لیے ہم نے آپ کے فقہاء کے تناقضات بھی بیان کرنے ہیں لہذا اپنے دل کو مضبوط کیجیے۔

حنفی فقہاء کے تناقضات:

صفحہ (۳۸۷) میں ذکر ہوا کہ کاسانی نے نماز جنازہ میں وجوب فاتحہ پر امام شافعی کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ انھوں نے جو احادیث ذکر کی ہیں وہ نماز جنازہ کو شامل نہیں ہیں کیونکہ نماز جنازہ حقیقت میں نماز نہیں ہے۔

اب دیکھے کہ جب یہی کاسانی صاحب یہ بیان کرنے لگتے ہیں کہ کن چیزوں سے نماز جنازہ صحیح ہوگی کن سے فاسد اور کن کن چیزوں سے مکروہ ہوگی تو لکھتے ہیں

”أما ما تصح به، فكل ما يعتبر شرطاً لصحة سائر الصلوات من الطهارة الحقيقية والحكمية، واستقبال القبلة، وستر العورة، والنية يعتبر شرطاً لصحتها حتى إنهم لو صلوا على جنازة، والإمام غير طاهر فعليهم إعادتها، لأن صلاة الإمام غير جائزة لعدم الطهارة فكذا صلاتهم..... و لو تحروا على جنازة فأخطأوا القبلة جازت صلاتهم، و أن المكتوبة تجوز، فهذه أولى، و إن تعمدوا خلافها لم تجز كما في اعتبار شرط القبلة، لأنه لا يسقط حالة الاختيار كما في سائر الصلوات الخ۔“

(بدائع الصنائع: ۱/۳۱۵)۔

”رہا یہ بیان کہ یہ نماز کن کن چیزوں سے صحیح ہوگی تو ہر وہ چیز جو دوسری نمازوں کے لیے شرط ہے۔ جیسا کہ حقیقی اور حکمی طہارت، استقبال قبلہ، ستر کا ڈھانکنا اور نیت۔ وہی چیزیں اس نماز کی صحت کے لیے بھی شرط ہیں حتیٰ کہ لوگوں نے اگر نماز جنازہ ادا کی اور امام طہارت سے نہ تھا تو ان پر اس کا اعادہ ضروری ہے کیونکہ عدم طہارت کی وجہ سے امام کی نماز صحیح نہیں ہوئی چنانچہ ان کی نماز بھی صحیح نہ ہوگی۔“

اور اگر وہ نماز جنازہ کے لیے قبلہ کی تحری (تلاش) کریں لیکن اس کے باوجود وہ قبلہ کی سمت کو پا نہ سکیں تو ان کی نماز درست ہوگی کیونکہ (اس حالت) میں فرض نماز بھی درست ہوتی ہے تو یہ بالاولیٰ درست ہوگی اور اگر انھوں نے جان بوجھ کر قبلہ کے دوسرے رخ نماز پڑھی تو ان کی نماز نہ ہوگی جیسا کہ دوسری نمازوں میں قبلہ کی شرط کا اعتبار ہے کیونکہ ان میں اختیاری حالت میں یہ شرط ساقط نہیں ہوتی۔“

ان تمام چیزوں میں نماز جنازہ کا وہی حکم ہے جو دوسری نمازوں کا ہے مگر فاتحہ کا پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ نماز جنازہ حقیقت میں نماز نہیں یہ عجیب فقہانیت ہے۔

اور جن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فصل: و أما بيان ما تفسد به صلاة الجنازة، فنقول: إنها تفسد بما تفسد به سائر الصلوات، وهو ما ذكرنا من الحدث العمد والكلام، والقهقهة، وغيرها من نواقض الوضوء.....“ (بدائع الصنائع: ۱/۳۱۵، ۳۱۶)۔

”یعنی نماز جنازہ ان چیزوں سے فاسد ہو جائے گی جن سے دوسری نمازیں فاسد ہو جاتی ہیں اور وہ چیزیں

جان بوجھ کر ہوا کا خارج کر دینا، کلام کرنا، قہقہہ لگا کر ہنسنا اور دیگر نواقض وضوء ہیں۔“
ان تمام چیزوں میں نماز جنازہ حقیقی نماز ہے مگر فاتحہ پڑھنے کے لیے حقیقی نماز نہیں ہے۔
تکبیر اولیٰ کے بعد کیا کرنا چاہیے اس کے بارے میں کاسانی لکھتے ہیں:

”فإذا كبر الأولى أثنى على الله - تعالى- و هو أن يقول: سبحانك اللهم، و بحمدك إلى آخره، و ذكر الطحاوی أنه لا استفتاح فيه، ولكن النقل، والعادة أنهم يستفتحون بعد تكبيرة الافتتاح كما يستفتحون في سائر الصلوات“

(بدائع الصنائع: ۱/۳۱۳، أيضًا البناية للعینی: ۳/۲۵۱)

”جب تکبیر اولیٰ کہے تو اللہ تعالیٰ کی ثابیان کرے اور وہ یہ ہے کہ ”سبحانک اللہم و بحمدک“ آخر تک پڑھے۔ اور طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ اس میں استفتاح نہیں ہے لیکن نقل اور عادت یہ ہے کہ لوگ دوسری نمازوں کی طرح تکبیر اولیٰ کے بعد اس میں بھی دعاء استفتاح پڑھتے ہیں۔“
شمس الأئمہ سرخی لکھتے ہیں:

”اختلف المشايخ فيه، فقال بعضهم: يحمد الله كما في ظاهر الرواية، وقال بعضهم: يقرأ ”سبحانك اللهم“ إلى آخره كما في الصلوات كلها، وهو رواية الحسن عن أبي حنيفة۔“ (البناية: ۳/۲۵۲)

”مشارح“ کا اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ اللہ کی حمد بیان کرے جیسا کہ ظاہر روایت میں ہے ﴿
اور بعض نے کہا ہے کہ دوسری تمام نمازوں کی طرح ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ“ آخر تک پڑھے اور یہ ابوحنیفہ سے حسن کی روایت ہے۔“

﴿ ظاہر روایت سے مراد مسائل اصول ہیں اور یہ وہ مسائل ہیں جو امام ابوحنیفہ، یوسف اور محمد اسی طرح امام زفر اور حسن بن زیاد سے مروی ہیں مگر ان مسائل کا عام طور پر اطلاق ائمہ ثلاثہ کے اقوال پر ہوتا ہے اور جن کتب میں یہ مسائل پائے جاتے ہیں ان کو کتب ظاہر الروایہ کہتے ہیں اور یہ امام محمد کی درج ذیل کتب ہیں۔ مبسوط۔ اسے اصل بھی کہا جاتا ہے۔ جامع صغیر، جامع کبیر، سیر اور زیادات۔ ان کتب کے بعد حاکم شہید کی کتاب ”المتقی“ اور کتاب ”الکافی“ بھی ظاہر روایت کے مسائل کی کتابیں ہیں۔

اور حنفیہ کے نزدیک مسائل کی دوسری قسم ”مسائل غیر ظاہر الروایہ“ کی ہے اور یہ وہ مسائل ہیں جو مذکورین ائمہ سے مذکورہ کتب کے علاوہ دوسری کتب میں پائے جاتے ہیں اور وہ کتب امام محمد کی مذکورہ کتب کے علاوہ یاد دیگر مؤلفین کی کتب میں پائے جاتے ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقدمہ النافع الكبير لعبد الحی الكهنوی (صفحہ: ۱۷، ۱۸)۔

ثنا پڑھنے کے لیے تو نماز جنازہ کا حکم دوسری تمام نمازوں کی طرح ہے لیکن فاتحہ پڑھنے کے لیے یہ نماز دوسری نمازوں کی طرح حقیقی نماز نہیں ہے؟
چوتھی تکبیر کے بعد کیا کرے:

صاحب ”ہدایہ (۱۲۳/۱) لکھتے ہیں: ”ثم يكبر الرابعة و يسلم“۔
”پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔“
اور کاسانی لکھتے ہیں:

”وليس في ظاهر المذهب بعد التكبير الرابعة دعاء سوى السلام“
”ظاہر مذہب میں چوتھی تکبیر کے بعد سوائے سلام کے کوئی دعا نہیں۔“ (۳۱۳/۱)
اب یہاں اپنے مشائخ کی فقہی مویشگافیاں اور اختلاف ملاحظہ کیجیے۔ کاسانی اپنے مذکورہ کلام کے بعد لکھتے ہیں:
”وقد اختار بعض مشائخنا ما يختتم به سائر الصلوات: اللهم ربنا آتنا في الدنيا حسنة، وفي الآخرة حسنة۔“

”ہمارے بعض مشائخ نے اختیار کیا ہے کہ اس نماز کا اختتام اسی سے کیا جائے جس سے باقی دوسری نمازوں کا اختتام کیا جاتا ہے اور وہ ہے دعا ”ربنا آتنا في الدنيا.....“

یعنی نے لکھا ہے کہ ”مبسوط“ میں اس کے بعد یہ اضافہ بھی ذکر کیا ہے:

”وقنا برحمتك عذاب النار، وعذاب القبر، و شدة الحساب“

(البنایہ شرح الہدایہ: ۲۵۳/۳، ۲۵۳، ایضاً۔ المبسوط: ۶۴/۲)

یعنی ہی لکھتے ہیں:

”وفى ”المجتبى“ قيل: هو مخير بين الدعاء، والسكوت، وقيل: يقول: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ الخ، وقيل: يقول: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا﴾ الآية (آل عمران: ۸) و قيل: ﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ﴾ الآية: (الصافات: ۱۸۰)۔“ (البنایہ: ۲۵۴/۳)۔

”مجتبىٰ میں ہے کہ کہا گیا ہے کہ اسے دعاء کرنے اور خاموش رہنے میں اختیار ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ پڑھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا﴾ پڑھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ﴾ پڑھے۔“

اسی طرح (فتح القدیر: ۱۲۳/۲) بھی دیکھیں۔

یہ ہیں حنفی فقہاء کی موٹگیاں اور ان کا اختلاف، اور یہ کس قدر افسوس ناک اور تعجب کی بات ہے کہ نماز جنازہ کی صحت اور اس کے فساد کے لیے وہی شروط جو دوسری نمازوں کی صحت اور فساد کے لیے ہیں جیسے دوسری نمازوں میں تکبیر ثناء اور سلام ہے اور ان کا اختتام ﴿رَبَّنَا اِنَّا.....﴾ سے ہے اسی طرح اس نماز میں بھی تکبیر، ثناء اور سلام ہے اور اس کا اختتام بھی دوسری نمازوں ہی کی طرح کیا جائے۔ ﴿مگر جب فاتحہ کی باری آئی تو نماز جنازہ حقیقی نماز ہی نہ رہی اس میں ثناء وغیرہ کو تو محض دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے ثابت کیا جائے مگر وہ سورہ فاتحہ جس کا اس میں پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اس کا انکار کر دیا جائے۔ اِنَّا لِلّٰہ و اِنَّا الَیہ راجعون۔

غازی پوری صاحب یہ ہے آپ کے اپنے گھر کا حال اس کے باوجود زبان درازی اہل حدیث کے بارے میں کرتے ہو۔ دراصل بات یہ ہے کہ دوسرے کی آنکھ میں ایک چھوٹا سا تنکا بھی دکھائی دیتا ہے جب کہ اپنی آنکھ میں شہتیر بھی غائب ہو جاتا ہے۔

غازی پوری صاحب عربی کا ایک شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کا اپنا گھر شیشے کا ہو وہ دوسرے کے گھر کو پتھر نہیں مارے۔

نمبر ۲: غازی پوری صاحب کی تحریف و خیانت:

غازی پوری صاحب نے علامہ ابن قیم سے جو یہ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جنازہ میں مقصود میت کے لیے دعا کرنا ہوتا ہے نہ کہ قرآن پڑھنا (زاد المعاد) تو اس میں انھوں نے تحریف اور خیانت سے کام لیا ہے علامہ ابن قیم کی عبارت بمعہ ترجمہ ملاحظہ کیجیے تاکہ آپ یہ معلوم کر سکیں کہ غازی پوری صاحب نے یہاں کیا تحریف و خیانت کی ہے وہ لکھتے ہیں:

”و مقصود الصلاة على الجنابة: هو الدعاء للميت، لذلك حفظ عن النبي -صلى الله عليه وسلم- و نقل عنه ما لم ينقل من قراءة الفاتحة، و الصلاة عليه صلى الله

﴿اس کا کیا ثبوت ہے کہ دوسری نمازوں کا، اختتام (ربنا اتنا فی الدنيا.....) سے کیا جاتا ہے؟

﴿یہ صرف محاورہ ہی نہیں بلکہ حدیث بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”یصیر أحدکم القذاة فی عین أخیه، و ینسی الجذع فی عینہ“ اس کو ابن حبان (ج: ۷، حدیث: ۵۷۳۱) قضاوی نے ”مسند الشہاب“ (حدیث: ۶۱۰) اور ابونعیم وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے شیخ آل بانی نے ”الأحادیث الصحیحة“ (حدیث: ۳۳) میں صحیح کہا ہے۔ اردو کا شاعر کہتا ہے:

غیر کی آنکھوں کا تنکہ تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

علیہ وسلم۔“ (زاد المعاد: ۱/۵۰۵)۔

یعنی نماز جنازہ سے مقصود میت کے لیے دعا کرنا ہوتا ہے اسی لیے جس قدر اس کے بارے میں نبی ﷺ سے روایات محفوظ و منقول ہیں اس قدر قراءت فاتحہ اور آپ ﷺ پر درود پڑھنے کے بارے میں روایات منقول نہیں۔

یہ ہے ابن قیم کے کلام کا مطلب جسے غازی پوری صاحب نے بالکل بدل کے رکھ دیا ہے۔

مولانا صادق رحمۃ اللہ سے اگر کہیں ترجمہ میں تھوڑا بہت تساہل ہو گیا تو موصوف ان پر فوراً برس پڑے اور شور مچانا شروع کر دیا مگر خود انھوں نے کس قدر دجل و فریب سے کام لیا ہے۔ اسے وہ بھولے ہوئے ہیں۔

①۶ موصوف نے (صفحہ: ۴۹)۔ جو کہ ان کے رسالہ کا آخری صفحہ ہے۔ میں لکھا ہے جس کا مختصر ایہ ہے:

”صادق صاحب نے کتاب کے آخر میں دعائیں اور اذکار کے بیان میں جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں سے متعدد

ضعیف اور بعض سخت ضعیف ہیں مگر صادق صاحب نے کسی ایک حدیث کے بارے میں نہیں فرمایا کہ وہ ضعیف ہے۔

شیخ الحدیث زکریا رحمۃ اللہ نے فضائل کی کتابوں میں ضعیف احادیث کو ذکر کر کے بتلایا ہے کہ فلاں حدیث ضعیف ہے

لیکن ان کی کتابوں کے خلاف غیر مقلدین شور مچاتے ہیں کہ فضائل اعمال کی کتابیں ضعیف احادیث سے بھری ہیں۔

یہ ہے غازی پوری صاحب کا کلام، سب سے پہلے ہم ان سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ آپ اپنی کتب فقہ کو چھوڑ کر

جلدی سے زکریا صاحب کی فضائل اعمال کی کتب کی طرف کیوں بھاگ گئے یہ تو صرف اردو دان طبقہ کی کتب ہیں اور

اس زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں مگر آپ کی وہ کتب جو صدیوں پہلے تصنیف شدہ ہیں اور حنفی مذہب کی معتبر کتب ہیں جن پر

صرف آج کے برصغیر کے حنفی نہیں بلکہ صدیوں سے پوری دنیا کے حنفی اعتماد کرتے آئے ہیں کیا آپ ان میں یہ چیز دکھا

سکتے ہیں اگر ان میں یہ چیز پائی جاتی ہے تو پھر تو آپ کو یہ بات کہنے کا حق ہے ورنہ نہیں۔

شاید آپ کو یہ علم تھا کہ ان کے اندر کتنی وہی تباہی اور بے بنیاد روایات ہیں جن کو ان کا ضعف بیان کیے بغیر درج

کیا گیا ہے۔ ① یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان سے نظر چرا کر تبلیغی نصاب کا رخ کیا۔

دوسری بات غازی پوری صاحب یہ کتاب اردو دان طبقہ کے لیے تالیف کی گئی ہے جب کہ احادیث کے ضعف کو

صرف عربی زبان میں بیان کیا گیا ہے اردو میں اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا جیسا کہ احادیث کے متن کا اردو میں بھی ترجمہ کیا

گیا ہے۔

اس لیے اس کو مولانا زکریا صاحب کی دیانتداری نہیں بلکہ دھوکہ بازی اور فریب کاری سے تعبیر کریں گے۔

شاید انھوں نے یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا ہو کہ اگر کوئی اعتراض ہو تو یہ کہنے کی گنجائش باقی رہے کہ عربی میں تو

① ان میں سے بعض کا اس کتاب میں مثال کے طور پر ذکر کیا جا چکا ہے ملاحظہ ہو: صفحہ (۲۵۸)، وما بعدھا

میں نے احادیث کے ضعف کو بیان کر دیا ہے جب کہ یہ سراسر غیر معقول جواب ہے کیونکہ کتاب اردو دان طبقہ کے لیے لکھی گئی ہے اور اس کتاب کے قارئین کی اکثریت ایسی ہے کہ اس کے لیے عربی سمجھنا تو درکنار وہ صحیح طرح سے اردو بھی نہیں سمجھ پاتی۔

اس پر مثالیں ذکر کرنے کی ضرورت تو نہ تھی لیکن مذکورہ بالا سطور میں جو ذکر ہوا اس کی دلیل کے طور پر یہاں صرف ایک مثال ذکر کی جاتی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

”روی أنه - عليه الصلاة والسلام - قال: من ترك الصلاة حتى مضى وقتها، ثم قضى عذب في النار حقبا، والحقب ثمانون سنة، والسنة ثلاثمائة وستون يوما كل يوم كان مقداره ألف سنة۔“

”حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کر دے گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک ہب جہنم میں جلے گا اور ہب کی مقدار اسی برس کی ہوتی ہے اور ایک برس تین سو ساٹھ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔“

یہ حدیث ہے جس کو موصوف نے نقل کیا ہے اس کو رسول اللہ ﷺ سے کس صحابی نے روایت کیا ہے اور کس امام نے اپنی کتاب میں اس کی تخریج کی ہے اس کا کوئی ذکر نہیں بس یہ کہہ دیا گیا۔ ”حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہے۔“ موصوف اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”كذا في مجالس الأبرار، قلت: لم أجده فيما عندي من كتب الحديث إلا أن مجالس الأبرار مدحه شيخ مشائخنا الشاه عبد العزيز الدهلوی۔“

موصوف نے اپنی اس عبارت کا ترجمہ نہیں کیا تا کہ قارئین پر یہ راز منکشف نہ ہو جائے کہ ذکر کیا صاحب نے کیسی بے بنیاد و بے اصل احادیث بھی ذکر کر دی ہیں۔ اب اس عبارت کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے اور ذکر کیا صاحب کو ان کی دیانتداری پر داد دیجیے ان کی مذکور عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

”مجالس الأبرار۔ میں اسی طرح ہے (یعنی اس حدیث کا اس میں ذکر ہے) میں کہتا ہوں کہ میرے پاس حدیث کی جو کتابیں ہیں مجھے ان میں یہ حدیث نہیں ملی مگر ”مجالس الأبرار“ کی ہمارے مشائخ کے شیخ عبد العزیز دہلوی نے مدح کی ہے۔“

یہ ہے موصوف کے کلام کا ترجمہ جو انھوں نے عربی میں کیا ہے لیکن اردو میں اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو: ”تبلیغی نصاب، فضائل نماز، باب اول فصل دوم، حدیث: ۸، صفحہ تبلیغی نصاب: ۳۵۵۔ صفحہ فضائل نماز ۳۹، مکتبہ امدادیہ

ملتان پاکستان، سن طباعت ذکر نہیں۔

مولانا زکریا صاحب کی ہٹ دھرمی:

موصوف کی جماعت ہی کے لوگوں میں سے کسی نے ان سے کہا کہ اس حدیث کو بعض لوگوں نے ضعیف کہا ہے ﴿لہذا اس کا اس کتاب میں ذکر کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کا حذف کر دینا ہی بہتر ہے چنانچہ آپ کی کیا رائے ہے؟﴾ ”موصوف نے جواب میں کہا کہ اگر اس عاجز نے اس حدیث کو اپنی طرف سے ذکر کیا ہوتا تو اس کو حذف کیا جاسکتا تھا مگر جب یہ معتبر کتاب میں منقول ہے تو لوگوں کی تحذیر کے لیے اس کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ یہ ضعیف ہے..... اس کے بارے میں میں نے اپنے دوست و احباب سے مشورہ کیا ہے لیکن اس حدیث کو حذف کر دینے پر مطمئن نہیں ہوا ہوں۔“

﴿جماعة التبليغ از طالب الرحمن صفحہ: ۳۶۱، ۳۶۲﴾

موصوف کے آخری کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دوست و احباب نے بھی اس حدیث کو حذف کر دینے کا ہی مشورہ دیا تھا لیکن وہ ان کے کلام سے مطمئن نہیں ہوئے بلکہ اپنی رائے پر ڈٹے رہے۔ موصوف رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو اگر پیش نظر رکھتے تو پھر شاید اس کو حذف کر دیتے۔

”من حدث عني حديثاً يري أنه كذب فهو أحد الكاذبين۔“

”جو مجھ سے ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں گمان یہ ہو کہ وہ جھوٹی ہے۔ (جیسا کہ مذکورہ حدیث)

تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔“ ﴿

غازی پوری صاحب تیسری بات یہ ہے کہ اہل حدیث کا ”تبلیغی نصاب“ یا ”فضائل اعمال“ پر اعتراض صرف یہ نہیں کہ اس میں ضعیف روایات ہیں بلکہ دوسرا اعتراض یہ بھی ہے کہ اس کے اندر بہت سی شریکات، بدعات و خرافات بھی ہیں مثال کے طور پر فضائل درود میں مثنوی مولانا جامی کو ذکر کیا گیا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

زمہجوری برآمد جان عالم

ترحم یا نبی اللہ ترحم

مثنوی ذکر کرنے کے بعد انھوں نے اس کا ترجمہ از حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم خلیفہ مجاز

﴿یہ ضعیف نہیں بلکہ من گھڑت ہے۔﴾

﴿اس حدیث کے بارے میں یہ تفصیل اس کتاب کے (صفحہ: ۲۵۶-۲۵۷) میں بھی گزر چکی ہے۔﴾

﴿اس حدیث کی تخریج کے لیے اس کتاب کا (صفحہ: ۲۵۸) دیکھیں۔﴾

بیعت از حکیم الامت حضرت مولانا الحاج اشرف علی صاحب تھانوی ذکر کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ سے اس کا ترجمہ سنئے۔

”آپ کے فراق سے کائناتِ عالم کا ذرہ ذرہ جانِ بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے اے رسول خدا نگاہِ کرم فرمائیے اے ختم المرسلین رحم فرمائیے۔“ ملاحظہ ہو تبلیغی نصاب (صفحہ: ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، فضائل درودِ فضل پنجم صفحہ: ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸)۔

اس شعر اور ترجمہ کے بعد اللہ عزوجل کا یہ فرمان بھی سنئے:

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ (الأعراف: ۱۸۸)۔

ترجمہ از اشرف علی تھانوی صاحب: ”آپ کہہ دیجیے کہ میں خود اپنی ذاتِ خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا ہو۔“ (صفحہ: ۲۱۱۔ اسلامک بک سروس نئی دہلی)۔ ایک دوسری مثال سنئے موصوف ”فضائل صدقات“ میں لکھتے ہیں:

”ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھا باب بنی شیبہ سے نکل رہا تھا دروازہ سے باہر میں نے ایک نہایت خوبصورت آدمی کو مرے ہوئے پڑا دیکھا، میں جو اس کو غور سے دیکھنے لگا تو وہ میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہنے لگا ابوسعید تمہیں معلوم نہیں کہ (محبت والے) دوست مرا نہیں کرتے ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتے ہیں۔“ (فضائل صدقات حصہ دوم (صفحہ: ۶۷۱، کتب خانہ فیضی لاہور)۔

اس قصے کے بعد اللہ عزوجل کا فرمان سنئے:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَ إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ (الزمر: ۳۰)۔

”ترجمہ از تھانوی صاحب.....“ آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔“ (صفحہ: ۵۵۵)۔

اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ قول بھی ملاحظہ کیجیے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے موقع پر اپنے خطبہ میں کہا تھا:

”أَمَا بَعْدُ: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا - ﷺ - فَإِنْ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ -“

(بخاری، حدیث: ۴۴۵۴، کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ و وفاته)۔

”تم میں سے جو محمد ﷺ کی عبادت کرنے والا تھا پس یقیناً محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں۔“

اور اس سے پہلے انھوں نے کیا فرمایا جب وہ سُخ مقام سے آئے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا آپ کی پیشانی مبارک کا بوسہ لیا اور رو پڑے پھر فرمایا:

”بأبي أنت و أمي، واللَّهِ لا يجمع الله عليك موتتين، أما الموتة التي كتبت عليك فقد متَّها۔“

”میرے والدین آپ پر قربان! اللہ کی قسم اللہ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا ﴿۱﴾ جو موت آپ کی تقدیر میں تھی وہ آپ پر آچکی ہے۔“

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول پر رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ابوبکر کیسی بات کہہ رہے ہو ہمیں موت تو نہیں آتی ہم تو صرف ایک جہاں سے دوسرے جہاں منتقل ہو جاتے ہیں مگر کاندھلوی صاحب کی بیان کردہ حکایات میں کوئی مردہ تو غسل دینے والے کا انگوٹھا پکڑ لیتا ہے، کوئی مردہ قبر میں قرآن پڑھتا ہے ملاحظہ ہو: (فضائل الصدقات: صفحہ: ۶۵۹، ۶۶۰)۔ اب یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے مردے کا غسل دینے والے کے انگوٹھے کو پکڑنے کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے: ”ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا میں نے کہا کہ میرا انگوٹھا چھوڑ دے مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا۔“ (فضائل صدقات، حصہ دوم صفحہ: ۶۶۰)۔

یہ مرید بھی کوئی بڑا عجیب قسم کا انسان تھا کہ اس کے غسل کے لیے جب اس کے کپڑے اتارے گئے تو اس وقت وہ بالکل خاموش رہا حالانکہ یہ کام تو اسے اس وقت کرنا چاہیے تھا تاکہ غسل کے لیے اسے برہنہ نہ کیا جاتا۔ اور پیر صاحب کو بھی ماشاء اللہ علم غیب تھا کہ وہ فوراً سمجھ گئے کہ میرے مرید نے میرا انگوٹھا کس لیے پکڑا ہے۔ یہ چند چیزیں مثال کے طور پر ذکر کی گئی ہیں ورنہ ان کتب میں بہت سی شریکیات، خرافات، واپسی تباہی احادیث و حکایات وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو عقیدہ توحید سے صراحتاً متصادم ہیں لہذا ان کتب کو تبلیغ اسلام کی کتب کہنا سراسر اسلام پر زیادتی ہے۔ اسی پر غازی پوری صاحب سے ہماری گفتگو اختتام کو پہنچتی ہے اور جن باتوں کا جائزہ لیا گیا ہے ان کے علاوہ ان کی دیگر باتیں بھی ہیں مگر اختصار کے پیش نظر مذکورہ باتوں ہی کا جائزہ لیا گیا ہے امید ہے کہ انہی چند باتوں کا جائزہ قارئین کو غازی پوری صاحب کی حقیقت سمجھنے کے لیے کافی ہوگا۔ ان شاء اللہ

”سبحانک اللہم وبحمدک أشهد أن لا إله إلا أنت استغفرک و أتوب إليك۔“



﴿۱﴾ دو موتوں سے مراد کیا ہے حافظ ابن حجر نے اس کے تین چار جواب ذکر کیے ہیں جن میں سب سے واضح جواب یہ ہے: ”انھوں نے یہ کہہ کر ان لوگوں کا رد کیا ہے جن کا خیال یہ تھا کہ آپ ﷺ زندہ ہوں گے اور ظالموں کی خبر لیں گے۔“ اگر یہ خیال صحیح ہو تو اس سے لازم یہ آتا تھا کہ آپ کو ایک دوسری موت بھی آئے گی لہذا انھوں نے یہ کہہ کر اس خیال کا رد کیا ہے۔ بقیہ جوابات کی تفصیل کے لیے ”فتح الباری“ (۱۱۳/۳) دیکھیں۔

فہرستیں

- ✿ فہرست قرآنی آیات
- ✿ فہرست احادیث و آثار
- ✿ فہرست رواۃ و اعلام
- ✿ فہرست مصادر و مراجع
- ✿ فہرست مضامین

فهرست آیات

آیت	سورت	آیت نمبر	صفحہ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ	البقرة	۲۱	۳۷۹
وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ	البقرة	۱۱۰، ۴۳	۳۷۹
يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ	البقرة	۷۵	۲۹۱
وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ	البقرة	۱۱۱	۴۳
تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ	البقرة	۱۱۱	۱۳۶، ۴۳ ۳۱۴، ۲۰۳
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ	البقرة	۱۷۸	۳۸۰
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ	البقرة	۱۸۳	۳۷۹
الْحُرِّ بِالْحَرْ وَالْعَبْدَ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ	البقرة	۱۷۸	۳۸۰
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ	البقرة	۱۸۵	۳۷۹
رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً	البقرة	۲۰۱	۳۹۵
وَذُرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا	البقرة	۲۷۸	۳۷۹
رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا	آل عمران	۸	۳۹۵
قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي	آل عمران	۳۱	۳۳۰
وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ	آل عمران	۱۱۸	۲۱۴
يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ	آل عمران	۱۵۴	۲۱۴
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ	النساء	۲۳	۱۶۷
وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ	النساء	۳۲	۶۲

۲۹۱	۴۶	النساء	يُخَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ
۱۹۵، ۱۹۴	۵۹	النساء	فَإِنْ تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ
۳۲۱، ۱۹۶	۷۷	النساء	أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ
۳۲۰، ۱۷۹	۸۰	النساء	مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ
۲۱۱	۸۲	النساء	وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا
۱۵۱	۱۱۶	الأنعام	وإن تطعم أكثر من في الأرض يضلوك
۱۹۶	۳۱	الأعراف	خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ
۱۸۲، ۱۸۱	۱۷۶	الأعراف	مَعْلَهُ كَمَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ
۱۳۵	۱۷۹	الأعراف	أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ
۴۰۰	۱۸۸	الأعراف	قُلْ لَا أَفْلِكُ لِنَفْسِي نَقْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ
۲۲	۵۹	يونس	قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ
۷۴	۸۹	يونس	قَدْ أَجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا
۴۲	۷۸	هود	أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ
۲۷۳	۲۶	يوسف	وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا
۷۵	۳۷	إبراهيم	رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي
۳۷۹	۳۱	الإسراء	وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ
۳۷۹	۳۲	الإسراء	وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجِي
۱۳۶، ۱۶	۵	الكهف	كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ
۱۸۲، ۱۸۱	۲۲	الكهف	سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةً رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةً
۲۵۳، ۲۰۳	۱۲۸، ۵۴	طه	إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِرَأْسِ الْأُولَى النَّهْيِ
۲۰۳، ۲۰۱	۴۶	الحج	فَرَأَيْنَاهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ
۳۲۰	۷۷	الحج	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا

۱۷	۱۶	النور	سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ
۱۵۱	۶۳	العنكبوت	بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ
۱۵۰	۴	الأحزاب	وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ
۳۸۲	۵۶	الأحزاب	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
۱۵۱	۱۳	سبا	وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ
۳۹۵	۱۸۰	الصفات	سُبْحَانَ رَبِّكَ
۴۰۰	۳۰	الزمر	إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ
۷۲	۶۰	المؤمن	وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ
۲۲	۲۱	الشورى	أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ
۶۲	۳۲	الشورى	أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا
۸۹	۲۳	الزحرف	إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم
۱۵۶	۱۸	ق	مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ
۱۲۱	۳۷	ق	إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَىٰ
۷۸	۴۰	ق	وَأَدْبَرَ السُّجُودَ
۳۱۹	۵۳	الذاريات	أَتَوَصَّوُا بِهِ بَلْ
۲۱۸	۲۲	الرحمن	يَخْرِجُ مِنْهُمَا النَّورَ وَالْمَرْجَانَ
۶۲	۲۱	الحديد	ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ
۱۳	۵	الجمعة	مَعْلُ الَّذِينَ حَمَلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا
۱۹۶	۹	التغابن	وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا
۱۹۶	۱۱	الطلاق	
۸۹	۴۹	المدثر	فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ
۷۶، ۷۵	۸، ۷	الانشراح	فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ
۲۷۹	۲	الكوثر	فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

فہرست احادیث و آثار

حدیث یا اثر	راوی	صفحہ
آخر وقت المغرب إذا.....		۲۵۹
الابتہال ہکذا، و بسط یدیدہ..... (اثر)	ابن عباس	۷۲
أبو حنیفۃ سراج أمتی		۲۶۹
أتی سُبَاطۃ قوم، فبال قائماً	حذیفۃ، و المغیرۃ بن شعبۃ	۲۳۳، ۲۹۱، ۲۲۲
أتانی جبریل - علیہ السلام - فأمرنی أن أمر أصحابی	السائب بن خلاد	۲۳۰
اتقوا مواضع التہم -		۲۶۶
أتیت النبی - ﷺ - أنا و صاحب لی	مالک بن الحویرث	۲۱۷
اجثوا علی الركب، ثم قولوا..... (اثر)	سعد بن أبی وقاص	۷۲
أجد فی التورۃ أن اللہ حی کریم.....	سلمان	۷۱
اجعل رغبتک، و نیتک إلی ربک (اثر)	مجاہد	۷۶
اختلاف أمتی رحمۃ -		۱۴۸
إذا أقیمت الصلوۃ، فلا صلوۃ		۲۳۱
إذا التقی الختانان، وتوارت الحشفۃ	عبد اللہ بن عمرو	۲۵۲، ۲۳۸
إذا انتصف شعبان، فلا تصوموا	أبو ہریرۃ	۲۷۱
إذا انسلخ شعبان، فلا		۲۷۱
إذا جلست، فاجتہد فی الدعاء والمسألۃ (اثر)	مجاہد	۷۶
إذا سافرتماء، فأذناء، فأقیما	مالک بن الحویرث	۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۵
إذا سجد المؤمن سجد کل عضو منہ		۲۶۰

٢٦٨	ابن عمر	إذا صليت في أهلك ثم أدركت.....
٤٤	ابوهريره	إذا فرغ أحدكم من التشهد الآخر، فليتعوذ بالله
٢٨٢	عبد الله بن عمرو	إذا فرغ أحدكم من نومه، فليقل.....
٤٦	ابن عباس	إذا فرغت من صلاتك، وتشهدت، فانصب..... (أثر)
٤٦	مجاهد	إذا قمت إلى الصلاة، فانصب..... (أثر)
		إذا لم تستحي، فاصنع ما شئت (انظر إن مما أدرك الناس)
٢٣٠	عبد الله بن عمر	إذا نكح العبد بغير إذن مولاه.....
١٦٠	عائشة	إذا وجدت المني رطباً، فاغسله.....
٩٩	ابن عمر	اذكروا محاسن موتاكم.....
٣٣٠	ابن عباس	أراهم سيهلكون، أقول، قال النبي -ﷺ-
٦٦	شداد بن أوس	ارفعوا أيديكم، وقولوا لا إله إلا الله.....
٢٥٠	أبوهريره	أسرعوا بالجنابة
٢٨٢	عبد الله بن عمرو، وخالد	أعوذ بكلمات الله التامات
٢٨٣	بن الوليد والوليد بن الوليد	
٢٣٠	جابر وغيره	أفاض حين أسفر
١٨		أفلا شققت عن قلبه حتى.....
٣٨٢، ٣٨١		اقرأ بها في نفسك (أثر)
١١٩	أبو بكر الصديق	أقول فيها برأيي، فإن صواباً فمن الله (أثر)
١١٩	عبد الله بن عمرو	اكتب، فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه.....
٣٣٦	أنس	أكثرت عليكم في السواك
٢٦٩		أكل متكئاً
١٨٥	أبو محذورة	ألقي علي رسول الله -ﷺ- التآذين بنفسه -
٣٣١	جابر	إلا شركوكم في الأجر -

٩٥	عائشة	اللَّهُ أَكْبَرُ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، سُبْحَانَ اللَّهِ
٢٨٢	ابن عمر	اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
٤٢	حبيب بن مسلمة	اللَّهُمَّ احْقِنِ دِمَائَنَا، واجعل أجورنا.....
٦٣	صهيب	اللَّهُمَّ اصْلَحْ لِي دِينِي الَّذِي جَعَلْتَهُ عِصْمَةً أَمْرِي.....
٦٣	معاذ بن جبل	اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ.....
١٢٥		اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي
٦٢	أبو أيوب الأنصاري	اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطَايَا، وَذُنُوبِي كُلَّهَا.....
٦٢	علي	اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ، وَمَا أَخَّرْتُ
٩٥، ٩٢	سعد بن أبي وقاص و طارق بن أشيم وعائشة	اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وَاهْدِنِي.....
٢٨٢	عائشة	اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَاهْدِنِي وَعَافِنِي.....
١٢٥	محمد بن علي الباقر	اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الرَّاحَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ.....
٤٠	عبد الله بن جعفر	اللَّهُمَّ إِنِّي أَشْكُوا إِلَيْكَ ضَعْفَ قُوَّتِي.....
٢٨٢	عائشة	اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا.....
٨٥		اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ
٦٣	عبد الله بن عباس	اللَّهُمَّ اهْدِنِي مِنْ عِنْدِكَ، وَأَفْضَ عَلَيَّ
٨٥، ٨٢، ٨٣		اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي، وَبَيْنَ خَطَايَايَ
٦٨	شداد بن أوس	اللَّهُمَّ بَعَثْنِي بِهَذِهِ الْكَلِمَةِ
٦٢	علي	اللَّهُمَّ تَمَّ نورك، فَهَدَيْتَ، فَلَكَ الْحَمْدُ..... (أثر)
٤٩	أبو هريرة	اللَّهُمَّ خَلِّصْ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ
٤٩	عبد الله بن مسعود	اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقَرِيشَ.....
٢٨١		اللَّهُمَّ لَكَ صَمْتُ
٣٠٥، ٣٠٢	أنس	اللَّهُمَّ لَا سَهْلَ إِلَّا مَا جَعَلْتَهُ سَهْلًا

٣٥	غضيف الثمالي	أما إنهما أمثل بدعتكم عندي..... (أثر)
٣٠٠	أبو بكر الصديق	أما بعد: من كان منكم يعبد محمداً..... (أثر)
٢٩٩	أنس	إنَّ أوَّل ما افترض الله على النَّاس.....
٤٢، ٤١، ٥٣	سلمان	إنَّ ربَّكم- تبارك وتعالى- حيَّي كريم.....
٣٣	ذكوان	إنَّ رسول الله- ﷺ- لم يكن يرى له ظلَّ
٨٠، ٢١	عبد الله بن الزبير	إنَّ رسول الله- ﷺ- لم يكن يرفع يديه حتى.....
١٨	أبو هريرة	إنَّ العبد ليتكلم بالكلمة ما يتبيَّن فيها.....
١٩٨	الحسن البصري	إنَّ عمر بن الخطاب جمع النَّاس على أبي بن كعب
٣٠	ابن مسعود	إنَّ قومًا يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم
٩٨	عبد الله بن مسعود	إنَّ للشيطان لَمَمةَ بابن آدم.....
١٦٣	المغيرة بن شعبة، وأبو هريرة	إنَّ الله كره لكم ثلاثًا.....
٢٩٦، ٢٩٥	أبو سعيد الخدري	إنَّ الماء طهور لا ينجسه شيء
٣٣، ٤	أبو مسعود	إنَّ مما أدرك النَّاس من كلام النبوة الأولى.....
١٨٥	أبو محذورة	أَنَّ النبي- ﷺ- أقعده فألقى عليه الأذان
١٨٥	أبو محذورة	أَنَّ نبي الله- ﷺ- علَّمه هذا الأذان
٣٢٦	عقبة بن عامر	إِنَّا كُنَّا نفعله على عهد رسول الله- ﷺ-
٣٨٣	ابن عباس	إنَّما جهرت لتعلموا أنَّها سنَّة-
١٥٨	ابن عباس و	إنَّما هو بمنزلة البصاق، أو المخاط (أثر)
١٦٠	سعد بن أبي وقاص	
١٨٩	ابن عباس	إنَّه- معاوية- فقيه (أثر)
٢٦٩		إنِّي لا آكل متكئًا
١١٨	الضحاك بن ثابت	أوف بنذرک، فإنه لا وفاء لنذر.....
٣٢	محمد بن سيرين	أوَّل من رفع يديه في الجمعة (أثر)

١٤٢	محمد بن سيرين	أول من قاس إبليس.....(أثر)
١٢٢	الشفاء	ألا تعلمين هذه رقية النملة.....
٢٢٣		ألا من أكل ، فلا يأكل بقية يومه
٣٢١	أبو هريرة	ألا لا يحج بعد العام مشرك.....
٣٢١		ألا لا يطوفن بالبيت محدث
٦٢	علي	ألا يقوم أحدكم ، فيصلي أربع ركعات (أثر)
١٤٢	عمر بن الخطاب	إياكم ، وأصحاب الرأي ، فإنهم أعداء السنن.....(أثر)
١١٦	ابن عباس	إياكم ، والغلو في الدين ، فإنما أهلك.....
٢٠٠	أبو بكر الصديق	بأبي و أمي ، والله لا يجمع الله عليك موتتين.....(أثر)
٣٢٢		تركت فيكم أمرين لن تضلوا.....
١٨٦	أبو محذورة	تقول : الله أكبر..... ترفع بها صوتك ، ثم تقول.....
٦٢	علي	تم نورك ، فهديت.....
٢٢٦	أبو هريرة ، وغيره	تهادوا تحابوا-
٢٩٤		توضأ ثلاثاً ثلاثاً
٢٣٦		توضأ - ﷺ - مرة مرة ، وقال.....
٢٣٢	المغيرة بن شعبة	توضأ - ﷺ - ومسح بناصيته
٢٤٤	أبو موسى الأشري	توضأ ، ومسح على الجوربين والنعلين-
٢٢٥	عائشة	ثم اغتسلي ، ثم توضئي
٦٤	شداد بن أوس	ثم وضع رسول الله - ﷺ - يده
٤٤	عبد الله بن مسعود	ثم يتخير من الدعاء.....
١٥٢	عبد الله بن مسعود	الجماعة ما وافق الحق..... (أثر)
٤٨	أبو أمامة	جوف الليل الآخر ، ودبر.....

٢٥٨	عبد الله بن عمرو	حدّثوا عني ، ولا تكذبوا عليّ.....
٦٦	شداد بن أوس	الحمد لله، اللهم بعثني بهذه الكلمة ، وأمرني بها.....
٣٠٢		الحمد لله الذي أحيانا
٢٩٦		الحمد لله الذي أذهب عني
٣٢٥	أنس	خرج حين زاغت الشمس
٢٠٦	ابن مسعود وغيره	خير القرون قرني ، ثم الذين يلونهم
٢٣٩	أمّ قيس بنت محصن	دخلت على رسول الله ﷺ - بابن لي
١٨٩	ابن عباس	دعه ، فإنه قد صحب.....(أثر)
٢٩٢، ١٩٣، ٢٢	تميم الداري	الذين النصيحة
٢٨١		ذهب الظمأ ، وابتلت العروق
٢٥		رأى عمارة بن رؤية بشر بن مروان ، وهو.....
٢٣٢	المطلب بن أبي وداعة	رأيت رسول الله ﷺ - حين فرغ من سُبُعِه
٨١		رأيت عبد الله بن الزبير الأسلمي
١٠٥	حذيفة	رب اغفر لي ، رب اغفر لي
٨٢	علقمة بن مرثد، و إسماعيل بن أمية	رب اغفر لي ما قدمت.....
١٠٥	علي	رب اغفر لي (أثر)
١٠٠	ابن عباس	رب اغفر لي وارحمني
٨٣		ربّ إنّي ظلمت نفسي
١٢٥		ربّنا لك الحمد
٣١	الزهرى	رفع الأيدي يوم الجمعة..... (أثر)
٣٩٢		سبحانك اللهم ، وبحمدك
٦٣	عبد الله بن عباس	سبحان الله العظيم ، وبحمده.....

فهرست أحاديث وآثار

٢٦٥		سبعة لا ينظر الله إليهم
٢٥٢	عائشة	سنة لعنتهم: الزائد في كتاب الله
٣٨٢	أبو أمامة بن سهل	السنة في الصلاة على الجنابة أن يقرأ
٢٢٨	أم هانئ	الصائم المتطوع أمير نفسه
٢٨٠	ابن عباس	صلى فيه ركعتين كصلاة العيد
٣٢٨	عبد الله بن مغفل	صلى قبل المغرب ركعتين
١٣٥	ابن عباس	صلوا في مصلى الأخيار، واشربوا.....(أثر)
٣٢٤	عبد الله بن مغفل	صلوا قبل المغرب ركعتين.....
٣٤٨، ٣٦٢		صلوا كما رأيتموني أصلي
٢٤٨	وائل بن حجر	صليت مع النبي - ﷺ - فوضع يده اليمنى
٢٤٩	ابن عباس	ضع يدك اليمنى على الشمال عند النحر(أثر)
٢٢٣	المطلب بن أبي وداعة	طاف بالبيت سبعاً، ثم
٣٢٦	عائشة	عشر من الفطرة
٢٣٩	أم قيس بنت محصن	على ما تدغرن أولادك بهذا العلاق
٤٥	عبد الله بن عباس، وغيره	فإذا فرغت من الصلاة المكتوبة، فانصب.....(أثر)
١١٩	أبو بكر الصديق	فإن أحسنت، فأعينوني (أثر)
١٢٠	عبد الله بن مسعود	فإن كان صواباً، فمن الله وحده.....(أثر)
٤٦	عبد الله بن مسعود	فراغك من الركوع، والسجود(أثر)
٢٨٤	أبو هريرة	فصلّى بنا ركعتين بلا أذان، ولا إقامة
٣٣٦، ٣٣٧، ٣٣٢		فعليكم بسنتي، وسنة الخلفاء
٣٣٢، ٣٣٩، ٣٣٨		
٨٣	أبو هريرة	فقام، فصلّى، ودعا
١٤٩	جابر بن عبد الله	فمن أطاع محمداً فقد أطاع الله

٢٦٤	عبادة بن الصامت	فلا يقرآن أحد منكم شيئاً من القرآن
٢٥٩، ٢٥٨		قاء، فلم يتوضأ
٦٨	أنس	قال الله: يا ابن آدم إنك ما دعوتني
٢٣	عمار بن رؤيه	قبح الله هاتين اليديتين القصيرتين لقد رأيت رسول الله ﷺ -
٣٨٠	ابن عباس	قرأ على الجنابة بفاتحة الكتاب
٣٤٦	جابر	كان إذا استفتح الصلاة كبر، ثم قال
٣٤٥	علي	كان إذا قام إلى الصلاة قال: وجهت وجهي
١٠٠	عائشة	كان حين يقوم للوضوء
٣٢٤	أنس	كان المؤذن إذا أذن قام ناس
٣٩١	نافع	كان - ابن عمر - لا يقرأ في الصلاة على الجنابة
٢٥٢	البراء بن عازب	كان يأتي ناحية الصف فيسوي
١٥٩	عائشة	كان يأمرنا بحته (المنى)
٨٠	أبو هريرة	كان يدعو في دبر صلاة الظهر
٢٣١	عائشة	كان يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة
١٠٥	حذيفة	كان يقعد فيما بين السجدين نحواً من سجوده
٢٩٨		كان يمسح على الخفين، والنعلين
١٩٩	عائشة	كان يوتر بثلاث لا يقعد
١٤٦	إبراهيم النخعي	كانوا يقولون إذا سكر من شراب
٢٨٥	عمرو بن عوف	كبر في العيدين في الأولى سبعاً
٢٥٤، ١٦٣	أبو هريرة	كفى بالمرء كذباً أن يحدث
٣٢٩		كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبي
٣٤٨	عبد الله بن عمر	كل بدعة ضلالة، وإن راها الناس حسنة -

٣٤٨	جابر و عرياض	كل محدثة بدعة -
٣٢٥	أنس	كنّا بالمدينة ، فإذا أذن المؤذن لصلاة المغرب.....
٣٢٦	أنس	كنّا نصلي على عهد النبي - ﷺ - ركعتين.....
١٤١	جماعة من الصحابة	لتبعن سنن من كان قبلكم.....
٣٨٢	ابن عباس	لتعلموا أنها سنة -
١٤٠	جماعة من الصحابة	لعن الله المحلل ، والمحلل له
٣٣١	أنس	لقد تركتم بالمدينة أقواماً ما سرتهم مسيراً
٢٩	عمارة بن رؤية	لقد رأيت رسول الله - ﷺ - وهو على المنبر
٣٢٤	أنس	لقد رأيت كبار أصحاب النبي - ﷺ - يتدرون السواري
٣٥، ٣٢	ابن عباس	لم يكن لرسول الله - ﷺ - ظل
٢٣٢	ابن مسعود	لها مهر مثل نسائه..... (أثر)
٣٣٩	عمر بن الخطاب	لو لم نسمع هذا لقضينا بغيره..... (أثر)
٣٣٦، ٣٣٣	تمام بن عباس، وغيره	لولا أشق على أمتي لأمرتهم
٢٣٨	ابن عباس	ليس على النساء حلق.....
٣٩١	عبد الرحمن بن عوف و ابن عمر	ليس فيها قرأة شيء من القرآن -
٢٥	حسان بن عطية	ما ابتدع قوم بدعة في دينهم إلّا..... (أثر)
٣٦	غضيف الثمالي	ما أحدث قوم بدعة إلّا رفع مثلها.....
٢٠٦		ما أنا عليه، وأصحابي
٢٢٠	طلحة بن عبيد الله	ما رأيي الشيطان يوماً أصغر، ولا أدهر.....
٤١	سلمان	ما رفع قوم أكفهم إلى الله - تعالى - يسألونه شيئاً
٢٦٦	جابر بن سمرة	ما شأنكم تشيرون بأيديكم كأنها

٣٣٣	تمام بن عباس	مالي أراكم تدخلون عليّ قلحاً استاكوا.....
٢٦٦		مالي أراكم رافعي أيديكم
١٩٢	أبوهريرة	مالي أراكم عنها معرضين (أثر)
٣٩٠	ابن مسعود	من السنة حمل الجنازة
٤٦	الضحاك	من الصلاة المكتوبة قبل..... (أثر)
٣٢٩		من أحب سنتي
٣٩٨، ٢٥٦		من ترك الصلاة حتى مضى وقتها
٢٩٦		من ترك موضع شعرة من جنابة
٣٩٩، ٢٥٨	المغيرة بن شعبة	من حدث عني حديثاً يُرى.....
١٨	جندب بن عبد الله	من ذا الذي يتأتى عليّ أن لا أغفر.....
٢٣٣	جماعة من الصحابة، وعن الحسن مرسلاً	من رغب عن سنتي
٢٦١		من صلى خلف عالم تقّي
٤٤	عرباض بن سارية	من صلى صلاة فريضة، فله.....
٣٣٢		من عشق، وكنم.....
٢٦٢	ابن عمر، وابن عباس	من قلّد بدنة، فقد أحرم (أثر)
١٩٩	جابر	من كان له إمام فقراءة
١٦٦	أبوهريرة، وأبو شريح	من كان يؤمن بالله، واليوم الآخر، فليقل.....
٢٦٥		من كان يؤمن بالله، واليوم الآخر، فلا يقفن.....
١٩٢	أبوهريرة	من كذب عليّ متعمداً
٢٣٦	أبوهريرة	من وجد سعة، فلم يضح
١٩٤	معاوية	من يرد الله به خيراً
٢٦٥		ناكح اليد ملعون-

٣٤٨	عمر بن الخطاب	نعم البدعة هذه (أثر)
٢٣٤	علي	نهى النساء عن الحلق
٢٢٣	أبوهريرة	نهاني خليلي عن ثلاث
١٢٠	عمر بن الخطاب	هذا ما رأى عمر، فإن كان صواباً.....(أثر)
٢٣٤	أنس	هذا وضوء رسول الله ﷺ
٢٣٦		هذا وضوئي، وضوء الانبياء قبلي.....
١١٨	الضحاك بن ثابت	هل كان فيها عيد من أعيادهم؟
١١٨	الضحاك بن ثابت	هل كان فيها وثن من أوثان الجاهلية؟
١٣	عبد الله بن عمرو	وإذا خاصم، فجر
٣٦٣، ٣٦٢	عبد الله بن عمرو	وقت الظهر إذا زالت الشمس
٦	علي	وكاء السه العينان.....
٢٠	ابن مسعود	والذي نفسي بيده إنكم لعلى ملة هي.....(أثر)
١١٣	أبوهريرة	والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم
٦٣	عبد الله بن عباس	واهديني لصالح الأعمال، والأخلاق
٢٠	عبد الله بن مسعود	ويحكم يا أمة محمد ما أسرع هلككم (أثر)
٢٦٩		لا آكل، وأنا متكئ-
٣٠٥، ٣٠٣	عبد الله بن أبي أوفى	لا إله إلا الله الحليم الكريم.....
٩٣	سعد بن أبي وقاص	لا إله إلا الله وحده لا شريك له، الله أكبر كبيراً
٢٦٢		لا تجوز الهبة إلا مقبوضة-
٢٣٣، ٢٣٢	عبد الله بن عباس	لا ترموا جمره العقبة-
٢٦٠		لا تزال أمتي بخير ما عجلوا المغرب-
١٥١	ثوبان	لا تزال طائفة من أمتي

١٣٢		لا تنزلوهنَّ الغرف، ولا تعلموهن الكتابة.....
٢٣٣	أسامة بن شريك	لا حرج، لا حرج
٣٨٤، ١٩٤	عبادة بن الصامت	لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب
٣٨٤		لا صلوة إلا بقراءة
٢٢٦	أبو سعيد الخدري، وغيره	لا ضرر ولا ضرار-
٣٥٢، ٣٥١		لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه-
٣٣٠		لا يؤمن أحدكم حتى أكون
١٩٩	عائشة	لا يسلم في الركعتين الأوليين من الوتر
٢٦٤		لا يقرآن أحد منكم شيئاً من القرآن
٢٠	ابوهريرة	لا يكلم أحد في سبيل الله.....
١٩١	أبوهريرة	لا يمنع جار جاره أن يغرز
٣٢٢	أبو مسعود	يوم القوم أقرؤهم لكتاب الله.....
٢٠٦		يا أيها الناس إنني قد تركت فيكم
٣٩٦	أبوهريرة	يبصر أحدكم القذاة في عين أخيه
٣٣٦		يجزئ من السواك الأصابع-
٣١٣	ابن مسعود	يحمد الله، ويشني عليه..... (أثر)
١١٦		يخرج في أمّتي رجل يقال له: أبو حنيفة.....
٢٣٩	علي	يصلي ركعتين دبر كل صلوة.....
٢٤٠		يكثّر لكم الأحاديث من بعدي
١٨٣		يكون في أمّتي رجل يقال له: محمد بن إدريس

فهرست رواة واعلام

راوى يا علم	صفحه	راوى يا علم	صفحه
أحمد بن إبراهيم السروجي	٢٦١	حبيب بن أبي ثابت	٩٦، ٩٥
أحمد بن أبي الصلت بن المغلس	٢٠٩	حبيب بن مسلمة الفهري	٤٣
أحمد بن عطية	٢٠٩	الحسن بن زياد اللؤلؤي	١٣٩
أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي	٢٣	حسين بن منصور بن محمد المعروف بقاضي خان	٢٤٠
أحمد بن منيع	٢٨	حصين بن عبد الرحمن السلمي	٢٤
إبراهيم بن إسحاق الصيني	٦٨	حفص بن غياث	٢٠٢
إبراهيم بن الحكم	٢٩٠	حماد بن سلمة	٤١
إبراهيم بن عبد الله الخاطبي	١٣٥	حنش	٣٠٣
إبراهيم بن محمد	٢٨٠	الخليل بن مرة	٦٥
إسماعيل بن أمية	٨٢	ذكوان	٣٣
بشر بن مروان	٢٣	راشد بن داؤد الصنعاني	٦٦
بقية	٢٨٣	راشد بن سعيد الراسبي أبوظلحة	٤١
جابر بن يزيد الجعفي	٣٠٢، ١٩٩	روح بن مسيب	٢٤٩، ٢٤٨
جرير بن عبد الحميد	٢٤	زائدة بن قدامة	٢٤، ٢٦، ٢٥
جعفر بن تمام بن عباس	٣٣٣	زفر بن هذيل	٢٠٢
جعفر بن ميمون	٤١	زهير بن معاوية	٢٨، ٢٤
الحارث الأعور	١٠٥	زيد القوي	٣٠٠
حارثة	١٠٠	سعيد بن إياس الجريري	٤١

٢٠٢، ٢٢٤	عبد الرزاق بن همام	٩٥	سعيد بن جبير
٥١	عبد السلام مجد الدين أبو البركات المعروف بابن تيمية	٢٨٠، ٢٨٥	سفيان الثوري
٣٤٢	عبد الغفور بن لقمان	٤١	سليمان التيمي
٣٣	عبد الملك بن عبد الله بن الوليد	٣٨٢	سليمان بن حرب أبو الوليد الباجي
٣١	عبد الملك بن مروان	٢٢٦	سهل بن حنيف
١٢٦	عبد الوهاب الشعراني	٢٨٣	شريق الهوزني
١٩١	عبد الوهاب بن مجاهد	٢٨٠، ٢٨٤	شعبة بن الحجاج
٣٢	عبيد الله بن عبد الله بن معمر	٢٤٨	الضحاك بن عبد الرحمن
١٣٥	عثمان بن ساج	٢٠٢	الضحاك بن مخلد
٢٦٤	عثمان بن علي الزيلعي	٣٢	طاوس
١٢٣	عصام بن يوسف	٢٢٠	طلحة بن عبيد الله بن كريب
٨٢	علقمة بن مرثد	٢٨	عبثر بن قاسم أبو عبيد
٨٠	علي بن زيد بن جدعان	٢٤٠، ٢٤٥	عبد الله بن إدريس
٢٨٣	علي بن محمد	٢١٥	عبد الله بن عبيد الله بن أبي مليكة
٢٨	علي بن مسلم	٢٨٣	عبد الله بن عمر العمري
٢٤٤	علي بن يزيد	٤٢	عبد الله بن هبيرة
٣٠٢	عمر بن محمد	٢٦٤	عبد الله بن يوسف الزيلعي
٣٠	عمرو بن سلمة	٤٨	عبد الحميد بن سليمان الخزاعي
٩٩	عمران بن أنس المكي	٢٥٢، ٢٥٥	عبد الرحمن بن إسحاق الكوفي
٣٠٢	عمير بن عمران	٦	عبد الرحمن بن عائذ
٢٤٨	عيسى بن سنان	٣٣	عبد الرحمن بن قيس الزعفراني
٣٥	غضيف بن حارث الثمالي	٤١	عبد الرحمن بن ملّ أبو عثمان النهدي

۳۱	محمد بن مسلم الزهري	۳۰۴	فائد بن عبد الرحمن
۲۷	محمد بن يوسف الفريابي	۶۵	الفرات بن سليمان
۳۲	مسروق بن الأجدع	۷۸	فضل بن هارون البغدادي
۳۱۸	مسلم بن سلام	۸۱، ۸۰	فضيل بن سليمان النميري
۱۵۰	مطرف بن عبد الله بن الشَّخِير	۶۸	قيس بن ربيع
۲۰۹	مكرم بن أحمد القاضي	۱۰۳، ۹۹	كامل أبو العلا
۲۹۰	موسى بن عبد العزيز	۲۸۵	كثير بن عبدالله بن عمرو
۲۸۴	موسى بن محمد	۲۲۱	كنانة بن عباس بن مرداس
۱۵۹	موسى بن مسعود أبو حذيفة	۳۲	ليث بن أبي سليم
۲۸۷	نعمان بن راشد	۸۱، ۸۰	محمد بن أبي يحيى الأسلمي
۲۶، ۲۵	هشيم بن بشير	۲۳	محمد بن أحمد القرطبي
۲۷، ۲۵	وضاح بن عبد الله أبو عوانة	۲۸۲، ۶۸	محمد بن إسحاق
۲۷	وكيع	۲۰۲	محمد بن الحسن الشيباني
۲۸۴	وليد بن محمد	۱۸۲	محمد زاهد الكوثري
۲۰۲	يحيى بن أبي زائدة	۳۲	محمد بن سيرين
۷۱	يحيى بن ميمون أبو معلى	۴۴	محمد بن على الحكيم الترمذى أبو عبد الله
۲۹۹	يزيد بن أبان الرقاشي	۲۸۱	محمد بن عمر بن علي بن أبي طالب
۸۱	يوسف بن عبد الله بن سلام	۴۴	محمد بن عيسى الترمذى أبو عيسى
۵۲	أبو إسحاق الشيرازي	۲۶، ۲۵	محمد بن فضيل
۳۶	أبو بكر بن عبد الله بن مريم	۱۵۳	محمد بن محمد العجمي علاء الدين

٣٤٣	أبو الفضل الكرمانی	٢١٥	أبو بكر بن عبید الله بن أبي مليكة
٣٤٦، ٣٤٣	أبو المفاخر الكردي	٢٨	أبو الربيع
٢٠٢	أبو يوسف القاضي	١٥٣	أبو شيبه
	ابن إسحاق انظر محمد إسحاق		أبو طلحة انظر راشد
٢٨٦	ابن لهيعة		أبو عبد الله الترمذي انظر محمد بن علي
١٥٣	ابن ناصر الدين الدمشقي		أبو عبید انظر عبثر
٢٨٦	ابن وهب		أبو عثمان النهدي انظر عبد الرحمن بن ملّ
٣٢	سمية، شميه، سمينة		أبو العلا انظر كامل
٢٤٦	مسّة الأزديّة		أبو عيسى الترمذي انظر محمد بن عيسى

فہرست مصادر ومراجع^①

نمبر شمار	مصدر یا مرجع	نمبر شمار	مصدر یا مرجع
۱	الإبانة لابن بطّة.	۱۶	الأشباه والنظائر لابن نجيم.
۲	إتحاف السادة المتقين للزبيدي.	۱۷	أصول البزدوي.
۳	الأجوبة الفاضلة للكهنوي.	۱۸	أصول السرخسي.
۴	الأجوة النافعة للألباني.	۱۹	أصول الشاشي.
۵	إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام لابن دقيق العيد.	۲۰	أصول في البدع والسنن لمحمد العدوي.
۶	الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم.	۲۱	أصول الكرخي.
۷	الإخبار بما لا يصح من أحاديث الإنكار لتركيا بن غلام قادر البكستاني.	۲۲	أضواء البيان للشنقيطي.
۸	أخبار مكة للأزرقي.	۲۳	الاعتصام للشاطبي.
۹	الاختيارات الفقهية لابن تيمية.	۲۴	إعلام الموقعين لابن القيم.
۱۰	أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ.	۲۵	اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية.
۱۱	الأدلة الراجحة على فرضية قراءة الفاتحة لعبد الله بن محمد الغماري.	۲۶	إكمال إكمال المعلم لمحمد بن خليفة أبي.
۱۲	الأذكار للنووي.	۲۷	إكمال المعلم بفوائد مسلم للقاضي عياض.
۱۳	إرشاد الساري للقسطلاني.	۲۸	الإمام لابن دقيق العيد.
۱۴	إرواء الغليل للألباني.	۲۹	الأمر بالاتباع والنهي عن الابتداع للسيوطي.
۱۵	الأسماء والصفات للبيهقي.	۳۰	الأمّ للشافعي.

① واضح رہے کہ مصادر ومراجع کا مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا ہے ان کی طبعات وغیرہ کا ذکر نہیں کیا گیا جس کی وجہ اس فہرست کی تیاری کے وقت میرا اپنے مکتبہ سے دور ہونا ہے۔

٣١	الإنصاف في بيان أسباب الاختلاف للساه ولي الله.	٢٨	تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق لفخر الدين الزيلعي.
٣٢	الأوسط لابن المنذر.	٢٩	تجريد التمهيد لابن عبد البر.
٣٣	الإيثار بمعرفة رواة الآثار لابن حجر	٥٠	التحرير لابن الهمام.
٣٤	الباعث على إنكار البدع والحوادث لأبي شامة.	٥١	تحفة الأحوزي لعبد الرحمن المباركفوري.
٣٥	البحر الرائق لابن نجيم.	٥٢	تحفة الأشراف للمزي.
٣٦	بدائع الصنائع للكاتاني.	٥٣	تحفة الراكع والساجد لتقي الدين أبوبكر الجراعي.
٣٧	بدائع الفوائد لابن القيم.	٥٤	التحقيق لابن الجوزي.
٣٨	البدع والنهي عنها لابن وضاح.	٥٥	تحقيق المشكاة للألباني.
٣٩	بذل المجهود لسهار نفوري.	٥٦	التخريج والتعليق على روضة الناظر لابن قدامة للمؤلف.
٤٠	البناية في شرح الهداية للعيني.	٥٧	التخريج والتعليق على الطرق الحكيمة لابن القيم للمؤلف.
٤١	بيان تلبيس المفترى محمد زاهد الكوثري لأحمد بن محمد بن الصديق الغماري.	٥٨	تذكرة الحفاظ للذهبي.
٤٢	تاريخ بغداد للخطيب البغدادي.	٥٩	الترجيح والتصحيح على القدوري لابن قطلوبغا.
٤٣	تاريخ جرجان للسهمي.	٦٠	الترغيب والترهيب لابن شاهين.
٤٤	تاريخ الخلفاء للسيوطي.	٦١	الترغيب والترهيب للمنذري.
٤٥	تاريخ دمشق لابن عساكر.	٦٢	تعجيل المنفعة لابن حجر.
٤٦	التأريخ الكبير للبخاري.	٦٣	التعليق المغني على سنن الدارقطني لمحمد شمس الحق للعظيم آبادي.
٤٧	تاريخ واسط لبجشل الواسطي.	٦٤	التعليق الممجّد لعبد الحى الكهنوي.

٦٥	تفسير الطبري-	٨٢	الجامع الصغير لمحمد بن الحسن الشيباني-
٦٦	تفسير القرآن العظيم لابن أبي حاتم-	٨٣	جامع العلوم والحكم لابن رجب-
٦٧	تفسير القرآن العظيم لابن كثير-	٨٤	الجرح والتعديل لابن أبي حاتم-
٦٨	تفسير القرطبي-	٨٥	الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف لعبد الرزاق-
٦٩	التقريب لابن حجر-	٨٦	جماعة التبليغ لطالب الرحمن-
٧٠	تقرير الترمذي لمحمود الحسن-	٨٧	الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي-
٧١	التقرير والتحبير شرح التحرير لابن أمير حاج-	٨٨	حاشية در المختار لابن عابدين-
٧٢	التلخيص لابن حجر-	٨٩	حاشية السندهي على النسائي-
٧٣	التمهيد لابن عبد البر-	٩٠	الحاوي للفتاوى للسيوطي-
٧٤	التنبيه على مشكلات الهداية لابن أبي العزّ-	٩١	حجية السنة لعبد الغنى عبد الخالق-
٧٥	التنكيل لما في تأنيب الكوثري من الأباطيل لعبد الرحمن المعلمي-	٩٢	حقيقة الصيام لابن تيمية-
٧٦	تهذيب التهذيب لابن حجر-	٩٣	حلية الأولياء لأبي نعيم-
٧٧	تهذيب الكمال للمزي-	٩٤	الحيرة والالتباس الموجودين في مذهب أهل الرأي والقياس لابن حزم-
٧٨	تيسير التحرير لأمر بادشاه-	٩٥	الخصائص الكبرى للسيوطي-
٧٩	تيسير العزيز الحميد في شرح كتاب التوحيد لسلمان بن عبد الله بن محمد بن عبد الوهاب-	٩٦	دراسات في الحديث النبوي لمحمد مصطفى الأعظمي-
٨٠	الثقات لابن حبان-	٩٧	دراسة حديثية مقارنة لنصب الراية وفتح القدير ومنية الألعى لمحمد عوامة-
٨١	جامع الترمذي-	٩٨	الدراية لابن حجر-

السنن الصغرى للسنائى-	١١٩	الدرر البهية للشوكانى-	٩٩
السنن الصغير للبيهقى-	١٢٠	الدر المختار لعلاء الدين الحصكفى-	١٠٠
السنن الكبرى للبيهقى-	١٢١	الدر المنثور للسيوطى-	١٠١
السنن الكبرى للنسائى-	١٢٢	الدعاء للطبرانى-	١٠٢
السنن والمبتدعات لعمر بن عبد المنعم-	١٢٣	دفاع عن الحديث النبوي والسيرة للألبانى-	١٠٣
السنة لابن أبى عاصم-	١٢٤	ديوان الضعفاء للذهبي-	١٠٤
السنة للمروزي-	١٢٥	ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب-	١٠٥
سير أعلام النبلاء للذهبي-	١٢٦	الرد الوافر على من زعم أن من سمى ابن تيمية شيخ الاسلام كافر لابن ناصر الدين الدمشقي-	١٠٦
السيرة النبوية لابن هشام-	١٢٧	الرسالة للشافعي-	١٠٧
السييل الجرار للشوكانى-	١٢٨	الرفع والتكميل للكهنوي-	١٠٨
الشرح المتمع لابن عثيمين-	١٢٩	رياض الصالحين للنووي-	١٠٩
شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للإلكائى-	١٣٠	زاد المعاد لابن القيم-	١١٠
شرح سنن أبى داود للعيني-	١٣١	الزهد لابن المبارك-	١١١
شرح السنة للبغوي-	١٣٢	سبل السلام للصنعاني-	١١٢
شرح الطيبي للمشكاة-	١٣٣	سلسلة الأحاديث الصحيحة للألبانى-	١١٣
شرح العقيدة الطحاوية لابن أبى العز-	١٣٤	سلسلة الأحاديث الضعيفة للألبانى-	١١٤
شرح علل الترمذي لابن رجب-	١٣٥	السنن لابن ماجه-	١١٥
شرح العناية على الهداية لبابرتي-	١٣٦	السنن لأبى داود-	١١٦
شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري-	١٣٧	السنن للدارقطني-	١١٧
شرح مسلم للنووي-	١٣٨	السنن للدارمي-	١١٨

١٣٩	شرح معاني الآثار للطحاوي.	١٥٨	عقد الجيد للشاه ولي الله.
١٤٠	شرح المواهب اللدنية للزرقاني.	١٥٩	العقيدة الطحاوية للطحاوي.
١٤١	شعب الإيمان للبيهقي.	١٦٠	عمدة الرعاية شرح الوقاية لعبد الحي الكهنوي.
١٤٢	الصحيح لابن حبان.	١٦١	عمدة القارى للعيني.
١٤٣	الصحيح لابن خزيمة.	١٦٢	عمل اليوم والليلة لابن السنّي.
١٤٤	الصحيح لأبي عوانة.	١٦٣	عمل اليوم والليلة للنسائي.
١٤٥	الصحيح للبخاري.	١٦٤	عون المعبود للعظيم آبادي.
١٤٦	الصحيح لمسلم.	١٦٥	فتاوى ابن عثيمين إعداد و ترتيب أشرف بن عبد المقصود.
١٤٧	صحيح الجامع الصغير وزياداته للألباني.	١٦٦	الفتاوى العالمية.
١٤٨	صحيح سنن أبي داود للألباني (الأصل).	١٦٧	فتح الباري لابن حجر.
١٤٩	صفة التسمية عند الأكل والشرب وغيرهما من الأمور للمؤلف.	١٦٨	فتح الغفور في وضع الأيدي على الصدور لمحمد حيات السندهي.
١٥٠	صفة صلاة النبي ﷺ للألباني (الأصل).	١٦٩	فتح القدير لابن الهمام.
١٥١	صلوة التراويح للألباني.	١٧٠	الفتوحات الربانية لابن علان.
١٥٢	ضعيف الجامع الصغير وزياداته للألباني.	١٧١	الفردوس لشيرويه بن شهردار الديلمي.
١٥٣	ضعيف سنن أبي داود للألباني.	١٧٢	الفقه المالكي وأدلته لطاهر بن حبيب.
١٥٤	ضعيف سنن أبي داود للألباني (الأصل).	١٧٣	الفوائد البهية للكهني.
١٥٥	الطبقات لابن سعد.	١٧٤	الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة للشوكاني.
١٥٦	الطوام المرعشة في بيان تحريفات أهل الرأي المدهشة لبديع الدين الراشدي	١٧٥	فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت للأنصاري.
١٥٧	عارضة الأحوزي لابن العربي.	١٧٦	قواطع الأدلة لأبي المظفر السمعاني.

١٤٤	قواعد الأحكام لابن عبد السلام.	١٩٦	مجموع في كشف حقيقة الجزء المفقود (المزعوم) من مصنف عبد الرزاق.
١٤٨	القواعد النورانية الفقهية لابن تيميه بتخريج و تعليق المؤلف.	١٩٤	مجموعة رسائل ابن عابدين.
١٤٩	القول المبين في أخطاء المصلين لمشهور حسن سلمان.	١٩٨	المحيط البرهاني لبرهان الدين.
١٨٠	كتاب الآثار لمحمد بن حسن الشيباني.	١٩٩	مختصر سنن أبي داود للمنذري.
١٨١	كتاب الأصل لمحمد بن حسن الشيباني.	٢٠٠	مختصر القدوري.
١٨٢	كشف الخفاء للعجلوني.	٢٠١	المدخل لابن الحاج.
١٨٣	الكفاية للخطيب البغدادي.	٢٠٢	المدونة الكبرى.
١٨٤	الكامل لابن عدي.	٢٠٣	مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح لعبيد الله المباركفوري.
١٨٥	الكنى للدولابي.	٢٠٤	مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للملا علي القاري.
١٨٦	كنز الدقائق شرح تبیین الحقائق للنسفي.	٢٠٥	مسائل أحمد لأبي داود.
١٨٧	لسان الميزان لابن حجر.	٢٠٦	المستخرج على صحيح مسلم لأبي نعيم.
١٨٨	الماتريدية للشمس السلفي الأفغاني.	٢٠٧	المستدرك للحاكم.
١٨٩	المبسوط للسرخسي.	٢٠٨	مسلم الثبوت لابن عبد الشكور.
١٩٠	مثير العزم الساكن لابن الجوزي.	٢٠٩	المسند لأبي يعلى.
١٩١	المجروحون لابن حبان.	٢١٠	المسند لأحمد.
١٩٢	مجمع البحرين في زوائد المعجمين للهيثمي.	٢١١	المسند للبخاري. (كشف الأستار)
١٩٣	مجمع الزوائد للهيثمي.	٢١٢	المسند للشافعي.
١٩٤	المجموع شرح المذهب للنووي.	٢١٣	المسند للطيالسي.
١٩٥	مجموع الفتاوى لابن تيمية.	٢١٤	مسند الشاميين للطبراني.

٢١٥	مسند الشهاب للقضاعي.	٢٣٢	مقدمة تحفة الأحوزي لعبد الرحمن المباركفوري.
٢١٦	مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي.	٢٣٥	مقدمة صفة الصلاة للألباني.
٢١٧	مشكل الآثار للطحاوي.	٢٣٦	مقدمة الفوائد البهية للكهني.
٢١٨	مصباح الزجاجة للبوصيري.	٢٣٧	مقدمة المغني لرشيد أحمد رضا.
٢١٩	المصنف لابن أبي شعبة.	٢٣٨	مقدمة النافع الكبير للكهني.
٢٢٠	المصنف لعبد الرزاق.	٢٣٩	مقدمة نصب الراية للبنوري.
٢٢١	المطالب العالية لابن حجر.	٢٤٠	منابر الهدى العدد ٣ منبر السنة ٢٤.
٢٢٢	معالم السنن للخطابي.	٢٤١	المنتقى لابن الجارود.
٢٢٣	معرفة السنن والآثار للبيهقي.	٢٤٢	المنتقى للباجي.
٢٢٤	المعجم الأوسط للطبراني.	٢٤٣	المنتقى لمجد الدين ابن تيمية.
٢٢٥	المعجم الصغير للطبراني.	٢٤٤	منحة الخالق لابن عابدين.
٢٢٦	المعجم الكبير للطبراني.	٢٤٥	المنحول للغزالي.
٢٢٧	معجم الصحابة لابن قانع.	٢٤٦	منهاج السنة لابن تيمية.
٢٢٨	معرفة علوم الحديث للحاكم.	٢٤٧	منية الأملعي لابن قطلوبغا.
٢٢٩	معنى قول المطلبي إذا صح الحديث فهو مذهبي للسبكي.	٢٤٨	المهذب لأبي إسحاق الشيرازي.
٢٣٠	المغنى لابن قدامة.	٢٤٩	الموافقات للشاطبي.
٢٣١	المفهم لما أشكل من تلخيص مسلم لأبي العباس القرطبي.	٢٥٠	المواهب اللدنية للقسطلاني.
٢٣٢	المقاصد الحسنة للسخاوي.	٢٥١	الموضوعات الكبير لملا علي القاري.
٢٣٣	مقدمة أصول الحديث لعبد الحق الدهلوي.	٢٥٢	الموطأ لمالك بن أنس.

۲۵۳	موطأ مالك لمحمد بن الحسن الشيباني۔	۲۶۹	تبلیغی نصاب از ارشد قادری۔
۲۵۴	میزان الاعتدال للذهبي۔	۲۷۰	تبلیغی نصاب از محمد زکریا کاندھلوی۔
۲۵۵	النافع الكبير شرح الجامع الصغير للکهنوي۔	۲۷۱	التحقيق الحسن في نفی الدعاء الاجتماعي بعد الفرائض والسنن از مولوی حکیم عماد الدین۔
۲۵۶	نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذکار لابن حجر۔	۲۷۲	تخریج فرقہ ناجیہ تالیف حکیم محمد اشرف سندھو۔ از مؤلف۔
۲۵۷	نصب الراية للزيلعي۔	۲۷۳	تذکرۃ الرشید از رشید احمد گنگوہی۔
۲۵۸	النکت الظراف على الأطراف لابن حجر۔	۲۷۴	تفسیری حاشیہ بر ترجمہ شیخ الہند از عثمانی۔
۲۵۹	النکت على ابن الصلاح لابن حجر۔	۲۷۵	حقیقت نما المعروف اکابر علماء دیوبند کا مذہب از حکیم محمد اشرف سندھو۔
۲۶۰	النهاية للعيني۔	۲۷۶	حلالہ کی شرعی حیثیت از رانا محمد شفیق پسروری۔
۲۶۱	نور الأنوار لملا جيون۔	۲۷۷	درایت محمدی از مولانا محمد جونا گڑھی۔
۲۶۲	نیل الأوطار للشوکاني۔	۲۷۸	راہ سنت از سرفراز گھڑوی۔
۲۶۳	الهداية للمرغيناني۔	۲۷۹	رحمۃ للعالمین از قاضی منصور پوری۔
۲۶۴	هدي الساري مقدمة فتح الباري لابن حجر۔	۲۸۰	سلفیت کا تعارف از ڈاکٹر رضا اللہ مبارک پوری۔
۲۶۵	الوفاء بأحوال المصطفى لابن الجوزي۔	۲۸۱	فتاوی اہل حدیث از محدث روپڑی۔
اردو کتب			
۲۶۶	بہشتی زیور از اشرف علی تھانوی۔	۲۸۲	فتاوی ثنائیہ مدنیہ از حافظ ثناء اللہ مدنی
۲۶۷	البيان المفيد المعروف بـ ”ردّ تقلید“ لمولوي محمد أنصاري۔	۲۸۳	فتاوی علماء حدیث۔ ترتیب علی محمد سعیدی۔
۲۶۸	تاریخ التقلید از حکیم محمد اشرف سندھو۔	۲۸۴	فضائل صدقات از محمد زکریا کاندھلوی۔

۲۸۵	فقہی مسلک کی حقیقت۔ از ابو زکی۔	۲۹۰	مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی از ارشاد الحق آثری۔
۲۸۶	القول المقبول فی التخریج والعلیق علی "صلوٰۃ الرسول ﷺ" از مؤلف۔	۲۹۱	مسنون نماز از مؤلف۔
۲۸۷	اللمحات إلی ما فی أنوار الباری من الظلمات از رئیس اُحمد ندوی۔	۲۹۲	مقیاس حقیقت از حکیم محمد اشرف سندھو۔
۲۸۸	ماہنامہ "الامداد" بابت صفر ۱۳۳۶۔	۲۹۳	ہم اہل حدیث کیوں ہوئے؟۔
۲۸۹	مجموعۃ مقالات علمیۃ در بارہ ایک مجلس کی تین طلاق۔	۲۹۴	نتائج التقلید از حکیم محمد اشرف سندھو۔



فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	
10-3	مقدمہ	❁
3	”القول المقبول“ پر بعض تبصروں اور تقاریظ کے اقتباسات۔	○
3	”القول المقبول“ کی نسبت کے حوالے سے بعض فضلا کا بے جا اعتراض۔	○
7-4	”القول المقبول“ کی مقبولیت پر بعض شواہد کا ذکر۔	○
4	ایک شیخ الحدیث صاحب کا حیرت انگیز واقعہ۔	○
5	مؤلف ”نماز نبوی“ نے صحت احادیث کے بارے میں جن دو کتب پر اعتماد کیا ان کا ذکر۔	○
5	اس کتاب کے دارالسلام کے ایڈیشن میں ایک کتاب کے نام کا حذف اور اس کی وجہ۔	○
6	کیا بعض ادہام اور اغلاط کی وجہ سے کسی عالم یا اس کی کتاب کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟	○
6	زیر علی صاحب زئی کا مؤلف پر ایک حدیث کے حکم کے بارے میں اعتراض اور خود زیر صاحب کے ہاں اس حدیث کا درجہ۔	○
7	”القول المقبول“ کی اشاعت سے جن حضرات کو پریشانی لاحق ہوئی ان میں سے ایک نام نہاد سلفی کا ذکر۔	○
8	”القول المقبول“ کی اشاعت کے بعد بعض مقلدین مولوی صاحبان کا ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کے بارے میں غلط پروپیگنڈا۔	○
8	زیر نظر کتاب کے موضوع کے بارے میں۔	○
8	ایک سوال اور اس کا جواب۔	○
9	سبب تالیف۔	○
10-9	اس کتاب کے ابواب اور فصول کا ذکر۔	○

	پہلا باب: نام نہاد سلفی ابو مسعود کے رسالے ”فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی اور اہل حدیث کا مسلک اعتدال“ کے بارے میں ہے جو دو فصلوں پر مشتمل ہے	✿
9	فصل اول: نام نہاد سلفی کی بعض باتوں اور نازیبا کلمات کے بارے میں۔	✿
9	فصل دوم: پہلا حصہ: اجتماعی دعا کے قائلین سے ایک سوال۔	✿
9	دوسرا حصہ: نام نہاد سلفی کے دلائل کا جائزہ۔	○
9	دوسرا باب: ”القول المقبول“ کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے بارے میں۔	✿
	تیسرا باب: مقلدین مولوی صاحبان کے بارے میں۔	✿
10	فصل اول: مقلدین کے مسلک اہل حدیث پر بعض الزامات اور ان کے رد کے بارے میں	✿
10	فصل دوم: مقلدین کے ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ پر اعتراضات اور ان کے جواب کے بارے میں	✿
10	فصل سوم: مولوی محمد یوسف مقلد کی خیانتوں کے بارے میں۔	✿
10	فصل چہارم: مولوی محمد ابوبکر غازی پوری مقلد کی خیانتوں اور ان کے بعض اعتراضات کے رد پر مشتمل ہے۔	✿
10	○ کتاب کی مختلف فہرستوں کا ذکر۔	
<p>پہلا باب:</p> <p>نام نہاد سلفی ابو مسعود کے رسالہ</p> <p>”فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی“</p> <p>کے بارے میں</p>		
13	فصل اول: نام نہاد سلفی کی بعض باتوں اور نازیبا کلمات کے بارے میں۔	✿
13	○ مؤلف کو مذکورہ بالا رسالہ لا کر دینے والے شخص کا مؤلف سے سوال کیا یہ شخص بریلوی ہے؟	
14	○ نام نہاد سلفی کے نازیبا کلمات کی فہرست۔	
15-14	○ نام نہاد سلفی کی اپنے اکابر کی توہین۔	
	○ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا والا مسئلہ کیا طے شدہ مسائل میں سے ہے؟	
15	○ نام نہاد سلفی کے اس دعویٰ کا مولانا مبارکپوری صاحب ”تحفة الأخوذی“ کے کلام سے رد۔	

16	نام نہاد سلفی ابو مسعود کے نزدیک ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کی تخریج و تعلیق شیطانی عمل ہے۔	○
17	اگر کسی کتاب پر تخریج و تعلیق کا کام شیطانی عمل ہے تو پھر کبار ائمہ حافظ ابن کثیر اور ذہبی وغیرہ کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔	○
17	نام نہاد سلفی کا مؤلف پر بہت بڑا بہتان۔	○
18	اس نام نہاد سلفی کے لیے حفاظتِ زبان سے متعلق چند احادیث کا ذکر۔	○
19	متحدہ عرب امارات میں علماء اہل حدیث کی دعوتی سرگرمیاں۔	○
19	حاکم شارح شیخ سلطان رحمہ اللہ ایک محبتِ دین شخصیت۔	○
19	حافظ نعیم رحمہ اللہ کا سعودی شہر ”جیل“ میں قتل اور اس کی وجہ۔	○
20	نام نہاد سلفی کا ردّ لکھنے کی دو وجوہ۔	○
20	مرحوم اور بہشتی وغیرہ الفاظ سے گریز بہتر ہے۔	○
20	نام نہاد سلفی کی جہالت کی بعض مثالیں:	○
21	پہلی مثال موصوف کے حوالے پر ایک اہم ملاحظہ۔	○
51، 21	حافظ میثمی کی ”مجمع الزوائد“ کا مختصر سا تعارف۔	○
22	کیا ہر وہ کام جس کے بارے میں حدیث کے اندر ممانعت نہ ہو اس کا کرنا جائز ہے؟	○
22	عبادات اور عادات سے متعلق ایک اہم قاعدہ۔	○
	عبادات کے بارے میں سلف کا موقف اور اس پر دلیل کے طور پر تین مثالوں کا ذکر:	○
22	خطبہ جمعہ کی دعائیں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں سلف اور خلف کا موقف۔	○
23	عمارۃ بن رؤیبہ رحمہ اللہ صحابی کا موقف۔	○
23	حدیثِ عمارہ کی شارح مسلم ابو عباس قرطبی کی انوکھی تفسیر۔	○
24	حدیثِ عمارہ سے متعلق بعض حنفی علماء کے عجیب اوہام۔	○
25	کاندھلوی اور کشمیری کے کلام پر مؤلف کے مواخذات۔	○
25	حدیثِ عمارۃ کے بارے میں عظیم آبادی کا موقف۔	○

○	عظیم آبادی کا حدیث عمارہ کی مطلق ہاتھ اٹھانے والی روایت کو دو وجوہ کی بناء پر ترجیح دینا اور مؤلف کا ان کی ترجیح سے پانچ وجوہ کی بناء پر اختلاف۔	26
○	کیا حدیث عمارہ کی دونوں روایتوں میں اختلاف ہے کہ ترجیح کی ضرورت پیش آئے؟	26
○	زیادات الثقات میں محدثین اور اصولیوں کے ہاں فرق۔	26
○	تنبیہ: حدیث عمارہ کی ایک روایت میں جمعہ کی بجائے عید کا ذکر اور اس روایت کے بارے میں مؤلف کا موقف۔	28
○	عظیم آبادی کی دوسری وجہ ترجیح کا جواب۔	29
○	حدیث عمارہ بن روہبہ اور شارحین حدیث۔	31-29
○	خطبہ جمعہ کی دعائیں ہاتھ اٹھانے والا سب سے پہلا خطیب۔	32,31
○	خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں اقوال تابعین و دیگر ائمہ۔	31
○	اس مسئلے کے بارے میں حنفی علماء کا فتویٰ۔	33
○	غضیف شمالی رحمہ اللہ، امام زہری تابعی اسی طرح ابو شامہ، سیوطی، لکھنوی اور البانی کے ہاں اس دعاء میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔	33,32,31 35,34
○	نام نہاد سلفی ابو سعود سے ایک سوال۔	34
○	خطبہ جمعہ میں کسی عارضہ یا خاص سبب کی بناء پر کی جانے والی دعائیں ہاتھ اٹھانے کا حکم۔	34
○	حدیث ”إن ربکم حیہی کریم یستحبہ“ کی تخریج اور اس کے شواہد کا ذکر۔	35
○	غضیف شمالی رحمہ اللہ کا خطبہ جمعہ کی دعائیں ہاتھ اٹھانے اور نماز فجر و عصر کے بعد قصے بیان کرنے کو بدعت کہنا۔	35
○	غضیف کے اثر کو ذکر کرنے کے بعد بدعت کے رد میں حافظ ابن حجر کا بہت عمدہ استدلال۔	36
○	شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول کہ بعض اوقات فاضل آدمی ایسی بات کر دیتا ہے جو اُجھل الناس ہی کرے گا۔	36
○	حافظ ابن حجر کا عید میلاد النبی ﷺ کو بدعت کہنے کے باوجود اس کے جواز پر بڑا انوکھا استدلال۔	36
○	دعائے قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کا حکم۔	37

37	○	فائدہ: سنت کی دو قسمیں: سنت فعلیہ، سنت ترکیہ۔
38	○	اس تقسیم پر امام شافعی، ابن قیم اور قسطلانی کے اقوال۔
39	○	ایک اہم وضاحت: رسول اللہ ﷺ کے ترک کی دو صورتیں ہیں۔
40	○	اجتماعی صورت میں ذکر کرنے والوں پر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بڑی سختی سے انکار۔
41	○	ابن مسعود کے اثر کی طرف اشارہ کرنے کے بعد امام ابن دقیق کا کلام۔
42	○	نام نہاد سلفی کی جہالت کی دوسری مثال۔
42	○	رسول اللہ ﷺ کے سائے والے مسئلے سے اجتماعی دعا پر نام نہاد سلفی کی انوکھی دلیل۔
43	○	کیا رسول اللہ ﷺ کے سائے کے اثبات کے لیے کسی خاص دلیل کی ضرورت ہے؟
43	○	کیا بانی پر دلیل نہیں اس کے بارے میں جمہور علماء اصول کا مذہب۔
44	○	رسول اللہ ﷺ سے سایہ کی نفی سے متعلق بعض من گھڑت روایات کا ذکر۔
44	○	”الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف لعبد الرزاق“ سے متعلق اہم تنبیہ۔
47	○	فصل دوم: جو کہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔
54-47	○	پہلا حصہ: نماز کے بعد اجتماعی دعاء کی اگر کوئی شرعی حیثیت ہوتی تو محدثین اور فقہاء اس سے متعلق کوئی نہ کوئی باب ضرور قائم کرتے جیسا کہ انھوں نے اذکار اور ادعیہ سے متعلق مختلف ابواب قائم کیے ہیں اس سلسلے میں کبار محدثین اور فقہاء کی کتب کے اندر مختلف ابواب کی تفصیل۔
52	○	تنبیہ: امام نووی کے ”مجموع“ میں ایک کلام سے اجتماعی دعا کا اشتباہ اور اس کا ازالہ۔
54	○	ان علماء کے اقوال کا ذکر جنھوں نے اجتماعی دعا کا انکار کیا ہے۔
54	○	شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے اقوال۔
56	○	نام نہاد سلفی کا شیخ کے ایک قول سے اجتماعی دعا پر استدلال اور اس کا جواب۔
57	○	علامہ ابن الحاج اور ابن قیم کے اقوال۔
58	○	حافظ ابن حجر کی علامہ ابن قیم کے کلام کی وضاحت سے نام نہاد سلفی کا علامہ ابن قیم کے ہاں اجتماعی دعا کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب۔

59-58	○ کیا صحابہ۔ رضی اللہ عنہم کے ہاں نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا معروف تھا۔ اس لیے انھوں نے اس کو نقل نہیں کیا۔ نواب صدیق حسن صاحب کا کلام اور اس پر مؤلف کے مواخذات۔
60-59	○ اجتماعی دعاء کے رد میں علامہ شاطبی، شیخ ابن تیمیہ اور مصری محقق عمرو عبدالمعتم کا کلام۔
61	○ نام نہاد سلفی کا انتہائی نازیبا اور اخلاق سے گرا ہوا کلام۔
62	○ فائدہ= صحیح مسلم میں تمیم داری۔ رضی اللہ عنہ کی صرف ایک ہی حدیث اور اسی ”صحیح“ میں ایک ایسا واقعہ جو رسول اللہ۔ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا ہے۔
63	○ دوسرا حصہ: نام نہاد سلفی کے دلائل کا جائزہ۔
63	○ نام نہاد سلفی کے دلائل کی اقسام۔
63	○ پہلی قسم: نماز کے بعد پڑھے جانے والے مسنون اُذکار و دعائیں۔
66	○ دوسری قسم: وہ دلائل جن کا تعلق عام حالات کی دعاء سے ہے۔
68-66	○ نام نہاد سلفی کی پہلی دلیل حدیث شہاد بن اؤس اور اس کا چار طرح سے رد۔
68	○ نام نہاد سلفی کا اس حدیث سے اجتماعی دعا پر استدلال جب کہ علماء نے اس سے ”لا إله إلا الله“ کی فضیلت پر استدلال کیا ہے۔
69	○ اس حدیث سے نام نہاد سلفی کے استدلال کی بجائے صوفیاء کے استدلال کا واضح ہونا۔
69	○ شیخ عمرو مصری کی اس حدیث کی عجیب شرح۔
70	○ دوسری دلیل اور اس کا رد۔
70	○ محقق ”دعاء طبرانی“، اور محققین ”زاد المعاد“ کی چند عجیب باتیں۔
71	○ تیسری دلیل اور اس کا جواب۔
71	○ حدیث ”ما رفع قوم أكفهم“ ان الفاظ سے شاذ اور ”إن ربكم حيي كريم“ کے الفاظ سے محفوظ ہے۔
75-72	○ دیگر دلائل اور ان کا رد۔
73	○ نام نہاد سلفی کا عروہ تابعی کو صحابی تصور کرنا۔
73	○ مرسل روایت کی تعریف۔

75	تیسری قسم: ان دلائل کی جن میں نماز کے بعد دعا کا ذکر ہے اور ان کا جائزہ۔	○
75	پہلی دلیل ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَب﴾ (الآیۃ) اور اس کا جواب۔	○
88-77	دیگر دلائل اور ان کا رد۔	○
78	ذُرُّ الصَّلَاةِ میں لفظ ”ذُرُّ“ سے مراد کیا ہے؟	○
80	منکر حدیث کی تعریف۔	○
82	معصل روایت کی تعریف۔	○
83-82	نام نہاد سلفی کا معصل روایت کو مرسل سمجھنا۔	○
83	مرسل روایت کب حجت ہوتی ہے۔	○
	حدیث ”جو شخص کسی قوم کا امام ہو تو وہ صرف اپنے لیے ہی دعا نہ کرے.....“ کے تین جواب۔	○
84	پہلا جواب۔	○
	تنبیہ: علامہ ابن قیم کا ”زاد المعاد“ میں یہ کہنا کہ ابن خزیمرہ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے محل نظر ہے۔	✿
84	دوسری تنبیہ = امام ابن خزیمرہ کا اس حدیث کو اپنی ”صحیح“ میں ضعیف کہنا اور ”زاد المعاد“ کے محققین پر ان کے اس حکم کا مخفی رہنا اور اس کی وجہ۔	✿
86-85	مذکورہ حدیث میں کوئی دعا مراد ہے اس کے بارے میں امام بغوی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور دیگر علماء کے اقوال کا ذکر۔	○
87	نام نہاد سلفی کی فقاہت اور نئی بدعت کا ذکر۔	○
87	اس حدیث کا دوسرا اور تیسرا جواب۔	○
90-89	نام نہاد سلفی کا ایک امام کعبہ کے عمل سے دلیل پکڑنا اور اس کے جواب میں ایک دوسرے امام کعبہ کے طرز عمل کا ذکر، نیز اس کے بارے میں علماء حرمین شریفین کے فتوے کا ذکر۔	○
90	نام نہاد سلفی اور بعض بریلوی مولویوں میں قدر مشترک۔	○
91	نام نہاد سلفی ابو مسعود کا مختصر سا تعارف۔	○

دوسرا باب:

”القول المقبول“ کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے بارے میں

93	انس۔ <small>رحمہ اللہ</small> کی ایک حدیث کی تخریج کے بارے میں ایک فاضل کو اشتباہ اور اس کا ازالہ	○
93	بین السجدتین پڑھی جانے والی دعا ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وارحمني“ کو ضعیف کہنے کی وجہ سے مؤلف کے سامنے تین طرح کے اعتراضات آئے۔	○
94	پہلا اعتراض اور اس کا جواب	✿
95-94	اس دعا کو بین السجدتین پڑھنے والی حدیث ضعیف اور دیگر مقامات پر پڑھنے والی صحیح احادیث کا ذکر۔	○
95	دوسرا اعتراض اور اس کا جواب۔	✿
96	تدلیس کی تعریف اور مدلس راوی کی روایت کا حکم۔	○
96	تیسرا اعتراض اور اس کا جواب۔	✿
97	کیا تدلیس ایسا عیب یا جرح ہے جس کی وجہ سے مدلس راوی غیر معتبر ٹھہرتا ہے؟	○
97	مدلس راوی کی روایت کے بارے میں امام شافعی کا کلام۔	○
98	اس دعاء کو ضعیف کہنے والے محدثین و علماء کا ذکر۔	○
223,100,98	لفظ ”غریب“ سے امام ترمذی، بغوی، حافظ ابن حجر اور زیلعی کی مراد۔	○
104	اس دعاء کے بارے میں شیخ مفلح کا ایک مستقل مضمون۔	○
104	کیا اس دعا کی مرفوع حدیث کے لیے اثر علی <small>رحمہ اللہ</small> کو شاید بنایا جاسکتا ہے؟	○
105	اثر علی۔ <small>رحمہ اللہ</small> کی سند پر کلام۔	○
105	بین السجدتین پڑھی جانے والی صحیح دعا کا ذکر۔	○
105	اس دعا کے بارے میں امام احمد بن حنبل اور طحاوی کا قول۔	○

تیسرا باب:

مقلدین مولوی صاحبان کے بارے میں

107	پہلی فصل: اوکاڑوی صاحب اور مفتی صاحب کی بعض باتوں کے جائزے کے بارے میں۔	🌸
109	①۔ اوکاڑوی صاحب	🌸
109	بقول حسین احمد مدنی دیوبندیوں اور بریلویوں میں کوئی فرق نہیں۔	○
109	اوکاڑوی صاحب کے ہاں سنجیدہ اور علمی گفتگو کا فقدان اور اس کی وجہ۔	○
110	اوکاڑوی صاحب کا مولانا صادق رحمہ اللہ پر اتہام کہ اختلافی مسائل میں ان احادیث کا انتخاب کیا جو خلفائے راشدین اور صحابہ میں متروک العمل تھیں۔ مقلد مولوی محمد یوسف و صوفی بشیر اور ہر اس مقلد مولوی سے جو اوکاڑوی صاحب کی اس بات سے متفق ہو اس اتہام کا ثبوت درکار۔	○
110	اوکاڑوی صاحب کے اس اتہام کا جواب کہ ”احادیث کا انتخاب خود کیا اور نام کتاب ”صلوۃ الرسول“ رکھا“	○
110	اوکاڑوی صاحب کے اس اتہام کا جواب کہ ان لوگوں نے حکیم صادق کو رسول مان لیا۔	○
111	عزالدین بن عبدالسلام کا مقلدین کے کتاب و سنت کے ساتھ رویہ پر تعجب اور اظہار افسوس۔	○
111	حنفی مقلدین کا اپنے امام کو نبی کا درجہ دے دینا اس پر چند شواہد کا ذکر۔	○
113-111	ابوالحسن کرخی، صاحب ”در مختار“ شیخ الہند اور تقی عثمانی کے اقوال۔	○
114	نبی کو امتی بنانے کی مذموم سعی۔	○
114	نزول عیسیٰ علیہ السلام عقیدہ کے اہم مسائل میں سے ہے اور اس کے بارے میں احادیث متواترہ موجود ہیں۔	○
114	متعدد حنفی علماء کا قول کہ عیسیٰ علیہ السلام حنفی مذہب اختیار کریں گے۔	○
115	مولانا عبدالحی لکھنوی کا ان پر رد۔	○
115	امام صاحب کے کندھوں کے درمیان ختم نبوی جیسی علامت۔	○

116	○ امام صاحب کی فضیلت سے متعلق خود ساختہ روایت۔
116	○ تھانوی صاحب کو رسول اللہ بننے کا شوق۔
117	○ حق وہی ہے جو گنگوہی کی زبان سے نکلے۔
117	○ گنگوہی صاحب کی زبان سے غیر حق بھی نکلتا تھا اس پر ایک چھوٹی سی مثال اور اس کے غیر حق اور باطل ہونے پر دلیل۔
118	○ حق صرف نبی کی زبان سے نکلتا ہے اس کے بارے میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے واقعے کا ذکر۔
120-119	○ صحابہ۔ رضی اللہ عنہم۔ کو اپنے کلام میں غلطی کے امکان کا اعتراف، مثال کے طور پر ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور ابن مسعود۔ رضی اللہ عنہم۔ کے واقعات۔
120	○ امام ابو حنیفہ۔ رضی اللہ عنہ۔ کے مذہب کی تائید میں ساری عمر صرف کرنے پر کاشمیری صاحب کا اظہار افسوس۔
121	○ مفتی محمد شفیع کی جامدین و متعصبین مقلدین کو نصیحت۔
121	○ صاحب ”در مختار“ کا اپنے مذہب و عقیدے کو صواب و حق کہنا اور مخالفین کے مذہب و عقیدہ کو خطا اور باطل کہنا۔
122	○ حنفیہ کے عقائد میں مختلف گروہ۔
122	○ صاحب ”در مختار“ کا اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کو خطا کہنا اور تھانوی صاحب کا چاروں مذاہب کو حق کہنا۔
122 و ما بعدھا	○ اوکاڑوی صاحب کی اس بات کہ ”جس حدیث کے مضمون پر فقہ حنفی نے فتویٰ دیا ہمارے نزدیک وہ صحیح ہے اور جس کو احناف نے ترک کر دیا وہ ہمارے ہاں معلول ہے“ کا رد ان کے اپنے علماء ہی کے اقوال سے۔
124-123	○ اوکاڑوی صاحب کی اس بات کی تردید امام ابو حنیفہ کے اقوال سے۔
124	○ متعصب مقلدین کے رویے کے بارے میں لکھنوی کا کلام۔
124	○ عصام بن یوسف حنفی ہونے کے باوجود رافضی دین کرتے تھے۔

○	ائمہ ثلاثہ۔ ابوحنیفہ، محمد و ابو یوسف۔ کے وہ اقوال جو صحیح احادیث کے خلاف ہیں ان کے بارے میں لکھنوی صاحب کا کلام۔	125
○	امام ابوحنیفہ کے اس قول کہ ”قومہ“ میں ”زَيْنَا لَكَ الْحَمْد.....“ کہنے کے بعد اسی طرح دو سجدوں کے درمیان بھی خاموش رہے“ کا عبدالحی لکھنوی کی طرف سے رد۔	125-126
○	تھانوی صاحب کا جامد مقلدین کے طرز عمل پر اظہار افسوس۔	126
○	وہ احادیث جو امام کی وفات کے بعد مقلدین کے ہاں صحیح ثابت ہوئیں ان پر عمل کرنے کے بارے میں عبد الوہاب شعرانی شافعی کی مقلدین کو نصیحت۔	126
○	امام ابوحنیفہ کے کثرت قیاس کی وجہ عبد الوہاب شعرانی کے قلم سے۔	127
○	ائمہ کو جب حدیث ملتی تو وہ اپنی رائے و قیاس کو چھوڑ کر اس حدیث پر عمل کرتے اس کے بارے میں مولانا عبدالحی لکھنوی کا کلام۔	128
○	ادکاڑوی صاحب کو اپنی کتب کی احادیث پر جو فخر و ناز ہے ان کی حقیقت ان کے اپنوں ہی کی زبانی۔	128
○	اس سلسلے میں ملا علی قادمی اور لکھنوی کے اقوال کا ذکر۔	128-129
○	ادکاڑوی صاحب کی اس بات کا جواب کہ ”آپ لوگ جس حدیث کو صحیح کہتے ہیں کیا اسے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے صحیح کہا ہے۔“	130
○	ظفر احمد تھانوی کی کتاب ”قواعد فی علوم الحدیث“ کی حقیقت۔	130
○	احناف کے ہاں رفع تعارض کے اصول۔	131
○	ادکاڑوی صاحب کی کذب بیانی کہ ”تخریج و تعلیق صلوٰۃ الرسول ﷺ“ میں صرف حدیث کی صحت اور عدم صحت کے اعتبار سے کلام کیا گیا ہے فقہی مسائل کے بارے میں کلام نہیں کیا گیا۔	132
○	ادکاڑوی صاحب کی اس بات کا جواب کہ حدیث کی تخریج میں شوافع کے اصولوں پر اعتماد کیا گیا ہے۔	132
○	ادکاڑوی صاحب کا سفید جھوٹ۔	133

135	②۔ مفتی وصوفی بشیر احمد صاحب	❁
135	مفتی صاحب کا مبلغ علم۔	○
135	مفتی صاحب زبان درازی میں اوکاڑوی صاحب سے بھی چند قدم آگے۔	○
135	مفتی صاحب کا اردو کے محاورات سے بھی بے خبر ہونا۔	○
136	مفتی صوفی صاحب کا اہل حدیثوں کو بے عقلوں، بد عقلوں، بیوقوفوں کا مختصر گروہ کہنا اور ان کے دیگر اتہامات اور ان کا جائزہ۔	○
136، 303، 305	ان مقلدین مولویوں کی کتاب ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ کے اندر عجیب اغلاط۔	○
136	مولانا عامر عثمانی کی شرارت جس سے دارالعلوم دیوبند کی بڑی سبکی ہوئی۔	○
137	ایک سلیم فطرت اور سلیم عقل بدو کا دلچسپ واقعہ۔	○
138	بعض حنفی فقہاء کے عجیب و غریب فتاوے۔	○
138	شفاء کے لیے خون اور پیشاب سے قرآن مجید کا لکھنا۔	○
139	مولانا عبدالحی لکھنوی کا ایسا فتویٰ دینے والے مفتیوں پر رد۔	○
139	نماز میں اگر کوئی پاکدامن عورت پر تہمت لگاتا ہے تو حنفیہ کے نزدیک اس سے صرف نماز باطل ہو لیکن اگر کوئی قہقہہ لگا کر ہنستا ہے تو اس سے نماز اور وضوء دونوں باطل ہو جائیں اس کے بارے میں ایک دلچسپ واقعے کا ذکر۔	○
140	حرام جانور کو ذبح کر لینے سے اس کی جلد اور گوشت پاک ہو جاتا ہے۔	○
140	خانہ کعبہ کا اصحاب کرامت کی زیارت کے لیے جانا مگر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی زیارت سے محروم رکھنا۔	○
141	بچہ اگر آدھے سے کم نکلا تو اس وقت جو خون آئے گا وہ استحاضہ کا خون ہوگا اور عورت کے لیے اس حال میں نماز کا حکم، تھانوی صاحب کا عجیب فتویٰ۔	○
141	بعض متعصب علماء کا فتویٰ کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا اور مولانا عبدالحی لکھنوی کا ان پر رد۔	○
142	متعدد اکابر حنفی علماء کا فتویٰ کہ لڑکیوں کو لکھنا سکھانا منع ہے۔	○

142	○ حدیثِ شفاء۔ بیٹھنا۔ کا ذکر جس میں ان علماء کا رد ہے۔
142	○ ممانعت کا فتویٰ دینے والوں کا ایک موضوع روایت سے استدلال۔
143-142	○ مولانا عبدالحی لکھنوی کا تاریخی حوالوں سے بطور ثبوت ان خواتین کا ذکر جو کہ لکھنے لکھانے کا کام کرتی تھیں۔
143	○ مقلدین کے باہمی اختلاف و انتشار کا مسلمانوں کی ترقی میں حائل ہونا بلکہ بعض لوگوں کے قبولِ اسلام میں بھی حائل ہونا مثال کے طور پر جاپان کے ایک واقعہ کا ذکر۔
144	○ تقلید کی دیگر تباہ کاریاں۔
144	○ ہر مذہب کے لیے الگ الگ قاضیوں کا مقرر کیے جانا۔
145	○ بیت اللہ میں ہر مذہب والوں کے لیے الگ الگ مصلوں کا اہتمام۔
145	○ کیا میزاب کعبہ (کعبہ کے پرنا لے) کی فضیلت کے بارے میں کوئی معتبر حدیث وارد ہے؟
146	○ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے جانا۔
147	○ عالمین بالسنہ پر مقلدین کا ظلم۔
148	○ ”اختلاف امتی رَحْمَة“ بے اصل حدیث ہے۔
149	○ یہ حدیث معنوی اعتبار سے بھی قابل انکار ہے۔
149	○ چند ان دیوبندی علماء کے نام جنہوں نے مسلک اہل حدیث اختیار کیا۔
150	○ مقلدین مسلک اہل حدیث کے پھیلنے سے ایسے ہی خائف ہیں جیسے اہل مغرب اسلام کے پھیلنے سے۔
150	○ مفتی صاحب کی اس بات کا جواب کہ اہل حدیث بے عقلوں، بیوقوفوں کا ایک مختصر گروہ ہے۔
150	○ اہل حق کا قلیل تعداد میں ہونا اس پر کتاب و سنت اور اقوالِ سلف سے دلائل۔
150	○ کتاب۔
151	○ سنت۔
151	○ لفظ خدا سے گریز۔

181	○	امام ابن حزم، داؤد، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن قیم اور شوکانی کی توہین۔
182	○	ائمہ ثلاثہ: مالک شافعی و احمد کی توہین۔
185	○	صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین:
185	○	مؤذن رسول ﷺ۔ ابو محذورہ۔ رضی اللہ عنہ۔ کی ان سے دوہری اذان والی مروی حدیث کی وجہ سے توہین اور اس توہین کا امام ابن ابی العز کی طرف سے رد۔
186	○	عثمان۔ رضی اللہ عنہ۔ کی توہین۔
187	○	ان کی طرف منسوب قصے کی حقیقت کہ ”وہ منبر پر خطبہ کے لیے چڑھے تو ان پر کچکی طاری ہو گئی اور خطبہ نہیں دے سکے۔“
188	○	خادم رسول ﷺ انس رضی اللہ عنہ کی توہین کہ وہ فقیہ نہ تھے۔
188	○	زاہد کوثری کی ایک دوسرے ناچے سے ان کی توہین اور اس کا رد۔
189-191	○	مفسر قرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی توہین جس کا اس دور کے متعصب حنفی عالم زاہد کوثری نے ارتکاب کیا ہے جس میں ان کے پیشوا امام طحاوی ہیں، شیخ احمد بن محمد غماری مراکشی کا زاہد کوثری پر نہایت سخت الفاظ سے رد۔
189	○	امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک رکعت وتر پڑھنا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ان کی اس پر تائید کرنا
190	○	علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ”علیہ السلام“ یا ”کرم اللہ وجہہ“ کہنے کا حکم۔
191	○	تنبیہ: اس روایت کی حقیقت جس میں ہے کہ انھوں نے ان کے بارے میں کہا کہ اس گدھے نے یہ ایک رکعت وتر کہاں سے لی ہے۔
191	○	حافظ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی توہین۔
192	○	ان کی اس دور میں توہین کرنے والے زاہد کوثری پر شیخ غماری کا رد۔
192	○	متعدد حنفی علماء کا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ کہنا اور اس کے بارے میں ایک عبرت ناک واقعہ کا ذکر۔
193	○	اس واقعہ کے پیش نظر صوفی مفتی بشیر احمد صاحب کو نصیحت۔
193	○	رسول اللہ ﷺ کی توہین۔

193	○	توہین رسالت سے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ”الصارم المسلول علی شاتم الرسول“ کا ذکر۔
194	○	ڈنمارک وغیرہ کے لوگوں کو شاید اس توہین کا علم نہیں ورنہ وہ اس سے حجت پکڑتے۔
194	○	صرف رسول اللہ ﷺ کی توہین نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی توہین۔
194	○	قرآن کریم کی توہین۔
194	○	قرآن وحدیث میں تحریف۔
194	○	قرآن مجید میں لفظی تحریف کی چند مثالیں۔
196	○	قرآن مجید میں معنوی تحریف کی ایک مثال۔
	○	قرآن مجید میں کمی اور اضافہ۔
196	○	نقص (کمی) کی مثال کہ سورت فاتحہ کا نزول عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔
197	○	اضافے کی مثال: ایک گنگوہی ڈاکٹر صاحب کا حدیث ”من یرد اللہ بہ خیراً“ کو قرآنی آیت لکھنا اور اس کی وجہ۔
198	○	حدیث میں تحریف کی چند مثالیں۔
200	○	صحیح احادیث کو رد کرنا۔
200	○	مذہب کی خاطر رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا۔
203-201	○	مفتی بشیر احمد صاحب کے اس اتہام کا جواب کہ ”حسد اور ضد ہی کے کرشمے ہیں کہ آج تک یہ لوگ حضرت امام الاعظم رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں نہ کوئی دین کا کوئی معیاری کام کر سکے ہیں اور نہ ہی کوئی مستند کتاب شرعی مسائل کی متفقہ ان سے ظہور میں آئی ہے یہ خدا کی طرف سے ان لوگوں کے لیے کھلا چیلنج ہے“ اور اس جواب میں ”مجلس تدوین فقہ“ کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے۔
203	○	کیا کتب فقہ مستند کتب ہیں؟ ان کی حقیقت کا بیان علماء حنفیہ ہی کے اقوال سے۔
204	○	حنفی اصول فقہ کتب کی حقیقت۔
204	○	”فقہ اکبر“ کے تصنیف امام ہونے کے بارے میں حنفی علماء کا اختلاف۔
205	○	اس کے تصنیف امام ہونے کا انکار کرنے والوں کی وجہ انکار۔

205	○	حنفیہ کی دو قسمیں: حنفیہ کاملہ، حنفیہ ناقصہ
205	○	فقہ اکبران کے ہاں اگر واقعہ امام صاحب کی تصنیف ہو تب بھی ان کے لیے مفید ثابت نہ ہوگی اور اس کی وجہ۔
206	○	اہل حدیث کے پاس مسائل کی مستند کتب کا ذکر۔
207	○	کیا امام صاحب متفق علیہ تابعی ہیں؟
207	○	صوفی مفتی بشیر صاحب کا دعویٰ اور اس کا رد۔
207	○	مفتی صاحب کی علمی قابلیت کا حال۔
208	○	مفتی صاحب نے جس روایت کی بناء پر امام صاحب کے علم کو پختہ ثابت کیا ہے اس کا حال۔
209	○	امام صاحب کے تابعی ہونے میں اختلاف اور رائج قول کا ذکر۔
211	✿	دوسری فصل:!! مقلدین کے ان اعتراضات کے بارے میں جو انھوں نے ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ پر کیے ہیں۔
211	○	انسان جس قدر بھی کوشش کرے وہ غلطی اور لغزش سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کے بارے میں بعض ائمہ اور علماء کے اقوال کا ذکر جن میں حنفی علماء بھی ہیں۔
211	○	”أبی اللہ إلا أن یصحّ کتابہ“ کیا یہ حدیث ہے؟
214-213	○	چند دیوبندی مولویوں کے رویے پر اظہار افسوس۔
214	○	کتاب ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کے وہ عیوب جن کی بناء پر ان لوگوں نے اس پر کچڑا اچھالنے کی کوشش کی ہے۔
214	○	اس قسم کے عیوب یا ادہام کب قابل اعتراض ہوتے ہیں؟
215	○	انہی عیوب کا ان کی معتبر کتب میں پائے جانا اور ان کی تفصیل۔
	✿	①۔ موصول روایت کو مرسل اور مرسل کو موصول ذکر کرنا:
215	☼	②۔ موصول کو مرسل:
215	○	صاحب ”ہدایہ“ کا مالک بن حویرث۔ رحمہ اللہ کی موصول روایت کو مرسل ذکر کرنا۔

215	اس حدیث کے بارے میں صاحب ”ہدایہ“ کے دو وہم۔	○
216	حافظ زیلعی کی طرف سے صاحب ”ہدایہ“ کا سخت الفاظ سے تعاقب۔	○
216	امام ابن ہمام کا بھی اس پر ان کا تعاقب۔	○
218-216	اسی حدیث سے متعلق حافظ زیلعی کے بھی دو وہم اور ان کی تفصیل۔	○
219	اسی طرح اس سے متعلق امام ابن ہمام کا بھی وہم۔	○
220-219	خلاصہ کلام: مذکورین ائمہ کے ادہام کا خلاصہ۔	○
220	ب۔ مرسل روایت کو موصول بیان کرنا۔	⊗
220	امام ابن ہمام کا مرسل روایت کو موصول ذکر کرنا۔	○
221	صاحب ”ہدایہ“ مرغینانی کا بھی اسی قسم کا ایک وہم۔	○
222	مرغینانی کا ابو ہریرہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کی ایک حدیث کو ابو ذر <small>رضی اللہ عنہ</small> کے حوالے سے ذکر کرنا۔	○
223	نصب الراية میں لفظ ”غریب“ سے حافظ زیلعی کی مراد۔	○
100,98	اس لفظ سے امام ترمذی وغیرہ کی مراد	○
224	②۔ احادیث کی نسبت کرنے میں ادہام:	⊗
224	ابن ترکمانی کے ادہام۔	○
227	حافظ زیلعی کے ادہام۔	○
228	مولوی عبدالعزیز جشی ”نصب الراية“ کی ایک حدیث کی تخریج پر مؤلف کے مواخذات۔	○
228	زیلعی کے ادہام کی تیسری مثال میں ان کے وہم کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کا دفاع بھی۔	○
229	امام ابن ہمام کے ادہام۔	○
231	امام ابن ابی العز کے ادہام۔	○
233	مولونا عبدالحی لکھنوی کے ادہام۔	○
234	③۔ دو مختلف حدیثوں کو ایک اور ایک حدیث کو دو مختلف حدیثیں ظاہر کرنا:	⊗
234	صاحب ”ہدایہ“ سے اس فعل کا سرزد ہونا اور اس کی تین مثالیں۔	○

238	❁	❁ - حدیث کے ترجمے اور اختصار میں تسامیل:
389، 238	○	امام طحاوی کا احادیث کے ساتھ رویہ۔
239	○	حدیث اُمّ قیسؓ میں ”الطلاق“ سے مراد کچھ اور ہے مگر امام طحاوی اس سے کچھ اور سمجھ بیٹھے۔
240	○	قدروی کی حج کے ایک مسئلے کو بیان کرتے ہوئے غلطی۔
241	○	حافظ زیلعی کو صاحب ”ہدایہ“ کی ایک عبارت سمجھنے میں غلط فہمی۔
242	○	اسی طرح ان کا ایک موقوف حدیث کو مرفوع حدیث سمجھ بیٹھنا۔
242	○	امام ابن ہمام کا ایک عجیب وہم۔
242	○	کیا سعی کے بعد بھی طواف کی طرح دو رکعت پڑھنا ہے ابن ہمام کی زبردست غلط فہمی اور اس پر تنبیہ۔
244	○	تنبیہ: طبرانی کے مطبوع شدہ نسخے میں ایک حدیث میں کتابت کی غلطی پر تنبیہ۔
244	○	حج سے متعلق ایک مسئلے کے بارے میں کاندھلوی وغیرہ کا ایک زبردست وہم۔
245	❁	❁ - تابعی کا نام ذکر کر کے صحابی۔ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> ہونے کا مغالطہ دینا اس اعتراض کا جواب:
245	❁	❁ - بعض احادیث کی تخریج میں کوتاہی:
246	○	شیخ حافظ زیلعی علامہ ابن ترکمانی کی کوتاہی کی چند مثالیں:
248-247	○	امام ابن ہمام کا حافظ زیلعی پر تعاقب اور مؤلف کی ان کے اس تعاقب پر تائید۔
248	○	تخریج میں حافظ زیلعی کی تفصیر (کوتاہی) کی چند مثالیں۔
277، 249	○	جو توں پر مسح کرنے والی احادیث کی توجیہات۔
251	○	”نصب الراية“ میں حدیث ”أسر عوا بالجنابة“ کی تخریج میں تعدیل کے باوجود محشی کی تخریج کے اندر تفصیر باقی رہی۔
252	○	امام ابن ہمام کی تخریج میں تفصیر کی بعض مثالیں۔
252	○	مولانا عبدالحی لکھنوی سے ایک حدیث کی تخریج میں تفصیر۔
253	○	اس حدیث میں صاحب ”مشکاة“ کی تفصیر کا بھی ذکر اور ساتھ ہی اس کی وجہ کا بیان بھی۔

253	○	رزین کی کتاب کی حقیقت۔
253	○	اس اعتراض کا جواب کہ ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ میں بعض احادیث کے ضعف کو بیان نہیں کیا گیا۔
399، 256	○	مولانا زکریا کاندھلوی صاحب کا ایک بے اصل حدیث کو دوستوں کے مشورے کے باوجود حذف نہ کرنا۔
258	○	ہدایہ کی بے اصل احادیث، مثال کے طور پر سات احادیث کا ذکر اور ان کے بے اصل ہونے کی صراحت بڑے بڑے حنفی علماء ہی کے اقوال سے۔
263	○	ہدایہ میں ادہام۔
263	○	ادہام ”ہدایہ“ کے بارے میں عبدالقادر قرشی حنفی کی مستقل کتاب ”ادہام الہدایہ“ کے نام سے۔
264	○	ہدایہ کی شروح میں ادہام۔
265	○	حاجی غلیفہ حنفی کی ”کشف الظنون“ میں ادہام۔
265	○	”فتح القدیر شرح الہدایہ“ کے اندر بے اصل احادیث۔
266	○	”بدائع الصنائع“ میں بے اصل احادیث میں سے ایک اس حدیث کی مثال جس کو اپنے مذہب کی تائید کے لیے وضع کیا گیا ہے۔
267	○	”تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق“ میں اسی قسم کی ایک مثال کا ذکر۔
268	○	”مرقاۃ المفاتیح“ لملا علی القاری میں ایک بے اصل حدیث کی مثال۔
269	○	”در مختار“ میں من گھڑت احادیث کی ایک مثال۔
269	○	”فتاویٰ قاضی خاں“ سے ایک بے اصل حدیث کی مثال۔
270	○	حنفی اصول فقہ کی کتب میں من گھڑت روایات۔
270	○	ایک من گھڑت حدیث کو ”التوضیح والتلویح“ اور ”فصول الحواشی“ میں بخاری کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔
271	○	ہدایہ کا حنفی علماء کے ہاں مقام۔
273	○	صوفی مفتی بشیر احمد کو ان کی اس بات کا جواب کہ ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ اپنے ادہام کی بناء پر درگور کر دینے کے لائق ہے۔

تیسری فصل:.....!!

مرتب کتاب ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ مولوی محمد یوسف مقلد کی خیانتوں کے بیان میں 275

275	○	پہلی قسم: ان خیانتوں کے بارے میں جن کا تعلق تخریج و تعلیق کے پہلے ایڈیشن سے ہے۔
275	○	دوسری قسم: جن کا تعلق دوسرے ایڈیشن سے ہے۔
276	○	پہلی قسم کی پہلی خیانت۔
276	○	دوسری خیانت۔
277	○	تیسری خیانت۔
277 ایضاً 249	○	جوتوں پر مسح کے بارے میں علماء کی توجیہات۔
278	○	محمد یوسف مقلد کی چوتھی خیانت جو کہ بہت ہی بڑی خیانت ہے۔
279	○	انہی کی تقلید میں اس خیانت کا ارتکاب مولوی محمد ابوبکر غازی پوری مقلد نے بھی کیا ہے۔
280	○	سینے پر ہاتھ باندھنے کے بارے میں مولانا محمد حیات سندھی کا کلام۔
280	○	محمد یوسف مقلد کی پانچویں خیانت۔
281	○	محمد یوسف مقلد کی چھٹی خیانت۔
282	○	محمد یوسف مقلد کی ساتویں خیانت۔
283	○	محمد یوسف مقلد کی آٹھویں خیانت۔
284	○	محمد یوسف مقلد کی نائویں خیانت۔
285	○	محمد یوسف مقلد کی دسویں خیانت۔
285-286	○	یہاں مقلد موصوف کی دو خیانتیں ہیں جن میں سے ایک کا تعلق حدیث کے اندر تحریف سے ہے۔
287	○	محمد یوسف مقلد کی گیارہویں خیانت۔
288	○	یہ خیانت بھی مقلد موصوف کی بہت بڑی خیانت ہے جس سے مقصد اپنے مذہب کی خدمت ہے۔
288	○	نماز استسقاء کی مشروعیت سے متعلق اور اس کا انکار کرنے والوں کے رد میں۔ خصوصاً صاحب ہدایہ کے رد میں مولانا عبدالحی لکھنوی کا کلام۔

289	○ طلبِ بارش کی مختلف صورتیں۔
289	○ محمد یوسف مقلد کی بارہویں خیانت۔
291	○ ”غیر مقلد بنام غیر مقلد“ کتاب ترتیب دینے والے مقلد محمد یوسف اور اس پر مقدمہ لکھنے والے مقلد بشیر صاحب کو ”ہدایہ“ کے حوالے سے ایک کتاب ترتیب دینے کا مشورہ۔
293-292	○ مقلد محمد یوسف کی مسائل کے حوالے سے بعض خیانتوں کا ذکر اور وہ تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں خیانت ہے۔
294	○ دوسری قسم: وہ خیانتیں جن کا تعلق دوسرے ایڈیشن سے ہے اور اس قسم کی خیانتوں کی وضاحت۔
295	○ محمد یوسف مقلد کی سولہویں خیانت۔
296	○ محمد یوسف مقلد کی سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں خیانت۔
297	○ محمد یوسف مقلد کی بیسویں اور اکیسویں خیانت۔
298	○ محمد یوسف مقلد کی بائیسویں اور تیسویں خیانت۔
298	○ تنبیہ: ”تخریج صلوٰۃ الرسول ﷺ“ کے دوسرے ایڈیشن میں ایک حدیث کے حکم کے بارے میں کتابت کی غلطی پر تنبیہ۔
305-298	○ محمد یوسف مقلد کی دھوکے بازیاں، دھوکے بازیوں کے ساتھ ساتھ ان کی غفلت کی مثالیں بھی۔
305, 303 136	○ مقلد موصوف کی چھوٹی سی کتاب میں عجیب قسم کی اغلاط اور ہیر پھیر ہے اور باتیں دوسروں کو۔
305	○ تخریج سے ایک اہم بات کا حذف۔
305	○ مؤلف۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔ (سیالکوٹی) پر بے جا اعتراض۔
306	○ بددیانت خود اور الزام مؤلف سیالکوٹی۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔ پر۔
306	○ محمد یوسف مقلد کی تنگ نظری۔
310-307	○ محمد یوسف مقلد کی کذب بیانی، موصوف کا کلام اور اس پر مؤلف کا تبصرہ یا مواخذات۔
310	○ مقلد موصوف کے ہاں ایک رائے کے بعد دوسری رائے کو اختیار کرنا تحقیق سے انحراف ہے، ان کی اس بات کا جواب ان کے اپنے ائمہ ہی کے عمل اور اقوال سے۔

312-310	○ امام ابوحنیفہ۔ رحمہ اللہ۔ کا اپنی تحقیق سے انحراف اور اس کی دو مثالیں۔
312	○ امام ابوحنیفہ، ابویوسف اور امام زفر۔ رحمہم اللہ کے اقوال جن میں ان کا اپنی تحقیق سے منحرف ہونے کا ذکر ہے۔
313	○ ائمہ کے تحقیق سے منحرف ہو جانے کے بارے میں ابن عابدین اور بہاء الدین خنی کے اقوال۔
313	○ محمد یوسف مقلد کا ایک اور جھوٹ اور خیانت۔
314	○ عمیدین کی زوائد تکبیروں کا حکم۔
314	○ کیا ان تکبیروں کے درمیان کوئی ذکر مسنون ہے؟
315	○ محمد یوسف مقلد سے آخری بات۔
	○ چوتھی فصل:.....!!
317	○ مولوی محمد غازی پوری کی بعض خیانتوں اور باتوں کے بارے میں۔
317	○ ا۔ غازی پوری کی خیانتیں۔
319	○ ب۔ غازی پوری صاحب کی بعض باتوں کا جائزہ۔
320-319	○ غازی پوری صاحب کی اس بات کا جواب کہ ”عبدالرؤف صاحب نے صادق صاحب کی صرف جہالت اور حماقت کو واضح کیا ہے.....“۔
320	○ غازی پوری صاحب کی اس بات کا جواب کہ ”غیر مقلدین جس طرح احادیث رسول کے ترجمہ و مطلب بیان کرنے کے بارے میں بد احتیاط ہیں، اسی طرح قرآن کی آیات کے ترجمہ و مطلب بیان کرنے کے بارے میں ان سے احتیاط کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔“
320	○ غازی پوری صاحب کی ”قرآن مجید“ کے بارے میں اپنی بد احتیاطی، اسی طرح صاحب ”ہدایہ“ کی بھی بد احتیاطی کا ذکر۔
321	○ ملا جیون کی حدیث کے بارے میں بد احتیاطی اور ایک دوسرے خفی عالم کی قرآن مجید کی ایک آیت کی معنوی تحریف۔
322	○ غازی پوری صاحب کے اس اتہام کا جواب کہ ”صادق صاحب نے حدیث ”ترکت فیکم.....“ میں لفظ ”سنت“ کا ترجمہ ”حدیث“ کر کے خیانت کی ہے۔

322	غازی پوری صاحب کو ان کے اس اتہام کا پہلے الزامی جواب اور اس کے بعد ان کے اپنے علماء اصول کے اقوال سے جواب کہ صادق صاحب کا ترجمہ بالکل درست ہے۔	○
323	حنفی اصولیوں کے ہاں سنت کی تعریف۔	○
324	محدثین کے ہاں سنت کی تعریف۔	○
324	غازی پوری صاحب نے ”سنت“ کی جو تعریف ذکر کی ہے وہ فقہاء کے ہاں ہے اور وہ بھی صحیح تعریف ذکر نہیں کی ہے۔	○
324	فقہاء کے ہاں سنت کی تعریف۔	○
325	غازی پوری صاحب کے اس کلام: ”اسی طرح احادیث کی کتابوں میں ہے کہ بعض صحابہ کرام کو آپ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے دیکھا کرتے اور اس پر نکیر نہیں کی.....“ میں جو خیانت اور جہالتیں ہیں، ان کا بیان۔	○
327	نماز مغرب سے قبل اور اذان کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حدیثِ قولی، فعلی اور تقریری سے ثبوت۔	○
328	غازی پوری صاحب کے سیالکوٹی۔ ڈاکٹر۔ پر بعض دیگر اعتراضات کے جوابات۔	○
329	حدیث ”کل أمتي يدخلون الجنة إلا من يأبى“ کو لفظ ”أبى“ سے ذکر کرنے پر غازی پوری صاحب کا سیالکوٹی پر اعتراض اور اس کا جواب۔	○
329	سیالکوٹی۔ ڈاکٹر۔ کے حدیث ”من أحب سستی“ کے ترجمہ پر اعتراض اور اس کا جواب۔	○
330	رسول اللہ ﷺ سے محبت کا تقاضا آپ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اتباع ہے، اس کے بارے میں ازہری، ابن کثیر اور عینی کے اقوال کا ذکر۔	○
331	بعض اوقات محض نیت کی وجہ سے عمل کا ثواب ملتا ہے مگر کب؟	○
332	لفظ ”عشق“ کا قرآن اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں ذکر ہونا اور اس کا خصال مذمومہ میں سے ہونا اور اس کے بارے میں علماء کے اقوال کا ذکر۔	○
334	غازی پوری صاحب کے اس الزام کا جواب کہ ”مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا بدعت ہے.....“ نیز حدیث ”فعلیکم بسستی، و سنة الخلفاء الراشدين“ میں خلفائے راشدین کی سنت سے مراد کیا ہے اس کی شارحین حدیث اور علماء کے اقوال کی روشنی میں وضاحت۔	○

337	انصاری حنفی شارح ”مسلم الثبوت“ کا قول کہ صحابہ کا اعتقاد یہ تھا کہ خلفائے راشدین کا قول حجت نہیں۔	○
338	میں تراویح خلفائے راشدین اور نہ ہی دیگر صحابہ میں سے کسی سے ثابت ہیں۔	○
339	خلفائے راشدین کا پیش آمدہ مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرنا اور اپنی رائے کو ترک کر دینا۔	○
340	اختلاف کے وقت صحابہ کا خلفاء کی سنت کی بجائے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دینا اور اس پر بعض دلائل کا ذکر۔	○
341	مولانا صادق رحمۃ اللہ علیہ۔ پر غازی پوری کا بے جا اعتراض اور اس کا جواب۔	○
342	کیا مولانا صادق صاحب نے مسواک کرنے کو واجب کہا ہے؟ غازی پوری صاحب کی غلط فہمی اور اس کا رد۔	○
343	غازی پوری صاحب کے لیے دو چیزوں میں سے ایک کا اعتراف ضروری ہے۔	○
343	مسواک کے محل کے بارے میں غازی پوری صاحب کا سیالکوٹی صاحب پر بے جا اعتراض اور اس کا جواب۔	○
343	غازی پوری صاحب کا یہ اعتراض اگر قابل التفات ہے تو پھر اسی قسم کا اعتراض امام محمد پر بھی وارد ہوتا ہے۔	○
343	امام محمد کی ”کتاب الآثار“ کے نسخے میں ایک غلطی پر تنبیہ۔	○
345، 244 354	غازی پوری صاحب کے اس اعتراض کا جواب کہ ”صادق صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں کہ ان کے علماء نے (مسواک کے حکم کے بارے میں) کیا لکھا ہے۔“	○
344	مقلد غازی پوری کے اس اعتراض کا جواب کہ ”مولانا صادق صاحب اور ان کے علماء غیر مقلدین پہلے یہ طے کریں کہ مسواک کرنی واجب ہے.....“	○
345	مسواک کے حکم کے بارے میں فقہاء حنفیہ کے اختلاف کا ذکر۔	○
348	مسواک کے حکم کے بارے میں فقہاء حنفیہ کے چار اقوال۔	○
349	اس مسئلے کے بارے میں بھی فقہاء حنفیہ کا اختلاف ہے کہ مسواک ”سنت دین“، ”سنت وضوء“ یا کہ ”سنت نماز“ میں سے ہے۔	○

349	غازی پوری صاحب کی اپنے مذہب کے بارے میں معلومات کا حال۔	○
	طہارت اور وضوء سے متعلق چند مسائل کا ذکر جن میں علماء حنفیہ کا اختلاف ہے۔	○
349	پہلا مسئلہ:..... وضوء سے پہلے تسمیہ ”بسم اللہ“ کہنے کا حکم۔	✽
349	اس کے بارے میں علماء حنفیہ کے اقوال کا ذکر۔	○
351	کیا حدیث ”لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه“ ضعیف ہے؟	○
352	اس مسئلے میں ان کے تین اقوال جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ تسمیہ واجب ہے۔	○
352	تسمیہ کے محل میں بھی فقہاء حنفیہ کا اختلاف کہ اسے استنجاء سے پہلے یا کہ استنجاء کے بعد پڑھا جائے اور اس کے بارے میں بھی ان کے تین اقوال ہیں۔	○
353	دوسرا مسئلہ:..... وضوء کے لیے نیت، اس میں ترتیب اور پورے سر کے مسح کا حکم اور اس مسئلے کے بارے میں ان کے دو قول ہیں جن میں سے ایک قول قدوری کا ہے اور امام ابن ہمام کا بڑے سخت الفاظ سے اس قول کا رد۔	✽
354	تیسرا مسئلہ:..... وضوء میں واڑھی کے خلال کا حکم۔	✽
355	اس مسئلے کے بارے میں ان کا تین اقوال پر اختلاف۔	○
355	چوتھا مسئلہ:..... وضوء میں کہنیاں اور ایڑیاں دھونے کا حکم۔	✽
356	اس مسئلے میں ان کے دو قول ہیں۔	○
356	پانچواں مسئلہ:..... بیوی سے شہوت کے ساتھ مباشرت کرنا (جسم سے جسم ملانا)۔ اس مسئلے میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد کے مابین اختلاف کا ذکر۔	✽
	چھٹا مسئلہ:..... اور بڑا دلچسپ مسئلہ۔	✽
357-356	یہ مسئلہ حنفیہ کے ہاں ”مسألة البئر جحط“ کے نام سے مشہور ہے اس مسئلے میں تینوں ائمہ۔ ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد۔ مختلف ہیں اس مسئلے کو پڑھیے اور ملاحظہ ہوئے۔	○
358	امام محمد کی اپنے مابین اختلاف کی صراحت۔	○
358	امام ابو یوسف و محمد کا امام ابو حنیفہ سے ان کے دو تہائی مذہب میں اختلاف۔	○

359	○ فقہاء حنفیہ کا اس بات میں بھی اختلاف کہ ائمہ کے باہمی اختلاف کی صورت میں فتویٰ کس کے قول پر دیا جائے گا۔
360	○ غازی پوری صاحب کی اس بات کا جواب کہ ”افسوس ضعیف حدیث سے وضوء میں ”بسم اللہ“ پڑھنے کو واجب بتلایا جا رہا ہے۔“
360	○ ان کی اس بات کا جواب کہ ”ان غیر مقلدین کا عجیب حال ہے جب انکار پر آئیں تو صحیح سے صحیح تر حدیث کو رد کر دیں.....“۔
362	○ مولانا صادق سیالکوٹی۔ رحمہ اللہ نے نماز اوقات سے متعلق حدیث عبد اللہ بن عمرو کے جملے ”وقت الظہر إذا زالت الشمس ہو کان ظل الرجل كطوله“ کا جو ترجمہ کیا ہے اس کی وجہ سے غازی پوری کا مولانا کے بارے میں انتہائی نازیبا الفاظ کا استعمال، مولانا کے ترجمے کا دفاع اور غازی پوری کے بیان کردہ ترجمے و مطلب کا احادیث اور اجماع امت کے خلاف ہونے کا بیان۔
364	○ نماز ظہر کے اوّل وقت کے بارے میں دوسری احادیث کا ذکر۔
365	○ اس کے بارے میں اجماع امت کا ذکر اور اس اجماع کا ذکر طحاوی، لکھنوی اور سہارنپوری کے حوالے سے۔
	○ غازی پوری صاحب کے ترجمے اور بیان کردہ مطلب کے مطابق نماز ظہر کے وقت کی ابتداء کے لیے دو شرطوں کا پائے جانا، اور دوسری شرط کے بارے میں بیان کہ یہ ظہر کے وقت کی انتہاء اور عصر کے وقت کی ابتداء کے لیے علامت ہے نہ کہ ظہر کے وقت کی ابتداء کے لیے شرط۔
367	○ اس کے بارے میں شارحین حدیث اور ائمہ حنفیہ وغیرہ کے اقوال کا ذکر۔
368	○ امام صاحب سے ایک روایت کے مطابق ظہر کا آخری وقت ہر چیز کے سایہ کا اس کے دو گنا ہو جانے تک ہے اس کے بارے میں ان کے اصحاب کی مخالفت کا ذکر اور امام شافعی کی طرف اس قول کی نسبت اور اس کی حقیقت۔
371	○ غازی پوری صاحب کا حنفی مذہب پر افتراء۔
372	○ موصوف کی اس بات کا جواب کہ ”صادق صاحب اس مسئلہ کو زبان سے نیت نہ کرنے والے مسئلہ کو ایسا بیان کر رہے ہیں جیسے زبان سے نیت نہ کرنے پر ان کے پاس کوئی صریح دلیل ہے۔“

376-372	زبان سے نیت کرنے کا ثبوت احمد اربعہ سے بھی نہیں ملتا، اس کے بارے میں ابن نجیم کے قول کا ذکر۔	○
374	بعض حنفی مشائخ کے نزدیک زبان سے نیت کرنا مکروہ ہے اور ابن ابی العز حنفی کا ان کی تائید کرنا۔	○
375	دعاء ”إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلدِّينِ فَطَرَ السَّمَوَاتِ.....“ کے پڑھنے کا صحیح مقام اور محل، اور اس پر ابن ابی العز کا مواخذہ۔	○
377	حنفی علماء کے ہاں بدعت کی تعریف۔	○
378	کیا بدعت کی اقسام: بدعت حسنہ، بدعت مکروہہ وغیرہ پر کوئی شرعی دلیل ہے؟ اس ضمن میں ذکر کیے جانے والے بعض دلائل کا جواب۔	○
378	غازی پوری صاحب کے اس اعتراض کا جواب کہ ”صلّوا“ کے مخاطب مرد ہیں تو پھر اس مردوں والے خطاب میں عورتوں کو شامل کرنا کہاں سے جائز ہے۔	○
379	مثال کے طور پر متعدد قرآنی آیات کا ذکر جن میں صیغے تو مذکر کے ہیں مگر عورتیں بھی ان کے خطاب میں داخل ہیں۔	○
379	علامہ ابن حزم کا اس پر مسلمانوں کا اتفاق نقل کرنا۔	○
380	غازی پوری صاحب کا اپنے مذہب کی فروع سے نابلد ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کے اصول سے بھی نا آشنا ہونا۔	○
380	﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا﴾ اور اس قسم کے دیگر صیغوں میں علماء حنفیہ کے نزدیک عورتیں بھی شامل ہیں۔ اس ضمن میں امام ابن ہمام، امیر بادشاہ اور سرخسی کے اقوال کا ذکر۔	○
380	تنبیہ: بعض متقدمین اور بعض معاصرین اصولیوں کو اس مسئلے میں حنفیہ کا مذہب نقل کرنے میں جو وہم ہوا ہے اس پر تنبیہ۔	○
381	مولانا صادق رحمۃ اللہ کے ”اقرأ بها في نفسك“ کے ترجمے ”پڑھ تو اس کو آہستہ“ پر غازی پوری کا اعتراض کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور صحیح ترجمہ ”اپنے جی میں پڑھ لیا کرو“ ہے ان کے اس اعتراض کا جواب کہ مولانا صاحب کا جو ترجمہ ہے آپ کے اور دیگر علماء کا بھی اس کا یہی ترجمہ ہے اور یہی صحیح ترجمہ ہے۔	○
383	غازی پوری صاحب کا نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کے پڑھنے سے متعلق علامہ ابن قیم کا کلام نقل کرتے ہوئے دھوکہ دینا اور خیانت بھی کرنا۔	○

مؤلف کی دیگر تالیفات و تحقیقات

۱۔ عربی کتب:

- ۱۔ فہرس الأحادیث والآثار الواردة في كتاب "المجروحین" للحافظ ابن حبان۔ مطبوع بمكة المكرمة۔
- ۲۔ صفة التسمية عند الأكل والشرب و غیرهما من الأمور۔ مطبوع بدار الفتح بالشارقة بدولة الإمارات العربية المتحدة۔
- ۳۔ أحسن المقال في تخريج حديث "كل أمر ذي بال"۔ مطبوع بمكتبة الفرقان بعجمان بالإمارات۔
- ۴۔ سواطع القمرین في تخريج حديث "تركت فيكم أمرین"۔
- ۵۔ أبو شحمة و حقيقة القصة المنسوبة إليه۔
- ۶۔ بلال مؤذن الرسول ﷺ و سماع النبي۔ صلى الله عليه وسلم۔ لخشف نعليه في الجنة هل وقع في المنام أم حصل ليلة المعراج؟
- ۷۔ رفع الالتباس عما اشتهر على ألسنة الناس۔
- ۸۔ مصباح الزجاجة في تخريج و شرح خطبة الحاجة (مسودة)۔
- ۹۔ فضل الصلاة في المساجد الثلاثة (مسودة)۔
- ۱۰۔ جماع العلم للإمام الشافعي۔ تخريج و تعليق۔ مطبوع بدار الفتح۔
- ۱۱۔ القواعد النورانية الفقهية لشيخ الاسلام ابن تيمية۔ تخريج و تعليق۔ مطبوع بدار الفتح بالشارقة۔
- ۱۲۔ روضة الناظر لابن قدامة۔ تخريج و شرح۔ مطبوع بمكتبة الفرقان بعجمان۔
- ۱۳۔ تفسير ابن كثير مراجعة التخريج۔ مطبوع بدار الفتح۔^①

① یہ کتاب شیخ محمد بن راشد آل مکتوم۔ جو آج کل حاکم دینی اور وزیر اعظم متحدہ عرب امارات ہیں۔ کے خرچ پر خرچ کے ساتھ دارالفتح سے ۱۹۹۹ء میں طبع ہوئی اس پر خرچ کا کام دارالفتح کی "مجلس التحقیق العلمی" نے کیا۔ اور اس خرچ کی نظر ثانی کی ذمہ داری شروع سے لے کر آخر تک ادارہ دارالفتح کی طرف سے مجھے سونپی گئی۔

- ۱۴۔ الرسالة للإمام الشافعي۔ تخریج و شرح۔ تحت الطبع بدار الفتح۔
- ۱۵۔ الطرق الحکمیة لابن القیم، تخریج و تعلیق۔
- ۱۶۔ منهاج المسلم لأبي بكر الجزائري۔ تخریج و تعلیق۔
- ۱۷۔ إعلام أهل العصر بأحكام ركعتي الفجر للعظيم آبادي، تعلیق و مراجعة التخریج۔

ب۔ اردو کتب:

- ۱۸۔ مسنون نماز۔ طبع دارالاشاعت اُشرفیہ۔
- ۱۹۔ مختصر مسنون نماز۔ طبع دارالاشاعت اُشرفیہ۔
- ۲۰۔ مسنون تسمیہ۔ طبع دارالاشاعت اُشرفیہ۔
- ۲۱۔ مقالات عبدالرؤف۔ طبع دارالاشاعت اُشرفیہ۔
- ۲۲۔ فلاح دارین تألیف حکیم محمد اُشرف سندھو۔ تخریج و تعلیق۔ طبع دارالاشاعت اُشرفیہ۔
- ۲۳۔ فرقہ ناجیہ تألیف حکیم محمد اُشرف سندھو۔ تخریج و تعلیق۔ طبع دارالاشاعت اُشرفیہ۔
- ۲۴۔ ”القول المقبول“ فی التخریج والتعلیق علی ”صلوة الرسول ﷺ“۔ طبع دارالاشاعت اُشرفیہ۔
- ۲۵۔ دین اسلام کی تکمیل۔ تألیف حکیم محمد اُشرف سندھو۔ تخریج و تعلیق۔ (غیر مطبوع)
- ۲۶۔ رکعات قیام رمضان تألیف حکیم محمد اُشرف سندھو۔ تخریج و تعلیق۔ (غیر مطبوع)
- ۲۷۔ متیاس حقیقت تألیف حکیم محمد اُشرف سندھو۔ تخریج و تعلیق۔ (غیر مطبوع)
- ۲۸۔ سوئے نرم۔ تألیف محمد منیر قمر سیالکوٹی۔ تخریج و تعلیق۔ طبع مکتبہ ریحان چیمہ سیالکوٹ۔
- ۲۹۔ نقوش صحابہ۔ تألیف عبدالحکیم فیضی۔ تخریج و تعلیق۔ غیر مطبوع۔